

تصوف

مجموعہ

رسائل امام غزالیؒ

از: حجۃ الاسلام امام محمد غزالی

بادشاہ بننا چاہتے ہو یا ولی

- ایٹھا الولد
- شرح اسماء الحسنى
- تربیت اولاد کے زریں اصول
- مشکوٰۃ الانوار
- حقیقت السماع
- آداب الاخلاق
- القسطاس المستقیم

دارالاجتہاد

پبلسر ہائے اسلامیات، جامعہ اسلامیہ، لاہور

تصوف

مجموعہ

رسائل امام غزالیؒ

از: حجة الاسلام امام محمد غزالیؒ

جلد اول

بادشاہ بننا چاہتے ہو یا ولی

ایمبا الولد تربیت اولاد کے زریں اصول

شرح اسماء الحسنی مشکوٰۃ الانوار

حقیقت السماع آداب الاخلاق

القسطاس المستقیم

اردو بازار ایم اے بچل روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 532 صفحات

﴿..... ملنے کے پتے﴾

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ بی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ - مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیات پور بازار - فیصل آباد
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا - ایبٹ آباد
مکتبہ المعارف محلہ جنگلی - پشاور

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 ویب روڈ لسبیلہ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارۃ اسلامیات ۱۹۰ - انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نا بھ روڈ لاہور

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW



فہرست مضامین

مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

جلد اول مشتمل برہشت حصص

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۱	نواں مقالہ	۱۵	آغاز کتاب
	(نان پز اور باورچی اور قصاب کی		پہلا مقالہ
	ترتیب کے بیان میں)	۱۹	دوسرا مقالہ طرز زندگی کے بیان
۳۳	دسواں مقالہ		میں
۳۵	گیارہواں مقالہ	۲۰	تیسرا مقالہ:
۳۶	بارہواں مقالہ	۲۲	چوتھا مقالہ
	آداب سفر کے بیان میں		(ترتیب خلافت کے بیان میں)
۳۸	تیرہواں مقالہ	۲۳	پانچواں مقالہ
	(قسم کے متعلق حیلوں کے بیان		(امور سلطنت کی ترتیب و تدبیر میں)
	میں)	۲۵	چھٹا مقالہ
۵۴	کتاب سر العالمین کا دوسرا حصہ		(ترتیب حکام کے بیان میں)
۵۶	چودھواں مقابلہ	۲۷	ساتواں مقالہ
	(چند نصاب میں)		(حاشیہ دولت کی ترتیب میں)
۵۸	پندرہواں مقالہ	۳۰	آٹھواں مقالہ
	دلیل مستدل کے قطع کرنے میں		(چوبداروں اور وزیروں اور
۵۹	سولہواں مقالہ		منشیوں کی ترتیب میں)

۹۷	نبوت اور سعادات کے بیان میں		طہارت اور اس کے آداب
۱۰۰	ستائیسواں مقالہ		واسباب کے بیان میں
	اذکار کے بیان میں	۶۱	سترہواں مقالہ
۱۰۲	اٹھائیسواں مقالہ (۲۸)	۶۵	کتاب الصلوٰۃ
۱۰۳	جہاد نفس اور اس کی تدبیر کے بیان میں	۶۹	پہلا مقالہ
۱۰۸	انیسواں مقالہ (۲۹)		اٹھارہواں مقالہ
۱۱۰	فصل	۷۲	خواص کے بیان اور تحقیق میں
	(شوق اور مکاشفہ کے بیان میں)	۷۳	زعفران بنانے کی ترکیب
۱۱۲	فصل	۷۵	مشک بنانے کی ترکیب
	(وعظ اور نصیحت کے بیان میں)		بیسواں مقالہ
۱۱۳	تیسواں مقالہ		علم عزائم و تسخیر کواکب کے بیان میں
	(علم و عمل کے بیان میں)	۷۸	اکیسواں مقالہ
۱۱۶	فصل		گفتگو کے بیان میں
	(عجائب اسفار کے بیان میں)	۸۲	بائیسواں مقالہ
۱۲۰	فصل		(وجود عالم کے بیان میں)
	(بلند ہمتی کے بیان میں)	۸۵	تیسواں مقالہ
۱۲۲	مقالہ ابن سیناء پر رد کے بیان میں		شربتوں کے بیان میں
۱۲۳	فصل		مربوں کا بیان
	(زہد کے بیان میں)	۹۰	چوبیسواں مقالہ
۱۳۰	فصل		(کھانے پینے کے آداب میں)
	روح کے بیان میں	۹۳	پچیسواں مقالہ
۱۳۳	فصل		(تہذیب نفوس کے بیان میں)
	موت کے بیان میں	۹۶	چھبیسواں مقالہ (۲۶)

	نصیحت کے قابل شخص	۱۳۷	فصل
۱۷۴	۲ وعظ کی حقیقت		(قیامت صغریٰ اور کبریٰ کے بیان میں)
۱۷۶	۳ امراء اور بادشاہوں سے دور رہنا		فصل
	۴ حاکموں کے تحفے قبول نہ کرنا	۱۴۰	(اسرار نبوت کے بیان میں)
۱۷۷	عمل کے قابل چار باتیں	۱۴۴	فصل
	اللہ تعالیٰ سے تعلق کا طریقہ	۱۴۶	نصائح امام غزالیؒ
	اللہ کے بندوں سے تعلق کا طریقہ		یعنی
۱۷۸	مطالعہ کی تلقین		ایھا الولد
۱۷۹	۱۴ خوراک کا ذخیرہ نہ کرنا	۱۴۸	تعارف کتاب
۱۸۲	تربیت اولاد کے زریں اصول	۱۶۲	حاتم بن اسلم کے بیان کردہ فوائد
	از		شیخ کے اوصاف
	حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	۱۶۷	شیخ کی اطاعت
۱۸۳	تربیت اولاد	۱۶۸	ظاہری آداب
	سخنہائے گفتنی		باطنی آداب
۱۸۴	اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داری	۱۶۹	تصوف کی حقیقت
	موجودہ اسکولوں کی حالت		بندگی کی حقیقت
۱۸۵	پس چہ باید کرد اے اخوان دیں		توکل کی حقیقت
۱۸۷	آخری گزارش	۱۷۱	اخلاص کی حقیقت
۱۸۸	ضروری عرضداشت		آٹھ نصیحتیں
۱۸۹	حضرت امام غزالیؒ	۱۷۲	مناظرہ کا اصول
۱۹۰	بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت	۱۷۳	مریض کی اقسام
۱۹۰			نصیحت بقدر ظرف

	المقصد الاستی فی شرح أَسْمَاءِ الْحُسْنَى		اور تحسین اخلاق کا بیان تمہید
۲۰۹	مقدمہ	۱۹۲	حلال غذا کی ضرورت و اہمیت
	(۱) پہلا فن	۱۹۳	آداب طعام کا بیان
	(۲) دوسرا فن	۱۹۵	آداب لباس کا بیان
	(۳) تیسرا فن	۱۹۶	شعر و شاعری کی وباء
	فن اول	۱۹۷	نیکیوں پر ابھارنے اور برائیوں سے روکنے کا طریقہ
۲۱۱	پہلا فن ابتدائی باتوں میں پہلی فصل	۱۹۸	زیادہ جھڑکنے کے نقصانات سونے کے آداب و لوازم
	اسم، مسے اور تسمیہ کے معنی	۱۹۹	تکبر اور غرور کی ممانعت
۲۱۵	پہلی صورت	۲۰۰	آداب مجلس و آداب کلام
	دوسری صورت	۲۰۱	صبر و تحمل
	تیسری صورت	۲۰۲	ورزش کی اہمیت و فوائد
۲۲۷	دوسری فصل		بزرگوں کی تعظیم کے آداب
	اسماء قریب المعنی کا بیان اور اس امر کا ذکر کہ کیا	۲۰۳	غذا کے متعلق عمدہ تخیل دنیا کی بے ثباتی عقل مند کون ہے؟
	ایسے اسماء کا مترادف ہونا جائز ہے یا ان کے	۲۰۴	بچے کی فطرت اور والدین کا فرض
	مفہومات مختلف ہونا لازم ہے		عمدہ تربیت کے اعلیٰ نتیجہ پر ایک تاریخی شہادت
۲۲۹	تیسری فصل		حاصل کلام
	مختلف معنوں والے اسم کا بیان	۲۰۶	
۲۳۱	چوتھی فصل	۲۰۷	الحمد للہ والمنة حجة الاسلام ابو حامد امام محمد الغزالیؒ کی کتاب

۲۵۹	(۹) الْعَزِيزُ	اس امر کا بیان کہ بندہ کا کمال اور
۲۶۰	(۱۰) الْجَبَّارُ	سعادت اس میں ہے کہ جہاں تک
۲۶۱	(۱۱) الْمُتَكَبِّرُ	ممکن ہو اخلاق الہیہ کا خوگر بنے
۲۶۲	(۱۲) الْخَالِقُ	اور اللہ کے اسما و صفات کے معنی
	(۱۳) الْبَارِئُ	سے اپنا باطن آراستہ کرے۔
	(۱۴) الْمُصَوِّرُ	۲۳۲ اول
۲۶۶	(۱۵) الْغَفَّارُ	دوم
۲۶۷	(۱۶) الْقَهَّارُ	۲۳۳ سوم
۲۶۸	(۱۷) الْوَهَّابُ	۲۳۵
۲۷۱	(۱۸) الرَّزَّاقُ	۲۳۶
۲۷۲	(۱۹) الْفَتَّاحُ	۲۳۷
۲۷۳	(۲۰) الْعَلِيمُ	۲۳۸
۲۷۴	(۲۱) الْقَابِضُ	۲۳۹
	(۲۲) الْبَاسِطُ	۲۴۰
۲۷۵	(۲۳) الْخَافِضُ	۲۴۱
	(۲۴) الرَّافِعُ	۲۴۲
۲۷۶	(۲۵) الْمُعِزُّ	۲۴۳
	(۲۶) الْمُدْكُ	۲۴۴
۲۷۷	(۲۷) السَّمِيعُ	۲۴۵
۲۷۸	(۲۸) الْبَصِيرُ	۲۴۶
۲۷۹	(۲۹) الْحَكَمُ	۲۴۷
۲۸۵	(۳۰) الْعَدْلُ	۲۴۸
۲۸۹	(۳۱) اللَّطِيفُ	۲۴۹
۲۹۱	(۳۲) الْخَبِيرُ	۲۵۰

أَسْمَاءُ الْحُسْنَى

کے معانی کی تفصیل شروع کرتے ہیں۔

دوسرا فن

مقاصد خاص میں

پہلی فصل

اللہ کے نو دنہ نام کی شرح

(۱) اللہ

(۲) الرحمن

(۳) الرحیم

(۴) الْمَلِكُ

(۵) الْقُدُّوسُ

(۶) السَّلَامُ

(۷) الْمُؤْمِنُ

(۸) الْمُحْسِنُ

۳۱۸	(۵۷) الْحَمِيدُ		(۳۳) الْحَكِيمُ
	(۵۸) الْمُخَصِّي		(۳۴) الْعَظِيمُ
۳۱۹	(۵۹) الْمُتَبَدِّلُ	۲۹۳	(۳۵) الْعَفْوُ
	(۶۰) الْمُتَعَيِّدُ		(۳۶) الشُّكُورُ
۳۲۰	(۶۱) الْمُحْيِي	۲۹۴	(۳۷) الْعَالِي
	(۶۲) الْمُتَمَيِّزُ	۲۹۷	(۳۸) الْكَبِيرُ
	(۶۳) الْحَيُّ		(۳۹) الْكَفِيظُ
	(۶۴) الْقَيُّومُ	۳۰۰	(۴۰) الْمُتَمَيِّزُ
۳۲۱	(۶۵) الْوَاحِدُ	۳۰۱	(۴۱) الْحَسِيبُ
	(۶۶) الْمَاجِدُ	۳۰۳	(۴۲) الْجَلِيلُ
	(۶۷) الْوَاحِدُ	۳۰۴	(۴۳) الْكَرِيمُ
۳۲۲	(۶۸) الصَّمَدُ		(۴۴) الرَّقِيبُ
	(۶۹) الْقَادِرُ	۳۰۵	(۴۵) الْجَبِيْبُ
	(۷۰) الْمُقْتَدِرُ	۳۰۶	(۴۶) الْوَاسِعُ
۳۲۳	(۷۱) الْمُقَدِّمُ	۳۰۷	(۴۷) الْحَكِيمُ
	(۷۲) الْمُؤَخَّرُ	۳۰۹	(۴۸) الْوَدُودُ
۳۲۴	(۷۳) الْأَوَّلُ	۳۱۰	(۴۹) الْجَبِيْدُ
	(۷۴) الْآخِرُ	۳۱۱	(۵۰) الْبَاعِثُ
۳۲۵	(۷۵) الظَّاهِرُ	۳۱۴	(۵۱) الشَّهِيدُ
	(۷۶) الْبَاطِنُ		(۵۲) الْحَقُّ
۳۲۷	(۷۷) الْبَرُّ	۳۱۶	(۵۳) الْوَكِيلُ
۳۲۸	(۷۸) الْبَوَّابُ	۳۱۷	(۵۴) الْقَوِيُّ
	(۷۹) الْمُتَّقِيْمُ		(۵۵) الْمُتَمَيِّنُ
۳۲۹	(۸۰) الْعَفْوُ		(۵۶) الْوَلِيُّ

۳۴۹	فلاسفہ متعاضلین کے مذہب پران		(۸۱) اَلرَّوْفُ
	تمام صفات کے ایک ذات کی		(۸۲) مَا لِكُ الْمَلِكِ
	طرف رجوع کرنے کا بیان	۳۳۰	(۸۳) ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ
۳۵۲	تیسرا فن لواحق اور قتمہ جات میں		(۸۴) الْاُولٰٓئِی
	پہلی فصل	۳۳۱	(۸۵) الْمُتَعَالِی
	اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نام		(۸۶) الْمُقْسِطُ
	صرف ننانوے نہیں ہیں	۳۳۲	(۸۷) الْجَامِعُ
۳۵۳	دوسری فصل	۳۳۳	(۸۸) الْغَنِيُّ
	اسمائے باری تعالیٰ میں سے ننانویں		(۸۹) الْمُغْنِی
	کی تخصیص کا فائدہ	۳۳۴	(۹۰) الْمُنَاعُ
۳۶۰	تیسری فصل		(۹۱) الضَّارُّ
	اس امر کا بیان کہ اسمائے باری		(۹۲) النَّافِعُ
	تعالیٰ تو قیف پر موقوف ہیں یا	۳۳۵	(۹۳) الْكُوْرُ
	بطریق عقل جائز ہیں		(۹۴) الْهَادِی
	مشکوٰۃ الانوار	۳۳۶	(۹۵) الْبَدِیْعُ
۳۶۳			(۹۶) الْبَاقِی
۳۶۵	دیباچہ	۳۳۷	(۹۷) الْوَارِثُ
۳۶۶	باب اول	۳۳۸	(۹۸) الرَّشِیْدُ
	اقسام انوار		(۹۹) الصُّوْرُ
۳۶۷	نور عامی	۳۳۹	خاتمہ
	بلحاظ حسن اشیاء		فصل اول
۳۶۸	حقیقت	۳۴۰	فصل دوم
۳۶۹	فرق مراتب		مقاصد اور غایات میں
۳۷۲	عقل کی روایت یکساں نہیں	۳۴۱	فصل سوم

۲۰۹	التماس	۳۷۳	نتیجہ
۲۲۹	آداب الاخلاق	۳۷۴	نکتہ
	یعنی		نکتہ
	اخلاقِ محمدی ﷺ	۳۷۶	حقیقت
	مصنفہ	۳۷۸	حقیقت حقائق
		۳۸۰	خاتمہ
۲۳۰	آداب و اخلاق	۳۸۵	باب دوم
	آنحضرت ﷺ کے اخلاق و معجزات		مشکوٰۃ و مصباح اور زجاجہ وغیرہ کی تشریح
۲۳۱	پہلا بیان		قطب اول
	اس امر میں کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آداب قرآنی سے مؤدب فرمایا	۳۸۶	قطب دوم
			قطب اول
			تمثیل اور طرز تمثیل کا راز
			خاتمہ و معذرت
۲۳۶	دوسرا بیان	۳۹۱	نکتہ:
	حضور انور ﷺ کے ان اخلاق حمیدہ	۳۹۳	قطب دوم
	کے ذکر میں جو بعض علماء نے احادیث سے منتخب کیے ہیں	۳۹۴	مراتب ارواح بشریہ نورانیہ
		۳۹۶	آیت کی مثالوں کا بیان
۲۴۲	تیسرا بیان	۳۹۸	خاتمہ
	سرور کائنات ﷺ کے ان اخلاق	۳۹۹	باب سوم
	و آداب کے ذکر میں جو حضرت ابو البختری نے روایت کیے ہیں	۴۰۰	قسم اول
		۴۰۸	حقیقۃ السماع
۲۴۶	چوتھا بیان		بوارق الالماع

۳۶۶	سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شجاعت کے ذکر میں	۳۴۹	حضور علیہ السلام کی گفتگو اور خندہ کے ذکر میں
۳۶۷	گیارہواں بیان	۳۵۵	پانچواں بیان
۳۶۸	خاتم النبیین ﷺ کی تواضع کے ذکر میں	۳۵۹	سرور عالم ﷺ کے کھانا کھانے کے آداب کے ذکر میں
۳۶۹	بارہواں بیان	۳۶۲	چھٹا بیان
۳۷۰	حضور پر نور ﷺ کے حلیہ مبارک کے ذکر میں	۳۶۳	سید الکونین کے اخلاق و آداب متعلقہ لباس کے ذکر میں
۳۷۱	تیرہواں بیان	۳۶۴	ساتواں بیان
۳۷۲	حضور اکرم ﷺ کے معجزات کے ذکر میں جن سے حضور کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔	۳۶۵	اس ذکر میں کہ حضور اکرم ﷺ باوجود قدرت کے مجرموں کے قصور معاف فرمادیا کرتے تھے
۳۷۳	قسط اس المستقیم	۳۶۶	آٹھواں بیان
۳۷۴	مصنف علیہ الرحمۃ کی مختصر سوانح عمری	۳۶۷	اس ذکر میں کہ سید المرسلین ﷺ کی بری باتوں کو دیکھ کر بھی چشم پوشی فرمایا کرتے تھے۔
۳۷۵	مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی حسب ذیل تصانیف ہیں	۳۶۸	نواں بیان
۳۷۶	موازن التعادل میں سے میزان اکبر کا بیان	۳۶۹	سید العرب والعجم ﷺ کی جو دو سخاوت کے ذکر میں
۳۷۷	میزان اوسط کے بیان میں	۳۷۰	دسواں بیان

۵۰۱	میزان اصغر کے بیان میں
۵۰۳	میزان التلازم کے بیان میں
۵۰۵	میزان التعاند کا بیان
۵۱۱	شیطانی ترازوؤں سے اہل تعلیم کا وزن کرنا
۵۱۶	اس بارے میں جناب سرور کائنات ﷺ اور آنحضرت کی امت کے علماء کے ہوتے امام معصوم کی ضرورت نہیں اور یہ کہ معجزات کے لحاظ سے جو آنحضرت کی سچائی ظاہر ہوتی ہے اس سے زیادہ واضح اور وثائق طریق سے آنحضرت نبی برحق ہیں اور یہ عارفوں کا طریقہ ہے اختلافات کی تاریکی سے خلقت کونجات دلانے کے بیان میں
۵۲۱	کونجات دلانے کے بیان میں
۵۳۰	رائے اور قیاس کی تصاویر اور ان کے اظہار کے حقیقت کے بیان میں

آغازِ کتاب

پہلا مقالہ

معلوم ہو کہ ملک ایک عظیم اور مقیم چیز ہے اور اسی کے واسطے ہر صالح اور طالح اور خاسر و راجح اور ادنیٰ و اعلیٰ میں قصے قصیے اور جھگڑے فساد پیدا ہوتے ہیں اسی کے سبب سے آپس میں حسد و بغض اور عداوت کی آتش مشتعل ہوتی ہے اور اس کام کے واسطے اصل اور مرتبہ اور تحصیل اور صبر اور علم اور تحمل بہت ضروری چیزیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اصل اصول اس کام کے لئے بلند ہمتی کا ہونا ہے۔ جیسا کہ معاویہ کا قول ہے۔ هَمُّوا بِمَعَالِي الْأُمُور لِيَتَنَا وَكُوْهًا فَإِنِّي لَمُ أَكُنُ لِلْخِلَافَةِ أَهْلًا فَهَمَمْتُ بِهَا فَنِلْتُهَا ترجمہ: بڑے بڑے کاموں کا قصد کرو تاکہ وہ تم کو حاصل ہوں کیونکہ میں خلافت کا اہل نہ تھا مگر میں نے اس کا قصد کیا لہذا وہ مجھ کو حاصل ہو گئی شاہان سلف کے واقعات بھی تم نے سنے ہونگے کہ ان میں کسی کو ماں باپ سے سلطنت نہیں پہنچی تھی، بلکہ ہر ایک نے اپنی کوشش سے حاصل کی تھی۔ شعر۔

وَ كَمْ نَزَعًا الْمَلِكُ مِنْ يَدِ وَارِثٍ مُسْتَحِقِّ

مِثْلُ أَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ وَ سِوَاهُمْ

کتنی ہی سلطنتیں وارث مستحق کے ہاتھ سے نکل گئیں۔ مثل اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ

وسلم وغیرہ کے۔ ہم ذوالقرنین کا مختصر قصہ تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں اصلی نام ان کا صعب

بن جبل ہے اور باپ ان کے جولا ہے تھے اور ان کی ماں کا نام میلانہ تھا۔ یمن کی قوم بنی حمیر میں

بہ بحالت شیمی گزران کرتے تھے ان کی ماں نے سنا کہ شہر قسطنطنیہ میں ایک کارخانہ ہے جس

میں مختلف قسم کے کام لوگوں کو سکھائے جاتے ہیں وہ ان کو لیکر اس کارخانے میں پہنچی سکندر نے

وہاں بادشاہ کی تصویر دیکھی۔ اور سب کاموں پر اس کو پسند کیا۔ پھر ان کی ماں نے ان سے پوچھا

کہ بیٹا تم اس کارخانہ میں کونسا کام پسند کرتے ہو۔ سکندر نے شاہی تاج پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں

تو اس کو پسند کرتا ہوں ان کی ماں نے کئی بار ان کو بھوکا دیا۔ مگر یہ وہی کہہ گئے۔ یونان نے ان کو

غور سے دیکھا اور پھر ان کی ماں سے کہا کہ کیا تمہارا نام میلانہ ہے؟ اور یہ تمہارا بیٹا صعب بن جبل ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ تب یونان نے ذوالقرنین سے اس مضمون کا عہد و پیمان لیا کہ میں اور میری آل اور اولاد اور سلطنت سب تمہاری امان میں ہے۔ کیونکہ تمہاری سلطنت کا سایہ شرق و غرب پر محیط ہوگا۔ پھر ذوالقرنین کی ماں ان کو زمین بابل میں لائی اور کسی سے ان کا حال بیان نہ کرتی تھی۔ پھر ذوالقرنین نے تین خواب ایسے دیکھے جو خاص ان کے کام کی دلیل اور ان کی سعادت کے گواہ تھے۔ پہلا خواب یہ دیکھا کہ زمین مثل روٹی کے ہے اور انہوں نے اس کو کھا لیا ہے۔ اور دوسرا خواب یہ دیکھا کہ سمندر کو انہوں نے پی لیا ہے اور اسکی کچھڑ تک کھالی ہے۔ اور تیسرا خواب یہ دیکھا کہ آسمان میں چڑھے اور ستاروں کو توڑ کر زمین پر پھینک دیا ہے اور سورج پر سوار ہو کر چاند کی پیشانی پکڑ لی ہے۔ پھر جب ذوالقرنین کی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی اور یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے ان کو بڑی مبارک اور عظیم الشان سلطنت کے حاصل ہونے کی خوشخبری دی اور کہا کہ ایک نبی اور ایک حکیم ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گے، اسی طرح اگر تم خیال سے دیکھو تو بہت سی اسی قسم کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ اس واسطے تم کو لازم ہے کہ بلند ہمتی کے پرندے پر سوار ہو کر آلات سلطنت حاصل کرو تا کہ اس کی کیمیا تمہارے پاس موجود ہو جائے اور ایسے سچے اور صاحب علم و فضل دوست تمہارے پاس مجتمع ہوں جو تمہارا راز کسی کے سامنے فاش نہ کریں، اور اس کتاب سر العالمین کے اسرار سے بخوبی واقف ہوں اور نیز کسی علم کیمیا کے واقف کو بھی اپنا دوست بناؤ جو سرخ و سفید رنگ بنا کر روپیہ کی امداد تم کو پہنچائے، اور اگر ایسے دوست مہیا نہ ہوں اور ہر طرح سے تمہارا بازو کمزور ہو اور مال بھی پاس نہ رکھتے ہو، پس تم کو چاہیے کہ خوب علم و فضل حاصل کرو اور ایک گوشہ خلوت اختیار کر کے زہد و تقویٰ کے راستے پر چلو، اور شاگردوں کو سبق دینا اور مریدوں کو ارشاد و تلقین کرنا شروع کر دو اور جہاں تک ہو سکے ان کی تعداد بڑھانے میں کوشش کرو، اور وقتاً فوقتاً کرامتیں بھی ان پر ظاہر کرو، تا کہ سچے دل سے وہ تمہارے معتقد اور غلام بے زر خرید ہو جائیں، اور اصلاح و تقویٰ کا راستہ ان کو تعلیم کرو اور اپنی عظمت بطریق حکمت ان کے دل میں خوب بٹھا دو، پھر جب وہ لوگ اس سبق کو خوب یاد کر لیں تب لوگوں کی بد اعتقادی اور فسق و فجور اور اپنے دشمن بادشاہ یا حکام کے ظلم و ستم پر ان کی نظر دوڑانی شروع کر دو اور مختصر طور سے ایسا وقتاً فوقتاً سمجھاؤ کہ وہ کل منکرات سے متنفر ہو کر ان کے قلع و قمع پر آمادہ ہو جائیں۔ اور پھر ان شاگردوں کو یہ سبق پڑھاؤ کہ وہ ہر جگہ تم کو شہرت دیں اور بڑے بڑے لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت بٹھا کر ان کو

تمہارے مطیع فرمان بنادیں اور کچھ قوت پکڑ لو تب تم خاص لوگوں سے نرمی اور رفاقت اور نصیحت کا برتاؤ کرو، اور جو لوگ تمہارے اعتقاد اور مقصد کے برخلاف ہوں ان سے مباحثہ اور مجادلہ کرتے رہو اور جو سخت طبیعت اور حاسد ہوں ان سے سختی کے ساتھ پیش آؤ۔

دیکھو اسلام کی ابتداء کس طرح ہوئی ہے، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے پہل یہ حکم ہوا۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا أَعْبُدُ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا أَعْبُدُ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينٍ یعنی کہدو اے پیغمبر میں ان کی عبادت نہ کرونگا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو، اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، تمہارے واسطے تمہارا دین اور میرے واسطے میرا دین ہے، پھر جب اسلام کی ترقی ہوئی تب زبان شمشیر سے یہ آواز ظاہر ہوئی، فَاذَاقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوا فَضْرِبِ الرِّقَابِ یعنی جب تم کافروں کے مقابل ہو تو ان کی گردنیں مارو اور کمزوری کے وقت صلح کر کے جزیہ لینے کا حکم ہوا وان جنحواللسلم فاجنح یعنی اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تب تم بھی صلح کو اختیار کر لو۔ پھر جب اقبال اسلامی کی ہوا چلی اور ترقی کا خیمہ مسلمانوں پر سایہ فگن ہوا تو حکم پہونچا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُشْحِنَ فِي الْأَرْضِ یعنی نبی کو یہ لائق نہیں ہے کہ ان کے پاس قیدی ہوں اور وہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیں، یہاں تک کہ زمین میں خوب خون بہا دیں۔ سلطنت کے طالب کو بھی یہی ولیرہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہر شخص سے اس کی عقل کے موافق گفتگو کرے اور عدل و انصاف میں کسی اپنے یا بیگانے کا پاس و لحاظ نہ کرے۔ لشکر کو وقت پر تنخواہ بانٹے اور ہر مشکل کام کے وقت انعام و اکرام کا امیدوار کرے اور وعدہ کا کسی ادنیٰ شخص سے بھی خلاف نہ کرے، اہل فضل کی تعظیم و تکریم بجالائے۔ مظلوم کے نقصان کی مکافات کرے اور انصاف میں اپنی ذات اور دوسرے کو برابر جانے اور اپنے ملازموں، حاکموں یا عالموں کی تنخواہیں اس قدر مقرر کرے کہ وہ خرچ کے محتاج نہ رہیں، ورنہ رشوت کا سلسلہ ان کے اندر جاری ہو جائیگا۔ اور تمہارا ظلم رعایا میں ظاہر ہوگا اور لوگ تم سے بدلہ ہو جائیں گے۔ اور ظاہر و باطن میں تمہارے خلاف کارروائیاں کریں گے۔ معلوم ہو کہ تمہارے اغراض کے برخلاف مظلوم کی ہمت اور اس کے دل کی بددعا بہت کافی وافی ہوتی ہے۔ جیسے کہ بازاران طلبی کے وقت اہل زمین کی دعا اور ان کی دلی خواہش کا اثر آسمان پر ہوتا ہے، اور مینہ برسنے لگتا ہے۔ سلطان

محمود بن سبکتگین نے اپنا ایک ایلچی ہندوستان کے راجہ کے پاس یہ بات دریافت کرنے بھیجا کہ باوجود اس بات کے کہ تم لوگ منکر صانع اور رسولوں کی تکذیب کرنے والے ہو پھر تمہاری عمریں اس قدر دراز کیوں ہوتی ہیں، اور ہم لوگ باوجودیکہ خدا پر ایمان رکھنے والے اور رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہیں، اور ہما ہی عمریں چھوٹی ہوتی ہیں، اس کا کیا سبب ہے۔ راجہ نے سلطان کے ایلچی سے کہا کہ میں تم کو اس بات کا جواب اس وقت دوں گا جب یہ پھل دار درخت جو تمہارے سامنے ہے، خود بخود گر پڑے گا۔ پھر ایلچی کو ایک مکان میں فروکش کر کے بہت اچھی طرح سے ان کی دعوت اور مہمانی کا حکم دیا، اب ایلچی صاحب اس فکر میں ہیں کہ دیکھنا چاہیے کب یہ درخت گرتا ہے جو میں جواب لیکر واپس جاؤں، اور خدا کرے کہ یہ درخت جلدی گرے، پھر تھوڑے ہی دن گذرے تھے جو ایک روز اس درخت کے گرنے کی آواز آئی اور لوگ دوڑتے ہوئے اس درخت کے پاس گئے، راجہ صاحب بھی آئے اور ایلچی صاحب بھی تشریف لائے، جس وقت راجہ نے ایلچی کو دیکھا تو کہا بس اب تشریف لے جائیے آپ کا یہی جواب ہیکہ یہ درخت گر پڑا اپنے سلطان سے کہنا کہ جب ایک شخص کی ہمت نے پھل دار درخت کو گرا دیا تو پھر مظلوموں کی ایک جماعت کی ہمت ظالموں کے قلع قمع میں کیوں نہ اثر کریگی، اور نیز مظلوموں کی دعا بر کے اوپر پہنچتی ہے۔

بعض قدیم کتابوں میں وارد ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ اگر میں ظالم سے بدلہ نہ لوں تو میں خود ظالم ہوں، اور بعض آثار میں وارد ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص کی بددعا سے ڈرو جس کا میرے سوا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اور اے طالب سلطنت تم کو معلوم ہو کہ عدل کرنا اور بوقت ضرورت لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت قائم کرنے کے واسطے دشمنوں کو قتل کرنا اور سولی دینا یا زخمی کرنا یا اور اقسام کی تکالیف سے ان کو ستانا ملک اور رعایا میں امن اور دلوں میں اطمینان پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ بادشاہ زمین میں خدا کا سایہ ہے، ہر مظلوم اپنی دادری کے واسطے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور ہر چیز کو اس کے موقع پر کرنا نہایت موزوں اور مناسب بلکہ اکثر اوقات واجب ہوتا ہے، اور مفسدوں کے قتل و غارت کرنے سے غریبوں کی جانیں بچتی ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاۤ اُولٰٓئِیۡ اَلْاَلْبَابِ** یعنی اے اہل عقل تمہارے واسطے قصاص میں زندگی ہے کیونکہ اپنے قتل ہونے کے سبب سے کوئی شخص دوسرے کو قتل نہ کریگا۔ اور یہی باعث زندگی ہے، عمرو بن عاص جو بدری صحابی تھے معاویہ کو انہوں نے افعال فضیحہ پر اپنے عھائد لامیہ

اور فونیہ میں بہت زور شور سے آمادہ کیا ہے چنانچہ ایک جگہ کہا ہے: مُعَاوِي فِي الْخَلْقِ لَا تَعْدِلُ یعنی اے معاویہ خلقت میں عدل سے کام نہ لو: اور دوسری جگہ کہا ہے: مُعَاوِي اِنِّي لَمُ اَبَا يَعْكَ قِلْتَةَ زَمَانٍ فِي دَل كَهول كَر جس کام کو کرنا چاہتا ہے کر لے چاہے ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

اور حصول سلطنت کا ایک اور طریق مال کا بکثرت خرچ کرنا ہے اور ایک طریق یہ ہے کہ خوب شمشیر زنی کرے مگر اس کے واسطے اپنے لشکر کا دل ہاتھ میں رکھنا اور مظلوم کی داد رسی کرنی بہت ضروری ہے۔ اور جو چیزیں اوقاف کی قسم سے ہیں خواہ وہ کسی مذہب و ملت کی ہوں ان سے معترض نہ ہونا چاہیے، اور یہ بات بھی تم کو لازم ہے کہ ایک وقت رعایا کی نگرانی کا اور ایک وقت لشکر کے معائنہ کا مقرر کرو، کیونکہ تمہاری غفلت سے رعایا کے اندر ظلم پھیل جائیگا، اور سب حکام و عمال حرام خور ہو جائیں گے، اور پچشم خود دفتروں کو دیکھا کرو اگر دن کو فرصت نہ ہو تو عشاء کے وقت، منشیوں نے جو کچھ دن کو لکھا ہے اس کو دیکھ لیا کرو تا کہ وہ تمہارے خوف سے کچھ تغیر و تبدل نہ کر سکیں، کیونکہ بہت سے مظلوم بادشاہ کی غفلت کے باعث اپنے حق سے محروم ہو جاتے ہیں، اور اگر تم یہ چاہو کہ کوئی حال تم سے پوشیدہ نہ رہے تب تم اپنی زندگانی اس طریقہ سے گزارا کرو جو دوسرے مقالہ میں مذکور ہے۔

دوسرا مقالہ طرز زندگانی کے بیان میں

اے بادشاہ تم کو لازم ہے کہ صبح کی نماز پڑھ کر ذرا الہی میں مشغول ہو، اور پھر اشراق کی نماز کے بعد اپنے گھر کے لوگوں کو یا ملازموں کو جس جس کام کے واسطے کہنا سننا ہو کہہ سنکر گھوڑے پر ہتھیار لگا کر سوار ہو، اور خبر اور اخبار معلوم کرنے کے واسطے شہر میں گشت کرو تا کہ کوئی مظلوم یا پریشان حالت شخص تم کو ملے تو تم اس کی داد رسی کرو، اور ہتھیار لگانے کی ضرورت یہ ہے کہ کوئی دشمن تم پر حملہ نہ کر سکے۔ اور پھر اس گشت سے فارغ ہو کر اپنے دیوان عام میں بیٹھ کر مقدمات فیصل کرو۔ اور خط و خطوط کے جواب لکھو اور ایلچیوں سے گفتگو کرو، اور دیوان عام میں اپنے سامنے لوگوں کی دو صفیں دائیں اور بائیں بٹھاؤ اور بیچ کا میدان کھلا رکھو تا کہ کوئی مظلوم یا دشمن وغیرہ تمہاری نظر سے پوشیدہ نہ رہے، اور جس شخص پر تم کو شبہ ہو اس کے حال کو خوب دریافت کرو اور ایسے شخص کو اپنی خدمت میں نہ رکھو جس کے حال سے تم واقف نہ ہو۔ بلکہ

ایسے شخص سے خدمت لو جس کی نیک بختی تم کو معلوم ہو یا کوئی معتبر شخص اس کا ضامن ہو، یا وہ شخص تمہارا معتقد ہو، اور ایک گروہ اہل علم و فضل اور تجربہ کاروں اور متقی وزیروں اور اہل رائے کا تمہارے پاس رہنا چاہیے، نالائق اور خائن لوگوں سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ جو شخص اپنی جان پر امین نہ ہو گا وہ دوسرے کے حق میں کیا امانتداری کرے گا۔

پھر ظہر کے وقت سے پہلے دیوان عام سے اٹھ کر محل میں جاؤ اور لشکر کے واسطے کھانا تقسیم کرنے کا حکم کرو اور اپنے اقربا اور عزیزوں کو بلوا کر ان کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھاؤ، اور بادشاہوں کے واسطے باورچی بھی بہت امین ہونا چاہیے، اور سب سے پہلے اسی کو اس کھانے میں سے لقمہ کھلانا چاہیے، پھر جو لوگ کھانا لائے ہوں ان کو لقمے کھلانے چاہئیں۔ پھر جو شخص دسترخوان پر کھانا چنے وہ بھی لقمہ کھائے، جب سب طرح سے اطمینان ہو جائے اس وقت بادشاہ کو ہاتھ ڈالنا چاہیے، اور یہ احتیاط اس واسطے ہے کہ شہریار بن زاد آدھاسیب کھانے سے مر گیا تھا، اور ساسان نے شراب کا آدھا پیالہ پی کر جان دی۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کی دست میں زہر ملا کر کھلایا گیا، اور ابولؤلؤ نے چھری کو زہر آلود کر کے حضرت عمرؓ کو اس کے ساتھ شہید کیا، اور عبدالرحمن بن بلججم نے تلوار کو زہر آلود کر کے حضرت امیر المومنین علیؓ کے چہرہ مبارک کو زخمی کیا، اور اسی سے آپ کی شہادت ہوئی، اور حضواء بنت جو جو بن کعب غسانی نے اپنے خاوند حضرت امام حسنؓ کو زہر دے کر شہید کیا، اور یہ مکرز ہر خورانی کا شامیوں کی طرف سے تھا، جو دانیائے انگور میں دھلے ہوئے نہ تھے آمیز کر کے دیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ اور ہزاروں اس قسم کی مثالیں زمانہ میں موجود ہیں، لہذا بادشاہ کو لازم ہے کہ اپنے کھانے اور پینے اور پہننے اور سونے میں زہر کا بہت خیال اور احتیاط رکھے، یہاں تک کہ اپنا رومال بھی بہت احتیاط سے رکھے اور اپنی سلطنت میں اور دنیا کے غیر ممالک میں بھی مخبروں کو مختلف لباسوں اور طرز و روش کے ساتھ روانہ کرے، تاکہ ہر قسم کی خبریں ہر ملک سے ان کو پہنچتی رہیں، مثلاً کوئی مخبر صوفی بنا ہوا ہے، کوئی فقیر ہے، کوئی دکاندار ہے، کوئی سوداگر ہے۔

مامون رشید عباسی کے پاس بہت سے مخبر تھے، جو تمام ممالک دنیا سے اس کو خبریں پہنچایا کرتے تھے اور کل بادشاہ ہونے کا یہی طریقہ ہے۔

تیسرا مقالہ:

بادشاہ کو چاہیے کہ پہلے نصف شب میں قضاء سے متعلق مہمات اور پوشیدہ واقعات

سننے کے واسطے بیدار رہے اور قدرے دن کو دوپہر کے وقت سو رہے، کیونکہ اس سے رات کے جاگنے پر بہت بڑی مدد ملتی ہے، اور آخر رات میں سو رہنے سے پہلی رات میں جاگنے کی تھکان جاتی رہتی ہے۔ اور حمام سے جلد فارغ ہو جانا بہت بہتر ہے، اور موافق مزاج کے کسی شربت کا استعمال رکھنا بھی ضروری ہے۔ بادشاہ کو یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اپنے متعلق خطوط کے جواب یا فرمانات جو منشی سے لکھوائے ایک نظر خود بھی ان کو ملاحظہ کر لیا کرے۔ کیونکہ کاتب کی بعض غلطیوں سے سخت فساد پیدا ہو جاتا ہے، دیکھو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ جو محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوا، اسی قسم کی غلطی سے تھا، یہ واقعہ بہت مشہور اور کتب سیر میں موجود ہے۔

بادشاہ کو لازم ہے کہ کسی لونڈی یا حرم کو اپنی بیوی پر فضیلت نہ دے کیونکہ اس سے حسد کی آگ بھڑکتی ہے، اور نتیجہ بد ظاہر ہوتا ہے، اور نیز قیام امن میں کسی اپنے یا بیگانے کا پاس دلچاظ نہ کرے، بلکہ اپنی ذات کو بالکل تنہا سمجھے کہ کوئی اس کا نہیں ہے، جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے۔

فَلَمْ نَزَلْ فَلَمَّا الْأَنْصَافَ قَاطِعَةً بَيْنَ الْأَنَامِ وَأَوْكَانُوا ذَوِي رَحِيمٍ
 اور جو اس کے باپ کے دوست آشنا ہیں ان کے واسطے تواضع اور خوش اخلاقی سے پیش آئے، اگر چہ غریب و فقیر ہوں اور اپنے اپنے ان دوستوں سے بھی جو سلطنت حاصل ہونے سے پہلے کے ہیں، تعظیم اور محبت کا برتاؤ رکھے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں ایک یہودیہ حاضر ہوتی تھی جب وہ آتی آپ اس کے واسطے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک روز عرض کیا کہ آپ ایک یہودی عورت کے واسطے کیوں کھڑے ہوتے ہیں، فرمایا یہ عورت خدیجہؓ کے وقت سے ہمارے پاس آتی ہے یعنی ظہور اسلام سے پہلے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لطافت اخلاق سے ہے، بادشاہ کو بھی اپنے اخلاق ایسے ہی رکھنے چاہئیں۔

لَا تَلَقَ فِي بَشَرٍ شَرِبَتْ زُلَالَهَا أَجْرَةً فَيُقَالُ إِنَّكَ غَادِرٌ

چوتھا مقالہ

(ترتیب خلافت کے بیان میں)

خلافت نص کے ساتھ ثابت ہے اور دلیل اس کی یہ آیت ہے۔

قُلْ الْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

عرب کے ان لوگوں سے جو پیچھے رہنے والے ہیں کہہ دو کہ عنقریب تم ایک خوفناک قوم کے مقابلہ کی طرف بلائے جاؤ گے جن سے تم لڑو یا وہ صلح کر لیں، پس اگر تم نے اس حکم کے بجالانے میں اطاعت کی تو خدا تم کو اچھا ثواب دیگا۔ اور اگر تم نے اسی طرح پیٹھ پھیری جیسے کہ پہلے پھیر چکے ہو تب وہ تم کو سخت عذاب کریگا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیقؓ نے اطاعت کی طرف بلا یا اور لوگوں نے ان کی اطاعت قبول کی اور بعض مفسرین اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں۔
وَإِذَا سَرَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا يَعْنِي نَبِيٌّ لَعْنَةُ نَبِيٍّ فِي أُمَّةٍ بِيَوْمٍ سَيُشِيدُهُ بَات كَهَبِي۔

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ اے حمیرا تمہارا باپ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ اور ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کہ جب ہم آپ کو نہ پاویں تو کس کے پاس جاویں، آپ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور نیز ابو بکرؓ نے حضورؐ کی حیات میں مسلمانوں کی امامت کی۔ اور امامت دین کا ستون ہے یہ تو ان لوگوں کا بیان ہے جو نص سے اس کو ثابت کرتے ہیں، پھر یہ لوگ تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر حضرت علیؓ پہلے خلیفہ ہوتے تو ان تینوں خلفاء کو خلافت نصیب نہ ہوتی، اور نہ ان کو فتوحات اور مناقب نصیب ہوتے، اور حضرت علیؓ کے چوتھا خلیفہ ہونے سے ان کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے سے آپ کی شان میں فرق نہیں آیا، ان کے بعد بنی امیہ نے حکمت سے حکومت لے لی، ان سے بزور بازو عباسیوں نے چھین لی۔

پس اے سلطنت کے طالب اپنا سامان درست کر اور اپنی حالت کو آراستہ بنا، اور خوب مال خرچ کر، اور صبر کے ساتھ کام لے اور لوگوں کو اپنی طرف منجذب کر، اور جہاں تک ہو سکے صلاحیت سے کام لے۔

پانچواں مقالہ

(امور سلطنت کی ترتیب و تدبیر میں)

جب تم سلطنت پر قابض ہو جاؤ اور مال و خزانہ کثرت کے ساتھ تمہارے تصرف میں آئے تب تم لوگوں سے اپنی اطاعت پر بیعت اور عہد و اٹق لو۔ اور خوش بیان لوگوں کو مقرر کرو کہ لوگوں کے سامنے تمہاری اطاعت کے وعظ کہیں اور ان کے دلوں کو تمہاری طرف راغب بنائیں۔

شعر: **اِذَا هَبَّتْ رِيَا حُكْ فَاغْتَمَهَا فَاِنَّ كُلَّ خَافِقَةٍ سَكُوْنَ
وَلَا تَغْفُلُ عَنِ الْاِحْسَانِ يَوْمًا فَمَا تَذَرِي السُّكُوْنَ مَتَى تَكُوْنَ**

اور بہت جلد اپنی سلطنت میں رستے اور پل تیار کرو تا کہ ضرورت کے وقت تم کو ان پر سے گذرنا آسان ہو، اور اگر تم کسی زوردار شخص کو دیکھو تو طرح طرح کے معالجات کے ساتھ اس کا علاج کرو، اور سب سے آخر وہ داغ دینا ہے، اور تم کو یہ بھی ضروری ہے کہ لشکر کی تعداد اور رعایا کی مردم شماری خوب معلوم رکھو اور آمد اور خرچ کا حساب سب تم کو معلوم رہنا چاہیے، اور سال میں تین بار لشکر سے قواعد کی مشق کرایا کرو اور چار سو سپاہی بڑے جانباز اور خیر خواہ اپنی اردلی میں رکھو۔ اور اگر جنگ کا ارادہ ہو تو اپنے لشکر کو خوب شکم سیر ہو کر کھانے کو دو، اور جب میدان جنگ میں دشمن کے مقابل جاؤ تو اپنے لشکر کی صفیں ایسی ترتیب سے باندھو کہ ایک صف کے پیچھے دوسری ہو، اور اپنے خاص خاص سپاہیوں کو حکم کرو کہ تمہارے لشکر کی جو صف شکست کھا کر بھاگے اس کو تلواروں سے قتل کریں، اور تم خود کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر جنگ کا معائنہ کرو، اور تم خاص اپنے واسطے نہایت عمدہ گھوڑے اور بہادر سپاہی تیار کرو۔ اور یہ یاد رکھو کہ جو شخص ابتداء میں تمہارے ساتھ دھوکا دے گا، وہ آخر میں بھی دھوکا کریگا، اور تمہارا بگل یعنی بوق تمہارے ساتھ رہنا چاہیے، اور اگر مناسب سمجھو تو ایک بوق اپنے لشکر میں بھی رکھو، اور ایک لشکر

اللہ جب تیرے اقبال کی ہوا چلے تو اسکو غنیمت سمجھو کیونکہ ہر ایک چلنے والے کی آخر کو سکون ہوتا ہے۔

بہادر سپاہیوں کا کسی پوشیدہ جگہ کمین گاہ میں چھپا دوتا کہ جس وقت تمہارے لشکر میں کمزوری پیدا ہو تو دشمن کو اپنے پیچھے لگا کر اس موقع پر لاؤ جہاں تمہارا لشکر پوشیدہ ہو، اور اپنے لشکر کی ایک خاص علامت مقرر کرو تا کہ آپس میں ہر ایک دوسرے کو پہچان لے، اور کسی قلعہ کے محاصرہ کرنے سے بد دل نہ ہو، اور یہ خیال کرو کہ لشکر کو تکلیف ہوگی بلکہ بغیر فتح کئے نہ چھوڑو، اور اپنے مقتولوں کا قصاص لینے میں کمی نہ کرو، جیسا کہ ذوالقرنین نے دارا کے ساتھ جنگ میں کیا تھا کہ ان کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ بزدل ہو کر ہمت ہار بیٹھے، پھر ان کو خوب قتل کیا، اور تم مال کے خرچ کرنے میں ہرگز کمی نہ کرو، اور آمدنی کے دفتروں کو دیکھ کر جس میں مناسب سمجھو کمی یا زیادتی کرو، اور تم کو جنگ کرنے والوں کا تجربہ ہونا بھی ضروری ہے، جو سپاہی بہادری ظاہر کرے، اور بہت سے دشمنوں کو معرض قتل میں لائے، اس کو اس قدر انعام دینا چاہیے کہ وہ خوش ہو جائے، اور جو نامرد و بزدل ہو اس کو سزا دینی چاہیے، اور اپنے خزانوں کی حالت سے بھی تم کو واقف ہونا چاہیے کہ کس قدر رقم خزانے میں بڑھی اور کس قدر کم ہوئی، اور اگر تم کو شادی کی ضرورت ہو تو ایسی عورت تلاش کرو جو مال و جمال اور دین و نسب سب باتیں رکھتی ہو، اور شارع علیہ السلام نے امر تزویج میں دین کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

جس بادشاہ کے مخبر نہیں ہیں وہ مثل جسم بلا روح کے ہے، اس بات کو یاد رکھو، اور قلعہ بندی کے جس قدر سامان کی ضرورت ہو اس کے مہیا کرنے میں بہت چستی سے کوشش کرو، کیونکہ تم کو کچھ خبر نہیں کہ تمہاری اس کامیابی کے بعد کیا صورت ظاہر ہو، اور خصوصاً لشکر میں ایسا انتظام کرو کہ سپاہ میں باہم جنگ و لڑائی نہ ہونے پائے، جو مولوی فتنے فسادوں اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازیوں کے وعظ کہتے ہیں ان کے منہوں میں خار دار لگانیں چڑھا دوتا کہ ایک حرف نہ بول سکیں، اور اپنے حکاموں سے کہہ دو کہ وہ تمہارے ملک میں جو غلہ ہے اس کا انتظام کریں اور کسی سوداگر کو اس کی بھرتی سے نہ روکیں، کیونکہ جو چیز تمہاری رعایا کے پاس ہے وہ بوقت ضرورت تمہارے ہی واسطے ہے، اور ان لوگوں کی حالت پر غور کرو جنہوں نے زراعت چھوڑ دی ہے، اگر انہوں نے مفلسی اور سامان زراعت نہ ہونے کے سبب سے چھوڑ دی ہے تب تم کو ان کی امداد کرنی چاہیے، اور اگر ان پر کسی نے ظلم کیا ہے تب ان کی داد رسی کرو، جیسا کہ ہندوستان کے ایک راجہ کا قول ہے کہ میں گاؤں میں زیادہ مرغیاں دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہوں، کیونکہ ان سے آبادی کی علامت معلوم ہوتی ہے، اور زیادہ کثرت کے ساتھ عورت کو پیغام دینے والوں کو دیکھ کر میں غمگین ہوتا ہوں کیونکہ اس سے فساد کا اندیشہ ہوتا ہے، ذوالقرنین اپنی

تمام رعایا کی مردم شماری کیا کرتے تھے، اور جب کوئی عورت دودھ کی ہنڈیا ان کے پاس سے لے گذرتی وہ اس کو دیکھتی اگر اس میں چکنائی پاتے تو خوش ہوتے، اور اگر نہ پاتے تو غمگین ہوتے، اور کہتے تھے کہ میں کاشتکاری کی مثال نہیں پاتا ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطنت کی بنیاد کاشتکاری پر ہے، اگر کاشتکار نہ رہیں گے تو سلطنت کے خزانے میں کیا داخل ہوگا، اور لشکر اور اہلکاروں کی تنخواہیں کہاں سے تقسیم ہونگی، غرض کہ ساری سلطنت کاشتکاری پر منحصر ہے، اور جب متغیر طعام کو تبدیل کر سکتا ہو تو ضرور کر دے۔

مامون عباسی ہتھیاروں اور دیگر آلات حرب، خیمہ اور خرگاہ و منجنیقیں وغیرہ کو تھوڑے عرصہ بعد تبدیل کر دیتا تھا، اور اپنے داروغہ اصطلبل سے کہتا تھا کہ کل اصطلبل کی چیزوں کو اسی طرح تبدیل کیا کرو جیسے کہ باسی گھاس تبدیل کرتے ہو۔

چھٹا مقالہ

(ترتیب حکام کے بیان میں)

حاکم ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو رعایا کے ساتھ شفیق، مہربان منتظم، باہمت و باوقار ہو، اور اس قدر کام اس کے سپرد نہ کئے جائیں جو اس کی طاقت سے باہر ہوں، اور تنخواہ اس کی معقول مقرر کرنی چاہیے، ایسے اپنے لشکر کو بھی پیٹ بھر کر کھانا دے اور اگر کسی وقت قلعہ بند ہونے کا موقعہ ہو تو اپنے لشکر کو نہایت ترتیب کے ساتھ قلعہ کی حفاظت پر مقرر کرے اور قلعہ کی فصیل کو پہلے ہی سے درست کرے، اور پہرہ داروں کو بدلتا رہے تاکہ تھک نہ جائیں، اور پانی اور غلہ کی خوب حفاظت کرے اور جس راہ سے یہ چیزیں قلعہ کے اندر آتی ہوں اس راہ کو بھی چوکی پہرہ سے محفوظ رکھنا چاہیے، اور خود بنفس نفیس تمام قلعہ اور بروج و فضائل پر بادشاہ کو گشت کرنا ضروری ہے، اور رات کے وقت اپنے لشکر سے پرخطر اور پرخطر رہنا چاہیے تاکہ کوئی ضرر نہ پہنچے، اور دشمنوں کے حالات بخوبی معلوم کر لے اور چھوٹے سے چھوٹے دشمن کو بھی حقیر نہ بنانے کیونکہ مکھی اونٹ کو مار ڈالتی ہے اور بہت سے بچھو ایسے ہیں کہ جن کے کاٹنے سے انسان جاتا ہے، چنانچہ اس کا قول ہے:

وَلَا تَحْقِرَنَّ اقْرَبًا صَغِيرًا قَرِبْتَا تَمُوتُ الْاِفَاعِي مِنْ سَقُومِ الْعَقَارِبِ
یعنی کسی چھوٹی سی بات کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے، کیونکہ اکثر مرتبہ افعی (سانپ) بچھوؤں

کے زہر سے مر جاتے ہیں، اور دشمنوں کے مکر سے بھی ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے اور حاکم یا ولی کو شراب نہ پینی چاہیے، کیونکہ شراب میں بہت سی آفتیں ہیں، اور خصوصاً صاحب ملک سے بہت لوگ حسد کرتے ہیں۔

نجاشی حبش کے بادشاہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب سے سوال کیا کہ تمہارے نبی کا کھانے میں کیا طریقہ ہے جعفر نے فرمایا وہ زمین پر کھانا کھاتے ہیں، نجاشی نے کہا یہ بات ان کی تواضع کے سبب سے ہے، جس سے ان کے اصحاب کے دل ان کی طرف مائل اور منجذب ہوتے ہیں۔ پھر نجاشی نے کہا کہ اگر تمہارے نبی بادشاہ ہوتے تو خوان پر اپنے بھائیوں اور خاص خاص لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے، تنخواہ میں اگر کسی کو جاگیر دی ہو تو خیر اور اگر ماہوار از نقد مقرر ہو تو ہر مہینہ میں دینی چاہیے، اور بادشاہ کو السلام علیکم کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے، اور جو سفیر غیر ممالک سے اُس کے پاس آویں تو ان کی خاطر مدارات میں کمی نہ کرے، کیونکہ اس کے سبب بہت بڑی بدنامی ہوتی ہے، اور شعراء اور عوام الناس ہجو کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہفتہ کے دنوں کو تقسیم کر رکھا تھا، بعض دن لشکر کی نگہداشت کے واسطے اور بعض دن فیصلوں کے واسطے، اور بعض دن سفیروں سے ملاقات کے واسطے، بعض دن عبادت و ذکر کے واسطے، اور فرماتے تھے اے ارکان سلطنت اہل علم و اصلاح کی صحبت اختیار کرو کیونکہ جب تم گمراہ ہو گے تو وہ تم کو ہدایت کریں گے۔ اور جس بات سے تم جاہل ہو گے وہ تم کو بتلائیں گے، اور جب تم غضب میں ہو گے تو وہ تم کو مہربان کر لیں گے، اور جب تم محروم ہو گے تو وہ تم کو نفع دیں گے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

وَلَا تَصْحَبْ أَخَا الْجَهْلِ وَآيَاكَ وَإِيَّاهُ فَكُم مِّنْ جَاهِلٍ أَرَوِي حَلِيمًا حِينَ أَخَاهُ
یعنی جاہل کی صحبت میں نہ رہو، اور اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کیونکہ بہت سے جاہلوں نے حکیموں سے بھائی چارہ کر کے ان کو دھکا دے دیا ہے۔

بادشاہ کو چاہیے کہ زیادہ لوگوں کو اپنا ہمنشین نہ بنائے، اور ہنسی مذاق بالکل چھوڑ دے، ہیبت اور وقار کی عادت ڈالے اور وزیر بھی نہایت قابل اور عالم تجربہ کار ہر شخص کے مرتبہ اور عزت سے واقف ہونا چاہیے، جو ہر شخص کے ساتھ اس کی عزت اور قابلیت کے موافق سلوک کرے، اور جاہل شخص کی خوشی لبا سی کچھ عزت نہیں رکھتی، نقل ہے کہ بہلول دانا ایک روز ہارون رشید کے دربار میں آئے اور جہاں لوگ جو تیاں اتارتے تھے وہاں بیٹھ گئے، ہارون رشید نے ان سے کہا کہ یہاں صدر مجلس میں تشریف رکھیے بہلول نے کہا جو مجلس کہ فنا ہونے والی ہے اس

کا صدر کہاں ہے اور پھر یہ اشعار پڑھے:

كُنْ رَجُلًا وَّارِضًا بِصَفِّ النَّعَالِ وَلَا تَطْلُبِ الصَّدْرَ بَغَيْرِ الْكَمَالِ
فَإِنْ تَصَدَّرْتَ بِلَا أَلَةٍ جَعَلْتَ ذَاكَ الصَّدْرَ صَفِّ النَّعَالِ

یعنی تجھ کو چاہیے کہ ایک معمولی شخص بنے اور جوتیوں کی صف میں بیٹھنے کے ساتھ راضی ہو جائے، اور بغیر کمال حاصل کئے صدر جگہ نہ تلاش کرے پھر اگر بغیر کمال کے صدر جگہ میں تو بیٹھا تو اس صدر جگہ کو تو نے جوتیوں کی صف بنا دیا، بادشاہی کے لوازمات میں سے یہ بھی ایک بات ہے کہ بادشاہ ایک خاص کھانا اپنے واسطے پسند کرے، جیسا کہ مامون عباسی نے اپنے واسطے ایک کھانا تجویز کیا تھا جس کا نام مامونہ تھا، ایسے ہی مہلب عراق کے کھانے کا نام مہلبیہ تھا، اور بنی امیہ ہریسہ اور زلابیہ بکثرت کھاتے تھے، اور گوشت کو دہلواتے نہ تھے، بلکہ صرف کھال اتار کر پکوا لیتے تھے، ابوطالب ملکی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے جبرائیل علیہ السلام سے قوت جماعی کی ضعف کی شکایت کی انہوں نے ہریسہ کھانے کو کہا جس کے سبب سے میں اپنی پشت میں قوت پاتا ہوں، اور حضرت سکندر ذوالقرنین چوزہائے مرغ کا شور با پسند کرتے تھے، کیونکہ یہ خلط صفراوی کو تسکین دیتا ہے ایک دفعہ بہ سبب غلبہ صفراء کے ذوالقرنین کی پیشانی میں درد ہوا تب انہوں نے سرکہ ^{سکین} بنجین پی، پھر کہا اس سے میری پیشانی کو تسکین ہوگئی۔

بادشاہ کے واسطے درمیانی درجہ کے آٹے کی روٹی پکنی چاہیے کیونکہ میدہ کی روٹی دیر ہضم ہوتی ہے، اور کمزور معدہ کو نقصان پہنچاتی ہے، اور موٹے آٹے کی روٹی ضعیف معدہ اور بانغمی مزاج کو مفید ہے۔

ساتواں مقالہ

(حاشیہ دولت کی ترتیب میں)

فراش کے واسطے ضروری ہے کہ پاکیزہ اور صاف طبیعت ہر چیز کو ستھرا رکھنے والا اور قوی شخص ہو، اور کھانے اور میوہ جات اور ترکاریوں کی ترتیب اور دسترخوانوں پر لگانے سے خوب واقف ہو، اور یہی باتیں باورچی اور آب دار کے واسطے ضروری ہیں، اور آب دار خانے میں سرد پانی اور ہر قسم کے شربت وغیرہ موجود رہنے چاہئیں، اور ^{سکین} بنجین کا نہار منہ پینا بہت نافع ہے، اور

کھانا اس سے ہضم ہوتا ہے، اور معدہ کو قوت ہوتی ہے، مگر معدہ میں نفخ پیدا کرتی ہے۔

بادشاہوں کو کھانے پینے میں اہل تصوف کے آداب اختیار کرنے چاہئیں، حضرت ابراہیم بن اودہم نے بادشاہوں کے تکبرانہ طریقہ کو چھوڑ کر اہل تصوف کا طریقہ اختیار کیا تھا، اور کھٹی چیزوں کے ساتھ کھانا شروع کرتے تھے، کھانے کے وقت جو خدمتگار اور رکاب دار ہوں وہ نہایت چست اور چالاک اور جوان ہونے چاہئیں، اور لشکر کے سپاہی بھی ایسے ہی ہونے ضروری ہیں، بوڑھے لوگ بھی ہیبت اور وقار اور مشورہ کے واسطے ساتھ ہونا ضروری ہیں، اور لشکر کو دشمن کے مقابلے پر نیچی جگہ اتارنا چاہیے، اور قلعہ کا محاصرہ کرنے کے واسطے جاڑے کا موسم بہتر ہے، اور سامان سفر تیار کرنے اور جنگ پر جانے کے واسطے گرمی کا موسم ہونا چاہیے۔

بادشاہ کو سفر میں اس وقت جانا چاہیے جب شمس برج سرطان میں ہو، اور جب شمس برج قوس میں ہو اس وقت سفر کو نہ جائے کیونکہ سال کی چار فصلیں ہیں نصف خریاں سے نصف ابلول تک گرمی ہے اور نصف کانوں اول تک حریف ہے، پھر نصف ازار تک جاڑا ہے، اور نصف خریاں تک ربيع ہے، حدیث میں وارد ہے کہ جب مہینے آدھے ہوتے ہیں زمانہ کا حال بدلتا ہے پھر اگر سوار ہو تو عصر کی نماز کے بعد سوار ہو، ورنہ مقدمات طے کرنے یا کتابوں کا مطالعہ کرنے یا خبروں اور فیصلوں کے سننے میں وقت صرف کرے، اور یہ سب باتیں بادشاہ کو خلوت میں کرنی چاہئیں، کیونکہ پہلے زمانہ کے بادشاہ جب سلام لینے کے لئے بیٹھتے تھے تو خلوت میں بیٹھتے تھے، اور چوبدار ایک ایک شخص کو سلام کے واسطے لاتا تھا، تاکہ زیادہ لوگ اکٹھے ہو کر بادشاہ کو کسی طرح کا صدمہ نہ پہنچائیں۔

اور مخبروں سے ہر قسم کی ادنیٰ ادنیٰ باتیں دریافت کرنی چاہئیں، اور کتب طب اور تواریخ خصوصاً شاہنامہ عجم اور سکندر نامہ اور مجموعہ واقدی وغیرہ کا ضرور مطالعہ جاری رکھے، اور بادشاہوں کے واقعات جیسا کہ شہر یاردیلیسی اور رستم زاد میں ہوئے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام اس زمانہ میں نبی تھے، پھر جو قضیے ان میں واقع ہوئے اور ایک نے دوسرے کو ہلاک کیا ان سب باتوں کو یاد رکھے تاکہ وقت پر کام آئیں۔

بادشاہ کے مصاحبوں کو چاہیے کہ اس کی حفاظت میں بہت کوشش کریں، خصوصاً حمام میں، کیونکہ اکثر بادشاہ حمام میں ہلاک ہوئے ہیں، اور بادشاہ کے ہر ایک راز کو نہایت پوشیدہ رکھیں کہ کوئی دوسرا قائم مقام ہو جائے پھر اس کی بیعت کے استحکام کے بعد اس کی موت کی خبر شائع کریں۔

اے بادشاہ جہاں تک تم سے ہو سکے ایسا کام کرو جن سے ہمیشہ تمہارا ذکر خیر کے ساتھ جاری رہے، اور ابن ابی الدنیا کی کتابوں اور تاریخ طبری کا ملاحظہ کرنا ضروری ہے، اور حنفی اور شافعی جو مذہب رکھتا ہو اس کی کتابیں بھی ضرور دیکھنی چاہئیں، اور کوئی فعل بدعت اختیار نہ کرے کیونکہ بنی بویہ وغیرہ کی سلطنت خواہش پرستی ہی کے سبب سے برباد ہو گئی، اور تم کو اپنے اور خدا کے درمیان میں صلاح اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

حکایت ہے کہ ایک ظالم بادشاہ گھوڑے پر سوار کسی ضرورت کے واسطے جا رہا تھا ملک الموت نے گھوڑے ہی پر اس کی روح قبض کر لی، اور وہ اپنی خواہش کو پورا نہ کر سکا، اور ایک نیک بادشاہ کے پاس ملک الموت نے آکر کان میں کہا کہ میں ملک الموت ہوں، بادشاہ نے جواب دیا کہ مرحبا تم خوب آئے اور بہت اچھے آئے، تمہارا مجھے بہت انتظار تھا اب تم جس کام کو آئے ہو اس کو شروع کرو ملک الموت نے کہا کہ میں یوں تمہاری روح قبض نہ کرونگا بلکہ جس حالت کو تم اختیار کرو اس میں تمہاری روح قبض کرونگا، بادشاہ نے اسی وقت وضو کر کے سجدہ میں سر رکھا اور سجدہ ہی میں ملک الموت نے روح قبض کی، اور ایک لطیف حکایت یہ ہے کہ جب محمود بن بومیہ ملک عراق کا مالک ہوا تو اُس نے اپنے غلام کو ایک ہزار اشرفیاں دیکر کہا کہ تو اصفہان میں جا، اور وہاں شاہی سڑک کے قریب ایک مکان ہے اس میں ایک بوڑھا اور بڑھیا رہتے ہیں، اُن کے پاس جا کر سلام کر کے یہ اشرفیاں ان کو دینا اور کہنا کہ تمہارے بیٹے نے پوچھا ہے کہ اس کے فراق میں تمہارا کیا حال ہے، جب یہ غلام وہاں پہنچا اور ان سے حال بیان کیا تو انہوں نے کہا یہ اشرفیاں تو واپس لے جا، اُس نے کہا کہ تم دونوں محتاج ہو بہتر ہے کہ یہ تمہارے کام آئیگی، انہوں نے کہا ہمارے دل کی تو تو نگری باقی ہے پھر یہ شعر پڑھا:

لَا قَبْرَ وَرَيْنِي وَتَزُدْرِي خَلْفِي فَإِنَّمَا الدُّرُ دَاخِلُ الصَّدْفِ

مجھکو برانہ کہہ بلکہ میرے اخلاق کو برا کہہ پس بے شک موتی سیپ کے اندر داخل ہوتا

ہے، اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دو اشعار اسی مضمون میں ہیں۔

عَلَى ثِيَابٍ لَوْ تَبَاعُ جَمِيعُهَا بِفَلْسٍ لَّكَانَ انْفَلَسُ مِنْهُنَّ أَكْثَرُ
وَبِهِنَّ نَفْسٌ لَوْ تَقْبَسُ بَعْضُهَا نَفُوسُ الْوَرَى كَانَتْ أَجَلٌ وَالْبَرُّ

یعنی میرے جسم پر ایسے کپڑے ہیں کہ وہ سب ایک پیسہ کو فروخت کئے جائیں، تو

ایک پیسہ بھی ان سے بہت زیادہ ہے، اور ان کے اندر ایک ایسا نفس ہے کہ اگر مخلوق میں سے

بہت سے نفوس کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جائے تو ان سے بزرگ اور بڑا ہے۔

اور بادشاہوں کے واسطے ایک گانا سنانے والے شخص کی بھی ضرورت ہے، جو عالم موسیقی سے خوب واقف ہو، اور شاعر اور خوش آواز بھی ہو، اور کتاب موسیقی کا مطالعہ کرتا ہو، خصوصاً شیخ الرئیس ابو علی بن سینا کی کتابیں ضرور دیکھتا ہو، اور ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب سبیل الایماء السبیل میں بیان کی ہے، اور ایک نقطہ یہاں بھی بیان کرتے ہیں، نقطہ کہا گیا ہے کہ گردش افلاک سے ایسے نغمے خوش ظاہر ہوتے ہیں کہ اگر ان کو کوئی غافل سنے تو بے ہوش ہو جائے، اسی گردش افلاک سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نغموں کی ترجیحات مثل مربع اور مسدس اور مٹمن کے جو ذوذوایا ہے، بطریق تلحین کے اخذ کی ہیں، اسی گردش سے زردست بنی مجوس نے زمزمہ مرتب کیا ہے، اور نصاریٰ نے بھی اس میں سے کچھ لیا ہے، چنانچہ الحان روم اولد تجنیس عراق میں اور زقائوق عجم میں اور طبل زنی حبشہ میں اور بوق یہودیوں میں ہے۔

اور یہ کل ستر داستانیں ہیں، مثل داستان رجب کے اس کے ورن میں کہتے ہیں، الْكَسْبُ فَانْتَ الْمُظْفَرُ اَرْكَبُ فَاللَّهُ اَكْبَرُ اور باقی لڑائی کے وقت اور منزل پر اترنے کے وقت وغیرہ کی داستانیں ہیں، سقراط کا قول ہے کہ آواز کے نغموں کا مثبتک ہونا عبادات کی صورتوں سے ہے، اور اصل اس کی گردش افلاک سے ہے، اور اس کی تاثیر ایسی ہے جیسے نظر بد اور جادو کی، ہم اس کو موقع پر بیان کریں گے۔

بادشاہوں کی خدمت میں حکماء کے اس قول کے مطابق رہنا چاہیے کہ جب تو بادشاہ کی خدمت میں ہے تو ہر وقت خوف کا لباس پہنے رہ، اور جب تو ان کے پاس جائے تو اندھا ہو کر جا یعنی ان کے کسی سبب پر نظر نہ کر، اور جب ان کے پاس سے آئے تو گونگا ہو کر آ یعنی ان کی بات کسی سے نہ کہہ۔

آٹھواں مقالہ

(چوہداروں اور روزیروں اور منشیوں کی ترتیب میں)

چوہدار پس پشت کھڑے ہوں اور روزیردائیں ہاتھ کی طرف بیٹھے اور منشی بادشاہ کے تحت کے پاس زبردست بیٹھے اور تحت کے قریب کوئی شخص نہ بیٹھے اور دربار ہیبت و وقار سے پر ہو۔

بادشاہ کو جو کام ہو وہ چوہدار سے کرائے اور خطوط کے چوب منشی سے لکھوائے اور جو

ت دریافت کرنی ہو وزیر سے دریافت کرے اور معاملات ملکی میں خود بادشاہ غور کرے اور
ازموں کی ترتیب و تادیب میں بادشاہ کے بعد وزیر خیال رکھے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ بادشاہ جمعہ کی نماز میں جائے تو ایک علیحدہ مسجد کے حجرہ
میں نماز پڑھے جس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا ہو اور معتبر لوگ بادشاہ کے ساتھ اس حجرہ میں
وجود ہوں اور بادشاہ سب لوگوں کے بعد اپنے خاص دروازے سے مسجد میں داخل ہو۔

ہفتہ میں دو روز بادشاہ کو قرآن خوانی اور لوگوں سے ملاقات کرنے اور اہل علم سے
محبت رکھنے کے واسطے ہونے چاہئیں۔ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر بادشاہ قرآن شریف
پڑھے۔ پھر قاری لوگ آ کر نوبت بنو بت قرآن سنائیں، پھر واعظ و عظ کہیں، پھر شاعر شعر
سنائیں، پھر قل ہو اللہ احد اور معوذتین اور فاتحہ اور اتم مفلحون تک پڑھ کر امام ختم کرے اور
بادشاہ اور مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر کرے، اور ہفتہ میں ایک روز بادشاہ عبادت اور ذکر
ور حساب کتاب دیکھنے میں صرف کرے۔

نواں مقالہ

(نان پز اور باورچی اور قصاب کی ترتیب کے بیان میں)

قصاب اور نان پز اور باورچی غیر مذہب نہ ہونا چاہئے کیونکہ غیر مذہب پاکی ناپاکی
کی پرواہ نہیں کرتا ہے، اور طعام پزی کا کل سامان باورچی خانہ میں موجود رہنا چاہئے، اور
گوشت کو زیادہ دھونا اور ہاتھوں میں ملنا اچھا نہیں ہے باورچی نہایت تجربہ کار اور ہوشیار، اپنے
فن سے خوب واقف ہونا چاہئے، اور کشاجم کی کتابیں جو اس فن میں ہیں اس کے مطالعہ میں
رہیں، اور شربت، مربے، روغن، میٹھائیاں، خوشبو عات اور عجیب و غریب رنگ بادشاہوں کے
واسطے ہر وقت موجود رہنے چاہئیں۔

جو مرغ یا پرندے گھروں میں بند رہتے ہیں ان کا گوشت کھانا مفید نہیں ہے بلکہ عمدہ
اور مفید گوشت آزاد جانوروں کا ہے، جن میں ترش پانی ڈال کر پکایا گیا ہو اور روٹی اُس کے
شوربے میں بھگو کر کھائی جائے، اور میٹھائی عمدہ وہ ہے جس میں آٹا زیادہ اور مٹھاس بقدر
ضرورت ہو۔ مفصل حال ان سب چیزوں کا ان فن کی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے مختصر طور پر
ان کا بیان ہم نے اپنی کتاب سلسبیل میں کیا ہے۔

اور اگر اعلیٰ درجہ کی باتیں معلوم کرنی ہوں تب کتاب شفاء شیخ اور نجات کو دیکھنا چاہیے، اور اگر کتب اصول دینیہ دیکھنی منظور ہوں تو شافعی مذہب میں امام الحرمین کی کتاب اور ارشاد اور ہماری کتابوں میں سے الاقصاد فی علم الاعتقاد اور کتاب قواعد العقائد جو احیاء علوم الدین کا پہلا حصہ ہے، اور رسالہ قدسیہ وغیرہ کو دیکھو اور کتب طب کو بھی ضرور ملاحظہ کرو، اور علوم شرعیہ کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے تاکہ مولوی اور مفتی کی غلطی معلوم کر سکو، اور علم حساب سے بھی واقفیت ہونی چاہیے، اور تحصیل دار بھی ایسے ہی لوگوں کو بناؤ جو حساب میں پوری مہارت رکھتے ہیں، اور جو مقابلہ اور مساحت سے خوب واقف ہیں اور امتحان میں پورے اترتے ہیں جیسے کہ منشیوں سے رسائل اور جواب لکھوا کر امتحان لیا جاتا ہے اور ان لوگوں کو کتب قوانین سے بھی آگاہ ہونا چاہیے اس کام کے واسطے صاحب بن عباد بن اسحاق صحابی کا رسالہ بہت مفید ہے اور منشی کو نہایت فاضل اور جلد لکھنے والا اور کتب دفاتر سے واقف ہونا چاہیے۔

بادشاہ کو چاہیے کہ اپنے کل حکام اور عمال سے ان کے کاموں کا حساب لے، اور ہر شہر کے وکیلوں سے عدل یا ظلم کا حال دریافت کرے کہ وہاں کے حاکم نے کیا انتظام کر رکھا ہے اور بادشاہ کو بد مزاج یا کھلاڑی یا بد زبان نہ ہونا چاہیے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ شطرنج کھیلنا بادشاہ کو جائز ہے مگر نزد یعنی چوسر نہ کھیلے کیونکہ یہ قمار بازی سے مشابہت رکھتی ہے جب اردشیر نے نزد کو ایجاد کیا ہے تو کسی نے اُس سے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائیں، اردشیر نے کہا کہ میں اس کی طرف سے ہاتھ کاٹ لوں گا یعنی اس کے ساتھ نہ کھیلوں گا ایسے ہی حجاج بن یوسف نے اپنی مٹی کھانے کی شکایت کی کسی نے کہا اپنی ہمت اپنا عزم مٹی پر ڈال دے پس حجاج نے پھر کبھی مٹی نہ کھائی۔

بِقَدْرِ الْكَسْبِ يَكْتَسِبُ الْمُعَالِي وَمَنْ طَلَبَ الْعَلَى سَهَرَ اللَّيَالِي
تُرُو مَالِ الْعَزْثَمِ تَنَامُ لَيْلًا يَغْرُوصُ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّالِي
لَنَوَلِ الصَّحْرَ مِنْ قَتْلِ الْجِبَالِ أَحْبُّوَالِي مِنْ مَنِ الرَّجَالِ
وَقَالُو مَفْتَى فِي لَكْسِبِ عَارٍ نَقَلَتْ أَلَمَامِ فِي ذَلِ السَّوَالِ
إِذَا عَاشَ آرَاءُ "بَسْتَيْنَ عَامًا فَنِصْفُ الْعُرْتُحْفَةُ اللَّيَالِي
وَنِصْفُ النَّصْفِ يَمْضِي لَيْسَ يَدْرِي أَتَقْضِي فِي يَمِينِ أَوْ شِمَالِ
وَرُبْعُ الْعُمَرِ أَمْرَاضُ "وَشَيْبُ" وَشُعْلُ "بِالتَّفْكَرِ وَالْعِيَالِ
فَجُبُّ الْمَرِّ طُولُ الْعُمَرِ قُبْحُ" وَقِسْمَتُهُ عَلَى هَذَا الْمِثَالِ

تکلیف کے برابر بلند مرتبے حاصل کئے جاتے ہیں اور جو شخص بلند کا طالب ہوتا ہے وہ راتوں کو جاگتا ہے، تم عزت کا قصد کرتے ہو اور رات کو سوتے ہو جو موتیوں کا طالب ہوتا ہے وہ سمندر میں غوطہ لگاتا ہے، میرے نزدیک پہاڑی کی چوٹی سے پتھر ڈھونا کسی کا احسان لینے سے بہتر ہیں جو ان سے لوگ کہتے ہیں کہ کما کر کھانے میں بدنامی ہے، میں کہتا ہوں کہ بدنامی اور ذلت سوال کرنے میں ہے، اگر کوئی شخص ساٹھ برس زندہ رہا تو آدھی عمر اس کی راتیں مٹا دیتی ہے۔

اور ایک چوتھائی عمر اس طرح گزر جاتی ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ دائیں طرف گئی یا بائیں طرف، اور ایک چوتھائی عمر بیماریوں اور بڑھاپے کا حصہ ہے، اور اہل و عیال کے فکر و کار و بار کا، پس انسان کی درازی عمر کی خواہش کرنا بہت برا ہے کیونکہ عمر کی تقسیم اس طرح ہے جو بیان ہوئی۔

دسواں مقالہ

اے بادشاہ اگر تمہارا ارادہ کسی بادشاہ سے جنگ کرنے کا ہو تو پہلے اپنے لشکر کو دیکھو کہ کس قدر ہے، اور کیسی طاقت رکھتا ہے اور اہل لشکر کے دلوں کو نفاق سے پاک و صاف کرو، پہلے اپنے دشمن کی قوت کو دیکھو کہ اگر وہ تم سے زبردست ہو تو اس کی طرف رخ نہ کرو بلکہ اس کے ساتھ محبت و دوستانی کی راہ و رسم اختیار کرو، اور اگر وہ تم سے خود چھیڑ چھاڑ شروع کرے اور تم اسکے مقابلے کی طاقت نہ رکھتے ہو تو جہاں تک ہو سکے صلح کر لو کیونکہ زمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے، اگر تم اس وقت کمزور ہو اور ہمت سے کام لو گے تو امید ہے کہ تھوڑے عرصہ میں زبردست ہو جاؤ گے، اور جہاں تک تم سے ممکن ہو اپنے دشمن کے مقربوں، مصاحبوں اور سرداروں کو اپنے سے ملا لو اگر چہ رشوت دینی پڑے، اور جس طرح ہو سکے دشمن کے لوگوں میں عداوت ڈالو، اور ایک کو دوسرے کی طرف سے بہکا دو اور خوب دھوکے دو مگر نہایت ہوشیاری اور عقلمندی سے کہ تمہارا راز فاش نہ ہو جائے اور اگر تمہاری سلطنت میں کوئی ایسا شخص ہو جس سے تم اندیشہ رکھتے ہو اور اس کو سزا دینے کا موقع نہ ہو تو حکمت اور تواضع کے ساتھ اس کو اپنے سے ملاؤ تاکہ تمہارا راز کسی سے ظاہر نہ کرے اور تمہارے دشمن سے نہ مل جائے اور پھر اس کی تاک میں رہو، یقین ہے کہ تھوڑے عرصہ میں تمہارا قابو چل جائیگا اور تم بخوبی بدلہ لے لو گے، اور اگر تم کسی

قلعہ کا محاصرہ کرو تو لازم ہے کہ ایسی ترکیب لڑاؤ جس سے قلعہ والوں میں اختلاف ہو جائے۔
حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب رستم زاد پر لشکر کشی کی اور وہ قلعہ بند ہوا تو سلیمان
علیہ السلام نے رستم زاد کو لکھا کہ تمہارے ساتھی اور رفیق چاہتے ہیں کہ تم کو گرفتار کر کے
تمہارے دشمنوں کے حوالہ کر دیں، اور ایک خط علیحدہ اس کے بڑے بڑے سرداروں کو اس
مضمون کا لکھا کہ رستم تم لوگوں سے اندیشہ ناک ہے اور یہ خط اُس نے میرے پاس تمہارے
مکر و فریب کے متعلق بھیجا ہے، پس اگر یہ قلعہ شہر یار کے قبضہ میں گیا تو تم سب لوگ قتل ہو
جاؤ گے، پھر جب لڑائی ہوئی وہ سب لوگ بھاگ کر شہر یار سے جا ملے اور رستم قتل ہو گیا۔ اور
حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہایت اطمینان سے دونوں کو منگوا لیا، یعنی رستم کو بھی اور شہر یار کو
بھی اور عجمیوں کے قتل و غارتگری کی وہ حالت ہوئی جو بنی اسرائیل کی بخت نصر کے زمانہ میں
ہوئی تھی، اور عورتوں کی حالت ایسی بیکسی کی تھی کہ جس کا جی چاہتا ان پر تصرف کرتا تھا۔

اور اے بادشاہ تم اس شخص کی طرح نہ بنو جس نے شہد کے قطروں کے چاٹنے پر اکتفا
کر لیا تھا، اگر تم ایسا کرو گے تو تینوں شخصوں میں سے زیادہ بد نصیب ہو گے مظلوم کو ثواب ہوتا
ہے اور ظالم اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے، اور تم پر صرف حساب کی سختی باقی رہے گی، اور حسرت سے
یہ کہو گے کہ اے کوئے یہ ویرانہ کب آباد ہوگا، اور جب تم قلعہ کا محاصرہ کرو تو قلعہ والوں کو پیغام
بھیجو اگر آدمی کے ہاتھ نہ ہو تو لکھ کر تیر میں باندھو اور قلعہ پر پہنچا دو کہ جو کوئی اپنی سلامتی چاہتا ہو
وہ ہمارے پاس آ جائے پھر جب قلعہ فتح ہو جائے تو ہر طرف اس میں محافظ مقرر کرو کہ کوئی شخص
اس میں آنے جانے نہ پائے، اور جو لوگ تمہارے مخالف ہوں جس طرح چاہوں ان سے سلوک
کرو، اور شمشیر زنی شروع کر دو اور لوٹ اور قتل کا چاروں طرف قلعہ میں حکم دے دو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے جب خیبر کا محاصرہ کیا ہے تو نکلنے والوں کو راستہ دے دیا تھا مگر کسی کو قلعہ میں جانے
نہ دیتے تھے اور جو لوگ قلعہ سے نکلے تھے وہ بہت بھوکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو
کھانا کھلایا پھر اگر تم کو نقب زنی یا منجیق لگانے کی ضرورت ہو تو فوراً ان کاموں کو کرو، اور دشمن کو
خوب خوف دلاؤ اور اپنا رعب ان پر بٹھاؤ اور اگر قلعہ کی رعایا کسی طرف کو بھاگ رہی ہو تو ان کو
بھاگ جانے دو اور ان کی طرف سے اپنے دل میں برائی کو راہ نہ دو۔

گیارہواں مقالہ

سفر میں جانے سے پہلے سامان سفر تیار کر لینا چاہیے، اور سفر میں جانے سے ایک ت پہلے سے اپنے لشکر میں تیاری کا اعلان کر دو پھر جب تم سفر میں چلے جاؤ تو کسی ایسے شخص کو قائم مقام کرو جو تمہارے پیچھے فوجیں تیار کر کے تمہارے پاس بھیجتا رہے اور جس قدر جس کام کے کاریگروں کی ضرورت ہو وہ سب تمہارے پاس ہونے چاہئیں اور تمہارے لشکر کے بازار میں نہایت امن و انتظام ہونا چاہیے اور تمہارے وزیر کو کتب سیاست پر پورا عبور ہونا چاہیے مثلاً کتاب مسالک والممالک اور سیاسیات مغربی جس کو شیخ الرئیس نے اپنی کتاب ادویہ بیہ کے آخر میں لگا دیا ہے اور کتاب قوانین الملک بن مرہ کی فن بیطرہ یعنی سلوتری کے فن کی کتابوں کو بھی دیکھنا ضروری ہے، مثلاً بیطرہ کشاجم اور بیطرہ ابن قتیبہ و کنہیل الرومی ان کتابوں میں جو پایوں کی بیماری اور ان کے علاج و ادویات کا مفصل ذکر ہے اور ان کی کل اقسام کا بھی بیان ہے چنانچہ گھوڑے کی ساٹھ قسموں میں حضرت سکندر گھوڑے کو دیکھ کر اس کے مرض کو پہچان لیتے تھے۔ جانوروں کی طب نہایت مشکل ہے کیونکہ ان کے مرض کا حال کہنے سننے سے معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ حضرت سکندر ایک بلند جگہ خیمہ لگا کر اس میں بیٹھتے تھے۔ اور جانوروں کا معائنہ کرتے ہوئے کسی نے کہا کیا یہ کام آپ خود کرتے ہیں؟ کہا ہاں، کیونکہ یہ کام میری ذات کا ہے، ایک گھوڑا ان کے سامنے بیمار ہو گیا فوراً انہوں نے اشنان کا پانی اس کو پلایا وہ اچھا ہو گیا اور جو پایوں کے واسطے ایک مجرب علاج یہ ہے کہ کفاروں کے قبرستان میں ان کو لے جایا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا جانور ان کی قبروں سے عذاب کی آوازیں سنتے ہیں اور خوف زدہ ہو کر ان کو آرام ہو جاتا ہے، حیوانات، نباتات اور جمادات کے بہت خواص اسی قسم کے ہیں جن میں سے مختصر ہم نے اس کتاب کے بعض مقالوں میں بیان کئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر بیت المقدس کو فتح کر کے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو وہاں کا امیر مقرر کیا تو میں ہجرت کر کے بیت المقدس پہنچا اور عبد اللہ کے پاس گیا تو میں نے ان کے ہاں نہ کوئی چوب دار دیکھا نہ دربان دیکھا، میں نے اُس کا سبب ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا عنقریب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کو حاصل کریں گے پھر تم سنو گے کہ اُن کے مکان میں کیا ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں پھر میں نے ابن مسعود کو دیکھا کہ اپنے گھوڑے کا دانہ اپنے ہاتھ سے درست اور صاف کر رہے تھے، میں نے اس کا سبب پوچھا کہنے لگے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے جو شخص اپنے گھوڑے کا دانہ اپنے ہاتھ سے صاف کریگا ہر دانہ کے بدلے دس نیکیاں اُس کو ملیں گی، اب تم بتاؤ کہ میں اپنا یہ ثواب غیر کو کیوں دوں اور جو بات کہ تم کو نجات دے وہ تمہارے اس تکبر سے بہتر ہے جو تم کو سرکش بنا دے۔

اور ایسے ہی ابو حازم سے منقول ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس گیارہ رات کا وقت تھا چراغ خاموش ہونے لگا عمر خود چراغ کو درست کرنے کھڑے ہوئے میں نے کہا میں تمہارے غلام کو جگا دیتا ہوں، کہا نہیں، میں نے کہا میں درست کر دوں کہا نہیں، پھر خود ہی اس کو درست کیا اور کہا جب میں کھڑا ہوا تو میں عمر تھا اور جب میں بیٹھ گیا تو میں عمر تھا تکبر کرنے والوں کو خدا غارت کرے۔

إِذَا عَظِمَ إِلَّا نَسَانُ زَادَتْ وَاضِعًا وَإِنْ لَوْمَ إِلَّا نَسَانُ زَادَتْ رَفْعًا
كَذَٰلِكَ الْغُصْنُ إِنْ تَقْوَى الثَّمَارَ تَنَالَهُ وَإِنْ يُعْرُ عَرِ جَمَلِ الثَّمَارِ تَرَفُّعًا

بارہواں مقالہ

آداب سفر کے بیان میں

اے بادشاہ جب تم سفر میں جاؤ تو اپنے محافظ اور چوکیداروں کو خوب ہوشیار رکھو اور خود بھی ہر وقت ہوشیار رہا کرو، دن کو پیٹ بھر کر کھایا کرو اور رات کو بیدار رہا کرو، ادھر ادھر کی خبریں اور واقعات مجبوروں سے سنا کرو، اور جب گھر پر ہو تب بھی دروازہ کی وہ چوکی خوب مضبوط رکھو، اور دربان نہایت خیر خواہ ہونا چاہیے اور محل میں ایک خاص کمرہ اپنے رہنے کے واسطے تیار کرو۔ جس کی کنجی تمہارے ہی پاس رہے پھر اگر تم کو کسی وقت حرم کی ضرورت ہو تو سرد مزاج یعنی گوری عورت سے پرہیز کرو، حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ آپ سیاہ رنگ کو سفید رنگ پر کیوں ترجیح دیتے ہیں فرمایا ایک سرد مزاج ہے اور ایک گرم مزاج ہے۔ اور

احب انسان بزرگ ہوتا ہے تب تو واضح زیادہ کرتا ہے اور اگر نالائق ہوتا ہے تو اپنے آپ کو بلند سمجھتا ہے اسی طرح جو بہتی درخت کی پھل دار ہوتی ہے وہ جھکتی ہے اور جو خالی ہوتی ہے وہ اونچی رہتی ہے نہلا شاخ پر میوہ بر زمین۔

سرد مزاج کام کی نہیں ہے، کسی کا قول ہے کہ عمدہ جماع وہ ہے جو نہایت بے باکی کے ساتھ ہو، ایک بادشاہ نے قوت جماعی کی ضعف کی شکایت کی اور یہ بادشاہ گرم دواؤں کے استعمال سے خوف کرتا تھا حکیموں نے اس کے واسطے ایک کتاب لکھی جس میں بطریق حکایت کے لکھا تھا کہ فلاں عورت نے فلاں شخص کے ساتھ یہ کیا اور فلاں شخص نے فلاں عورت کے ساتھ اس طرح کیا بادشاہ کو اس کتاب کے پڑھنے سے آرام ہو گیا اور قوت اس کی از حد تیز ہو گئی حجاج نے اسی مضمون میں شعر کہا ہے۔

وَ اَكْرَهْنَ النِّسَاءَ لِلشَّيْبِ اِلَّا اِنَّهٗ مُؤْذِنٌ بِنَوْمِ الذُّكُوْرِ
عورتیں بڑھاپے کو اسی سبب سے برا سمجھتی ہیں کہ مرد بوڑھے ہو کر سو جاتے ہیں اور عورتوں کے کام کے نہیں رہتے۔

ماموں رشید کی دو لونڈیوں ایک سیاہ اور ایک سفید میں تکرار ہوئی سفید نے سفیدی کی تعریف کی اور کہا کہ برف دوا میں کام آتی ہے اور سورج کی سفیدی نہایت عجیب ہے، اور کپڑوں میں بہتر کپڑا سفید ہے، سیاہ لونڈی نے جواب دیا کہ عنبر اشہب اور عود قماری گردنوں کے ہاریں خوشبو میں لگائے جاتے ہیں، اور جاڑے میں کونے گرمی کے ٹھنڈے پانی سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں، اور آنکھ میں سفیدی اندھا کر دیتی ہے، اور شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور جوانی کی سیاہی کو سب عورتیں تلاش کرتی ہیں بنی عباس کے قبوں کی سیاہی کیسی ہیبت ناک ہے پھر اُس نے یہ شعر پڑھا۔

اُحِبُّ بُجْبَهَا السُّودَانَ حَتَّى اُحِبُّ لِبَجْبِهَا سُودَ الْكِلَابِ
ایک معتبر شخص نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ منصور نے بہت سے سادات علویہ کو شہید کرایا چنانچہ بقیہ سادات یمن کی طرف ہجرت کر گئے، مامون خلیفہ ہوا تو اُس نے اہل بیعت سے محبت اختیار کی اور ان کو تلاش کرنا شروع کیا چنانچہ معلوم ہوا کہ بہت سے سادات بتی فاطمہ یمن میں ہیں مامون نے ان کے بلانے کو قاصد روانہ کئے جب ان سادات کو خبر ہوئی تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے یہ بات قرار دی کہ ہم لوگ بذات خود تو نہیں جاتے بلکہ ہمارے وہ غلام جو شکل و شمائل میں ہم سے مناسبت رکھتے ہیں اُن کو اپنے نام سے بھیج دیتے ہیں پھر انہوں نے ایسا ہی کیا کیونکہ مامون کی طرف سے سادات موصوفیں مطمئن نہ تھے الغرض جب یہ سادات جو دراصل غلام تھے مامون کے پاس پہنچے تو اُس نے ان کی بہت خاطر کی اور یہ لوگ سادات ہی مشہور رہے اور انہوں نے شادیاں کیں اور اولاد بھی اُن کی سادات کہلانے لگی اسی سبب سے

جب تم کسی سید کو بد صورت بد خلق بد دماغ دیکھو تو جان لو کہ یہ انہیں غلام زادوں میں سے ہے، کیونکہ سادات کا خاندان عالیشان ایسا نہیں ہے جس میں کمینوں کی گنجائش ہو سکے اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا مطلب ہے کہ ہم پاک گھرانے کے لوگ ہیں نہ ہم خود فسق و فجور کرتے ہیں نہ ہمارے ساتھ کیا جاتا ہے۔

تیرہواں مقالہ

(قسم کے متعلق حیلوں کے بیان میں)

شراب میں اگر لہسن ڈال کر جوش کریں تو قونج بارد کے مریضوں کو نافع ہے اور ہمارے بہت سے اصحاب اس کو جائز کہتے ہیں جس اختلافی مسئلہ کی صحت کا حاکم حکم کر دے اس کا اختلاف زائل ہو جاتا ہے۔

قسم ایسے الفاظ کے ساتھ کہانی چاہیے جن سے اس کے فسخ میں تاویل کر سکے اور قسم کھانے والے کی نیت پر موقوف ہوتی ہے وکیل کی عقل سے پرہیز کرنا چاہیے اور الفاظ قسم کے محدود نہ ہونے چاہئیں۔

اور اے بادشاہ تم حکماء کے قول اور ان کے ساتھ فتویٰ دینے کی ممانعت نہ کرو اور اگر تم ان کو اختیار کرو تو پوشیدہ رکھنا چاہیے، اور خدائے تعالیٰ اور اسکی صفات و افعال کے ساتھ قسم کھانے سے بہت خوف رکھو اور دیگر بزرگ چیزوں کی قسم کھانے میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور جھوٹی قسم کھانے سے شہرا جڑ جاتے ہیں اور جھوٹی قسم یہ ہے کہ جس بات کو جھوٹ جانتا ہو اس کے صحیح ہونے کی قسم کھائے اے بادشاہ جب تم دربار میں بیٹھو تو نہایت ادب و وقار کے ساتھ بیٹھو اور کلام بہت کم کرو کیونکہ بادشاہوں اور زاہدوں کو بہت کلام کرنا برا ہے اور علماء کو بہت سے فوائد کلام کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں اور خود بحث و مباحثہ نہ کرو بلکہ مباحثہ کرنیوالوں میں باہم مقابلہ کرو تم نے سنا ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے اپنے دل سے فتویٰ لو اگر چہ لوگ کچھ ہی فتویٰ دیں کیونکہ حلال اور حرام دونوں ظاہر میں اور ان کے درمیان میں امور متشابہات ہیں پس اس چیز کو چھوڑ دو جو تم کو شک میں ڈالے اور اس چیز کو اختیار کرو جو یقین سے پر ہو ایسے شخص کی دعا قبول ہوتی ہے اور مروت اُس کے اندر آتی ہے اور اندرون اسکا بہتر ہوتا ہے، اور نام اسکا بلند ہوتا ہے اور امید اسکی حاصل ہوتی ہے اور موت اسکی اچھی ہوتی ہے اور اولاد اسکی پاک ہوتی

ہے اور نطفہ اسکا نورانی ہوتا ہے، اور آنسو اسکے رفیق ہوتے ہیں اور حکمت اُس کی ظاہر ہوتی ہے اور غصہ اسکا دور ہوتا ہے، اور قلب اسکا نرم ہوتا ہے اور گناہ اسکے ہلکے ہوتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے علی ایک درہم مال حرام کا نہ لینا خدا کے نزدیک چالیس ہزار مقبول حجوں سے افضل ہے، اے علی جس نے ناحق غصہ کیا اس پر غصہ کیا جائیگا، اور جس نے ظلم کیا اس پر ظلم کیا جائیگا، اور جس نے کثرت کے ساتھ صدقہ دیا اُس کی اولاد کی مدد کی جائے گی۔

حرام کے اندر راز یہ ہے کہ کل نفوس کی معاد ایک ہے، اور کل نفوس کا قبض ہونے کا مرجع اسی کی طرف ہے پس جب ایک شخص ظلم کرتا ہے وہ ظلم کل نفوس کے اندر سرایت کر جاتا ہے۔ اور یہی اس کلام الہی کے معنی ہیں۔ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ..... فَيُ الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسِ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا..... یعنی جس نے کسی نفس کو بغیر قصاص کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے اس کو زندہ کیا یعنی قتل ہونے سے بچایا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا، اور جب تم کسی نیکی یا صدقہ کا ثواب کسی روح کو بخشتے ہو تو اس کا اثر سب روحوں کو پہنچتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے تیرا بعض حصہ طلاق والا ہے تو کس طرح طلاق ساری عورت پر واقع ہو جاتی ہے، کیونکہ طلاق ایسی چیز نہیں ہے جس کے حصے ہو سکیں۔ اے بادشاہ تمہارے واسطے ایک امام ضرور ہونا چاہیے، جو تم کو نماز پڑھایا کرے، اور امام بوڑھا یا اندھا ہو اور عالم دیندار ہو، اور تم اپنے غلاموں اور خدمتگاروں کو لکھنا پڑھنا اور رموز و ارشادات خوب تعلیم کرو اور ان کا معلم بھی بوڑھا شخص ہونا چاہیے اور عورتوں کے تعلیم دلوانے کو نیک بخت معلم تلاش کرائے، بادشاہ زمانے کے لوگ بہت خراب ہیں مرد مردوں سے اور عورت عورتوں سے بد فعلی کرتی ہیں اور یہ بات نہایت غضب الہی کے نازل ہونے کی ہے اور ایسی ہی باتوں میں لوگوں نے غلو کر کے تخیل و تحریم کو اڑا دیا ہے اور عقلی و نقلی بیہودہ دلیلیں قائم کر لی ہیں مثلاً نقلی دلیل خدا تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا یعنی خدا کی وہ ذات پاک ہے جس نے زمین کے اندر سب چیزیں تمہارے واسطے پیدا کی ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ کے لوگ اسی طریقہ پر تھے کہ نہ کسی چیز کو حلال جانتے تھے نہ حرام انبیاء نے حلال و حرام کی تفریق کی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَيَلِّ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ یعنی خرابی ہے ان مشرکوں کے واسطے جو زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں، اور یہ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے اموال سبھی حنیفہ کو مباح کر لینے کی حجت لاتے ہیں، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب موجود کے واسطے ہوتا ہے یا معدوم کے، اگر معدوم کے واسطے ہے تو معدوم ایسی چیز نہیں ہے جس سے خطاب کیا جائے پس جو لوگ ان کے زمانوں میں موجود تھے وہی ان کے مخاطب تھے اور اسی شبہ کے ساتھ بصریہ وغیرہ فرقوں نے تمسک کیا ہے، عنقریب ہم ان کے دلائل اور مواقع بیان کریں گے۔

اے بادشاہ ہم تمہارے طریقہ کے متعلق تم سے پورا بیان کر چکے ہیں کہ تم کو اچھا اور نفیس کپڑا پہننا، کم گفتگو کرنا، اپنے دوستوں اور ملازموں کو مؤدب رکھنا چاہیے، اور یہ بات ضرور ہے کہ وہ لوگ تم سے قریب ہوں یا دور ہوں مگر مطمئن ہوں، تمہاری طرف سے شک میں نہ ہوں جیسا کہ ایک حکیم کا قول ہے کہ تین شخص ہیں اگر تو ان پر ظلم نہ بھی کریگا تو وہ تیرے اوپر ظلم ضرور کریں گے، ایک اولاد، دوسری بیوی اور تیسرے بادشاہ، اور اے لوگو! تم کو بادشاہوں کے قرب سے دور رہنا چاہیے کیونکہ اگر وہ تم کو اپنے پاس رکھیں گے تو ضرور کسی وقت فتنہ میں ڈالیں گے اور اگر کہیں دور پہنچیں گے تو غمگین کریں گے۔

یہ سب وصیتیں حصول سلطنت کے متعلق ہیں اگر تم اسکے حاصل کرنے کا قصد کرو گے تو امید ہے کہ خدا تمہاری مدد کریگا اور جب خدا کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اسکے اسباب مہیا کر دیتا ہے، اور ہر کام کے واسطے اسباب کا ہونا ضروری ہے، دیکھو خدا تعالیٰ نے حضرت مریم کے واسطے خشک کھجور میں پھل لگائے پھر حضرت مریم کو حکم کیا کہ اسکو اپنی طرف بلاؤ تو تازہ بتازہ کھجوریں جھڑیں گی حالاں کہ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ بغیر مریم کے ہلائے کھجوریں جھاڑ دیتا، اسی طرح ہر کام میں حرکت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ *فِي الْحَرَكَةِ بَرَكَةٌ* یعنی حرکت میں برکت ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ قَالَ لِمَرْيَمَ وَهَزَيْ إِلَيْكَ الْجُدْعَ شَنِقِطًا الْوَقْلُ
وَلَوْ شَاءَ أَجْنُ الْجُدْعَ مِنْ خَيْرِ هَرَهَا وَالْكِنَّمَا الْأَشْيَاءُ تَجْرِي لَهَا سَبَبٌ
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خداوند تعالیٰ نے مریم سے فرمایا کہ کھجور کو اپنی طرف بلاؤ تم پر
تازہ کھجوریں جھڑیں گی، اور وہ چاہتا تو بغیر مریم کے ہلائے کھجوریں جھاڑ دیتا، مگر ہر چیز کے
واسطے سبب ہونا ضروری ہے۔

اے طالب سلطنت اگر تم سے ہو سکے تو سرخ و سفید بنانے کی ترکیب حاصل کرو مگر
یہ کام تم سے ہونا مشکل ہے مگر جب ہمت سے کام لو گے تو کچھ نہ کچھ راستہ تم پر کھل جائیگا، اور اگر

یہ کہو کہ کیمیا نہیں بن سکتی تو اگر یہ پہلے بنتی تھی تو اب بھی بنی ممکن ہے، کیا تم نے حضرت امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رموز میں نہیں سنا کہ زیبق جراج میں شب مصور کے ساتھ بے انتہا مال ہے مگر کم ہمت لوگ تم کو تمہارے حصول مقصد سے باز رکھتے ہیں ورنہ جو شخص کوشش کے ساتھ تلاش کرتا ہو کہ ایک درویش ذی علم نے اس حدیث کو سن کر کہا کہ میں اس کا تجربہ کرتا ہوں کہ بادشاہت مجھ کو حاصل ہوتی ہے یا نہیں، اور یہ شخص لائق سلطنت بھی تھا کیونکہ ذی علم مہذب و مؤدب آدمی تھا بادشاہ کے ہاں جا کر فراشوں میں نوکر ہوا اور اپنی خوش خلقی اور قابلیت سے تھوڑے عرصہ میں مشہور ہو گیا اور فراشوں کے سردار کے مرتے ہی اس کی جگہ قائم کیا گیا، پھر جب وہاں بھی اُس نے بڑی دیانت سے کام کیا تو اس کی اور ترقی ہوئی یہاں تک کہ وزیر نے اس کو اپنے خاص ہاتھ کے نیچے بلا لیا پھر یہ خود وزیر ہو گیا اور نہایت عدل و انصاف سے کام کرنا شروع کیا ظلم کے دروازے بند کر دیئے۔ اور حساب و کتاب صاف کر دیا لوگوں کو نہایت راحت نصیب ہوئی، یہاں تک کہ بادشاہ بھی مر گیا اور بالاتفاق اس کو بادشاہ بنایا گیا اور اس نے اس بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لی۔

پس اسی طرح تم کو اپنا عزم بالجزم حصول عزت کے واسطے رکھنا چاہیے اور پہلے آلات سلطنت کے حاصل ہونے کا فکر کرو جن کو ہم تمہارے تئیں خوب بتلا چکے ہیں اور تم نے حسن بن صباح کا قصہ سنا ہوگا۔ جب کہ یہ الموت کے قلعہ کے نیچے زاہد بن کر رہا ہے اور اس قدر لوگوں کو اس نے اپنا گرویدہ بنایا تھا کہ تمام اہل قلعہ یہ چاہتے تھے کہ یہ قلعہ کے اندر آئے مگر یہ اُس میں نہ جاتا تھا اور رات دن لوگوں کے مرید کرنے میں مشغول تھا اور کچھ طریق ارادت اور عدل ان کو تعلیم کرتا تھا پھر اسکے بعد اپنے دل سے عجیب عجیب باتیں گھڑ کے ان کی عقلاؤں کے موافق ان کو سنا تا مثلاً کہتا لا الہ الا اللہ کہنے والے کے حق میں تم کیا کہتے ہو اگر تم نے کہا کہ وہ حق پر ہے تو وہ کہتا کہ یہ بات تو یہودیوں اور نصرانیوں کی ہے اور اگر تم نے کہا کہ وہ حق پر نہیں ہے تو وہ کہتا کہ پھر اس کو کیوں پڑھتے ہو پھر اُس نے مریدوں کو خوب اپنا مطیع فرمایا اور ان سے کہنے لگا کہ دیکھو لوگوں نے کس طرح شریعت کو چھوڑ دیا ہے ان کی اصلاح کرنی ضروری ہے پھر جب مریدوں کی تعداد معقول ہو گئی تب یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واسطے اٹھ کھڑا ہوا تب بہت مخلوق اُس کے ساتھ جمع ہو گئی، پھر ایک روز بادشاہ قلعہ سے نکل کر شکار کے واسطے گیا اور اکثر اہل قلعہ اسی کے مرید تھے اُس نے جھٹ پٹ قلعہ پر قبضہ کر لیا اور

۱۔ یعنی کیمیا کے ذریعہ سے سونا چاندی بناؤ، کیمیا کی بحث کتاب کلید اسرار سے ملاحظہ فرمادیں ۱۲۔

بادشاہ کو شکار گاہ ہی میں پہنچ کر قتل کیا پھر دن بدن اُس کے مذہب اور سلطنت کو ترقی ہونے لگی یہاں تک کے اس کے دور میں کتاب قواعد الباطینہ لکھی گئی اور ضرور ایسے ہی لوگ آخر زمانہ میں دین کے طریقے چھوڑ دیں گے اور محرمات کو اختیار کریں گے۔

اب تم ان سب باتوں کو خوب غور کرو، ہم نے اشارہ کے طور پر سب کچھ تم کو بتا دیا ہے، اور یہ ہمارا بیان تمہارے واسطے ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعہ سے تم اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حطیہ کو عیش اور دنیا کے قصے جمع کرنے کا حکم فرمایا تھا ایسی کتابوں کے جمع کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے بس تم کو ایسی ہی ہمت کرنی چاہیے کہ تم کل مراتب سے اعلیٰ اور اولیٰ مرتبہ حاصل کرو اور اگر تم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں دیکھو تو یہ بھی تمہاری ہمت بڑھانے کے واسطے بہت کافی ہیں کیونکہ تم کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے تبلیغ احکام کے واسطے کس قدر مصائب سہے ہیں اور کیسی کیسی تکلیفیں اٹھا کر اپنے مطلب کو پہنچے ہیں اور تم نے داؤد بن ابشا حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد کا قصہ بھی سنا ہوگا کہ جب تائید غیبی ان کو مددگار ہوئی تو جالوت کو قتل کر کے انہوں نے طالوت بادشاہ وقت کی بیٹی سے شادی کی اور بادشاہ بن گئے اور اگر تم کو ضرورت ہو تو کتاب اسباب الید العارف تصنیف ابن قینبہ کا ملاحظہ کرو اور سفر کے خیال کو چھوڑ دو، دیکھو حیوان جو بالکل بے زبان ہے مار پیٹ سے ادب، تہذیب، ناچنا اور کرتب دکھانا حاصل کر لیتا ہے، ہارون رشیدؒ کے مرنے کے بعد جب آئین خلیفہ ہوا تو مامون بھاگ کر شہر اصفہان میں پہنچا حسن بن سہل اس کے ساتھ تھا اور خود مامون ذی علم ادیب اور عقل مند شخص تھا، جامع مسجد میں جا بیٹھا اور ادنیٰ غالیچہ کا فرش اس میں بچھوادیا لوگ علم تحصیل کرنے کے واسطے اس کے پاس دوڑنے لگے اور حسن بن سہل لوگوں سے کہتا تھا کہ کیا یہ خلیفہ حق نہیں ہیں ان کی بیعت کرو کیونکہ یہ بالکل اگلے بزرگوں کے طریق پر ہیں یہاں تک کہ اسی ہزار آدمیوں کا لشکر اس کے ساتھ جمع ہو گیا اور عجم کے جس قدر لوگ تھے وہ اس کی خراب حالت سن کر اُس سے بددل ہو گئے تھے سب بھاگ بھاگ کر مامون کے پاس جمع ہو گئے چنانچہ مامون نے طاہر بن حسین کو لشکر کا سردار کر کے امین کے مقابل روانہ کیا اور انہوں نے جاتے ہی اسکو قتل کر دیا پھر تو مامون کی سلطنت مستحکم ہو گئی۔

اسی قسم کی بہت سی حکایات منقول ہیں اور ہم نے تم کو یہ واقعات اس واسطے سنائے ہیں تاکہ تمہاری ہمت قوی ہو اور پہلی کتابیں مثل کلیلہ دومنہ اور کتاب المغازی اور عبد الوہاب

کا قصہ وغیرہ کو ملاحظہ کرو اور ان کے غلط یا صحیح ہونے سے غرض نہ رکھو بلکہ ان حکمتوں پر غور کرو جو ان کے اندر مذکور ہیں شافعی فرماتے ہیں سر کا گرنا انسان کا گرانے والا ہے یعنی بادشاہ کی تباہی رعیت کی بربادی ہے، اور تم کو عہد اور بات کا پورا ہونا چاہیے اور شہر میں ایک کو تو ال مقرر کرو جو تمہارے محل اور تمام شہر کا انتظام کرے اور شہر کے راستوں اور ہر چیز کے نرخ مقرر کرنے کی ممانعت ہے مگر اس زمانہ میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ لوگوں کی حالت خراب ہو گئی ہے اور امانت جاتی رہی ہے، جیسا کہ کتب علامہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ منقول ہے اور اس میں حضور نے آئندہ زمانہ کی حالت کا بیان فرمایا ہے، اقبال مندی کی ابتداء بھی ہے اور انتہا بھی ہے۔

منقول ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا تو کسی نے حکیم افلاطون سے کہا کہ تمہارا شاگرد موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتا ہے افلاطون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلوایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں افلاطون نے کہا تم یہ بات کس دلیل سے کہتے ہو کہا مہم السعادت سے افلاطون نے کہا کس طرف سے تم اُس آواز کو سنتے ہو، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہر طرف سے، افلاطون نے کہا کہ ہر نبی کا ایک معجزہ ہوتا ہے تمہارے پاس کیا معجزہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا جو فوراً اژدہا بن گیا، ایک حاسد بولا کہ جزیرہ سراندیپ میں ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے کہ جب اس کو اس ملک میں لاتے ہیں تو وہ سانپ بن جایا کرتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تو اُس لکڑی کو لے آ اگر تیرا کہنا سچ ہے تو تیرے ہاتھ میں بھی یہ عصا سانپ بن جائیگا اس بات کو سن کر وہ شخص حیران ہو گیا افلاطون نے کہا اے لوگو! موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرو کیونکہ یہ شخص معجزہ اور سعادت کلیہ فیض اول سے لیکر آیا ہے اور فیض اول علیہ اولیٰ سے بطریق فیض نہیں کے جس کی حقیقت کے ادراک سے عقول عاجز ہیں جاری ہوتا ہے اور جو فیض اول علیہ العلیل سے صادر ہوتا ہے وہ عقل فعال ہے جو بالکلیہ اس سے صادر ہوتی ہے اور نفس کلیہ وہ ہے جو فیض کو اُس سے حاصل کرتا ہے اور مخلوق میں عقل کی تجلی کی مثل ایسی ہے جیسی سورج کی شعاع روشندانوں اور سوراخوں اور مکانوں میں پہنچتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اندر عقل کا ظہور ایسا ہے جیسے صاف چٹیل میدان میں دھوپ ہوتی ہے اور اس حدیث شریف کا بھی یہی مطلب ہے کہ فرمایا ہے خداوند تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر اُن پر اپنے نور میں سے نور ڈالا پس جس کو وہ نور پہنچا اُس نے ہدایت پائی اور جس کو نہیں پہنچا وہ کافر رہا اور یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ

اور فرماتا ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلسَّلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُورٍ مِّنْ رَبِّهٖ۔

اور یہی نور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ابتداء میں بقدر کواکب کے ظاہر ہوا تھا، پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے مجاہدات میں ترقی کی انوار قدسیہ اُن کے دل پر منکشف ہوئے اور شمس و قمر کا انہوں نے مشاہدہ فرمایا پھر جب علت صاف ہوئی تو خلقت خالص ہو گئی اور القیاس الخط کے ساتھ انہوں نے علت اولیٰ کی اصل کو جس کے اندر سعادت کا فیض ہے مشاہدہ فرمایا اور فہم سعادت کے ساتھ کہنے لگے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یعنی میں نے اپنے چہرہ کو متوجہ کیا ہے اُس ذات پاک کی طرف جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اور جب نور الہی کے اشتراق کو پایا تو مال اور اولاد کی طرف بالکل التفات چھوڑ دیا اور اس عالم ذوق و شوق میں اپنے کمال پر نظر کر کے کہنے لگے کہ میرا جسم آتش عشق کے واسطے ہے اور میری اولاد راہ خدا میں قربان ہیں اور میرا مال مہمانوں کے واسطے ہے۔

پس اے بادشاہ تم کو بھی طریق اور وظیرہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ باطن کا راز تم پر منکشف ہو اور تم تخت پر بیٹھ کر لوگوں کے احوال معلوم کرو اور اپنی فراست کے نور سے ظلم و مظلوم کو پہچان لو۔

معلوم ہو کہ مال و اسباب حصول سلطنت دنیوی و اخروی کا ذخیرہ ہیں پھر جب تم یہ طریقہ اختیار کرو گے تو فہم سعادت کے ذریعہ سے اپنے کل مخالفوں پر غالب ہو جاؤ گے اور اسی سے تم کو ہم علویہ کی تسخیر حاصل ہوگی یعنی فرشتے تمہارے مطیع ہونگے اور تم سے ملاقات کرنے آویں گے اور یہ بات اُس وقت ہوگی جب تم اپنی روح کو پاک کرو گے کیونکہ فرشتے ارواح مجردہ ہیں یعنی ان کی روح ہی ان کا جسم ہے خدا کی حمد و ثناء کرنے سے اُن کی تالیف قلوب ہوتی ہے لطائف و حکایات میں وارد ہے کہ فرشتوں نے آپس میں کہا کہ ہمارے پروردگار نے ناپاک نطفہ سے اپنا دوست پیدا کیا ہے اور بہت بڑا ملک اس کو عنایت فرمایا ہے خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ تم اپنے میں سے ایک بہت بڑا زاہد اور سردار فرشتہ چھانٹ لو پس سب فرشتوں کا اتفاق حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام پر ہوا یہ دونوں فرشتے بصورت انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئے حضرت ابراہیم نے اس روز اپنے تمام جانوروں اور مال و اسباب کو جمع کیا تھا اور آپ کے پاس چار ہزار کتے تھے جن میں سے ہر ایک کے گلے میں طوق چاندی کا اور ایک سونے کا تھا اور چالیس ہزار بکریاں دودھ والی تھیں اور گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کا تو کچھ حساب ہی نہیں ہے یہ دونوں فرشتے راستہ کے

دونوں طرف آ کر کھڑے ہوئے اور ایک نے نہایت خوش آواز سے سُبُوْح "قُدُّوس" کہا دوسرے نے رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ - حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں پھر یہی کہو میں اپنا نصف مال تم کو دے دوں گا، انہوں نے دوبارہ کہا پھر حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ اگر اب کے کہو تو میرا تمام مال و اولاد اور میرا جسم تک تمہارا ہے پس اس وقت آسمان کے فرشتوں نے آواز دی کہ یہ بخشش ہے اس کو دیکھو اور ایک منادی نے عرش کے نیچے سے آواز دی کہ خلیل (دوست) اپنے خلیل دوست سے موافق ہے۔ اور اے بادشاہ تم کو مال کے ہونے کی خوشی اور نہ ہونے کا کچھ غم نہ کرنا چاہیے اور جب پورے طور سے تم سلطنت پر قابض ہو جاؤ اس وقت کتاب سلسبیل اور احیاء علوم الدین میں سخاوت اور بخشش کے سبق پڑھو اور اگر تم پہلے بزرگان کے قدم بقدم چلنا چاہتے ہو تو دیکھو کتاب فتوح الدین کوفی میں لکھا ہے کہ جب بیت المقدس کے لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حصار سے تنگ آئے تب انہوں نے کہا کہ ہم یہ شہر خاص امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حوالہ کریں گے صحابہ کرامؓ نے یہ حال حضرت عمرؓ کو لکھا حضرت عمرؓ جب اس سال سے واقف ہوئے تو ایک گھوڑا اور ایک گدھا آپ نے سواری کے واسطے تیار کیا اور ایک غلام ساتھ کیا۔

اہل مدینہ نے عرض کیا کہ اس طرح آپ کے تشریف لے جانے میں اسلامی سلطنت کی بدنامی ہے آپ نے فرمایا سلطنت کا دینے والا آسمان والا ہے تم اپنے دلوں کو صاف رکھو اور اپنی ہمتوں کو بلند کرو تا کہ سعادت کو تم نورانی عقل کے ساتھ افلاک کے اوپر سے دیکھ لو پھر آپ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور بحسب اتفاق ایسا موقعہ ہوا کہ جس روز آپ بیت المقدس پہنچے وہ دن آپ کے گدھے پر سوار ہونے اور غلام کے گھوڑے پر سوار ہونے کا تھا اور گدھا آپ کو لیکر ایک پانی کے گڑھے میں گر پڑا اور تمام کپڑے آپ کے کیچڑ میں تر ہو گئے ہر چند لوگوں نے آپ سے کہا کہ یہ کپڑے اتار دیجئے اور گھوڑے پر سوار ہو جائیے کیونکہ بیت المقدس کے سب لوگ آپ کو لینے اور دیکھنے آئے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان باتوں کی طرف کچھ التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ شامی لوگ اپنے تزک و احتشام کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا آپ عمرؓ ہیں ہم آپ کو شہر تسلیم کرتے ہیں اور آپ کے متبع ہوتے ہیں اور آپ کا دین اختیار کرتے ہیں جیسا کہ مسیح ہم کو فرما گئے ہیں کہ جب تمہارے پاس کیچڑ پانی میں تر کپڑے پہنے ہوئے امیر آئیں تو ملک ان کو تسلیم کر دینا پس یہ خبر رسول خدا ﷺ کے اصرار معارف کی ہے کہ آپ کا قلب کیسا صافی و دانی تھا خداوند تعالیٰ

نے آپ کو تمام اسرار گزشتہ و آئندہ کے بتلا دیے تھے اور انھیں انوار نبوت سے لوگوں نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق روشنی حاصل کی ہے خصوصاً حضور کے بہر اور عزیز القدر حضرت علی مرتضیٰ نے اسی نور سے کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں مثلاً حضرت جامع اور کتاب خطبہ البیان جس میں اکثر واقعات آئندہ کا بیان ہے۔

اے بادشاہ اگر کوئی بادشاہ تم سے صلح کرنا چاہے تو اگر وہ مسلمان ہو تو اس سے صلح کر لو اور اگر کافر ہو اور اس پر قدرت رکھتے ہو تو صلح نہ کرو کیونکہ پھر شاید فرصت کا موقع نہ ملے اور اگر اس نے قوت حاصل کر لی تو پھر ضرورتاً تم کو نقصان پہنچائے گا اور صلح ایک مدت تک مقرر ہونی چاہیے۔ جس کی میعاد کم از کم چار ماہ ہے اور اگر صلح کرنے والوں میں سے ایک شخص مر جائے تو دوسرے کو فائدہ پہنچے گا پھر اگر تمہاری ہمت صاف ہے اور تمہاری روح ملکوت اعلیٰ سے مجاس رکھتی ہے پس تم اپنے ستارہ کی دعوت کرو جب کہ وہ تثلیث یا تسدیس کی تم سے نظر رکھتا ہو اور اس کا بخور روشن کرو اگر وہ تمہارا دوست ہو گیا تو گویا وہ تمہارا وزیر ہے اور ان اعمال کے واسطے بلند ہمتی اور تزکیہ نفس اور کم کھانا اور خلوت میں رہنا اور ہر وقت ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ ان باتوں سے غیب کا روزن کھل جاتا ہے اور عالم باطن سے کاشفہ کے انوار ظاہر ہوتے ہیں اور تم فرشتوں اور دف تک کی باتیں سننے لگتے ہو اور تمہارا لاہوت و ناسوت پھر غالب ہو جاتا ہے پس تم مصباح مشکوٰۃ انوار الہیہ کے زینت بن جاتے ہو چنانچہ کسی کا قول ہے۔

ثقلت ذجاجات اتنا فرغاً

یحتی اذا ملنت بصرف الراح

خفت و کادت ان تطیر بما حوت

و کذا لجسوم نخف بالارواح

جو شیشے ہمارے پاس خالی آئے وہ بھاری تھے یہاں تک کہ جب ان میں خاص شراب بھر گئی وہ اس قدر ہلکے ہوئے کہ قریب تھا ہوا کہ زور سے اڑ جائیں اور ایسے ہی جسم روحوں کے ساتھ ہلکے ہوتے ہیں اور جب سعادت کا خمیر تم کو اس علت سے حاصل ہو جائے تو کل علتوں کی مبلأ ہے اور اس کے حاصل کرنے میں تم پورے مجاہدہ سے کام لو تب تم پر انوار محبت نازل ہونگے اور تمام مخلوق تمہاری بغیر شمشیر زنی اور ہیت بنانے کے مطیع ہو جائے گی اور اگر مجاہدہ تم سے نہ ہو سکے اور باب طلب کو مسدود پاؤ تب زہد اختیار کرو کیونکہ انسان دو قسم کے ہیں یا بادشاہ یا فقیر اور سب سے بدتر وہ ہیں جو ان دونوں کے درمیان ہیں حضرت علیؑ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں۔

اذا مالک تکان ملکاً مطاعاً
 کما ترضی مکن عبداً مطیعواً
 فان لم تملک الدنیا جمیعاً
 کما تختار فاتر کھا جمیعاً
 ہما شیتان من نسک و ملک
 بنیلان الفتی شرفاً رفیعاً
 اذا مال مرء عاش بکل شیء
 سوی ہدین عاش بہ وضعاً

معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو لکھا کہ اگر ملک تجھ سے جاتا رہا ہے تو محراب ہرگز نہ چھوڑو
 یعنی عبادت اختیار کیجیو لوگوں نے اپنے طریق سے اپنے مطالب حاصل کیے ہیں اور ہم نے
 بہت سے بادشاہوں کو فقیروں کے در پر حاضر دیکھا ہے چنانچہ قشیری فرماتے ہیں۔

اذا ام الفقیر لباب الامیر
 فبئس الامیر و بئس الفقیر
 و اما الامیر لباب الفقیر
 فنعم الامیر و نعم الفقیر

معلوم ہو کہ جب دل صاف ہو جاتے ہیں اور نور جلال براہین باطنہ کے ساتھ ان پر
 منکشف ہوتا ہے اور تھلیہ اور تصفیہ پورے طور سے حاصل ہو جاتا ہے تب عالم سفلی و علوی کے
 اسرار ظاہر ہو جاتے ہیں اور کیسیا بڑا کبر کی معارف نصیب ہوتی ہے فرشتے خدمت گار بنتے ہیں
 اور جنت اور اس کی نعمتوں کو یہ شخص اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے جیسا کہ رسول خدا ﷺ نے
 حارث سے فرمایا اے حارث تم سے کس طرح صبح کی عرض کیا میں نے خدا کے ساتھ حق کے
 ایمان کی حالت میں صبح کی ہے حضور نے فرمایا ہر حق کی حقیقت ہے پس تمہارے ایمان کی کیا
 حقیقت ہے عرض کیا حضور میں نے اپنے نفس کے آگے دنیا کو پیش کیا پس سونے اور مٹی کو

جب تک کہ تو بادشاہ نہ بن جائے اور لوگ تیری جس طرح تو چاہتا ہو اطاعت نہ کریں بس تو خدا کا عابد و زاہد بندہ بنارہ
 پس اگر تو ساری دنیا کا مالک نہ ہو جیسا کہ تو چاہتا ہے پس اس کو بالکل دے یہ دونوں چیزیں یعنی عبادت اور سلطنت
 آدمی کو شرف اور بزرگی نصیب کرتی ہیں کہ سوا اور کسی چیز کے ساتھ زندگی بسر کرے تو زندگی اس کی دلیل ہے۔

یکساں پایا اور گویا کہ جتنے لوگ میرے سامنے باہم ملاقات کر رہے ہیں۔ اور دوزخیوں دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے اور گویا خدائے تعالیٰ کا عرش میرے سامنے ہے حضور نے فرمایا۔ شخص مومن ہے خدا اس کے دل کو منور کرتا ہے اے بادشاہ اب سب مراتب تم کو معلوم ہو گے۔ پس تم ان کو لازم پکڑو اور اپنی عمر یعنی دونوں کے تین حصے کرو ایک حصہ اپنے نفس کے واسطے اور ایک حصہ اپنی رعایا کے واسطے اور ایک حصہ اپنے رب کے واسطے معلوم ہوا کہ سب لوگ تم سے اپنے منافع چاہتے ہیں۔ اور اسی واسطے تمہارے ساتھ ہوئے ہیں سوائے خداوند تعالیٰ کے کہ وہ تم سے تمہارا فائدہ چاہتا ہے۔ پس تم اسی کے ساتھ ہو اور اس کو لازم پکڑو کیونکہ سایہ کے واسطے زوال ضروری ہے۔ اگرچہ عمر نوح بھی تم کو نصیب ہو مگر آخر مرنا ہے استاد جوینی نے اپنے مشائخ سے روایت کی ہے کہ کسی نے محمود بن بوید سے پوچھا کہ تم نے طلب مملکت کا کیسے قصہ کیا حالانکہ تم اس کے اہل نہ تھے کہا میں نے ایک عورت سے سنا کہ دف بجا کر یہ شعر گارہی ہے۔

من هاب خاب من جسر بلغ المنا

والدهر فيه عذوبة وعذاب

جس نے خوف کیا وہ نقصان میں رہا اور جس نے بلند ہمتی کی وہ اپنی امید کو پہنچ

گیا زمانہ میں مٹھا سبھی ہے اور عذاب بھی ہے اور متنتی کہتا ہے۔

فتب واثقاً بالله وثبة حازم

برى السموت فى الهبجات جتا النحل فى الفم

پس خدا پر بھروسہ کر کے ہوشیار و چلاک کی طرح سے اٹھ کھڑا ہو جو موت کو جنگ میں کھجور

کامنہ میں آنا سمجھتا ہے اور مقصور حلاج کی بلند ہمتی کو دیکھ کر حاسدوں نے ان کو کیا کچھ کہا یہاں تک

کہ سنگ سار کر دیا اور حلول کی تہمت لگائی مگر انہوں نے کچھ خوف نہ کیا اور وہی بات کہے گئے جس کی

حقیقت سے جاہل لوگ ناواقف تھے چنانچہ شیخ ابواحباس بن شریح سے پوچھا گیا کہ آپ علاج کے

حق میں کیا کہتے ہیں فرمایا پس ایسے شخص کے حق میں کیا کہوں جو مجھ سے زیادہ علم فقہ سے واقف تھے

اور درحقیقت میں نہیں سمجھا کہ وہ کیا کہتے تھے کسی نے کہا کہ اگر آپ نے ان سے کوئی بات سنی ہو تو

بیان کیجئے کہا کہ میں نے ایک روز ان سے سنا کہ وہ ہم حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرماتے تھے

جو لوگ حاضر ہوتے ہیں ان کی گواہی طلب کی جاتی ہے اور جو غائب ہوتے ہیں وہ اس جھگڑے سے

محفوظ رہتے ہیں۔

اور اسی مطلب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ ”حسنات الابرار سیئات

للمقربین“ یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربوں کے گناہ ہیں کیونکہ یہ لوگ تجلی کی صف میں کھڑے ہونے والے ہیں۔ پھر ان کو کسی بات کا کیا خوف ہے جہاد کرتے کرتے ان کے احوال صاف ہو گئے ہیں اور اپنے علوم مجموعہ کے پروں سے مجاہدہ اور تصفیہ اور تزکیہ میں انھوں نے خوب پرواز کی ہے اور حجاب ناسوتی کو توڑ کے مطلوب سے جانتے ہیں بندگی ان پر بہت تنگ ہوئی پس یہ چیز عالمین سے نکل گئی اور لاہوتبت صفات لاہوتبت کے ساتھ مل گئی اور نفوس طاہرہ اپنے معدن کی طرف رجوع کر گئے اور واجب الوجود کی رحمت کے جھونکے پر چلنے لگے پس یہ لوگ بعثت کے بعد خیام راحت میں مقیم ہوئے فی مقعد صدق عند مَلِیکِ مقتدر“ جیسا کہ ایک عاشق مدہوش کا قول ہے

انما الحب فناء کلہ

رحم اللہ المتمرے قال بہ

ان من اضحی بقلبی سالمأ

لم یذر منہ الا قلبہ

فی ظلال شوق قلبی واقد

من ہجر الہجر قد قالہ بہ

اور اگر تم بلند ہمت نہیں رکھتے اور نہ قوت و حشمت رکھتے ہو تب تمہاری یہ مثال ہے

اذا كنت لا ترجی لدفع لمیت

واللذوی الحاجات عندک مطمع

ولا ات ذوجا یساش بجاہہ

ولا انت یوم الحسر ممن یشفع

فغشک فی الدنیا ومرتک

وعود خلال من حیاتک انفع

جب تو ایسا شخص ہے کہ نہ کسی برائی کے دور کرنے کے وقت تجھ سے امید کی جاتی ہے اور

نہ حاجتمندوں کی تجھ سے کچھ طمع ہے اور نہ تو ایسا مالدار ہے کہ جس کے مال سے گزارا کیا جائے اور نہ تو

ان لوگوں میں سے ہے جو حشر کے روز شفاعت کریں گے پس ایسی حالت میں دنیا کے اندر تیری

موت اور زندگی یکساں ہیں۔ اور تیری نسبت خلال کا تنگہ نافع ہے اور تم کو چاہیے کہ لوگوں کے دل

اپنے ہاتھ میں رکھو کسی کو خط لکھ کر اور کسی کو ہدیہ بھیج کر اور بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ

رکھو اور علماء اور مشائخ کی خدمت گزاری کرو اور اگر ان سے کوئی خطا یا قصور سرزد ہو تو ایک خدمتگ

طار اور سعد بلع سر کے اوپر ہوتے تھے اسی سبب سے جو کچھ سعادت آپ کو حاصل ہوتی تھی وہ حاصل ہوئی جو کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی اور اسی کا سبب ہے کہ آپ کی حجت سارے عالم میں پہنچ گئی اور آپ کا نام و نشان بلند ہوا اور آپ کی دولت ہمیشہ کے واسطے قائم ہوئی اور امت کو آپ کی سعادت نصیب ہوئی اور شریعت آپ کی مستحکم ہوئی کہ ترکوں نے مشرق سے اس کی مدد کی اور اہل مغرب نے مغرب سے اور یہ سب لوگ بخوشی مسلمان ہوئے تلوار کا کچھ خوف ان کو نہیں تھا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جالینوس کا واقعہ بھی سننے کے قابل ہے جالینوس ممالک ساحل کا بادشاہ تھا جب عیسیٰ علیہ السلام کا شہرہ بلند ہوا تو اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو لکھا کہ مردہ کو زندہ نہیں کرانا نہیں چاہتے ہیں تم اس مریض کو جو مرض سل میں مبتلا ہے اسی مہینے میں آرام کرو اگر ایسا کرو گے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک تربوز لاؤ اور اس مریض کو کھلاؤ تربوز کھاتے ہی مریض نے قے کی اور ایک سیاہ چیز جیسے جلی ہوئی روٹی ہوتی ہے اس کے پیٹ سے نکلی اور حکم الہی سے وہ بیمار بلکل تندرست ہو گیا پھر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جالینوس مجھ کو دھمکاتا ہے میں اس کا علاج کرتا ہوں یہ کہ آپ اپنے عبادت خانہ میں داخل ہوئے وہاں جالینوس کو نصف شب کے وقت اساطور یا اور کمراتیہ کی بیماری شروع ہوئی اور صبح ہونے سے پہلے مر گیا مجھ سے شیخ یوسف بن علی نے اپنے ملک سرکاز کی ایک گھاس کے بہت خواص عجیبہ بتائے ہیں جن میں سے کچھ میں اس کتاب میں اور کچھ کتاب سلسبیل میں بیان کروں گا اور یہی شیخ یوسف مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں شہر معر کہ میں شیخ ماری کے زمانہ میں گیا اور ان دنوں میں شیخ معری کی طرف سے لوگوں نے محمود بن صالح بادشاہ کے وزیر کو بہکا کر دشمن بنا دیا تھا اور وزیر سے کہتے تھے کہ شیخ معرے ہند کے برہنوں میں سے ہے۔ تصویروں کو برا نہیں سمجھتا ہے اور نہ جانور کا گوشت کھاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ رسالت قلب کے صاف کرنے سے ہوتی ہے۔ اور وزیر نے بادشاہ کو بہکایا یہاں تک کہ بادشاہ نے شیخ معرے کے حاضر کرنے کے واسطے پچاس سوار روانہ کیے شیخ کے دوستوں میں سے دو شخصوں نے جا کر شیخ کو خبر کی شیخ تو مسجد میں چلے گئے اور شاہی سواروں کو دیواں خانہ میں ٹھہرا دیا پھر شیخ معری کے چچا شیخ مسلم ان کے پاس آئے اور کہا اے فرزند تم کو اس حادثہ کی خبر ہے جو ہم پر نازل ہوا ہے یعنی بادشاہ نے تم کو طلب کرایا ہے اب اگر ہم تم کو جانے نہیں دیتے ہیں تو مخالفت شاہی کی ہم میں طاقت نہیں ہے اور اگر ہم کو شاہی سواروں کے حوالے کر دیتے ہیں تو یہ ہمارے واسطے بڑی عار کی بات ہے شیخ معرے نے جواب دیا کہ آپ اپنے رنج و فکر کو دور کیجئے اور ان سواروں کی مہمانی فرمائیے میرا ایک بادشاہ ہے جو میری حمایت و حفاظت کرے گا اور میرے دشمن سے بدلہ لے گا پھر شیخ معری نے اپنے

غلام قنبر سے کہا کہ لا وہ پانی شیخ نے غسل کیا اور نصف شب تک نماز پڑھتے رہے پھر اپنے غلام سے پوچھا کہ مرتخ کہاں ہے۔ اس نے کہا فلاں منزل میں ہے شیخ نے کہا تو اس کے نیچے گاڑ دے مسیح کے متصل میرے ہاتھوں میں باندھ دے غلام نے ایسا ہی کیا پھر اس کے بعد ہم نے سنا کہ شیخ نے یہ دعا پڑھی۔ "یا علة باقدیم الازل یا صانع العلل المصنوعات انال حماك الذی لا یضانم"

پھر کہتے رہے وزیر وزیر یہاں تک کہ صبح کی سفیدی ظاہر ہوئی اور ایک بڑے غل و شور کی آواز ہمارے کان میں آئی ہم نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وزیر صاحب کا دیوان خانہ مع وزیر صاحب اڑتالیس آدمیوں پر گر پڑا اور طلوع آفتاب کے بعد شاہی پروازان سواروں کے پاس آیا کہ شیخ کو ہر گز نہ ستانا کیونکہ وزیر دب کر مر گیا ہے شیخ یوسف کہتے ہیں پھر شیخ معرے نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو تو میں نے کہا خدا کی زمین سے کہا تم زمین ہر کا ز سے آئے ہو اور تمہارا نام یوسف ابن علی ہے تم کو لوگوں نے میرے قتل پر آمادہ کیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ میں زندیق (بے دین) ہوں۔

پس اے بادشاہ اگر تم یہ وصف رکھتے ہو مقاصد تمہارے حاصل ہو گئے اور بہت اعلیٰ مقام تم نے حاصل کیا۔ کل دشمن تمہارے زیر ہیں گے بے درد سر قلعے تم فتح کر لو گے اور ملک و مال و زاعت سب میں برکت ہوگی اور اگر تم نے کوشش کی تو ان ذرائع سے تم ان مقاصد کو حاصل کرو گے جو سکندر نے حاصل کئے کیونکہ جو بات ہو چکی ہے وہ پھر بھی ہو سکتی ہے اور خطبہ البیان میں منقول ہے کہ ایک بادشاہ عادل و زاہد کا دنیا میں پیدا ہونا ضروری ہے جو خدا سے خوف کرنے والا ہو گا ملکوں میں انتظام کرے گا اور لوگوں کے ساتھ احسان فرمائے گا اور اس بادشاہ کا ظہور تہتر برس کے بعد ہوگا دیکھو کہ یہ غیبی خبریں کس طرح آئینہ دل میں منکشف ہوئی۔ جب دل کا حجاب رفیق ہوتا ہے تو پردہ اٹھ جاتا ہے اور لوح محفوظ پر نظر جا پہنچتی ہے اس میں جو کچھ غیب کی باتیں لکھی ہیں وہ یہ شخص لوگوں سے بیان کرتا ہے اور ان میں کچھ شک و شبہ نہیں ہوتا۔

بادشاہوں کو چاہیے کہ اپنا راز کسی سے بیان نہ کریں سوائے اس کے جس سے محبت اور سچا اخلاص رکھتے ہوں۔ سلطان محمود کی ایاز کے ساتھ تم نے حکایت سنی ہوگی پس اے بادشاہ ان نکتوں اور اشاروں کو معلوم کر کے جاگ اٹھو میں نے تم کو بہت اچھی نصیحت کی ہے اگر تم نصیحت کرنے والوں کو دوست رکھتے ہو بمقابلہ فساق و فجار کے سلطنت اہل علم کو زیادہ لائق ہے مگر خدائے تعالیٰ نے تقدیر میں جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے وہ ضرور ہونے والا ہے اور زمین کے واسطے وارث اور مالک ہونا ضروری ہے اور راہب وہی ہوتا ہے جس کو خدا اپنے بندوں میں سے سرفراز کرنا چاہے۔

فلاموہ علی ماکان منہ
وقالوالم منحت الکلبنیلاً
فقال ذروا ملامنکم فعینی
واتہ مرۃً فی باب لیلی

اور اسی کی تائید میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص مر گیا حضور سے عرض کیا گیا کہ آپ اس کے جنازے کی نماز پڑھا دیں فرمایا میں ایسے شخص کی نماز نہیں پڑھتا جس نے کبھی نماز نہیں پڑھی حضرت عمرؓ نے عرض کیا میں نے اس کو عید کی دو رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں اس شخص پر کیونکر نماز پڑھوں جس نے سوائے نفل کے کوئی نماز نہیں پڑھی پس جبرائیل حضور کی خدمت میں آئے اور کہا اے محمد ﷺ خدا فرماتا ہے کہ کیا لوگوں نے اس کو ہمارے دروازے پر ایک بار بھی نہیں دیکھا ہے اور جب تم اس کو میرے دروازے سے ہٹا دو گے تو پھر یہ کس کے دروازے پر کھڑا ہوگا اے محمد ﷺ یعنی اس کو بخش دیا ہے اور میرے فرشتوں نے اس پر نماز پڑھی ہے اور بے شک خدا تمام عالم سے بے پردہ ہے۔

چودھواں مقالہ

(چند نصائح میں)

بادشاہوں کو چند ایسے اشخاص مہیا کرنے چاہئیں جو ان کی اطاعت کا لوگوں میں وعظ کہیں اور لوگ بخوشی ان کی فرمانبرداری کی طرف مائل ہوں ہم پہلے حصول سلطنت میں تین طریقے بیان کر چکے ہیں۔ اور جو شخص بطریق طنز کے یہ کہے کہ فلاں شخص کیا حیثیت رکھتا ہے جو سلطنت اس کو حاصل ہوگی کیا اس کے پاس مال سے یا کثرت سے اولاد ہے یا ماں باپ اس کے صاحب ملک کے تو اس سے کہنا چاہیے کہ نمرود بن کنعان کون تھا اور شداد جس نے جنت بنائی کون تھا اور حضرت ادریس جو درزی کا کام کرتے تھے وہ کون تھے اور حضرت نوح بخاری کرتے تھے اور حضرت ابراہیم بھیڑ بکریاں چراتے تھے اور حضرت داؤد زرہ ساز تھے اور طالوت کھالوں کو مباحثت دیا کرتے تھے اور حضرت صالح سوداگر تھے اور حضرت سلیمان غواص تھے اور حضرت عیسیٰ سراج تھے اور حضرت آدم کشت کاری کرتے تھے پھر ان لوگوں کو سلطنت اور عظمت کیونکر نصیب ہوئی کیا تم کو اس فرمان الہی سے نصیحت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ ”توتی الملک من تشاء“۔

معلوم ہو کہ لوگوں کے واسطے بادشاہ کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ تاکہ اس کی اطاعت کریں اور اس کی طرف مائل ہوں دیکھو جانوروں میں بھی ایک سردار ہوتا ہے اور شہد کی مکھیاں اور چیونٹیوں وغیرہ میں سلطنت کا دستور ہے اسی واسطے لوگوں کو بادشاہ کی اطاعت کرنی چاہیے ورنہ پھر ان کی گردن ہے اور تلوار ہے کیا تم نے حضور ﷺ کا فرمان نہیں سنا کہ اطاعت کرو اپنے امیر کی اگرچہ وہ حبشی غلام ہو اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ کی اور تم میں سے جو بادشاہ ہو اس کی پس ان نصیحتوں کو تم غور سے سمجھو اور اگر پھر یہی حالت باقی رہے تو باز اور عقاب کر گس اور مکھی کو خیال کرو اور جیسا کہ اہل عقل نے فرمایا۔

یاطالب الرزق السمنی بقوة

ہیہات انت بیاطل مشغوف

اے طلب کرنے والے عمدہ رزق کے قوت کے ساتھ افسوس کے تو بیکار کاموں کے

دبے ہو رہا ہے

وعت الشور بقوه جیف الفلا

ورعی الدباب الشهدو هو ضعيفاً

گدھ وغیرہ مردار جانور قوت کے ساتھ جنگل کے سرداروں کو کھاتے ہیں اور مکھی بھی قوت ہی کے ساتھ شہد کھاتی ہے حالانکہ نہایت ضعیف جانور ہے اور اے عقل مند تم کو زمانے کے اگلے قصوں سے کچھ بحث کرنی چاہیے اور جب اہل ریاضت تمہارے مخالف ہوں تو نہایت حکمت کے ساتھ ان پر ہاتھ ڈالو کیونکہ ریاضت کرنے والوں میں ایک مقناطیسی قوت جذب ہوتی ہے کیا تم نے نہیں سنا کہ جب سکندر کو ہندوستان کے چالیس برہمنوں کا حال معلوم ہوا جو سکندر کے نہایت مخالف اور بڑے ریاضت کرنے والے تھے سکندر نے حکمت کا ایسا پہلو اختیار کیا جس سے خود بخود وہ برہمن نہایت پریشان ہو گئے مساوی ہمتیں ان کی ٹوٹ گئیں اس وقت سکندر نے ان سب کو شکار کر لیا۔

جو جو معافی اور مطالب اس کتاب میں ہم نے بیان کیے ہیں ان میں غور کرو کیونکہ یہ کافی

ہیں اور ان کی تکذیب نہ کرو کیونکہ یہ مثل معجزات کے ہیں معلوم ہو کہ جسم بغیر سر کے اور آسمان بغیر

سورج کے اور زمین بغیر امارت اور تجارت اور زراعت اور زندگی اور موت اور غناء اور فقر اور ملک و

سیاست اور امارت و وزارت کے اچھی نہیں معلوم ہوتی ہے غرضیکہ کل امور ایک دوسرے سے وابستہ

ہیں جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

ہے اور تائید کے طور پر توحید کے قلم لوح تجید پر جاری ہوتی ہے پس کوئی ان میں سے نیک بخت ہے اور کوئی بد بخت ہے جب یہ باطنی سلطنت تم کو حاصل ہوگی تو موت کی طرف تم کچھ التفات نہ کرو گے کیونکہ موت دوستوں کے جمع کرنے والی اور متنافر طبیعتوں کی متفرق کرنے والی ہے۔

جب مقام تخلیہ میں وصال کے پیالے تمہارے سامنے آویں گے اور صبح کی ٹھنڈی ہوا تم پر چلے گی منادی ندا کرے گا کہ اسی میں کوشش کرنے والوں کو چاہیے کہ کوشش کریں اور اس وقت تمہاری روح خوب روشن ہو جائے گی معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے حیوان کو پیدا کر کے اس کی تین قسمیں کی ہیں ایک قسم عقل مجرد ہیں بغیر شہوت کے یعنی فرشتہ اور ایک قسم شہوت مجرد ہیں بغیر عقل کے یعنی بہائم اور ایک قسم شہوت اور عقل سے مرکب ہیں یعنی انسان پس جس انسان کی عقل شہوت پر غالب ہوئی وہ ملائکہ سے مل جاتا ہے اور جس کی شہوت عقل پر غالب ہوتی ہے وہ بہائم سے مل جاتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ”استقم كما امرت“ یعنی جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے اس کے موافق قائم رہو۔

اب ہم طہارت ظاہری کا بیان کرتے ہیں برتن میں پانی لے کر وضو سے پہلے تین ہاتھ ڈالو اور قبلہ رخ بیٹھ کر وضو کرو اور یہ خیال رکھو کہ تمہارے کپڑوں پر چھینٹے نہ پڑیں اور پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر مسواک شروع کرو اور وضو کی نیت یہی کہ وضو کے اندر فرض چھ یا تین ہیں ایک تو وضو کا فرض رکن یعنی منہ دھونے سے پہلے نیت کر لینا پھر منہ دھونا پھر کہنیوں تک ہاتھ دھونے پھر سر کے اگلے حصے کا مسح کرنا پھر دونوں پیروں کو دھونا مع ٹخنوں اور ترتیب اور موالات ہی دو قولوں میں سے صحیح قول کے موافق فرض ہے اور حیض اور جنابت کے غسل میں وضو کر کے تین تین بار تمام اعضاء کو دھونا چاہیے اور جنابت یا حیض کے غسل کی نیت جدا گانہ کرنے وضو کے توڑنے والی یہ باتیں ہیں لیٹ کر آرام سے سو جانا یا عقل کا کسی سبب سے دور ہو جانا یا مرد عورت کو بغیر حائض کے ہاتھ لگائے اس سے ہاتھ لگانے والے کا وضو ٹوٹ جاتا ہے عورت کا نہیں ٹوٹتا اور فرج کو ہاتھ لگانے استنجے کو جب جائے تو قبلہ اور چاند اور سورج کی طرف منہ یا پشت نہ کرے مگر جب کے درمیان میں حائل ہو اور داخل ہونے وقت بائیں پاؤں اندر رکھے اور نکلنے کے وقت دایاں پاؤں باہر نکالے اور اس میں آگ ابھی لکھے ہوئے کوئی چیز پاس ہو تو اس کو باہر رکھا جائے استنجا ہر ایک پاک چیز کے ساتھ جائز ہے مگر جس میں بزرگی ہے جیسے کھانے کی چیز وغیرہ اور ہڈی یا شیشہ یا ایسی چیز سے جو محل کو تکلیف پہنچانے والی ہو استنجا کرنا جائز نہیں ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے ہڈی کے ساتھ استنجا نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائی جناتوں کا کھانا ہے اور خداوند تعالیٰ ہڈی پر گوشت پیدا کرتا ہے جس کو وہ کھا لیتے ہیں اور افضل یہ ہے

کہ ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرے اور یہی اہل فنا کی طہارت ہے پاخانہ میں جانے کے وقت یہ کہے "اللہم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث ومن الشیطان السحس النجس" اور جب پاخانہ سے باہر آئے یہ کہے "غفرانک الحمد للہ الذی خرج عن الاذی و عافانی" بند پانی میں پیشاب نہ کرنا چاہیے اور نہ زمین کے سوراخ میں نہ راستہ کے درمیان میں نہ پھل دار درخت کے سائے میں یا ایسے درخت کے سائے میں جس میں لوگ آرام پاتے ہوں اور بیماری یا سخت سردی کے عذر سے تیمم کرنا جائز ہے مٹی یا غبار جو کچھ ہاتھ میں لگ جائے اور حیض جنابت سے بھی خوف ناک عذر کے وقت تیمم کے واسطے دو ضربیں لگائے ایک منہ پر ملے اور ایک دوتوں ہاتھوں پر کہنیوں تک اور علماء کہتے ہیں کہ جو چیز زمین سے نکلے مثلاً پتھر وغیرہ اس کے ساتھ بھی تیمم جائز ہے مگر تیمم نماز کے وقت داخل ہونے کے بعد کر لے اور انگوٹھی اتار لے تیمم کرنے والے کو وضو کرنے والوں کی امامت کرنی جائز ہے اور صحابہ کرام نے ایسا کیا ہے زخم کے پٹیوں پر مسح کرنا جائز ہے بشرطیکہ پاک ہوں۔

ستر ہواں مقالہ

کم سے کم حیض کی مدت ایک شبانہ روز ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ روز ہیں پھر ان کے بعد جو خون آئے وہ استخاضہ ہے اور کم سے کم مدت طہر یعنی باقی کے جو حیضوں کے درمیان میں ہوتی ہے پندرہ دن ہیں حیض والی روزہ اور نماز کو چھوڑ دے پھر روزوں کی قضا رکھے اور نماز کی قضا نہ کرے معلوم ہو کہ حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے پھر سرخی اور زردی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جب موقوف ہونے کو ہوتا ہے تب سفیدی ظاہر ہوتی ہے حیض یا نفاس والی پہلے نماز کے وضو کی طرح سے وضو کرے پھر تین بار تمام اعضاء کو دھو لے اور حیض یا نفاس کے غسل کی نیت کرے نفاس کی مدت زیادہ سے زیادہ ساٹھ روز اور کم سے کم ایک ہی بار خون کا آنا ہے حضرت فاطمہ فرزند پیدا ہونے کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دیتی تھیں اور اسی سبب سے بطول آپ کا نام ہوا ہے کیونکہ نفاس کا خون اور دنیا کی محبت آپ سے منقطع ہو گئے تھے۔

معلوم ہو کہ نجاست کی یہ چیزیں ہیں خون پیپ کچھ لہو خنزیر کا گوشت اور اس کی چربی اور کتے کے منہ کا لعاب اور وہ کتا جس کا جسم تر ہو اور چوہا اور شراب اور پیشاب اور پاخانہ اور جو پاک چیز

۱۔ اللہ میں تیرے ساتھ کل خبیث باتوں سے پناہ مانگتا ہوں اور شیطان نجس و ناپاک ہے
۲۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے اذیت کو میرے اندر نکالا اور مجھ کو عافیت دی۔

کشف حاصل ہو جاتا ہے اس وقت مراقبوں کے چشموں سے محبت کی حلاوت ظاہر ہوتی ہے۔ جب علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ علم بالکل حماقت ہے اور ایسا عالم مغرر کو چھوڑ کر چھلکے کے ساتھ راضی ہو گیا ہے ایسے لوگ بہت برے علماء ہیں ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس تلوار ہے مگر وہ لڑائی کا فن نہیں جانتا ہے ایسے شخص کو چاہیے کہ تلوار سے چاندی سونا اتار کر اس کا زیور بنا کر عورتوں کی طرح سے پہن لے کیا تم نے ایک طویل حدیث میں جو ابو ذرؓ سے منقول ہے نہیں سنا کہ فرمایا ہے بے شک خداوند تعالیٰ برے علماء کو قبیح صورتوں میں مسخ کر دے گا اور ریشمی کپڑے جو وہ پہنتے ہیں وہ ان کی گردنوں میں سانپ بن جائیں گے یہ وہ علماء ہیں جنہوں نے علم نظر پر قناعت کر لی ہے اور اس کے ذریعہ سے اپنی شہرت چاہتے ہیں ان لوگوں کے واسطے بہت بڑی خرابی ہے دنیا اور آخرت میں ان کے واسطے کوئی عذر نہیں ہے اور بہت سے حدیثیں ان ناپاک علماء کی شان میں وارد ہیں حضرت ابو سعید خدریؓ ایک جماعت کے پاس سے گزرے جن کے اندر بحث ہو رہی تھی حضرت ابو سعید نے فرمایا یہ کیا بدعت ہے اور کیا اشاعت اور نفاق کا فعل ہے پھر فرمایا آخر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہونگے جو مجادلہ سیکھیں گے اور رشوت کھاویں گے اور لوگوں کے سامنے شیخی اور تکبر کریں گے اور باریک کپڑے پہنیں گے اور تمہید کی روٹی کھائیں گے اور بادشاہوں کی صحبت پسند کریں گے اور یہ سمجھیں گے کہ ہم علماء ہیں اور ان کا فتویٰ لیا جائے گا افسوس ہے اس امت پر جس کے علماء ایسے ہوں حضرت امیر المؤمنین علیؑ علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں کس گناہ سے اس نے کہا زنا اور شراب سے آپ نے فرمایا جھوٹ اور مناظرہ سے پہلے توبہ کرے تاکہ تیرے اندر خلوص آجائے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ مناظرہ کرنے والا اپنے ہاتھ پر حق کو ظاہر کرنا چاہتا ہے یا اپنے بھائی مقابل کے ہاتھ پر اگر وہ اپنے بھائی کے ہاتھ پر چاہتا ہے تب وہ سلف صالحین کے ساتھ پہلی صف میں جنتوں کے اندر خدا کے پاس رہے گا اور اگر اس مناظرہ کرنے والے نے غلبہ اور قہر اور جھگڑے کا ارادہ کیا ہے تب یہ دوزخی ہے۔ ”وسیعلم الذین ظلموا اى منقلب ینقلبون“

اور عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کون پہلو بدلتے ہیں۔

کتاب الصلوة

اس کے اندر دو مقالہ ہیں ایک مقالہ احکام ظاہرہ میں اور دوسرا احکام باطنہ میں۔

پہلا مقالہ

معلوم ہو کہ فرض نمازیں پانچ ہیں اور ان کی کل سترہ رکعتیں ہیں اور کل سنتوں کی اٹھارہ رکعتیں ہیں اور نماز کے واسطے یہ احکام ظاہری ہیں جیسے پاک پانی سے وضو کرنا کپڑے اور بدن کا پاک ہونا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا اور صورہ فاتحہ پڑھنی اور رکوع و سجود اطمینان کے ساتھ کرنا اور دونوں سجدوں کے درمیان میں سیدھا بیٹھنا اور رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا اور رکوع میں تین بار

”سبحان ربی العظیم وبحمدہ“ کہے اور سجدہ میں تین بار کہے ”سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ“ اور تین بار کہنا ادنیٰ درجہ ہے اور نمازوں کے وقتوں کا بیان یہ ہے کہ صبح کا وقت صادق کے طلوع ہونے سے طلوع آفتاب تک ہے اور ظہر کا وقت سورج کے ڈھلنے سے عصر کے وقت تک ہے اور عصر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ کے علاوہ سایہ اصلی کے اس برابر ہو جائے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے اور مغرب کا وقت شفق کے غائب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت سرخ شفق کے غائب ہونے سے طلوع فجر تک ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور مزنی کے نزدیک سفید شفق کے غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے اور یہ وقت نیک لوگوں کی نماز کا ہے نماز کے واسطے آذان کہنا شرط علی الکفایہ ہے فرض نہیں ہے اب نماز کے آداب بھی تم کو معلوم کرنے چاہئیں کم سے کم خدا سے اتنا تو خوف رکھو جیسا کہ اپنے بادشاہ سے ڈرتے ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدمی تو مجھ کو اپنی طرف ادنیٰ نظر کرنے والا نہ سمجھ اور فرماتا ہے ”ایحسب ان لم یرہ احدًا“

یعنی کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا اور احکام الہی کی تم کو ان کے وقت میں پابندی کرنی چاہیے مگر جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو اور فجر کی نماز بھی روشن وقت میں پڑھو اور عصر کی نماز میں بھی دیر کرو اور نوافل کی پابندی بھی بجالاتے جیسے نماز اشراق و چاشت میں اور عشاء کے بعد کی نفل اور نماز تہجد اور جمعہ کی دس سنتیں اور جمعہ کے آداب یہ ہیں کہ غسل کر کے پہلے پہنچنے کی کوشش کرے اور سورہ کہف پڑھے اور کثرت

کے ساتھ حضور ﷺ پر درود بھیجے اور زوال سے پہلے ورد و سبغینہ پڑھے جو ہماری کتاب احیاء العلوم میں مرقوم ہے اور بارہ رکعتیں نماز حاجت کی پڑھے ہر رکعات میں بعد فاتحہ کے ”آیت الکرسی“ ایک بار اور ”قل هو اللہ احد“ تین بار پڑھے نماز سے فارغ ہو کر سجدے میں یہ دعا پڑھے ”سبحان الذی لیس العسہای لہ سبحان الذی لا ینبغی التسبیح الالہ سبحان ذی العز و الکریم سبحان ذی الطول و الرحمة اسالک اللہم بمعاقدا العزم من عرشک و منتهی الرحمة من کتابک و باسمک الاعظم و جدک الاعلیٰ و بکلماتک الذامات کلہا التی لا یجاوزہن برو لا فاجر ان نصلی علی سیدنا محمد و آل سیدنا محمد“۔

پھر اس کے بعد اپنی حاجت مانگو۔

نخس اور غضب کی ہوئی زمین میں نماز نہ پڑھنی چاہیے نہ ریشمی کپڑے اور سونے کی انگوٹھی وغیرہ کے ساتھ نہایت عاجزی اور ذلت کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑے ہو اور جب لوگ جمع ہوں

تو یہ سمجھے کہ قیامت کے میدان میں جمع ہیں اور مؤذن کی اذان کو صور کی آواز تصور کرو پھر امام کے خطبہ پڑھنے کو حق تعالیٰ کی تجلی خیال کرو کہ نہایت عظمت اور جلال و ہیبت کے ساتھ موجود ہے اور جب لوگ نماز میں کھڑے ہوں تو اس کو خدا کے آگے حاضر ہونا سمجھو پھر مسجد سے باہر جانے کے وقت یہ خیال کرو کہ حساب و کتاب کے بعد لوگ جنت میں اور کچھ دوزخ میں جا رہے ہیں۔

وضو کے اندر حکمت یہ ہے ایک تو اعضاء پاک ہوتے ہیں اور دوسرا ان کو تنبیہ ہوتی ہے انسان بھی مثل درختوں کے ایک درخت ہے اس کی خدمت بھی اس طرح کرنی چاہیے جیسا کہ درخت کی خدمت کی جاتی ہے یعنی جمعہ کے روز ناخن کتر لے اور زیر ناف کے بال لے یہ درخت کو چھانٹنا ہے اور وضو غسل کرے یہ درخت کو پانی دینا ہے اور اس باغ میں دنیاوی گھاس پھوس کو نکال کر علوم کے پھل پھول لگائے اور خدمت کی نہروں سے پانی دے اور افعال قبیحہ سے باز رہے تاکہ فصل کا پانی عقل کی نہروں میں جاری ہو اور بلبل توحید و معرفت ہر شاخ درخت پر سخی کرے یقین کے انوار و برکات نازل ہوں اور صدق کی نسیم باغیس معرفت کی خوشبو لائے اور رازل کا منادی مریدوں کے دلوں میں آواز دے اور ایسے باغوں کی سیر کرو جہاں زیتون کا وہ مبارک درخت ہے جو شرقی ہے نہ غربی ہے روغن اس کا قریب ہے کہ بغیر آگ کے

لگے روشن ہو جائے اور یہی مطلب اس حدیث قدسی ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ میرا مومن بندا نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اور جب میں اس کو دوست بنا لیتا ہوں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس وہ میرے ہی ساتھ سنتا ہے اور میرے ہی ساتھ دیکھتا ہے اور کم سے کم چیز جو میں اس کو عنایت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے اور اس کے درمیان میں ایک روزن کر دیتا ہوں جس میں سے وہ مجھ کو دیکھتا ہے اور مجھ کو بغیر مثال کے دیکھتا ہے اور میں اس کو ایک ایسا نور دیتا ہوں جس کے ساتھ وہ حقائق معلومات میں تفریق کرتا ہے۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ ان مقرب لوگوں کے دل میں نماز میں خطیرہ قدس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جلال ربوبیت کا دیہومیت سے مشاہدہ کرتے ہیں اور آسمانی دل کے صاف ہونے سے معرفت کا آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے آخرت کے حالات منکشف ہوتے ہیں میزان عقل اور صراط یقین سب ظاہر ہو جاتے ہیں یہی اس آیت کے معنی ہیں یہی اس آیت کے معنی ہیں ”و اسجدواقترب“ یعنی سجدہ کرو اور اس میں خدا کی قربت چاہو حضرت جعفر صادق فرماتے ہیں جب عارف سجدہ کرتا ہے حجاب اٹھ جاتا ہے اور قلوب طاہرہ سدرۃ المنتہیٰ کی طرف ترقی کرتے ہیں اور انوار قدس ان پر منجلی ہو جاتے ہیں حرم حق کی جنتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جو کچھ یہ چاہتا ہے اس کو دیا جاتا ہے جب نماز میں دل وسوسوں سے صاف ہوتے ہیں اس وقت تک افلاک و املاک کا مشاہدہ ان کو نصیب ہوتا ہے اور ایک اور مثال تمہارے سمجھانے کے واسطے بیان کرتا ہوں سنو دل ایک میدان ہے اور اس کے اندر ایک درخت ہے جس پر پرندے بصیرہ لیتے ہیں اور تم اس درخت کے نیچے نماز پڑھ رہے ہو پرندے تم پر بیٹ کر رہے ہیں اور اڑانے سے نہیں اڑتے ہیں اب اگر تم آسائش سے نماز پڑھنی چاہتے ہیں تو اس درخت کو کٹو اڈالو ایسا ہی تم نے اپنے دل میں جب دنیا کا درخت لگایا ہے اور تمہارے دنیاوی تفکرات کے پرندے اس پر بیٹھے ہیں اگر تم اس درخت کو کاٹ ڈالو گے تو حال تمہارا صاف ہوگا اور بزرگی تمہاری بڑھ جائے گی اور جلال الہی کی تم پر تجلی ہوگی جیسا کہ حضرت جنید نے فرمایا ہے

ترکت ہم الدنيا فصفی عیشی

وترکت ہم الاخرة فصفی قلبی

دنیا کا فکر میں نے چھوڑ دیا لہذا میری زندگی صاف اور پاک ہو گئی اور آخرت کا فکر

جو میں نے چھوڑ دیا تو میرا دل خراب ہو گیا۔

نماز میں رازیہ ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جیسے خادم کا اپنے مخدوم سے مقرب ہونے کا وقت ہوتا ہے اور جب مخدوم اپنے خادم کو اپنے عجز و انکساری کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس پر مہربان ہو جاتا ہے

بعض اہل نجوم بیان کرتے ہیں کہ پانچوں نمازیں پانچ ستاروں سے متعلق ہیں اور چھنا ستارہ سے سنتیں اور ساتویں سے وتر متعلق ہیں۔ نماز ہی سے غرض حاصل ہوتی ہے اور اسی کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ اور یہی معنی سقراط کے اس قول کے ہیں کہ آوازوں کے نغمے عبادتوں کی صورت سے پیدا ہوئے ہیں اور ان سے وہ باتیں معلوم ہوتی ہیں جو گردش کرنے والے افلاک میں پوشیدہ ہیں اس لئے کہ خواص ادعیہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں خدا فرماتا ہے ”الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ“۔

اور حضرت داود علیہ السلام کا مزا میر کے ساتھ شوق و ذوق حاصل ہونا مشہور ہے جب ان کو کوئی حاجت درپیش ہوتی تھی تمام زاہدوں کو مسجد میں کھڑا کر کے ہر زاہد کے پاس ایک بلجہ بجانے والا مقرر کر دیتے تاکہ باجے کی آواز سے زاہد یکسو ہو کر حضرت داود کی حاجت کے واسطے دعا کرے چنانچہ اس ترکیب سے دعا بہت جلد قبول ہو جاتی۔

اور اسی طرح یکسوئی کے ہونے سے استقاء اور سحر میں اثر ہوتا ہے معلوم ہو کہ اوزان قلبیہ بغیر طہارت محل کے پاک نہیں ہوتے ہیں پھر جب دل سے حجاب دور ہو جاتا ہے معرفت اس کے اندر حاصل ہوتے ہیں اور حق کا راستہ ظاہر ہوتا ہے معرفت الہی کا دروازہ کھل جاتا ہے جب دنیا کی ناپاکی دور ہوتی ہے۔

جب تم یہ طریقہ اختیار کرو تو اپنی کل حاجات اپنے موٹی سے طلب کرو اور معرفت کی خوشبوئیں لگا کر ندامت کے کپڑے پہنو اور اپنا رخسار اتواضع کی خاک پر رکھو اور جان لو کہ ہر چیز کا وزن ہوتا ہے شعر کا وزن عروض سے معلوم ہوتا ہے اور ضمیر کا نظر سے اور ماکول و مشروب کا ترازو اور سونے و جواہرات کا کانٹے سے اور صوفیہ دل کی اوقات کا وزن کرتے ہیں اور خطبوں کا وزن تعدیل کلام سے معلوم ہوتا ہے اور قیامت کا وزن قصاص افعال سے ایک پلہ میں تمہارے ظلم کی ظلمت ہرگی اور ایک پلہ میں تمہارے پاک اعمال کا نور ہوگا اب تم کو اختیار ہے کہ اپنے

اسی کی طرف پاک کلمے جانتے ہیں اور عمل صالح کرو۔ کر لیتا ہے ۱۲۔

حال کو معلوم کرو اور ہدایت پر قائم رہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھو کہ جب ان کو حیران نظر سے ظاہر ہوا تو بطریق تشکیک کے کہنے لگے ”بذاریبی“ یعنی کیا یہ ہے میرا رب پھر جب ترازو کے دونوں پلوں میں قائم ہوئے تو فرمایا ”وجہت وجہسی“ یعنی میں نے اپنا منہ خدا کی طرف کر لیا۔

اٹھارہواں مقالہ

خواص کے بیان اور تحقیق میں

معلوم ہو کہ خواص غیر محصورہ ہیں اور ان کے اندر تاویل نہیں ہے لہذا وہ بذواتہا اخذ کیے جاتے ہیں مثلاً ایلو اور سکونیہ مثل ہیں اور ہم یہ سوال نہیں کر سکتے ہیں یہ کیوں مسہل ہیں اور قبض کرنے والی چیزیں کیوں قبض کرتی ہیں پھر ہم طبیب شرع سے کیونکہ دریافت کر سکتے ہیں کہ یہ چیز حلال کیوں ہے اور یہ حرام کیوں ہے اور ہم کیسے خواص قرآن سے شفا حاصل ہونے میں شک کر سکتے ہیں اور میں بھی ہر سورہ اور آیت کے مختلف خواص ہیں مثلاً سورہ واقعہ حصول غنا اور مال کے واسطے ہے اور غم دور کرنے کے واسطے سورہ بخان ہے اور بلا کے دور کرنے اور اس کے محفوظ رہنے کے واسطے سورہ کہف ہے اور اس سورہ کے اندر جو یہ آیت ہے۔ **فَمَا اسطاعوا ان يظہروہ وما استطاعوا** لہ نقباً اس آیت کو بغیر سورہ کے پڑھنا چاہیے جیسا کہ تم کہتے ہو مفرد دو استعمال کرنی نہ چاہیے مسئلہ نجومی کے عاجز کرنے کے واسطے کیوں حکیم صاحب آپ کیا فرماتے ہیں ستارہ جوزمین پر پیدا ہونے والے آدمی پر تصرف کرتا ہے کہ تصرف اس کا جنسہ ہے یا بطبیعہ ہے یا نجاسیت ہے اگر تم یہ کہو کہ بطبیعہ ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ طبائع مختلفہ ہیں پھر اگر تم یہ کہو کہ جنسہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ سماوی ہے اور یہ عرضی ہے اور اگر تم یہ کہو کہ بالنجاسیت ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ خاصیت عرض ہے اس کے واسطے بقا نہیں ہے اور اگر ہم بالفرض بالنجاسیت کو تسلیم بھی کر لیں تب تم یہ بتاؤ کہ خاصیت نفس ستارہ میں ہے یا نفس شخص میں ہے اس کو تمہارے تئیں ظاہر کرنا اور اس پر دلیل و حجت قائم کرنا لازم ہے۔

مسح عمل اور کلام دونوں سے مرکب ہے جس کو اوقات معلومہ اور طوابع معنیہ میں طلسمات کیساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جب تم یہ چاہو کہ اپنے مطلب کے واسطے کوئی طلسم تیار کرو تو ہر تین حرفوں میں سے ایک حرف لینا شروع کرو پس جب محبت کے واسطے نو حرفوں میں سے تین

حرف جمع کر لو تو یہ طلسم ہر ایک کام کے واسطے مفید ہے اور محبت کی ساعت کو اس طرلاب یا ساعت نامہ سے معلوم کرو کیونکہ یہ ساعت اس کام کے واسطے بہتر ہے مثال اس کی اب تات جیم کو لیلو اور جیم کے بدلہ "ت" کا لبتا بہتر ہے "ج ح خ" سعد کو لو "ص ظ عین" کو لو پس تدویر کے حساب سے عنقریب ہو اور اس کے طلسم کی یہ ترکیب ہے کہ جب قمر عقرب میں ہو تو ایک حرف انگٹھی پر اس کی صورت بناؤ اور ہاتھ میں پہن لو اس کی خاصیت یہ ہے کہ عورتوں کی جانب سے کوئی مضرت تم کو نہ پہنچے گی اور اگر پانی میں دھو کر بچھو کے کاٹے ہوئے کو پلاؤ گے تو اس کو آرام ہوگا اور اگر یہ پانی دشمن کی چھت پر یا اس کے گھر میں چھڑک دو گے تو اسی سال میں اس کا گھر تباہ ہوگا جب "قمر" "برج"

"اسد" میں ہو تو انگٹھی پر سیاہی سے شیر کی صورت اور یہ کلمہ نقش کرو "اتینا طائین" پھر بادشاہ کے پاس جاؤ بادشاہ تمہارا مسخر ہوگا بادشاہوں کو تا بعد ار کرنے کے کلمات یہ ہیں "الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفيل ذل البحر لبنى اسرائيل شاهب الوجوه فهم لا يبصرون ولا يعقلون ولا يسمعون". وہ کلمات جن کے کہنے سے وہ شخص امن میں رہتا ہے جو بادشاہ سے خوف رکھتا ہو جس وقت اس کے سامنے جائے یہ کہتا رہے یا قدیم الاحسن باحسن القديم وہ کلمات جن کے پڑھنے سے بادشاہ کی زبان بری بات کہنے سے بند ہو جاتی ہے "اليوم نختم على افواههم ولا يؤذن لهم نيعتذرون صم بكم عمى فهم لا يرجعون ولا يعقلون" وہ کلمات جن کے پڑھنے سے مفسدوں کی جماعت متفرق ہو جاتی ہے چند جو کہ دانے لے کر چار بار یہ کلمات پڑھ کر دم کرے اور ان کے مکان میں ڈال دے "ہاتاش" "ناتاس"

"والقينا بينهم العداوة والبغضاء الى يوم القيامة" پھر دیکھو کہ خدائے تعالیٰ کیا کرتا ہے

دو شخصوں کے درمیان عداوت ڈالنے کے واسطے ایک انڈے پر یہ کلمات لکھ کر بھون کر کھلا دو "ومزقناهم كل ممزق وحيله بينهم قطعاً بغضاً" دیگر ایک انڈے پر سات حرف

"صاد" لکھ کر ایک کپڑا پیٹ کر سیدیں اور کونلوں پر رکھیں انڈا بریان ہوگا اور کپڑا نہ جلے گا وہ انڈا بخار والے کو کھلائیں اس قسم کی بہت سے ترکیبیں ہیں جن کو ہم نے کتاب "عین الحیات" میں بیان کیا ہے اگر چھوٹے جہم کی ہے مگر فوائد اس میں بہت ہیں اور اس کے ایک مقالہ

میں اجساد اور ارواح کے جمع ہونے کا سبب بھی بیان کیا ہے اور یہی طریقہ اکسیر کا ہے۔
 معلوم ہو کہ علم ضاعت الہیہ یعنی علم کیمیا اگر پہلے تھا تو اب بھی ہو سکتا ہے اور سب
 لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ علم پہلے تھا لہذا اب بھی ہو سکتا ہے اور منقول کے دلائل بھی اس
 کے جواز پر ثابت ہیں منقولی دلائل یہ ہیں ”ومما توقیدون علیہ فی النار ابتغاء حلیة
 و متاع ذبذ مثله“ اور فرماتا ہے ”انما اوتیتہ علی علم عندی“ اور معقود پر صابون کا
 عمل دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ اضداد سے درمیان میں جامع ہے یعنی ونی اور مائی اور ناری
 طبیعتوں کو روکتا ہے۔ پس یہ منجمد ہو گیا تو اس کی تجمید نے کیمیا کی تجمید پر دلالت کی ہے اور اگر
 یہ صفات نہ ہوتی تو اس کثرت سے سونا دستیاب نہ ہوتا کیونکہ اس کی کانیں بہت کم اور دور ہیں
 اور یہ صنعت بھی مثل صنعتوں کے ہے بہت لوگ اس کے حاصل کرنے کے پیچھے گمراہ ہو گئے
 ہیں اور تمام مال اپنا برباد کر دیا ہے مگر یہ صنعت انھیں کو حاصل ہوتی ہے جو نباتات اور حیوانات
 سے خوب واقف ہیں مگر اے موسیٰ تمہارے واسطے ایک خضر کی صورت ہے جو کشتی کو توڑنے اور
 لڑکے کو قتل کرنے اور دیوار کو سیدھا کرنے کا مطلب سمجھائے جس کے نیچے خزانہ تھا جب تم نے
 اس صنعت کی کشتی کو توڑا رفیق جو بھاگنے والا غلام ہے حل کر کے پانی بنا دیا پھر اس میں تصعید
 زریخ کی دیوار اضافہ کی تو بس اس کا تو ام درست ہو گیا اور تم اس اکسیر کے مالک ہو گئے یہ
 چاندی بنانے کی ترکیب ہوئی مگر اس اکسیر کو تانبے پر ڈال کر کشتہ کرو پھر ہم وزن تانبے کے
 ساتھ خوب گلا لو چاندی تیار ہوگی۔

معلوم ہو کہ ذریخ ایک مرکب نام ہے زر سونے کو عجیبی زبان میں کہتے ہیں اور ذریخ
 سے یہ مراد ہے کہ تو نگری حاصل کرنے کے واسطے اپنے استاد کے دروازہ پر حاضر ہو اور اپنی عقل
 کے ذوالقرنین کے ساتھ مغرب شمس کے پاس جو چشمہ حیوان کے پاس ہے جا پہنچو چشمہ
 حیوان سے بیضہ مرغ مراد ہے سفیدی اس کی سفید کام کے واسطے اور ذردی ذرد کام کے واسطے
 ہے پھر مطلعہ شمس حرارت زریق کی سیر کرو اور اس کو قبضہ میں لاؤ اور پھر جب تم دونوں سیدوں
 کے درمیان میں پہونچو تو نرم آتش اس کے نیچے جلاؤ پس اگر یہ اکسیر تم سے صحیح ہو جائے تو بہت
 بہتر ہے ورنہ ابرک حل کرو یہ اکسیر بہت عمدہ اور نایاب ہے اور موجود ہے اور اس کا پورا عمل ہم
 نے کتاب عین الحیات میں لکھا ہے اس میں دیکھ لو۔

معلوم ہو کہ یہ صنعت ربانی ہے اور وہی لوگ اس پر مطلع ہوتے ہیں جن کے دلوں
 سے خدا نے شک کو دور کر دیا ہے اور ابدالوں کے مقام میں پہنچ گئے ہیں اور یہ کام اسی شخص سے

ہوتا ہے جو اس کے ذریعہ سے اثرات کے کام کرنے چاہتا ہے یا فرض کا ادا کرنا یا کسی برائی کا دور کرنا۔

اس کام سے پہلے چالیس کام سیکھنے چاہئیں تاکہ یہ کام درست ہو مثلاً سرمہ بنانا اور براہہ کرنا اور دو انہیں بنانی ہم یہاں چند عجیب و غریب صنعتیں بیان کریں گے مگر اصل صنعت کا مفصل بیان عین الحیات میں ہے اور اس صنعت نے سب سے بڑا کام ذریعہ کی تصحید اور اس کے اجرہ اور معتدل وقت کا معلوم کرنا ہے کہ نہ زیادہ سردی ہو نہ گرمی۔

چاندی بنانے کو اس فن کے لوگ صنعت قمری کہتے ہیں اور اس کی اکسیر انڈے کی سفیدی اور ذریعہ مصعد سے جو معتدل القوم اور ہم وزن ہوا بنتی ہے اس بات کو غور کرو اور معتدل زمانہ میں اس کام کو بجالا و نہ اس قدر گرمی پر پہنچاؤ کہ جلادے نہ اس قدر سردی پہنچاؤ کہ اس کے اجزاء کو متفرق کر دے اکسیر کی تربیت اسی طرح کی جاتی ہے جیسے بچوں کی سردی گرمی کا لحاظ رکھا جاتا ہے اب پہلے تم کو صنعت ابرار اور سرموں کا بنانا سیکھو جیسا کہ عزیز صغیر اور کبیر اور جلا صدنی کے نسخے ہیں ترکیب اس کی یہ ہے کہ عرق سیب و مسرم و انار و عرق یا میروں و عرق ذبح و داؤدی جعفران و بہمنی سر و عرق رازیانج و عرق حسق تو تیلے اخضر رفیق ان سب کو ملا کر دھوپ یا سایہ میں رکھو تا کہ خشک ہو جائے پھر اس کے قرص بنا لو یہ تو تیا ہندی تیار ہو گیا ایک مثقال اس کی ایک مثقال کو کافی ہے اور اگر اس میں عرق مامیشہ اور عرق حی العالم ملا دیں تو بہتر ہے کیونکہ یہی سردی جامع اور جلانا فاع اور تو تیا سے ہندی قاطع ہے اور یہی کیمیائی ابرار ہے اور اسی سے تم کو ایسا کسب حاصل ہو سکتا ہے جسے تم راحت کے ساتھ گزارا کر سکتے ہو اور کوئی مشقت تم کو نہ پہنچے گی اور اگر تم لاون بنانا چاہو تو ایک تولا خالص لاذن لے کر تین تولا صاف موم اس میں ملا کر نرم آگ پر پگھلاؤ اور نیچے اتار لو اور ہر مصنوع چیز میں اصلی چیز ملانی ضروری ہے کیونکہ اس کی اکسیر وہی ہے۔

زعفران بنانے کی ترکیب

گائے کے گوشت کی بوٹیاں سر کے میں زعفران حل کر کے اس کے اندر جوش کر لے اور پھر دھو کر اس کے ریشے جدا جدا کر کے زعفران حل شدہ میں ملا کر خشک کرے ایک چوتھائی زعفران اس کے اندر ملانی چاہیے اور گوشت ران کا ہونا چاہیے۔

مشک بنانے کی ترکیب

مشک اصلی میں ہم وزن اس کے کلبی سوختہ ملائے مصنوعی مشک تیار ہوگی بہت سی صنایع پردے کے اندر پوشیدہ ہیں جب ان کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور اس قسم کے بہت سے عجائبات نسخے عین الحیات میں مذکور ہیں۔

معلوم ہو کہ مشک ہرن کا منجمد خون ہے اور یہ ہرن جنگل کے خوشبودار گھاس کھاتا ہے جس کے سبب سے یہ خوشبو اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور عنبر کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ شہر عنصوریہ کے ایک چشمے سے اس کو نکالتے ہیں اور کافور بھی ایک چشمے سے نکلتا ہے اور عنبرور کے اندر مختلف رنگ کے پتوں میں چپک جاتا ہے آسمان سے دس چیزیں نازل ہوتی ہیں جیسے شیر خشک ہے اور ترنج بین اور لاون وغیرہ اور بعض کا قول ہے کہ لاون شہر مرعش کے پہاڑ کے ایک چشمے سے نکلتا ہے اور میہ بھی آسمان سے برستا ہے اس میں تھوڑا زوائد سے ملا کر آب جو میں جوش کرے اور ان عورتوں کو پلائے جن کو دودھ یا حیض نہ آتا ہو فوراً جاری ہوگا اور کبھی آسمان سے سبز مینڈک گرتے ہیں یہ بو اسیر کے واسطے بہت مفید ہیں اور کبھی ملک سقسین آسمان سے سرخ رنگ کے نرم اور ٹھنڈے گیہوں برستے ہیں مزا ان کا بھی اور شہد کا ہوتا ہے اور مصر برف کے ٹھنڈے ہوتے ہیں اگر ان کو حل کر کے عیب دار پر لگائیں تو عیب اس کا جاتا رہے گا اور کوئی شخص ان کی دھونی سے فرشتوں کو دیکھنے لگے اور انھیں گیہوں کے ساتھ عطار د کے عمل کے وقت دھونی روشن کی جاتی ہے انبیاء علیہ السلام بھی اس دھونی کی پابندی کرتے تھے چنانچہ حضرت کلیم اللہ نے زحل کے واسطے ہفتے کی روز دھونی روشن کی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام نے مشتری کے واسطے پنج شنبہ کے روز اور ابراہیم علیہ السلام نے شمس کے واسطے یک شنبہ کے روز اور آتش کے واسطے منگل کے روز دھونی روشن کی تھی اور زردشت نے مرتخ اور عطار د کے واسطے اور ہمارے حضور ﷺ نے زہرا کے واسطے جمعہ کے روز دھونی روشن کی تھی اور اسی واسطے غار حراء میں خلوت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ جبرائیل وحیہ کلبی کی صورت میں آپ پر ظاہر ہوئے جو شخص جنوں سے ملاقات کرنی اور ان سے کلام کرنا اور ان کلام سننا چاہے اس کو لازم ہے کہ ایک خالی مکان میں یک شنبہ یا چہار شنبہ کو بیٹھ کر لو بان کی دھونی روشن کرے اور عمل کے ختم ہونے تک برابر روشن کرتا

رہے اور ایک کنڈل کھینچ کر اس کے اندر بیٹھ جائے اور چالیس بار سورہ جن پڑھے جنوں کا لشکر حاضر ہوگا ان میں

سے جس کو چاہے اپنی خدمت کے واسطے مخصوص کر لے اور ان سے کچھ خوف نہ کرے اور پھر اس جن سے تسخیر یا تسلیم بنانے یا خزانہ نکالنے یا حب و بغض کا کام لے۔

معلوم ہو کہ خواص نباتیہ بہت کثرت سے ہیں ہم چند خواص ان میں سے بطور اختصار کے بیان کرتے ہیں جو شخص یہ چاہے کہ سب کو دیکھے اور کوئی اس کو نہ دیکھے اس کو لازم ہے کہ سیاہ بلی کی کھوپڑی میں ارٹڈ کائیج بوائے پھر جب اس درخت میں پھل آنے شروع ہوں تو اس پر ایک کپڑا پیٹ دے تاکہ کوئی ارٹڈی ظاہر نہ ہو پھر جب ارٹڈیاں پختہ ہو جائیں سب پھلوں کو توڑ کر ایک ایک پھل منہ میں رکھے اور آئینہ میں صورت دیکھے جس پھل کے منہ میں رکھنے سے صورت نہ دکھائی جائے وہی کام کا ہے۔

اور ایک بوٹی ہے جس کو ابھر کہتے ہیں یہ بوٹی انسان کی صورت ہوتی ہے جو شخص اس کو اپنے پاس رکھے اگر پتھر کی طرف اشارہ کرے وہ بھی اس کے ساتھ ہو لے۔

اور ایک بوٹی ہے جس کو راسین کہتے ہیں اس کے پتوں کی دھونی جس شخص کا نام لے کر روشن کرے گا وہ شخص اس کے پاس آجائے گا اور دھونی کے وقت یہ کلمات پڑھے ”یا جامع یا جن اجمعوا و قدموا لاق لاق عاجلا عاجلا اشرو و ناشرو تا کبیباً انصبی ائیتیا طوعا و کرہا“ اور یہ عمل اتوار یا بدھ کے روز کرنا چاہیے اس گھاس کی ایک شراب بھی بنتی ہے جس کو شراب ملائکہ کہتے ہیں سودھی مزاج والوں کے واسطے مفید ہے اور عورتوں کے امراض حرارت کے واسطے بھی مفید ہے اور اگر اس کے پتوں کو خشک کر کے پیس کر آنکھ میں لگائیں تو پوٹوں کے جھک جانے کو مفید ہے اور حلق میں کوئے کے جھک جانے کو بھی اس کی دوا بنتی ہے اور بخار والے کو اس کی دھونی دینے سے بخار جاتا رہتا ہے اور جس عورت کے حمل میں بچے کی بہلی بوقت پیدائش رہ گئی ہو یا اور کچھ رہ گیا ہو اس کی دھونی دیں نکل جائے گی اور اس کے پتے زیتون کے پتوں کے ساتھ سر کے میں جوش دے کر پیس لیں اور درد والے دانت پر لیپ کریں تو بہت مفید ہوگا ایک گھاس ہے جس کی جڑ زمین پر نہیں ہوتی بلکہ درخت بطم و بلوط پر بکثرت ہوتی ہے اور حب العصفور اس کو کہتے ہیں کیونکہ چڑیا نہایت رقبت کے ساتھ اس کو کھاتی ہے اس کی دھونی گھروں میں شیطان اور جادو کا اثر دور کرنے کے واسطے حضور ﷺ نے فرمایا ہے اترے ہوئے بالوں کو ضائع نہ کرو کیونکہ جادو گرا کتر انھیں

پر جادو کرتے ہیں اور جادو باطل کرنے کے وقت سورہ رعد کے آخر کی دس آیتیں پڑھنی چاہیں اس بوٹی کے دانوں سے ندا سو جو ایک خوشبودار چیز سے بنتا ہے کنگی اور زعفران اور عود قماری کا براد پیس کر یہ دانے اس میں ملائیں اور عرق گلاب نہایت عمدہ ڈال کر جوش دیں جب خوب گاڑھا ہو جائے اتار لے اور ٹھنڈا ہونے کے بعد قرص تیار کریں تریاک نافع بندق مدقوق کو اخروٹ اور بادام اور تل اور پستہ کے ساتھ پیس کر شہد اور قدرے گلاب ملا کر رکھ لیں بچھو کے کاٹے کے واسطے بہت مفید ہے اور قوت جماعی کو بے حد زیادہ کرتا ہے اور مغز اخروٹ کا گیہوں کے آٹے کے ساتھ حریرہ بنا کر کھانا کمر کے درد اور قوت جماع کو مفید ہے اور ریاح بارہ کے مریض کو نفع کرتا ہے اور تریاک اکبر کا نسخہ جسکے اندر چالیس اجزاء ہیں عین الحیات میں مذکور ہے معلوم ہو کہ حیوان اور نباتات اور روغنوں میں اس قدر تاثیریں ہیں جن کا بیان بہت طویل ہے ہم صرف ایک روغن کے عمل کا ذکر کرتے ہیں اچھی صاعمت دیکھ کر جس شخص پر عمل کرنا ہو اس کے نام کے ساتھ موسم ربیع کے بصاص لے لو اور اس کو ایک شیشی میں روغن زیت کے اندر ڈالو اگر بغض کا عمل کرنا ہو تو ظنبوب حبشی لو اور اگر محبت کا عمل کرنا ہو تو قرشی لو اور بادشاہ کی تسخیر کرنی ہے تو فارسی لو اور بیماری یا نقصان سے نکلنے کے واسطے کرمانی لو اور دھوپ میں رکھ دو اور جس قدر روغن کم ہو اسی قدر بڑھا دو اور روز اس کی خدمت کرتے رہو ہر روز دھونی دو اور یہ کلمات کہو "ایہا الظنبوث الطاہرۃ کونی لمارید" اور پاک حالت میں دھونی دو یہ روغن چاند کی کمی میں کم ہوگا اور زیادتی میں زیادہ ہوگا اور اگر اس روغن کو جسم پر مل لیں تو آگ اثر نہ کرے گی بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا ہتھوڑا یا کلباڑا بنائیں اور اس سے کام لیں تو بالکل آواز نہیں ہوتی اور ایک پتھر ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو تنور میں ڈال دیں تو کوئی روٹی سالن نہ نکلے تنور میں گر پڑے گی اور مقناطیس کے خواص یہی تم کو معلوم ہیں اور حیوانات کے خواص کتاب الحیوان میں تلاش کرو۔

بیسواں مقالہ

علم عزائم و تسخیر کو اکب کے بیان میں

ہفتے کے روز صبح کے وقت سیاہ یا نیلگوں لباس پہن کر مغرب کی طرف منہ کر کے یہ بخور روشن کر لو لو بان سیاہ دانا انار کے چھلکے لائی اور زہل کی تسخیر کے واسطے یہ عمل پڑھو مگر تسد لیس یا

تثلیث کا وقت ہونا ضروری ہے عظیمت یہ ہے "ایہا الساخان الاعظم والملك
المرمر مالک الفلک النبعة له النجوم الخاسف المنزل زحل ات اشرف
الکواکب وسیدھا ومؤیدھا اسئلک ان لعطینی وان تمخنی ویصلح منک
لی" (۱)

اور یک شنبہ کے روز طلوع آفتاب کے وقت اس کی طرف منہ کر کے حضور قلب کے
ساتھ یہ عزیمت پڑھو "ایتھا السیلة الرفیعة والملکة المطیعة والتمیرة الکبیرة
التي جارت بفیضها علی الظلم فصارت انوار اذلنها طاهرة وسلطنتها قاهرة
اسئلک ان تعیطینی ما یصلح منک لی واصرفی همته الی وانتم الملكة
العزیزة والسلطانه الحهیرة بحق من سخرک وهو الملك العظیم"
اور پیر کے روز پہلی ساعت میں کمر کا یہ عمل پڑھو "ایہا الکوکب
الاطهر والقمر الایهر البارد الرطب الحال فی الفلک المعتدل
البارد اللطیف اسئلک بحقک وبحق الملك المعطیک من نورہ اسئلک
ان تعیطینی ما یصلح منک لی" اور سہ شنبہ کے روز مرتخ کے واسطے یہ عمل پڑھے "ایہا
السلطان الحار النوری الناری المزعج المدہش انت بهرام السلطان
صاحب السیف والسفک ذوالحرية الدراییة والفتن الارضية صاحب
الحزب والصلاح والدم اسئلک بحق سلطنتک ودولتک وقهرک ان
تعیطینی ما یصلح لی منک" اور چہار شنبہ کے روز عطار د کے واسطے یہ عمل پڑھو
"ایہا الکوکب النطف الشریف والکوکب الکاتب الحاسب العالم ممازج
الفلک ووزیرہ وملاطفة ومشیرہ بلطافة اخلاقک وطیب عراقک وحسن
سمتک وصفاتک الحمیدة و اخلاقک المجیدة الحسنة الطیبة ان تعظمی
ما یصلح لی منک"

اے بڑے بادشاہ سخت لشکر والے آسمان کے مالک جس کے ستارے تابع ہیں اور وہی دھسان اور
زلزلہ ڈالنے والا ہے کون یعنی زہل تو سب کو اکب سے اشرف اور وہ سردار اور رہبر اور ان کی تائید کرنے
والا ہے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھ کو اپنے پاس سے ایسے چیز عنایت اور بخشش کر جو میرے
واسطے درست ہو اس طرح کل عزیمتوں کے معنی قیاس کر لینے چاہیں۔

اس عمل کے وقت خوش طبیعت رہنا اور منشیوں کی حالت بنانا ضرور ہے۔

اور پنجشنبہ کے روز یہ دعا مشتری کے واسطے پڑھے ”ایہا الکواکب الدین الصلح التقی الرفیع البدیع المطیع السميع الضریع الذاکر الشاکر العاشر والحامد الباهر لخائف المستغفر عندک اکثر احياء الاموت والذی یبرء من کل داءٍ اسالک بحق دینک وامانتک ومودتک ومرواتک وطاعتک ان تعطینی ما یصلح لی منک“۔

اور جمعہ کے روز زہرہ سے مخاطب ہو کر یہ وظیفہ پڑھو۔ ”ایتھا النفس الطاهرة للزهدة الباهرة ذات اللهو والنطرب الرقص واللعب الشرب والاکل الفرحة النزهة الناظرة المرینه الطائعة لربها الحررة الظاهرة اسالک ان تعطینی ما یصلح منک لی“۔

اس فن کے علماء فرماتے ہیں کہ ہفتے کا روز حضرت موسیٰ کے واسطے مخصوص تھا اور اتوار حضرت سلمان کے واسطے اور بہت سے نبی بھی اس میں شریک تھے اور بہت سے بادشاہ بھی اس روز میں شمس کے واسطے بنجور روشن کرتے تھے اور پیر کا روز قمر سے متعلق ہے اور زیروں کے واسطے مناسب ہے اور اسی دن میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بھی دھونی روشن کی تھی اور بدھ کا روز عطارد سے متعلق ہے اس میں زردشت مجوسیوں کے نبیوں نے دھونی روشن کی تھی اور جمعرات کے روز عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے مخصوص تھا اور جمعے کا روز ہمارے حضور ﷺ کے واسطے مخصوص ہے زحل کی تسخیر سے اس قسم کے منافع پہنچ سکتے ہیں خزانوں کا نکالنا نہروں کا کھودنا درختوں کا لگانا وغیرہ اور اس شمس سے ملک و صنعت کے فوائد پہنچتے ہیں اور قمر سے وزارت کے اور مرتخ سے لڑائی جھگڑے کے اور عطارد سے کتابت اور حساب اور نکاشی و ہندسہ وغیرہ کے اور اعمال۔

عزائم بھی اس سے متعلق ہیں اور مشتری زہد اور دیانت اور زحل طلسمات سماویہ کے واسطے ہے اور جمعہ زہرہ کے واسطے ہے علماء فن کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جو بات زوال کے لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اس میں حکمت ہے کہ اس وقت خواص حصول مطالب میں اثر کرتے ہیں ”اللہم صل علی محمد وعلی ال محمد“۔

معلوم ہو کہ لوگوں نے خاصیت کے اندر بہت اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہم اول کتاب میں ذکر کر چکے ہیں حیوانات و نباتات کے خواص بہت ہیں جن کے متعلق ہم نے ایک طویل

فصل حاجت سے زائد بیان کر دی ہے۔

اکیسواں مقالہ

گفتگو کے بیان میں

جبکہ کلام کی حد یہ ہے کہ سننے والے کو فائدہ پہنچائے لازم ہو کہ ہم تم ہی سے تمہارے عقائد کے موافق تمہارے قول کی حقیقت معلوم کریں تم جو کہتے ہو کہ کلام فی النفس قائم ہے اور پھر کہتے ہو کہ کلام کرنے والا یا حکم کرنے والا ہوتا ہے یا منع کرنے والا اور حکم یا منع ان کا فی نفسہ ہوتا ہے اب بتاؤ کہ جو بات اس کے نفس میں ہے اس کو وہ ہمارے تئیں کیسے سنا سکتا ہے اور کس طریق سے وہ ہم تک پہنچ سکتی ہے اگر تم کہو کہ الہام کے ذریعہ سے تو وہ ایک مخلوق ہے جس کو اس واسطے پیدا کیا ہے تاکہ تم اس بات کو سمجھو جس کو نہیں سمجھتے تھے اگر تم کہو کہ کتابت کے ذریعہ سے تو یہ ایک قسم کا مفاعلت ہے اور نیز تمہارے مقابل نے تم کو جرف اور آواز کے اقرار کرنے سے اور بھی تنگ کیا ہے اس کے متعلق اس قدر بیان کافی ہے۔

اور چونکہ علم توحید کا طلب کرنا فرض ہے ہم پر واجب ہوا کہ اس کی طرف بھی ہم اشارہ کریں اور جو بیان ہم نے اپنی کتابوں میں کیا ہے اس میں سے کچھ بیان بھی نقل کر دیں بس سب سے پہلے ہم صانع کا ذکر کرتے ہیں معلوم ہو کہ کوئی صانع سے خدا نہیں ہے اس صورت میں انسان کو دیکھو جو الف کی شکل رکھتی ہے اس کے صانع نے اس کے اندر کیا کیا بدائع اور عجائب رکھے ہیں دیکھو اس کا سر اس کے جسم کا آسمان ہے اور دونوں آنکھیں ستارے ہیں اور چہرہ شمس و قمر ہے فرمانا ہے

”خلقنا الانسان في احسن تقويم“ پھر پانی کو دیکھو کہ پانی کے مختلف رنگ اور مختلف مزے ہیں کوئی کڑوا ہے کوئی نمکین ہے اور کوئی میٹھا اور کوئی بدبودار ہے۔

زمین میں جو جو چیزیں ہیں وہ سب جسم انسانی میں موجود ہیں دونوں مونڈے پہاڑ ہیں اور دونوں بازو اور کلایاں درخت ہیں اور انگلیاں شاخیں اور ناخن پھل ہیں اور بال گھاس ہیں اور دانت اور زبان اس کی بادشاہ کی ترجمان ہے اور مادہ اس کا باورچی ہے اور ایک قوت اس کے اندر ایسی ہے جو غزا کو رگوں اور پٹھوں اور بالوں اور کھال اور گوشت پر تقسیم کرتی ہے جو خون غلیظ ہوتا ہے اس کے ساتھ جسم کی تربیت ہوتی ہے اور جو رقیق ہوتا ہے وہ باریک مقاموں

میں پہنچتا ہے پھر بھی خون پشت میں پہنچ کر حرارت عزیز کی کے اثر سے پختہ ہو کر ایک گاڑھا سفید پانی بن جاتا ہے جسے فقہ بیان کرتے ہیں پھر وکیل حرارت اس کو خسیوں کے خزانہ میں پہنچاتا ہے اور خسیوں کی رگیں اس سے پھول کر مرد کے دل میں عورت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور ایک گرم بخار قضیب کی رگوں میں پہنچ کر اس کے اندر استادگی پیدا کرتا ہے اور شہوت کی قوت قضیب کے منہ سے خزانہ تصور میں جو اس کا محل قابل ہے اس پانی یعنی منی کو رحم میں داخل کرتی ہے اور پھر قدرت کا ہاتھ بواسطہ حرارت کے اس کی اس طرح پرورش کرتا ہے جیسے زمین میں دانہ کی پرورش ہوتی ہے اور یہ پرورش اس طرح کی ہے جو سونے یا چاندی کی اکثر کے واسطے کی جاتی ہے اور سلطنت یا فقر کی سعادت یہ نحوست نطفہ کے رحم میں آنے کے وقت لکھدی جاتی ہے پھر یہ نطفہ حلقہ یعنی خون منجمد ہو جاتا ہے پھر قدرت اس کو بواسطہ حرارت عزیز کی کے تربیت کرتی ہے یہاں تک کہ وہ ایک جسم پورا ہو جاتا ہے پھر اس میں خطوط مثل تصویر کے پیدا ہوتے ہیں اور اندر پیٹ و سینہ میں تجویف پیدا ہوتی ہے اور قلب وغیرہ اعضاء پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں پھر اس کے بعد روح کے انوار بطریق بخار صاعد کے کشوت ہونے میں طبیبوں کے نزدیک یہی بخار روح ہے اور یہی بخار خون سے پیدا ہوتا ہے اس روح ہی کے ساتھ جسم حرکت کرتا ہے اور وہ نفس لطیفہ عزیزہ جو کلمہ کن سے پیدا ہوتا ہے وہ ان حجابات مذکورہ لطیفہ اور انجرہ مصورہ سے علاوہ ہے وہ نفس عالمہ محققہ مدرکہ لطیفہ زبانیہ حساسہ متکلمہ عالمہ موت کے بعد باقی رہنے والا ہے جیسا کہ جسم سے پہلے اپنے مبداء میں موجود تھا پھر جب یہ بچہ اپنے وقت مقررہ کو پورا کرتا ہے اپنی ماں کے پیٹ سے بغیر اختیار کے نکل آتا ہے جیسے اس کا مرنا اور پھر قیامت کو اٹھنا اس کے اختیار میں نہیں ہے مثل نیند اور بیداری کے یہی نفس ناطقہ جسم کے اندر بادشاہ ہے جو قلب کے تخت پر متمکن ہوتا ہے اور یہی امر نہی کرنے والا ہے عقل اس کی حاجب ہے اور علم وزیر ہے اور نفس چراغ ہے اور تصدیق منہاج ہے اور قلب دریا اور حکمت موتی اور یا قوت ہیں اور جسم ایک شہد ہے اور اعضاء لشکر ہیں اور وسوسہ دشمن ہیں اور جن اقوال و افعال فرشتے ہیں اور خیر سے روکنے والے خیالات شیاطین ہیں۔

عارفوں کے نزدیک قلب ہی عرش ہے سینہ لوح ہے اور امر و نہی کا الہام قلم ہے جو خیر و شر کو لوح پر لکھتا ہے اور زبان ترجمان ہے اور آٹھ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں وہ یہ چار حواس ظاہری سننا دیکھنا سونگھنا چکھنا اور چار باطنی علم اور عقل اور تصدیق اور یقین ہیں اور خوف رجا کے فرشتے اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔

جب یہ قلب کا عرش جو خدا کا گھر ہے وسوسوں اور زائل سے پاک ہوتا ہے اور ذکر کی خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے اور فکر کی خوشبو اس میں روشن ہوتی ہے اس وقت وہ تجلی الہی کا مستحق ہوتا ہے اور انوار کمال قلب پر نازل ہوتے ہیں اور محبت کا سا بان طہارت قلب کی کرسی پر قائم ہوتا ہے اور معشوق سدرہ وصال کی سرحد پر جلوہ فرماتا ہے اور مجاہد کرنے والا مجاہد کی حکمتوں کے درخت کے سائے میں آرام کرتا ہے اور تشریح صدر کے حوض سے توحید کا نور پیتا ہے اور خصال حمد کے خاص کپڑے ویسومیہ کے خزانے سے زیب بدن فرماتا ہے اور ان چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے جن کا مشاہدہ غافل لوگ نہیں کرتے بیشک یہی بڑی کامیابی ہے اور اسی کے واسطے چاہیے کہ عمل کرنے والے عمل کریں۔

پھر اے وہ شخص جو علم و عمل کے ساتھ کامل اور اخلاق حمیدہ کے ساتھ متصف اور اخلاق ذمہ سے منزہ ہے جب تم کرسی کمال پر متمکن ہو گے اعضاء کے فرشتے تمہارے مطیع ہو کر سجدہ کریں گے اور مہربانی کا ہاتھ تمہارے دل کی جنت کے دروازے کھول دیں گے اور تمہارے احسان کی خوب صورت حور جلوہ کرے گی اور محبت دنیا سے پیچھے رہنے اور ہٹ جانے کے محل تیار ہونگے اور اپنی ہمت کے موافق تم اپنی تمنا کو پہنچو گے۔

پھر تمہارے بدن کا آدم اور محبت حق میں رونے کا نوح اور تمہارے خلوص و عشق کا خلیل تمہارے حسن و جمال کے ساتھ جلوہ کرے گا اور یعقوب تمہارے عقوبت نفس اور دفع شہوات کا اور موسیٰ تمہارے سفار حال کا اور داؤد تمہارے دوا کا اور سلیمان تمہاری سلامتی کا تمہارے بساط انبساط پر جلوہ فرمائے گا اور تمہارے اعضاء کے جنات اور تمہارے مجاہدہ کی خوشبو ہو تمہارے مسخر ہوگی پھر تمہارا خضر ایمان تمہارے چشمہ حیات کے قریب ابرار کے ساتھ ظاہر ہوگا اور تمہارے عقل کا ذوالقرنین تمہارے بلند ہمتی کی لگام پکڑ کر تمہیں شہوات کے دریا سے نکالے گا اور تمہارے مغرب شمس ایمان کے پاس پہنچا دیگا پھر وہاں سے مطلع شمس عقل کی طرف لے آئے گا پھر تمہاری غفلت اور شہوت کی دونوں سدوں کے درمیان میں کھڑا کریگا تم کو چاہیے کہ اپنی جہالت کے لوہے کو مجاہدہ بھٹی میں لگا لو اور اسی وقت تم اپنے اعضاء نفس اور قلب کو توحید میں ملا ہوادیکھو گے اور عذاب و عقاب سے بخوف ہو کر قرب کی چھپر کھٹ میں بعیش بہ آرام ہو گے ”ہذا ان المتقین احسن ماب“

یہ نصیحت ہے اور بیشک متقیوں کے واسطے اچھا ٹھکانا ہے پھر تمہاری لزت عیش و زندگانی کا عیسیٰ اور تمہارے لطائف اعمال کی حمد کا محمد ﷺ پر مجلی ہوگا اور یہی اس حدیث کے معنی ہیں کہ تم میں

اپنے رب کا زیادہ پہچاننے والا وہی ہے جو اپنے نفس کو زیادہ پہچانتا ہے دیکھو کہ بزرگ دلوں پر روح کے اسرار کس طرح منکشف ہوتے ہیں جو اسرار کے جاہل اور عوام لوگوں سے پوشیدہ ہیں تم نہیں دیکھتے ہو کہ عاشقان خدا عشق الہی کو دوسروں کا نام لیکر کس طرح چھپاتے ہیں مجنون کو دیکھو کہ اس نے لیلیٰ کا نام لیکر کس طرح عشق الہی کو پوشیدہ کیا جس کی دلیل اس کے اشعار میں موجود ہے۔

لما رايت الجب سید هغنی

ونمت علی شواهد الصب

اوقعت غیرک فی نهم

فستبرت وجه الجبال حب

مجنون سے کسی نے پوچھا کہ تم کو کونسا وقت پسند ہے لیل یعنی رات پوچھا کہ قرآن میں سے تم کو کونسی آیت محبوب ہے کہا ﴿سبحان الذی اسرى بعد﴾ مجنون کا قاعدہ تھا کہ ملاحوں کی خدمت کیا کرتے تھے کیونکہ ملاح جب رسی کو کھینچتے ہیں تو لیلیا لیلیا کہتے ہیں اے بھائی یہ اصول اسی خلعت کافیہ کے ہیں کیا، اس میں صانع قدیم کے وجود پر دلیل نہیں ہے اور پھر بھی اگر تم شک میں ہو تو شہد کی مکھی پر غور کرو کہ کس طرح پھولوں کو لا کر مسدس اور صحن خانے بناتی ہے اور موم سے شہد خانوں کے بیج میں دیوار کھڑی کرتی ہے اور ان خانوں کے منہ کو اس ترکیب سے بند کرتی ہے کہ چاہے کس قدر بارش ہو مگر شہد تر نہیں ہوتا اب بتاؤ یہ الہام اس کو خدا کی طرف سے نہیں ہوا ہے تو کس کی طرف سے ہوا ہے اور اگر یہ کہو کہ یہ الہام اسی کے نفس کی طرف سے ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اور کسی کے نفس نے ایسا کیوں نہیں کیا اور چیونٹی کی عقل کو دیکھو کہ جب وہ غلہ جمع کرتی ہے تو دانوں کے بیج میں سے کتر کر دو ٹکڑے کر دیتی ہے تاکہ بارش ہونے سے دانہ نہ آئے اور مکڑی کو دیکھو کہ شکار پکڑنے کے واسطے کیسے جال پھندے تیار کرتی ہے پس کیا جس نے ان سب کو یہ باتیں سکھائیں ہیں وہ صانع نہیں ہے بے تعجب کی بات ہے کہ معبود کی نافرمانی کی جائے کہ کوئی اس کا انکار کرے ہر ایک حرکت و سکون میں توحید خداوندی کی گواہی موجود ہے اور ہر شے میں اس بات کی نشانی ہے کہ وہ واحد اور یکتا ہے اے شخص سننے اور دیکھنے اور پڑھنے اور لکھنے وغیرہ میں وجود صانع کی نشانیاں ہیں اس کے متعلق اور سورہ نمل اور شروع سورہ ذرایات اور مراسلات اور سورہ نبا کی آیات دیکھو اور سورہ حشر اور جدید کی توحید ملاحظہ کرو پس پاکی ہے اور ذات کو جو قدیم باقی یکتا ہے اپنی کل مصنوعات میں اس کے ارادہ

میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے زندہ ہے علم والا ہے غالب حکمتوں والا ہے سنت دیکھنے ارادہ کرنے والا ہے اپنے کلام قدیم کے ساتھ متکلم ہے جو کچھ ہوایا ہوگا سب اسی کی لوح میں موجود ہے اور سب کو وہ جانتا ہے پس اے بھائی اسی کو اختیار کرو اور اسی کو کافی سمجھو تم کو راحت اور فلاح نصیب ہوگی اور اس کے ساتھ تجارت کرنے سے تم کو بہت بڑا فائدہ ہوگا۔

بائیسواں مقالہ

(وجود عالم کے بیان میں)

معلوم ہو کہ عالم مخلوق ہے خدا نے اس کو بغیر کسی ضرورت کے واسطے پیدا کیا ہے کہ یہ اپنے خالق کو پہچانے اور خالق کی سلطنت اور قدرت ظاہر ہو پس سب سے پہلے جو چیز خدا نے پیدا کی وہ عرش ہے پھر آسمان پھر دوزخ و جنت پھر زمین اور کل کائنات کی اصل ایک جوہر سے ہے جس کو فلاسفہ عقل فعال اور نفس کا یہ کہتے ہیں پھر اس جوہر کے بخار سے آسمان اور اسکے جھاگوں سے زمین پیدا کی اور ہوا کے سبب سے زمین پانی پر منجمد ہو گئی فلاسفہ کہا کرتے ہیں یہ فیض اس چیز کو عقل فعل اور نفس کلیہ سے پہنچا ہے پس عقل ہمارے نزدیک عرش ہے اور نفس کلیہ لوح ہے اور نفس فیض مقادیر کا جاری ہونا ہے سب عبارات اصطلاحات ہیں کیونکہ فیض کے اندر مرجع ایک ہے اور عبارات مثل روزہ کے کہ اس میں کھانے پینے سے رکنا ہوتا ہے بیکار نہیں ہے بلکہ انکے اندر بہت سے اسرار ہیں چنانچہ ہمارے سر کے اوپر کرہ نارو کرہ ہوا ہیں جس شخص کو عبادت کی عادت ہوگی وہ اپنے صبر کے ساتھ ان کو طے کر جائے گا اور اس معتدل مکان میں جا پہنچے گا جہاں نہ سردی ہے نہ گرمی یعنی جنت میں فرشتوں کے ساتھ رہے گا اور اہل معارف سے نہایت خوشحالی کی حالت میں ملاقات کرے گا اس مکان یعنی جنت میں نہریں جاری ہیں ہوا یہاں کی معتدل و مفرح اور اس کے رہنے والوں کے واسطے ہمیشہ کی زندگی ہے اور خدا کا پڑوس ہے اور یہ سب نعمتیں ان لوگوں کے واسطے ہیں جنہوں نے اس دار غرور یعنی دنیا میں عبادت کی محنتیں کی ہیں اور دار بابت و سرور کی طرف راغب ہوئے ہیں جس شخص کا نفس مرتے وقت اپنے پس ماندہ مال و اسباب میں پھنسا ہوا ہوگا اس کی مثال پر قبیح پرند کی ہے یہ شخص حجاب شرک

کے سبب ہے آسمان پر نہ پہنچ سکے گا۔

اور جس نے دنیا کو اپنے پیر کے نیچے ڈال دیا اور کسی چیز میں دل نہ لگایا وہ معظم و محترم رہے گا فرشتے اس کے استقبال کو بشارتیں لے کر آویں گے اور اپنے خالق کے دیدار سے مشرف ہوگا اور مشاہدہ کے ہوتے ہی اس دور دراز سفر کی تھکان بالکل جاتی رہے گی اور راحت کے سارے مقصد حاصل ہونگے اور اس کے گھرباراہل و عیال کے بدلے نہایت عمدہ گھربارا اور نیک اہل و عیال اس کو ملیں گے اور اس کے دنیاوی دوستوں کے درمیان میں بھول کا پردہ ڈال دیا جائے گا یہ حالات ان لوگوں کے ہیں جو کھانے پینے کی خواہشوں سے بالکل منزہ ہیں اور نیند بھی ان کو نہیں آتی ہے یہ حالات ان پاک نفسوں کے ہیں جو مجاہدہ کی آگ میں پگھل چکے ہیں اور علوم و اعمال کے ساتھ اغیارمی قدورت سے صاف ہو چکے ہیں اور جو نفس کی خبیث اور جب دنیا میں مقید ہے وہ اس عالم سے جدا ہو کر اپنی طبیعت کی ظلمت میں گرفتار ہو جاتا ہے جو اس نے اعمال کیے ہیں ان کے سبب سے مجبوب اور جو اس نے چھوڑا ہے اس کے خیال میں مقید رہتا ہے اور یہ قید اس کو عروج سے مانع ہوتی ہے کیونکہ وہ نفس اپنے مظالم کے ساتھ مرہون ہے۔

”کل امر بما کسب رہین“ اور دونوں سرد و گرم کروں کے درمیان میں اس کو عذاب ہوتا ہے اور جس قدر زمانہ اس کو عزات میں گزارتا ہے اپنی رستگاری کے ذریعہ ڈھونڈتا رہتا ہے مگر ان کا ملنا دشوار ہے پس اس عزات سے بڑھ کر کوئی عزات نہیں ہے اس کے افعال ناپاک سے بچو اور اس کی جہالت کے افعی اس کو کاٹتے ہیں کیونکہ یہ جہالت کے سبب سے نور عقل سے مجبوب تھا اور اس وقت رب الرباب کی طرف سے یہ خطاب سنتا ہے ”اذہبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بہا“ باوجود ان باتوں کے پھر تم دنیاوی عیش طرب میں مشغول ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کون مل گیا ہے جو تم اس قدر خوش ہوتے پھرتے ہو نصیحت سے تم کو کچھ اثر نہیں ہوتا ”ذالکم بما کنتم تفرحون فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تفرحون ان اللہ لایحب الفرحین“ لہذا تم کو اپنی خلاصی کے فکر میں مشغول رہنا چاہیے۔

اذا انت لم تمهد لنفسک موضعا

فانت علیہ بالنجاۃ بخیل!

تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا عبادت میں مشغول ہونا بھی عین عبادت ہے ٹیڑھا راستہ تم چلتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ تم نیک ہو بے ہودہ باتوں میں مشغول ہو کر ان کو سچا سمجھتے اور اپنے نفس کے احب کہ تم نے اپنے نفس کے واسطے کوئی جگہ تیار نہیں کی پس تم اس پر نجات کے ساتھ قبول ہو۔

خواص کی معرفت سے جاہل رہتے ہو تم کو خبر نہیں ہے کہ تمہارے بالوں پر جادو ہوتا ہے اور تمہارا اپنے دانت سے کاٹنا دیوانہ کتا کے کاٹنے سے بڑھ کر ہے اور تمہارے منہ کی بھاپ لڑائی پیدا کرتی ہے اور تمہارے کٹے ہوئے ناخن ہلاک کرتے ہیں اور اسی قسم کے بہت سے خواص حیوانات کے اندر ہیں جن کو تم نہیں جانتے ہو مثلاً رچھ کالپتہ اور چربی فر بہ کرتا ہے اور گوشت اس کا باوجود خراب ہونے کے ریاحوں کو دور کرتا ہے۔ خرگوش کا جگر جگر کو فائدہ کرتا ہے اور اس کی آنکھیں آنکھوں کو مفید ہیں اور چربی اسکی ریاحوں کو فائدہ کرتی ہے خنزیر کی چربی جانوروں کے چارہ میں ملا کر دینی ان کو فائدہ کرتی ہے انڈے کا تیل بالوں کے واسطے مفید ہے اور کانٹوں اور گیہوں کا تیل مسوں کے واسطے نافع ہے۔

اور اسی کی چربی ریاحوں کو نافع ہے اور گناطحال کو دفع کرتا ہے گدھے کا دماغ قاتل ہے اور ہد ہد میں بہت سے منافع ہیں جن کو کتاب الحیوان کے مصنف نے وضاحت سے لکھا ہے اور جوز ہندی یعنی اخروٹ ہرلیہ کے اندر جماع کے واسطے نافع ہے اور بہت سی معجونیں اور روغن ایستادگی کو فائدہ کرتے ہیں غالب سردی اور غالب گرمی دونوں قاتل ہیں کھانے کے بعد پانی پینا نقصان کرتا ہے اور پیشاب کار کنا بہت ضرر پہنچاتا ہے فصد بہت اچھی ہے اور کھینے لگانے اور بھی زیادہ مفید ہیں اور تھے معدے کو پاک و صاف کر دیتی ہے قدرے ککڑی کو گودا نافع ہے اور مرغ کا شور بہ سرد مزاج والے کو فائدہ کرتا ہے گیہوں کے پراٹھے جماع کرنے والے کے واسطے بہتر غذا ہیں ہر قسم کا کھانا بہت افضل ہے شربت انار معدہ میں کمزوری کرتا ہے تربوز میں دس فائدے ہیں کھانا بھی ہے اور پینا بھی ہے اور ٹھنڈا خوشبودار بھی ہے پیشاب کو جاری کرتا ہے اور مثانہ کو دھوڈالتا ہے اور اس کو کھا کر تھے کرنے سے غلط فاسد نکل جاتی ہے اور اس کے اندر چار مضر تیں ہیں حلق کو نقصان کرتا ہے صفرا کو زیادہ کرتا ہے اور کھلی پیدا کرتا ہے اور سلخین اس کی مصلح ہے بہتر میوا وہ ہے جو پختہ اور تازہ ہوتا ہے کھانے سے پہلے کھانا چاہیے سوا امرود کے کہ اس کو کھانے کے بعد تھوڑا سا کھالینا نافع ہے۔

خواہش سے کم کھانا آنکھوں کو مفید ہے کیونکہ بعض اوقات بد ہضمی کا علاج مشکل ہو جاتا ہے کھانے کے بعد جلد پانی پینا چاہیے اور نوالے کو چبا کر اور ہڈی کو چوس کر کھانا بہتر ہے اور بغیر چبانے کے نوالہ بہت برا ہے گرمی کے موسم میں ترش چیز نفع کرتی ہے اور جاڑے کے موسم میں میٹھی چیز مفید ہے کل میووں میں بہتر انجیر اور انگور ہے اور انار ملاسی قسم کا عمدہ ہوتا ہے کھانا کھانے کے بعد یا سونے کے وقت قدرے کھالینا چاہیے جماع کرنے والوں کو نقصان کرتا

ہے خصوصاً ترش انار۔

تیسواں مقالہ

شربتوں کے بیان میں

سکنجین کو سب سے پہلے ذوالقرنین نے ایجاد کیا ہے صفر اور بدھ مضمی کو مفید ہے شربت انار معدہ کو کمزور کرتا ہے اور جگر میں ٹھنڈک پیدا کرتا ہے شربت خشناش و بنفشہ و نیلو فرسب سر کے واسطے مفید ہیں شربت وراسن خلط سوداوی کو دور کرتا ہے یہاں تک کہ ابو نصر فارابی کا قول ہے کہ اس کے شربت کے آگے مفرح صغیر کی ضرورت نہیں ہے شربت سیب میں قلب کے واسطے فوائد ہیں شربت گلاب خلط صفر اسی کو دور کرتا ہے اور اگر پانچ ماشہ تر بد اور سات ماشہ سورنجان کا سفوف بنا کر اس شربت سے پہلے یا اس کے بعد پھانک لیا کرو تو بہتر ہے۔

مربوں کا بیان

گھی کا مرہ گرم مزاجوں کو نفع کرتا ہے سیب کا مرہ ضعف قلب کو جو گرمی سے ہو مفید ہے شہوت کا مرہ حلق کے دکھنے کو آرام کرتا ہے کل شربت اور مرہ اور دوائیں اس وقت فائدہ کرتی ہیں جبکہ پرہیز کیا جائے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ معدہ مکان دوا کا ہے اور پرہیز دواؤں کا سردار ہے جس بدن کو جس چیز کی عادت ہو وہ اس کو کھلاؤ جس شخص کو جس شربت کی عادت ہو اس کے واسطے کچھ حرج نہیں ہے کہ بوقت ضرورت اس کو پابندی کے ساتھ نوش کرے ابو طالب کی فرماتے ہیں تندرستی کے وقت دوا کے پاس نہ جاؤ کیونکہ اس سے بھی

بیماری پیدا ہوتی ہے۔

موسم خریف میں دوا کا استعمال بے نسبت ربیع کے بہتر ہے کیونکہ اس میں کھانے کی ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو سہولت پیدا کرتی ہیں ساگوں میں بہتر ساگ ملیون اور پالک کا ہے ابن قتیبہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ فرمایا کہ چار ساگ جنت کے ہیں اور شب میں ان پر ایک قطرہ جنت کے پانی کا برستا ہے پالک اور کاسنی اور بلیون اور کاہوکاستی میں تبرید ہے اور پالک اور بلیون میں ترتیب ہے اور کاہوکاستی اور بلیون کے ساگ کھانے کی بہتر ترکیب یہ ہے کہ زردہ بیضہ مرغ کے ساتھ کھایا جائے اور عمدہ لکڑی وہ ہے جس کے اندر خالی جگہ کم ہو کرفس کا قلیل استعمال سے سدے کھل جاتے ہیں اور بعض شہروں میں لوگ اس کو تبرک سمجھتے ہیں سداب کے استعمال جزام پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کی اصلی مکھیوں کے گوہ سے ہے حضور ﷺ نے فرمایا ہے انجیر تر کھایا جائے یا خشک جزام اور نقرص اور برص کو فائدہ کرتا ہے بعض اطباء کا قول ہے کہ انجیر میں ناسور کے آرام کرنے کی خاصیت ہے خون حیض کو یہ جاری کرتا ہے بہتر انجیر وہ ہے جو چھوٹا نیلگوں اور پختہ ہونہار منہ اس کا نوش کرنا بہت مفید ہے اور آخر فصل کا انجیر شروع فصل کے انجیر سے زیادہ مفید ہوتا ہے اور تربوز شروع فصل کا آخر فصل کے تربوز سے بہتر ہوتا ہے موسم خریف میں لکڑی کا کھانا بخار ختم کرتا ہے اور تخم ریحان کے اس موسم میں پینے سے زکام ہوتا ہے عام گلاس میں پانی پینا طرح طرح کے دکھ پیدا کرتا ہے کیونکہ ایک شخص کے منہ انجیرے دوسرے کے منہ میں سرایت کرتے ہیں اور پیشاب کے روکنے سے سنگ مثانہ یعنی پتھری پیدا ہوتی ہے پیشاب کے تکلیف کے ساتھ آنے کو مغز تربوز کا پینا فائدہ کرتا ہے اور اس کو کوٹ کر مسور کے ساتھ استعمال کرنا بدن کو نرم اور عمدہ بناتا ہے اور اس کے عیب کو دور کرتا ہے مسور مل کر حمام میں نہانا نقصان کرتا ہے مگر کھلی جگہ نہانا نقصان نہیں کرتا اشنان کے ساتھ نہانے سے بدن کی رطوبت اور میل صاف ہو کر رنگ نکھرتا ہے معجون سسم کے استعمال سے بالوں میں طرادت اور بدن میں قوت پیدا ہوتی ہے اور شقاق القد میں جزام سے امان ہے دراز گھیا یعنی کدو خلط سودادی کو فائدہ کرتا ہے اور اس کا حلوہ بھی بہت مفید اور دماغ کو نافع ہے اور بدن کے رنگ کو نکھارتا ہے بشرطیکہ خشکاش اور بادام کو بیدہ دار چینی و زعفران گلاب میں حل شدہ اس کے اندر اضافہ کی جائیں اور شہد ملا کر تربوز کے سر میں رکھ دیا جائے اور یہی ترکیب سلجھین میں کی جاتی ہے عمدہ حلوہ وہ ہے جس کے اندر آٹا زیادہ ہو اور زیادہ تراوت والا حلوہ بیضائے مرغ کا ہے اور قطائف سب کھانوں کی سردار ہے اور سیر میدہ میں قلیل ہے اور بہتر وہ

حلوہ ہے جو جلد ہضم اور نرم ہو جیسے صابونیا اور کافور یہ بادام کا حلوہ ثقیل ہے مگر وہ بہتر ہے جس میں بہت سے خشکاش ڈالی گئی ہو اور عمدہ ہر سہ تازہ اور خوب بھنا ہوا ہوتا ہے اور گوشت بکری اور بھیڑ کا عمدہ ہوتا ہے مرغ کا گوشت اطراف میں حرکت پیدا کرتا ہے یہ تھوڑا اشارہ ادویہ اور اطعمہ کے بیان میں کافی ہے یہ کھانے دولت مند لوگوں کے ہیں حضرت عثمان بن عفان حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں قطائف فند اور پستہ اور روغن کدو کے ساتھ بھیجے حضور کا چہرہ اس کو دیکھ کر متغیر ہو گیا اور حضور نے دیکھ کر فرمایا آہ یہ کھانا دولت مند لوگوں کا ہے افسوس دولت مندوں کو بڑا حساب دینا ہوگا اور پھر ایک دودھ کا پیالہ اور کھجوریں حضور کی خدمت میں آئیں آپ نے فرمایا اے عائشہ اس کو نوش کرو کیونکہ تم عورتوں کو جسم کی قربہا زیادہ لائق ہے اور حضور اکثر اوقات صرف شہد سے روٹی نوش فرماتے تھے پس جس شخص نے باوجود قدرت کے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ دیا اس کو بے حساب ثواب ملے گا اور اس میں راز یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس کا خلاف کیا اور نفس لڑتوں اور شہوتوں کے ترک کرنے کا عادی ہو گیا پھر جب اس نفس نے دنیا سے جو نہایت ذلت کا ظلماتی قید خانہ ہے مفارقت کی تو ان حقیر چیزوں کی جدائی اور غم نہیں کرتا ہے بلکہ عالم آلہ کی طرف ترقی کرتا ہے اور جو علم کہ اس کے اندر منتقش ہیں مثلاً علم توحید جو اس نے براہین عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ حاصل کیا ہے اس کے سبب سے شرف حاصل کرتا ہے اور ایسے بازو اس کو حاصل ہوتے ہیں جن کے ساتھ یہ عالم ملکوت میں اڑتا ہے کیونکہ روہیں تین قسم کی ہیں ایک روح عارف کی ہے ایک ناسک کی اور ایک زاہد کی اور جس شخص میں یہ تینوں باتیں جمع ہوں گی اس کو موت و فوت سے کچھ ضرر نہ پہنچے گا کیونکہ یہ روح کامل ہے عالم کمال کی طرف اس نے ترقی کی ہے پس یہ روح جنت میں مقامات علیہ اور انبار قدسیہ کے اندر حضور خداوندی میں پھرتی ہے روحانی فرشتے اس کے پاس آتے جاتے ہیں اور جو علوم کے اس کے پاس ہیں ان کو سنتے ہیں پس یہ روح اس عالم کون و فساد سے جدا ہو کر عالم بقا میں پہنچتی ہے جن کے واسطے فنا نہیں ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کے واسطے اپنی جنت میں وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی انسان کے اوپر اس کا قطرہ گزرا معلوم ہوا کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنت کی نعمتوں کے علاوہ ایک اور نعمت ہے جس کو کوئی نفس ادراک نہیں کر سکتا ہے مگر مشاہدے کے ساتھ اور مشاہدے کی بات بیان نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ یہ لذت ذاتی ہے اس کا بیان اور تفسیر نہیں ہو سکتی ہے چنانچہ اگر مرد سے جماع کا بیان کیا جائے تو وہ ہرگز اس کو نہ سمجھ سکے گا اور جو شخص کسی لذت کا ادراک کرتا ہے اس کو بیان نہیں کر سکتا

اسی طرح یہ مشاہدہ کی لذت ہے کہ مشاہدہ کرنے والے کے سوا کوئی اس کا ادراک نہیں کر سکتا اور اس مشاہدہ سے مراد خدا کریم کی طرف نظر کرنا ہے تم یہ چاہتے ہو کہ بغیر دیکھے مشاہدہ کی لذت معلوم کرو سو یہ معلوم نہیں ہو سکتی جیسے کے بزدل کو جنگ کا ذکر سننے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے جب تک کہ اپنی آنکھ سے مشاہدہ نہ کرے اس غفلت کے ساتھ تم کیسے حجاب کے اٹھنے کی طمع کرتے ہو میں نے سنا ہے کہ حضرت زین العابدین علیہ السلام جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے اور ان کے درمیان خدا کے اور ان کے درمیان کا حجاب اٹھ جاتا تھا اور وہ اپنے قلب کے ساتھ ملکوت اعلیٰ کا طواف کرتے تھے اور یہی مطلب حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے اس فرمان کا ہے کہ آسمان کے واسطے دریافت کرو میں تم کو بتاؤں گا اور تو اے غافل باطل پرست اپنے نفس کا غلام اور اپنے خواہش کا قیدی ہے اور پھر تورا برابر اور مقررین سے ملنا چاہتا ہے اور اپنی حجت اور جہالت سے صالحین کی کرامات میں طعن کرتا ہے پس تم کو چاہیے کہ مجاہدہ کرو اور انکار چھوڑو اور حسن ظن کے گھوڑے پر سوار ہو کر مسافت طے کرنی شروع کرو یہاں تک کہ تم ایک نشانی بن جاؤ اور اگر خدا سے ملنا چاہتے ہو شفا کے کپڑے پہن کر مختصر عیش کے ساتھ راضی ہو جاؤ اگر بزرگ عالم میں مقام ملکوت کے اندر ترقی کرنا چاہتے ہو حضور ﷺ نے فرمایا ہے زاہدوں نے دنیاوی عزت اور نعیم آخرت کے ساتھ کامیابی حاصل کی ہے ایک دفع مجنوں نے لیلیٰ کو سلام کیا لیلیٰ نے جواب نہ دیا مجنوں نے سبب پوچھا لیلیٰ نے کہا میں نے سنا ہے کہ تورات کو ایک لحظہ بھر سویا تھا اگر مجھ کو سچا عشق ہوتا تو کیوں سوتا کیونکہ تمہاری ملاقات کی امید تک نہ تھی اس واسطے میں نے چاہا کہ خواب ہی میں تم کو دیکھ لوں اور میں سو رہا لیلیٰ نے کہا کہ معلوم ہوا کہ میری صورت مثالی تیرے دل سے زائل ہو گئی مجنوں نے کہا مثال تو میں خوب پہچانتا ہوں مگر تمثال کے دیدار کا بہت مشتاق ہوں لیلیٰ نے یہ شعر پڑھے

لم یکن الجنون فی حالة

الا وقد كنت كما كان

بل لی علیہ الفضل من اجل ما

باح وانسی مت کتماناً

مجنوں کی حالت میں نہ تھا مگر کہ میں بھی اسی کے مثل اس حالت میں مبتلا تھی بلکہ مجھ کو

مجنوں کی حالت میں نہ تھا مگر کہ میں بھی اسی کے مثل اس حالت میں مبتلا تھی بلکہ مجھ کو اس سبب سے فضیلت ہے کہ اس نے اپنے عشق کو ظاہر کر دیا اور میں پوشیدہ کرنے ہی میں مر گئی۔

اس سبب سے فضیلت ہے کہ اس نے اپنے عشق کو ظاہر کر دیا اور میں پوشیدہ کرنے سے رہ گئی صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بشر اور ہند باہم محبت میں مر گئے ہیں فرمایا یہ دونوں محبت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز ہو کر مر گئے پھر فرمایا اے عائشہ میرے بعد تم کو مجھ سے ملنے کا شوق ہوگا عائشہ نے عرض کیا کیا میں آپ کے بعد باقی رہوں گی فرمایا ہاں تم باقی رہو گی مگر جب تک مجھ سے نہ ملو گی بے چین رہو گی حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہ جب میا بیوی مرتے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے کا اس طرح انتظار کرتا ہے جیسے سفر سے آنے والے کا انتظار کرتے ہیں جب حضرت صدیق کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو ان کی بیوی کہنے لگیں ہائے جدائی حضرت صدیق نے کہا نہیں بلکہ مجھ کو بہت خوشی ہے کیونکہ میں اپنے دوستوں سے ملوں گا اس واسطے تم کو بھی موت سے ڈرنا نہیں چاہیے اگر تم اپنے دوستوں سے ملنے کی مشتاق ہو اور ملاقات دار البقاء میں ضروری ہے پس تم ہاتھ میں اپنی لکڑی لے کر شائب چالاکی کے ساتھ منزل پر جا پہنچو کیونکہ جو شخص راتوں رات چلتا ہے وہ جلد منزل پر پہنچ جاتا ہے اور جو رات کو آرام کرنا مقدم سمجھتا ہے اس کو دن کے وقت دھوپ میں ہولناک جنگل طے کرنا ہوتا ہے پس تم کو چاہیے کہ خدا پر بھروسہ کر کے جھٹ پٹ اٹھ کھڑے ہو حضرت جنید نے جب ایک بچہ کو یہ کہتے سنا اپنا گریبان چاک کیا وہ بچہ یہ کہتا تھا میں اپنے زمانہ کو دیکھتا ہوں کہ بے کاری اور مغالطہ میں گزرا جاتا ہے اور میرے زمانہ نے مجھ کو ایسے حال میں کر دیا کہ میرا کچھ حال نہ رہا جب اعمال درست اور اجسام پاک ہوتے ہیں اور عاشق شب بیداری کرتے ہیں اور کھانا اور سونا کم کر دیتے ہیں باغ ہائے اشتیاق کے دروازے کھل جاتے ہیں اور معرفت کے سورج طلوع کر دیتے ہیں اور قرب کے پھول پردوں کے پیچھے سے ظاہر ہو جاتے ہیں تمنائیں منقطع ہو جاتی ہیں اور انوار جمال کے ساتھ قلب روشن ہو جاتا ہے اور عاشق اپنے معشوق کو آواز دیتا ہے کائنات سب اس پر منکشف ہو جاتے ہیں حقائق موجودات مشاہدہ کرنا ہے اور انواع مکاشفات کے ساتھ محفوظ ہوتا ہے کرامات اس سے ظاہر ہوتی ہیں اور اعلیٰ مقامات کی ان کو بشارت ملتی ہے ابو الحسن نوری فرماتے ہیں ہم ابو یزید بسطامی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے پاس ہم نے کھجوریں رکھی ہوئی دیکھیں انہوں نے ہم سے فرمایا کہ ان کھجوروں کو کھاؤ یہ حضرت خضر علیہ السلام کا ہدیہ ہے جس کو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں لائے ہیں اور میں نے ان کو خاص خداوند تعالیٰ سے مانگا تھا خضر کے واسطے سے نہیں مانگا تھا اور خضر نے ان میں سے میرے سامنے کھائی ہیں ابو الحسن نوری فرماتے ہیں پھر ہم دوسرے جمعہ کو حضرت جنید کی خدمت میں گئے تو ایک سونے کے طباق میں ہم نے تر

کھجوریں رکھی دیکھیں ہم نے کہا اس میں سے ہم کو نہیں کھلاتے ہوں انہوں نے کہا نہ یہ میرے واسطے ہے نہ تمہارے واسطے ہے ہم نے کہا اس کا قصہ ہم سے بیان کیجیے فرمایا میں رات کو بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا کہ میں نے سنا یہ ہمارا ہدیہ بغیر واسطہ خضر کے لو اے غافل جو لغت معرفت سے مجھوب ہے تجھ کو معلوم ہو کہ خدا کے دوست خدا کے ساتھ ایسے انداز کرتے ہیں جیسے معشوق اپنے عاشق کے ساتھ انداز کرتا ہے چنانچہ ایک دفعہ حضرت رابع بصریہ نے دعا کی کہ اے خدا بظیفیل اس معاملہ کے جو میرے اور تیرے درمیان میں ہے آج شب کو میرے پاس میرے مرشد یونس بن عبیدہ کو پہنچاؤ یونس بن عبیدہ آئے اور کہا اے رابعہ تو نے ایسے کام کے واسطے اپنی دعا کو کیوں ضائع کیا جو ضروری ہونے والا تھا رابعہ نے کہا اے شیخ اس خیال کو چھوڑو اگر یہ بات ہو تو دوستوں کے انداز کہاں رہیں اور تم سبب بغیر شے چاہتے ہو پس یہ ادبашوں کی خواہش ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ نے ایک شخص سے جو اجرت مفعولی بانٹ رہا تھا فرمایا کہ صاحب آپ ان کے ساتھ ہم کو کیوں نہیں دیتے ہیں اس شخص نے کہا اے احمق تیرے نفس کی یہ تمنا کرنا بالکل فضول ہے اگر تو بھی یہ کام کرتا تو اس کی اجرت لیتا شبلی ایک مکان میں جا کر رہے سنا کہ بیوی میاں سے کہہ رہی ہے تو اپنے کام سے زیادہ اور امید نہ رکھیو تو بغیر کسی چیز کے عناق اور زقاق چاہتا ہے خاوند نے کہا میری سستی اس سے زیادہ کام کرتی ہے پھر حسرت سے کہنے لگا کہ اگر میں کچھ کام کرتا تو میرے دوست مجھ سے راضی ہوتے۔

چوبیسواں مقالہ

(کھانے پینے کے آداب میں)

معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے آدمی کو پیدا کر کے اس کی زندگی کا سبب غذا کو بنایا ہے پھر اس غذا میں آدمیوں کی بہت قسمیں ہیں بعض ایسے ہیں جو تھوڑی غذا پر قناعت کرتے ہیں عابد لوگ ہیں جو اپنی خصال و عادات کے ساتھ فرشتوں مشابہت رکھتے ہیں اور کھانا اور سونا ان کا بہت کم ہوتا ہے جس قدر غذا کم ہوگی اس قدر اہل آسمان سے مشابہت زیادہ ہوگی اور کم کھانے کا ظاہری ثمرہ یہ ہے کہ عافیت حاصل ہو کر طبیب کی ضرورت نہیں رہتی ہے اور کم کھانے سے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور پاخانہ کم آتا ہے جو شخص اپنے ہمت کو اپنے پیٹ کے اندر

داخل کرنے میں مصروف کرے گا اس کی قیمت وہی ہے جو پیٹ سے نکلنا زیادہ سالنوں اور میوؤں کا نہ کھانا سلامتی پیدا کرتا ہے۔

معلوم ہو کہ زیادہ کھانا وہی نقصان پہنچاتا ہے جو نقصان اونٹ کو اس رسی کے کس کر باندھنے سے پہنچتا ہے جو اس کی رفتار کم کرنے کو باندھتے ہیں تم نہیں دیکھتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کبھی دو طرح کے سالن نہیں کھاتے تھے اس بات میں زہد بھی ہے اور طب بھی ہے پیٹ کے اندر ایک آتش قوت ہے جو غذا کو کھا لیتی ہے دوزخ کے ساتھ دروازے ہیں اور پیٹ کے اندر بھی سات دروازے ہیں اور سب سے بڑھ کر گناہ مال حرام کھانا ہے اور ایسے ہی جہنم کے دروازوں کی مثل جسم کے اندر بھی دروازے ہیں کان، آنکھ، پیٹ، اور فرج اور دونوں ہاتھ اور دونوں پیر یہ سب دروازے قبائح کی طرف راہبری کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر برا پیٹ ہے اور افعال قبیحہ میں سب سے برا فعل بندوں پر ظلم کرنا ہے نبی ﷺ نے فرمایا ہے جس نے دو لقمے حرام کے کھائے چالیس روز تک اس کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے اور جس شخص نے اپنے پیٹ کو مال حرام سے بھر لیا وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے اور حرام مال غصب اور چوری اور ٹیکس لینے اور قزاقی اور رشوت وغیرہ کا ہے جس کی تفصیل ہم نے کتاب احیاء علوم الدین میں لکھ دی ہے۔

اور حلال مال وہ ہے جو آدمی اپنی محنت مزدوری یا تجارت سے جس میں دھوکا نہ ہو حاصل کرے شکار کے متعلق علماء نے اختلاف کیا ہے لہذا اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے اور خصوصاً جو کام کے تم اپنے ہاتھ سے کرو وہ سب سے بہتر کسب ہے ایک دفع ابوالحسن نوری اور ابو یزید اور سفیان بن عیینا نے جمع ہو کر اپنی اجرتوں میں سے تھوڑی اجرت کی روٹی خریدی اور باقی اجرت کا صدقہ دیدیا پھر جب یہ لوگ کھانے بیٹھے تو سفیان بن عیینا نے کہا تم جانتے ہو کہ تم نے کھیت کاٹنے میں مالی کی کچھ خیر خواہی کی تھی سب نے کہا اس بات کا ہم کو کچھ خیال نہیں ہے پھر یہ سب روٹی کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے معلوم ہو کہ حرام کار از نہایت باریک ہے ہم تھوڑا سا ظاہر کرتے ہیں کہ معلوم ہے کہ صانع ایک ہے اور کل مخلوق اس کے فیض سے ہے پس جب کوئی شخص ظلم کرتا ہے اس کے ظلم کا اثر ساری مخلوق میں سرایت کر جاتا ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے "فکانما قتل الناس جميعاً ومن احیاءها فکانما احیاس جميعاً" اور قیاسی دلیل یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا تیرے بالوں پر طلاق ہے پس اس کہنے سے تمام جسم پر طلاق ہو جائے گی اور جب تم صدقہ دو گے تو خالق اور مخلوق دونوں کو راضی کرو گے حلال روزی کا ایک نوالہ خدا کے نزدیک بڑے صدقوں سے افضل ہے جب کھانے بیٹھو تو اپنے آگے سے

تین انگلیوں کے ساتھ کھاؤ بہت بھوک کے وقت کھانا چاہیے اور اتنا کھائے کہ پھر بھوک باقی رہے اور کھانے کے وقت اس طرح بیٹھو جیسے استاد کے سامنے سبق پڑھنے بیٹھتے ہو معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے حرام اور گرم کھانے سے برکت اٹھالی ہے اور گرم کھانے میں بارہ نقصان ہیں دانتوں کو گراتا ہے اور رنگ کو زرد کرتا ہے اور جگر کو بھی ضرر پہنچاتا ہے اور بعض اوقات اور خرابیاں بھی گرم کھانے سے پیدا ہو جاتی ہیں کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ ضرور دھونے چاہئیں اور بدبودار چیز کو میاں بی بی کے تیس کھانا نہ چاہیے مگر جب ایک دوسرے کو اجازت دیدیں کیونکہ اس کے کھانے سے باہم نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور خوشبو کی چیزوں سے محبت ہوتی ہے کھانے کے بعد ہاتھ منہ نہ دھونے سے جوئیں اور بدبو پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی وارد ہے کہ جھوٹے ہاتھ کو شیطان چوس لیتا ہے اور ایسے آدمی سے محبت کرتا ہے اور چونکہ حلال روزی کھانے سے مقصود تصفیہ قلب اور تقلیل ذنوب ہے طلب کرنا فرض ہو جیسے کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے کیونکہ علم جب تک کہ خیر کی طرف راہبری نہ کرے تو وہ علم نقصان دہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے ایک سال تک مال حلال کھایا اس پر عرش منکشف ہوتا ہے اور اس کی خواطر کے انوار صاف ہو جاتے ہیں حلال روزی کا کھانا کیمیا سعادت ہے سینا اس سے کھل جاتا ہے اور معرفت کے انوار صاف ہوتے ہیں اور قلب سے حکمت کی نہریں بہتی ہیں اور غفلت کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور غرور کی دیوار دور ہوتی ہے پھر آسمان تو حید صاف ہو کر نوح مجید منکشف ہو جاتی ہے اور اپنی صفہ خاطر کے کان کے ساتھ ملائکہ مقررین کی تسبیح سنتا ہے۔

معلوم ہو کہ روئیں مرنے کے بعد کسی گناہ کے سبب سے رہن نہیں ہوتی ہیں مگر بندوں پر ظلم کرنے سے رہن ہو جاتی ہیں کیونکہ اس کا مطالبہ خدا کے سامنے ہوتا ہے جو نہایت عادل حاکم علیم باقی ہے اور اس کے بندوں میں برابری ہونی ضروری ہے ”الا من الی اللہ بقلب سلیم“ اور جو روح کے مظالم مذمت سے پاک ہوتی ہے وہ قید نفوس سے چھٹ جاتی ہے اور جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے حضور ﷺ نے فرمایا روئیں اپنے گھروں میں آتی ہیں اگر اپنے لوگوں کو بخیر و بد دیکھتی ہیں شکر کرتی ہیں ورنہ نفرت کرتی ہیں اور کہتی ہیں اے ہمارے لوگو دنیا سے بچو اور اس کے فریب میں نہ آؤ جیسا کہ ہم اس کے فریب میں آگئے یہ مذامت کی خوشبو ہے اور جو روئیں کے گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف ہوتی ہیں وہ جہاں چاہتی ہیں اڑتی پھرتی ہیں اور روئیں جو ہر ہوں یا ہیئت ملکوتی یا جسم لطیف ہوں جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کچھ بھی ہوں ادراک کرنے والے احساس اور اپنے جسم کی مفارقت سے خبردار ہوتی ہیں اور

علم والا جاہل پر ترقی کر جاتا ہے حدیث میں لکھا ہے کہ ظلم سے ایک درہم کو رد کرنا خدائے تعالیٰ کے نزدیک چار ہزار مقبول حجوں سے بہتر ہے پھر جب کہ تم حج اور جہاد گناہوں کے خوف سے کرتے ہو تو پہلے تم کو گناہوں کی جڑ قطع کرنی چاہیے۔

پچیسواں مقالہ

(تہذیب نفوس کے بیان میں)

معلوم ہو کہ تمہارا نفس تمہارا سخت دشمن ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ تیرا نفس جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے تیرا سب دشمنوں سے بڑھ کر دشمن ہے وہ بالی کی طرف تجھ کو بلاتا ہے اور گمراہی کا راستہ تجھ کو دکھاتا ہے اور ذلت و ناپاکی میں تجھ کو گرا دیتا ہے اور نفس خواہش کو تیرے اوپر سوار کر کے تجھ کو طرح طرح کی طمع اور آرزو دلا کر پلاک کرتا ہے پس لازم ہے کہ اس کی حاصلتیں اور عادتیں ترک کرو اور اس کے شر و زہر کو چھوڑ دو اور اس کی طمع اور آرزو اور ہوس سے باز رہو۔

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب نفس کو پیدا کیا تو فرمایا کہ میں کون ہوں اس نے عرض کیا کہ اور میں کون ہوں پس خداوند تعالیٰ نے اس کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا اور پھر جب اس سے فرمایا کہ میں کون ہوں اس نے یہی کہا کہ اور میں کون ہوں اور یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو بھوک کے عذاب میں مبتلا کیا تب اسے کہا کہ تو وہ خدا ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تیرا نفس زنجی خصلت ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے تو یہ طمع کرتا ہے اور نافرمانی کر کے رخص کرتا ہے یہی بلاؤں میں پھنسانے والا اور کل برائیوں کا مخزن ہے اس کو ایک نہایت مکار بھیڑیا اور سخت دشمن سمجھو اس کی دوا قلیل اور مرض کثیر ہے

اذا صلبتک النفس یوماً بفہوة

علیہا لہر آء طریق

فخالف ہوا ما استطعت فانہا

ہوا ہا عدو والخلاف صدیق

۱۔ جب کسی روز نفس تجھ سے کوئی خواہش کرے اور نفس پر خواہش کا طریق ہو پس تو اس کی خواہش کی جہاں تک ہو سکے مخالفت کر کیونکہ نفس کی خواہش تیری دشمن اور اس کا خلاف تیرا دوست۔

جب تک مریض دوا کی تلخی پر صبر نہ کرے صحت کی خوبی نہ پاسکے گا پس نفس کو اس قدر تکلیف پہنچانی چاہیے کہ وہ مہذب ہو جائے اور اس کے اخلاق و آداب درست ہوں۔

اور جب تم اس کے مہذب بنانے کا پورا ارادہ کر لو تو ایسے تازیانے لگاؤ جن سے اس کو تکلیف پہنچے اور تواضع کے ساتھ اس کے متکبر کو نکال دو اور امتحان کی آگ پر اس کو خوب جوش کرو اور علم کو اس کا دوست اور عمل کو اس کا رفیق بناؤ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دے کر اعمال صالح کی مشق کراؤ اور لطائف و ظرائف اور عقل و کیاست سے اس کو آراستہ کرو۔

معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ لطیف ہے اور لطیف کو یہ لائق نہیں ہے کہ لطیف کو خدا کر لے اور لطافت اس میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ مجاہدہ کی آگ میں عذاب کیا جاتا ہے اور یہی اس کی تہذیب ہے۔

معلوم ہو کہ شر سے بچا کر خیر کی عادت نفس کے اندر پیدا کرو اور نوافل کے ساتھ اس کی پرورش کر کے اپنے شیخ یعنی مرشد کے سامنے ان کی اطاعت کے ساتھ اس کو مہذب بناؤ۔
معلوم ہو کہ شیخ کی حرمت سے زیادہ ہے اور شیخ ہی حقیقی والد اور طریقت کا راہبر اور مرید کو جہالت کی تاریخی سے معرفت کے نور اور سعادت ابدی اور بجات سردی کی طرف نکالنے اور فرشتوں کے ساتھ ملا ہونے والا ہے کیونکہ شیخ ہی گناہوں کا طبیب ہے اور والدین صرف اپنی حاجت شہوائی کو پورا کر کے تیری پیدائش اور عدم سے وجود میں آنے کے سبب ہوئے اور ان کی اس نیت سے جو وہ تیرے ایجاد سے پہلے وطی یعنی صحبت کے وقت رکھتے تھے تو نے شہوت کے پھل چنے پس انہوں نے تجھ کو عدم سے وجود میں نقل کرنے کا تو اچھا کام کیا مگر شہوت کے سبب سے عقل میں قاصر رہ گئے اور تمہارے علم کی علامت یہ ہے کہ اگر لوگ تم سے تمسخر کریں تم کچھ پروا نہ کرو اور اگر وہ تمہارے کام میں خلل ڈالیں تم ان کی طرف متوجہ نہ ہو غرض یہ کہ ان کے افعال و حرکات سے تمہارے دل میں اثر پڑنا موقوف ہو جائے اور جہاں تک ہو سکے تکبر سے پرہیز کرو اور جب تم تہذیب نفس کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنا چاہو تو لازم ہے کہ ایک تنگ و تاریک مکان میں چالیس شانہ روز خلوت کرو اور اگر پورے چار مہینے خلوت میں رہو تو بہت بہتر ہے اور لوگوں سے ترک تعلق میں میت کی مثل ہو جاؤ اور مہینے کے لائق کھانے کا سامان اپنے پاس رکھو گویا مکے کا سفر کر رہے ہو اور متابعت شریعت کو سواری بنا کر منزل مقصود کی راہ لو۔

اور نفس کشی کے جنگل و بیاباں طے کرنے شروع کرو۔

اس خلوت کے واسطے جاڑے کا موسم بہت مناسب ہے اور سو فرض کے زیادہ نوافل نہ پڑھو صرف یہ ذکر دل اور زبان سے جاری رکھو "لا الہ الا اللہ الحي القيوم" اور بغیر نیند کے غلبہ کیے نہ سوؤ اور جب زبان ذکر سے تھک جائے تو قد دل ہی سے جاری رکھو اور جس قدر بھوک ہو اس سے ایک تہائی کم کھانا کھاؤ اور جو صورتیں اثناء چلاکشی میں تم کو نظر آئیں ان سے تم خوف نہ کرو بعض جنات اور شیاطین تم کو دھوکے دیں گے ان کے دھوکے میں ہرگز نہ آنا کوئی کہے گا کہ میں کیسیا سکھاتا ہوں اور کوئی کہے گا میں خزانہ بتاتا ہوں اور کوئی ڈرائے گا اور کوئی خوشی کی باتیں سنائے گا ان سب کی طرف تم کو توجہ نہ ہونا چاہیے اور اسی اثناء میں تم پر عجائب علوم و فنون منکشف ہونگے اور دل کی کثافت دور ہو کر قلب اور لوح محفوظ کے درمیان سے حجاب اٹھ جائے گا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے سب تم مشاہدہ کر لو گے اور لوگوں کے سامنے بیان کر سکو گے اور بیداری میں تم پر وہ حالات منکشف ہونگے جن کو تم خواب میں دیکھا کرتے تھے پس قلب تمہارا منور ہوگا اور سینہ انوار جمال کے ساتھ کشادہ ہو جائے گا کل کائنات اور موجودات پیش نظر آ جائیں گے اور ایسی کرامتیں ظاہر ہونگی جو معجزات کی ہم پلہ ہیں اور صرف اظہاروں استتار اور تحدی کے اندر ان میں اور معجزات میں فرق ہے بلکہ جب یہ خلوت نشین مقام تمکین میں پہنچے گا کل اشیاء اس کے زیر حکم ہونگے جو کچھ یہ چاہے کر سکے گا خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "واما بنعمت ربک تحدث" اور جو بات خلوت میں تمہارے سامنے پیش یا شک و شبہ واقعہ ہو اس کو فوراً اپنے مرشد سے بیان کرو کیونکہ شیخ اپنی قوم میں مثل نبی کے ہے اپنی امت میں اور جس کا شیخ نہیں ہے اس کا شیخ شیطان ہے اور جو بغیر شیخ کے مراوہ جاہلیت کی موت مرا شیخ اس کو تعلیم و تلقین کرتا اور خدا کی معرفت کا راستہ بتاتا ہے۔

خلوت نشین پر قرب کی نسیم حجابات کے اندر سے چلتی ہے اور دلوں کے راز اس پر منکج ہو جاتے ہیں اور ابدال اس کی ملاقات کو تشریف لاتے ہیں پس تم اس کو ہمیشہ خوش و خرم دیکھتے ہو اخلاق و معیشت اس کی نہایت پاکیزہ ہوتی ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ اس کے قلب پر تجلی فرماتا ہے اور وہ کلام الہی کو سن کر اپنے مقصد کو پہنچ جاتا ہے مشاہدہ کے آفتاب کا مکاشفہ کرتا ہے اور مخفیات کو معلوم کرتا ہے اور کائنات پر مطلع ہوتا ہے وہ اصل بحق کی علامت یہ ہے کہ حسن خلق کثرت علم حلاوت کلام اور تواضع سے آراستہ ہو اور باوجود ان سب خوبیوں کے نہ اس کے اندر حسد اور نہ بخل ہو اور نہ تکبر ہو اور نہ وہ ظالم متخیر اور زیادہ کھانے پینے والا ہو اور نہ زیادہ نیند اس کو کوئی معبود مگر اللہ جو زندہ اور قائم ہے۔

آتی ہو نفس اس کا ملکوتی ہو جبرئیل علیہ السلام اس کی ہمت کو قوی کرتے ہیں اور اسرافیل اس کی ہمت کے تصور میں سعادت کو پھونک دیتے ہیں پس وہ اسی ہمت کے ساتھ محبت کی راہ کو طے کرتا ہے اور معرفت کے میدان میں قدم اٹھاتا ہے یہاں تک کہ بیت الجلال کی اس پر تجلی ہوتی ہے اور پانی پر چلنے اور ہوا پر اڑنے کی خاصیت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے دور دراز کے راستے اس کے لئے نزدیک ہوتے ہیں۔

اے لوگ ایسے شخص کو تلاش کر کے اس کی نزدیکی اختیار کرو اسکی خدمت سے تم کو وہی فیض پہونچے گا جو ماہتاب کو آفتاب سے پہنچتا ہے اور اکثر اوقات ابدال کے مریدوں اور شاگردوں کو حاصل ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انکے شاگرد یوشع بن نون کو نبوت مل گئی تھی اور معلوم ہوا کہ احوال و مقامات کی تصدیق وہی شخص کرے گا جو تھوڑا یا بہت ان کو جانتا ہوگا جیسا کہ علم کیمیا کی تصدیق وہی کرتا ہے جو اس کو معلوم کر چکا پس ہے جو شخص کہ جاننے والے کے سامنے بیان کریگا تو بیشک اس کو ہدایت ہوگی کیونکہ اندھا چاند و سورج کو نہیں دیکھتا ہے اور نہ لنگڑا شکار کے پیچھے دوڑ سکتا ہے اور نہ جب کہ تم اس علم سے واقف ہونہ تم کو اس کا شوق ہو پس تم اس سے بے نصیب ہو پیٹ تمہارا پر ہے اور آنکھیں اور زبان گنگ اور علم اور قلیل اور امید طویل اور گناہ کثیر ہیں اور پروردگار دانا اور بینا ہے پس تم اپنے گمان کو نیک کرو کیونکہ تم نے گرایا پس تم گر گئے اور تم نے زخمی کیا پس تم زخمی ہوئے اور اگر تم میل جول کرتے تو بجاتے اور خدمت بجالانے سے مخدوم بنتے مگر تم لالچی ہو طمع تمننے اختیار کی ہے جس کے تینوں حروف نقشہ سے خالی ہیں اسی سبب سے تم ہلاک ہوئے اور جو کچھ کمایا تھا سب کھودیا اور آخری وقت بجز ندامت کے تمہارے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

تم کو معلوم ہو کیا ”ان الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون“ یعنی خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں اور جو نیکی کار ہیں۔

چھبیسواں مقالہ (۲۶)

اور لیکن اپنے رب کی نعمت کو پس بیان کر۔ ۱۲۔ خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں اور جو نیکی کار

نبوت اور سعادات کے بیان میں

علماء نے اس کے اندر اختلاف کیا ہے کہ بعض یہ کہتے ہیں کہ سعادت اور نبوت کیسی چیز ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ”او الذین جاہدوا فینا لنہدیہم سبیلنا“ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں کوشش و مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے بتلاتے ہیں اس آیت میں خداوند تعالیٰ مجاہدہ کو ہدایت پر مقدم کیا ہے اور اس کو ابواب ہدایت کی کنجی گردانا ہے اور حرکات کو اسباب الکتساب قرار دیا ہے اور اس میں کسی مدافعت اور مشابکت نہیں ہے اور ایک شخص یہ کہتا ہے کہ افعال خدا کی طرف سے ہیں جس کام میں چاہتا ہے ان کو مسخر کرتا ہے اور ایک شخص کا یہ قول ہے کہ افعال بندوں کے ہیں اور اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ افعال بندوں کے ہیں اور اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ افعال مخلوقہ ہیں مگر بندہ کے ارادہ پر ان کو موقوف کیا گیا ہے اور بندہ کو ان میں تصرف اور اختیار اور اکتساب ہے ”واللہ خلقکم وما تعملون“ چنانچہ کسی شخص نے اپنے ہاتھ کو حرکت دی اور کہا حرکت دینے والے کی بیوی کو طلاق ہے تو کل اہل فتاویٰ کے نزدیک اس کی بیوی پر طلاق ہو جائے گی۔

معلوم ہو کہ ہر چیز علم الہی کے ساتھ ہے یعنی مخلوقات میں سے جو کچھ ہوا ہے اور ہوگا سب خدا کے علم اور اس کی تقدیر کے ساتھ ہے مگر یہاں گفتگو نفس کے کسب میں ہے کہ نفس جو برائی کا کسب یعنی برا فعل کرتا ہے جب وہ خدا کی طرف سے ہے تو پھر خدا اپنے فعل پر ہم کو کیوں عذاب کرتا ہے اور اگر یہ برا فعل ہماری اور اس کی دونوں کی طرف سے ہے تب دونوں پر اس کی جنابت ہونی چاہیے اور اگر صرف ہم ہی سے وہ فعل صادر ہوتا ہے تب ہم ہی اس کی سزا کے مستحق ہیں کیا تم اس آیت کے معنوں میں غور نہیں کرتے ”ان النفس لا مارۃ بالسوء“ اور اس آیت میں ”ومن یقتل مؤمناً عمداً فجزاءہ جہنم“ آیت میں بندہ کے فعل کو اس نے فاعل کی طرف اضافت کیا ہے اور لعنت اور دوزخ میں ہمیشہ رہے کی سزا کا اس کو سزاوار بنایا ہے جیسا کہ متقیوں سے خطاب فرمایا ہے ”بما کنتم تعملون اور آسمانی امور مثل بجلیوں اور زلزلوں اور

۱ اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم ضرور ان کو اپنے راستے بتائیں گے۔ ۱۲

۲ اور خدا نے تم کو پیدا کیا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اس کو بھی ۱۲۔

۳ بیشک خدا تعالیٰ بڑائی کا حکم کرنے والا ہے۔ ۱۲

۴ اور جو شخص مؤمن کو قصداً قتل کرے گا پس وہ سزا کا سزاوار ہے۔ ۱۲

بارش اور ہوا اور برق اور موت و زندگی اور فقر و غنا اور مرض و صحت وغیرہ یہ سب خدا کی طرف سے ہیں کسی بندہ کا ان میں کچھ دخل نہیں ہے یہاں کلام صرف کسب نفس کے متعلق ہے جس کی شان میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ”لہاما کسبت و علیہا ما اکتسبت“ اس آیت میں بھی فعل کو نفس ہی کی طرف اضافت کیا ہے جیسا کہ اس کی سزا کو نفس پر مقرر فرمایا ہے کیونکہ سزا عمل کے ساتھ ہے پس دیکھو کہ زنا کو زانی کی طرف اور چوری کو چور کی طرف کس طرح اضافت کیا ہے حالانکہ وہ ان دونوں کے فعل سے باخبر اور ان کا جاننے والا ہے تفصیل اس کی بہت طویل ہے مگر خلاصہ یہ ہے کہ مجاہدہ اختیار کر کے کسب معافی میں کوشش کرو حصول فوائد سے خالی نہ رہو گے دیکھو رسول خدا ﷺ نے غار حراء میں دس برس یا سات برس یا تین برس تک مجاہدہ کیا ہے حضرت ام المؤمنین خدیجہ کے پاس آن کر کھانے کا سامان کئی روز کے واسطے لے جایا کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ یہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ اپنے رب کے عاشق ہو گئے ہیں اور حضور نے اس قدر مجاہدہ کیا کہ جس میں مبارک بالکل لطیف ہو گیا اور ذکر کر کے صیقل نے قلب مطاہرہ کے آئینہ کو روشن کر دیا یہاں تک کہ حضرت کو ربوبیت کی تجلی ہوئی اور غفلت کے پردے اٹھ گئے اور نفس مبارک اجرام فلق اعلیٰ اور ملائکہ سے متصل ہو گیا اور عالم غیب کی باتیں منکشف ہونے لگیں جب دنیا کی جوتی اتار ڈالی اور بیت الرب میں داخل ہوئے و سوسوں کا تمام کوڑا کرکٹ نکال کر پھینک دیا۔

چونکہ شریعت نے ان پردوں کے لٹکانے سے ممانعت کی ہے جن پر تصویریں بنی ہوئی ہوں اور کتے کے گھر میں رکھنے سے بھی منع کیا گیا ہے اور فرمایا ہے جس گھر میں یہ دونوں چیزیں ہوں گی اس میں فرشتہ نہ داخل ہوگا پس ہم نے قلب کی طرف جو نظر کی تو اس کے اندر دس کتے دولت ایمان کے تخت کے پاس بیٹھے ہوئے ہم کو نظر آئے جو اس کے اور اس کے رب اور فرشتوں کے درمیان میں حائل ہیں کیونکہ جب کتا ایک وسیع مکان میں فرشتوں کے داخل ہونے کو معنے ہوتا ہے تو پھر قلب جیسے تنگ مکان میں کیوں نہ مانع ہوگا حالانکہ اس کے اندر تو دس کتے ہیں ایک کتا حرص کا دوسرا کتا طمع کا اور ایک لالچ کا اور ایک چغلی خوری کا اور ایک حسد کا اور ایک بخل کا اور ایک ریاء کا اور ایک نفاق کا اور ان کے سب کتوں کا باپ جب دنیا کا کتا ہے باقی یہ سب اس کے توابع ہیں پس جب قلب ان سب کتوں کی نجاست سے پاک اور سوسوں سے صاف ہوتا ہے اس وقت اس کا غبار دور ہو کر اس کی روشنی ظاہر ہوتی ہے اور اس کا رب اس تجلی کرتا ہے کیونکہ قلب رب کا مقام ہے اور قلب فرشتوں سے متصل ہو کر ان کا خطاب بغیر واسطہ کے سنتا ہے اور غیب کے پر اصرار پردہ غفلت کے پیچھے سے اس پر منکشف ہوتے ہیں۔ حضرت

موسیٰ علیہ السلام جب خدا تعالیٰ سے کلام کرنا چاہتے تو چار مہینے خلوت میں گزارتے تھے مگر قرآن شریف میں بغیر چار مہینے کے چالیس روز فرمائے ہیں، ”فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ“ اور حدیث شریف بھی اسی کی تائید کرتی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ جس نے چالیس روز خدا کے واسطے خالص کیے اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان سے جاری ہوتے ہیں۔

امیر بن صلت کا قصہ تم نے سنا ہوگا ہم اس کو ذکر کر کے مقالہ میں بیان کریں گے پس حضور ﷺ کا فرمان فضول نہیں ہے کہ جو تلاش کوشش کے ساتھ کرتا ہے وہ ضرور پالیتا ہے اور اون اور ریشم کی قیمتوں میں کس قدر فرق ہو جاتا ہے وہی روئی ہے جو ارزاں بکتی ہے اور اسی روئی کا کپڑا کس قدر گراں بکتا ہے پس یہ سارے فرق خدمت سے ہوتے ہیں یعنی جس قدر خدمت زیادہ کی جاتی ہے اسی قدر قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ اور بغیر محنت کے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی سوا چند مخصوص آدمیوں کے بس اس کو کیمیا کی مثل سمجھنا چاہیے کیونکہ تمام لوگ کیمیا کے شوق میں اپنے کاروبار چھوڑ نہیں دیتے ہیں بلکہ اپنے حرکات کے ذریعہ سے رزق کو تلاش کرتے ہیں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ”فامشوفی منا کبھا و کلوا من رزقہ“ اور فرماتا ہے ”سیر و سیر و فی الارض فالنظرو“ اور کاشت کار کا رزق مثل متوکل کے رزق کے نہیں ہے جس نے محض خدائی پر بھروسہ کیا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر تم خدا پر پورا بھروسہ کرتے تو تم بھی پرندوں کے مثل ہوتے جو صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے سوتے ہیں لہذا تم کو خدمت اختیار کرنی چاہیے تاکہ بزرگوں کا درجہ تم کو نصیب ہو دیکھو ریشم جو ایک کیڑے کا جالا ہے خدمت کے بعد بادشاہ کا لباس بنتا ہے اور بلغار کے دریاؤں میں ایک جانور ہوتا ہے اور جس کی عادت یہ ہے کہ سب جانوروں سے بالکل علیحدہ رہتا ہے اس کی کھال کا خدمت کے بعد شاہی تاج بنایا جاتا ہے یہ اشارات تمہارے واسطے یہ اشارات تمہارے واسطے کافی ہیں اور انھیں سے تم ولایت اور نبوت میں ظہور معجزات کے ساتھ اندازہ کر سکتے ہو اور یہ دونوں طبعاً غالب اور اکثر جاذب ہیں جو شخص معجزات اور کرامات کا انکار کرتا ہے ہم اس سے حجت نہیں کرتے کیونکہ اس کو حسن ظن نہیں ہے کاش وہ دریا سے مجاہدہ میں غوطہ لگاتا تو مشاہدہ کی صورتیں اس کے اندر مرسم ہو جاتیں اور وہ سارا اکثر ذہنی بن جاتا کسی ناظم نے کیا خوب کہا ہے

لَا تَنْبَسُ إِذَا سَاكَنْتَ ذَا أَدَبٍ

مَعَ الْخَمُولِ بَانَ تَرْقِي إِلَى الْفَلَکِ

بَيْنَا تَرَى الذَّهَبَ الْإِبْرِيْزَ مَطْرَحًا

فی الارض اذصارا کلیلاً علی الملک ۱

ہر شخص کے ارادہ کے موافق اس کی ہمت ہوتی ہے جو شخص ان نصائح پر عمل کرے گا ضرور یہ اس کے واسطے حصول مقصد کے سبب ہونگے کیونکہ مجاہدہ کے ذریعہ سے طبیعت اکثر بن جاتی ہے اور بغیر مشقت کے مرتبہ حاصل نہیں ہوتا اور یہ جو ہم نے بیان کیا ہے اس عمل کا نسخہ جس کے ساتھ بلند منزلتیں ملنے کی جاتی ہیں لہذا تم کو اعلیٰ مقامات کا شوق کرنا چاہیے اور اگر یہ شوق تمہارے اندر نہیں ہے تب تم ایک جسم مردار ہو تمہاری ناپاک اور سڑی ہوئی بدبو کے خوف سے تم کو زمین کے اندر پوشیدہ کر دیا جائے گا اور یہ بدبو تمہارے اندر تمہاری کمزور اور ذلیل ہمت کی ہے پس تم خدا سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اگر تم اس راستہ کے اندر گئے تب تم کو دروازے پر ٹھہرنے چاہیے چنانچہ کسی کا قول ہے کہ میرے ذمہ میں آپ کے در پر حاضر ہونا ہے اور آپ سے ملنا میرے ذمہ میں نہیں ہے ملنے کا آپ کو اختیار ہے چاہے آپ ملیں یا نہ ملیں یہ آپ کا فعل ہے ہمارا کام یہی ہے کہ ہم حاضر ہو جائیں۔

خواب میں معصیت اور طاعت کے پھل کا مزہ تم چکھ چکے ہو پس رات اور دن وہ خزانے ہیں ان کو تم ایسی چیزوں سے پر کرو جو تم کو نفع پہنچائیں اور ایسی چیزوں سے پرنا کرو جو تم کو نقصان پہنچائیں ضرور ہے کہ ایک روز تمہارا سارا سامان بادشاہ کے حضور میں پیش ہوگا پس یا تم انعام کے مستحق ہوئے اور یا تم کو سزا سخت ملی اس مقالہ کے متعلق یہ اشارات کافی ہیں۔

ستائیسواں مقالہ

اذکار کے بیان میں

معلوم ہو کہ ذکر کے متعلق بہت سی آیت و احادیث وارد ہیں چنانچہ آیت ۲ "فاذکرونی اذکرکم اور اذکر واللہ ذکرا اکثیرا اور ولذکر اللہ اکبر" اور اذکر ربک فی نفسک تضرعاً و خیفۃ و دون الجہر من القول بالغدو و الاصل و لا تکن من الغافلین۔ آیات میں ذکر کے مراتب اور اوقات سب بیان کر دیے ہیں اور ذکر خفی بہت بہتر ہے کیونکہ اس کے ساتھ سننے والوں کو تکلیف نہیں ہوتی اور ریا

۱۔ جب کہ تم صاحب ادب ہو تو حالت گنہامی میں اپنی ترقی کو فلک پر پہنچانے سے ناامید ناہوسو نے کو تم دیکھتے ہو کہ زمین میں پڑا رہتا ہے اور یکا یک تاج شاہی بن جاتا ہے۔ سید یسین علی مترجم،

۲۔ پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا

وفاق سے بلکل خالص ہوتا ہے مثل پوشیدہ روزے اور پوشیدہ صدقے کے اور فضائل اس کے بے شمار ہیں حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص تو اپنے حلال طیب مال سے صدقہ دیتا ہے اور دوسرا صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک خدا کا ذکر کرتا ہے ان دونوں میں کون افضل ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا خدا کا ذکر بہت بڑا ہے اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص طلوع فجر سے طلوع شام تک خدا کا ذکر کرتا ہے اس کو سو سرخ اونٹنیاں صدقہ دینے کا صواب ہوتا ہے جن پر سونا لدا ہوا ہو اور گویا اس نے آٹھ غلام بنی عبدالمطلب سے آزاد کیے پھر ذکر کی تین قسمیں ہیں ایک تو ذکر ظاہر یعنی ذکر جلی ہے اس کو عبادات اور تلاوت میں کرنا بہتر ہے اور ایک ذکر خفی ہے جو چپکے چپکے کیا جائے اس کو عبادات اور صدقات میں بجالانا بہتر ہے اور ایک ذکر قلب ہے اس کے ساتھ تمام عالم سے بے پرواہی اور محبوب کے ساتھ مشغولی پیدا ہوتی ہے فرماتا ہے میں اس کا ذکر کرتا ہوں جو میرا ذکر کرے اور میں اس کا ہم نشین ہوں جو میرا شکر کرے اور جو مجھ سے محبت کرے میں اس کا حبیب ہوں جو اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے میں بھی اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور جو اپنی قول کے لوگوں میں میرا ذکر کرتا ہے میں اپنے فرشتوں میں اس کا ذکر کرتا ہوں پھر اس بے پرواہی کے بعد فنا حاصل ہوتی ہے یعنی حضرت قدس کے مشاہدہ کے باعث نفس کے سامنے سے غائب ہو جاتا ہے اور ذکر کی عادت ڈال کر ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد اس ذکر کی بدولت ملائکہ ذاکرین میں اس کا شمار ہوتا ہے اور خطیرہ قدس کے گرد طواف کرنے مرتبہ اس کو حاصل ہوتا ہے اور جس کا اس نے ذکر کیا ہے اس کے قریب کی سرفرازی پاتا ہے جو بڑے اکرام و احتشام کا مرتبہ ہے۔

اور یہ ذکر قرآن شریف ہے پھر اس کے بعد تسبیح اس کے بعد درود شریف پھر استغفار اور دعائیں ان وضائف کی پابندی تم کو لازم کرنی چاہیے اگر ایسا کرو گے تو رابیت کا راز تم پر منکشف ہوگا اور ملائکہ تمہاری ملاقات کو آویں گے اور مسلمان جنات تمہاری خدمت گزار کریں گے جمادات کی تسبیح تم کو سنائی دے گی اور ان ”من شیء الا یسبح بحمدہ ولا کن لا تفقہون تسبیحہم“ اور ذکر کے ثمرے سے بعض وہ باتیں بھی حاصل ہوتی ہیں جن کا تہذیب نفس میں بیان ہوا ہے اور بعض وہ باتیں بھی حاصل ہوتی ہیں جو سیدنا حضرت زین العابدین علیہ السلام کو حاصل تھیں آپ ہر شبانہ روز میں ایک ہزار رکعات نماز پڑھا کرتے تھے اور جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو کل کائنات آپ کے سامنے ہوتی تھی اور خطیرہ قدس آپ کے پیش نظر ہوتا تھا ذکر ہی کی بدولت اصحاب مقامات درجات مکاشفات میں پہنچے

ہیں اور پانی پر چلنے اور ہوا میں اڑنے کی قدرت پائی ہے اور ذکر ہی کی بدولت ملائکہ شرف کے اعلیٰ مقام پر پہنچے ہیں اور دوام بقا کے مستحق ہوئے ہیں کیونکہ وہ ذکر کی مداومت کے ساتھ کھانے پینے وغیرہ ضرورت سے بھی منزہ ہیں اور یہ ذکر ہی کا طفیل ہے کہ ملوک و سلاطین زاہدوں کے وزیر حاضر ہوتے ہیں اور ذکر ہی کی بدولت عاشقوں کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور جذب قلوب کی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے اور ذکر کے سبب سے بعض اوقات ذاکر پر ایسا حال طاری ہوتا ہے کہ تمام وسوسے اس کے ایسے دور ہو جاتے ہیں اور جب دنیا سے نکل کر اپنے مقصد اصلی کو پہنچ جاتا ہے اور صفائے قلب کے طور پر کھڑے ہو کر اپنی پاکیزہ عقل کی وادی میں اپنے رب کا کلام سننا ہے۔ 'انسی انسی ان الله رب العالمین' اور امیہ بن صلت ثقفی کا یہ قصہ سن لینا تم کو کافی ہے اس شخص کو نبوت کی از حد تمنا تھی اور اسی کے خیال میں ہر وقت گھٹار ہتا تھا ایک روز اپنے بھائی سے کہنے لگا کہ میں تو سوتا ہوں تم میرے واسطے کھانا تیار کر لو اس کا بھائی کہتا ہے کہ جب یہ سو گیا تو میں نے دیکھا کہ دو پرند آسمان سے اترے ہیں اور ان میں سے ایک نے اس کا سینہ چاک کر کے ایک سیاہ نقطہ نکالا دوسرے نے کہا کہ کیا اس نے یاد رکھا یا علم اولین سب اس کو یاد ہو گئے پھر اس نے پوچھا کہ کیا یہ پاک بھی ہو گیا اس نے کہا پاک نہیں ہوا تب اس نے کہا کہ اس کے دل کو اس کی جگہ پر واپس کر دو کیونکہ یہ نبوت کے لائق نہیں ہے نبوت خلاصہ آل عبدالمطلب کے واسطے ہے امیہ کا بھائی کہتا ہے کہ جب امیہ بیدار ہوا اور یہ واقعہ میں نے اس سے بیان کیا تو وہ اس کے رنج و صدمہ سے بہت رویا اور آخر کار اسی حسرت و افسوس میں مر گیا اور اس کے شرک نے اس کے مقصد کو حاصل ہونے نہ دیا کیونکہ شہوات قطع کرنے والی اور لذت باز رکھنے والی ہیں جو شخص پانی کا قصد کرتا ہے وہ گد لے پانی پر بھی صبر کر لیتا ہے اور جو راتوں رات راستہ طے کرتا ہے وہ راستے کی دھوپ سے محفوظ رہتا ہے اور جو اپنے نفس کو سراپا شہوت بناتا ہے آخر کار کسی نجاست کے کھڈے میں گر پڑتا ہے اور جو شخص مصائب و نوائب پر صبر کر کے مجاہدے کی ہمت کے ساتھ بلندی کو طے کرتا ہے وہ بلند مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص زیادہ کھاتا اور نفس کو پالتا ہے کبھی بری تدبیر سے خطا نہیں کرتا اور کبھی فلاحیت پاتا ہے۔

اٹھائیسواں مقالہ (۲۸)

جہاد نفس اور اس کی تدبیر کے بیان میں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے ہم نے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کی صحابہ

نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جہاد اکبر کیا ہے فرمایا نفس کا مجاہدہ اور فرمایا ہے کہ سب سے بڑا تیرا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے اور فرمایا میں بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کو پورا کروں معلوم ہو کہ نفس کے اخلاق ذمیرہ اور غیر مستقیم ہیں کیونکہ اس کے اندر باوجود اس کے حجم کے صغیر ہونے کے آسمان وزمین کی تمام چیزیں ہیں جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اور یہ نفس ”انار مؤصدة“ اور اسی کے اندر غنیت کے بھیڑیے اور شہوت کے کتے اور غصب کے درندے مخالفت کے چیتے اور حیلہ کی لومڑیاں اور لشکر شیاطین کی مکین گاہیں جو خواہش ہے اور منجلیق اور وساوس قبیحہ ارض کے سب قلعہ نفس کے گرد اس کو گھیرے ہوئے ہیں معلوم ہو کہ قلب ایک شہر ہے اور نفس لطیف اس کا بادشاہ ہے جو ادراک کرنے والا اور عالم اور پاکیزہ اور پانی اور اس نفع کی صفت سے خارج ہے جس کے ساتھ روح کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور یہ نفس ان انجیروں کے ساتھ پوشیدہ ہے جو قلب کے خون سے پیدا ہوتے ہیں اور قلب صنوبری شکل گوشت سے مجوف بنا ہوا ہے اور یہ وہ قلب نہیں ہے جس کی طرف خطاب کیا جاتا ہے اور روح وہ چیز ہے جس کی طرف خطاب ہوتا ہے۔^۲ ”فاتقون یا اولی الاباب“ اور فرماتا ہے^۳ ”ان فی ذالک لذکرى لمن کان لہ قلب“ اور یہی اس آیت کے معنی ہیں^۴ ”اذن و اعیة“ اور نفس جس کی طرف اشارہ کیا گیا یہی شہوتوں کا اس پر اور غفلتوں کا قیدی ہے، مختلف خیالات میں پھنسا ہوا اور دنیا کا عاشق ہے اس کی نجاست اس نے نوش کی اور اس کے نشے ڈالنے میں خبط الحواس ہو گیا جس کا خدمت میں مشغول ہے اور مزیلہ میں ڈالنے کے واسطے اس کو لیے پھرتا ہے اور ہمیشہ ترتیب اور تغد یہ میں مشغول ہے پھر جب موت کے ساتھ ان دونوں میں تفریق ہوگی اس وقت نفس افسوس کرے گا اور ایک عرصے کے بعد جسم کو

۱ یعنی چاروں طرف سے گھیرنے والی آگ۔

۲ اے اہل عقل مجھ سے ڈرو

۳ بیشک اس میں نصیحت اس شخص کے واسطے ہے جس کا دل ہو۔

۴ یعنی اس کی حفاظت کریں کان حفاظت کرنے والے جو غور سے سنتے ہیں۔

بالکل بھول جائے گا جیسا کہ کبھی اس نے اس کو دیکھا ہی نہیں تھا اور پھر جب جسم میں قیامت کے روز دوبارہ داخل کیا جائے گا تو اس سے نفرت کرے گا یہاں تک کہ قدس کا اشارہ سنے گا ”یا ایہا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک“ یہ خطاب موجود کے واسطے ہے نہ مفقود کے واسطے کیونکہ معدوم کے واسطے خطاب کرنا صحیح نہیں ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کے اعمال میرے سامنے ہر دو شنبہ اور پنج شنبہ کو پیش کیے جاتے ہیں پس جو نیکی ہوتی ہے اس کو میں دیکھ کر خوش ہوتا ہوں اور جو برائی ہوتی ہے اس کے واسطے میں مغفرت مانگتا ہوں خدا کا غضب زنا کاروں پر سخت ہے اور فرماتا ہے کہ میرے اوپر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے پس ایک مکذب مذہب غافل تاویل کرنے والے میں دیکھتا ہوں کہ تو صانع قادر کو عاجز سمجھتا ہے اور اے مسکین تو یہ کہتا ہے کہ اجسام وہ ارواح صانع قدیم قلور کی طرف واپس نہیں ہوتے اور تو اس کو اس کی قدرت اور آیت اور نبوت میں عاجز سمجھتا ہے کیا جس ذات پاک نے تجھ کو تیری ماں کے پیٹ میں پرورش کیا ہے وہ تجھ کو تیری قبر پر پرورش نہیں کر سکتا پھر تو جو یہ کہتا ہے کہ ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل جاتی ہیں پھر وہ کیسے خالص ہو سکتی ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ دیکھو سونے چاندی و تانبے لوہے وغیرہ کے ذرے خاک میں ملے ہوئے ہوتے ہیں اور تمہارے نزدیک ان کا باہم متصل ہونا کس قدر دشوار معلوم ہوتا ہے مگر سنار کے نزدیک کچھ دشوار نہیں ہے وہ فوراً ان اجزاء کو مٹی سے بالکل پاک اور خالص کر لیتا ہے اور چونکہ تو خود عاجز ہے اس سبب سے تو قدرت والے کو بھی عاجز سمجھتا ہے اور ابوعلی بن سینا کے مقالات کے فریب میں آ گیا ہے کی ابوعلی سینا تیرے نزدیک حضور اکرم ﷺ سے بھی زیادہ راست گوہ ہے تجھ کو لازم ہے کہ ابوعلی کے مقالات اور حضور ﷺ کے فرمان میں خوب غور سے نظر کر کے اپنی عقل سے فیصلہ کرے اور یہ نقل ہے تب ہم تجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب تو بیمار ہو کر طبیب سے علاج کراتا ہے اور طبیب تیرے واسطے نسخہ لکھتا ہے تب تو اس سے یہ سوال کیوں نہیں کرتا کہ یہ دو قبض کیوں کرتی ہے اور یہ اسہال کیوں کرتی ہے اگر تو اس طرح کہے گا تو تجھ کو یہ جواب دیں گے کہ تو مریض ہے یا معارض پس جب یہ بات ہے تو اب تو اپنی آخرت کے طبیب سے کیوں معارضہ کرتا ہے اور ان کے بتائے ہوئے نسخے پر کیوں حجت و برہاں تلاش کرتا ہے اور تو نہیں جانتا کہ تجھ سے پہلے جو لوگ تھے وہ تجھ سے زیادہ عقل کی روشنی رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ اعتراض اور تعجیز کفر ہے پس وہ اس کفر کو چھوڑ کر اسلام لائے اور ایمان کو انہوں نے اختیار کیا پس تجھ کو لازم ہے کہ اپنے کتاب کی جو قرآن شریف ہے تعظیم

مگر ایم بجالائے کیونکہ یہ کتاب تیری طرف خدا کا بھیجا ہوا ہدیہ ہے اور وہ شخص نہایت نالائق ہوتا ہے جو اپنے بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہدیے کی اہانت کرے اور تھوڑے ہی عرصے میں تو اس بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگا اور اس وقت تجھ کو شرمندہ ہونا پڑے گا اور اگر روح اپنے مبادی کی طرف اپنے خالق کے پاس رجوع کرنے والی ہے پس اگر شریعت کی تصدیق کی تو وہیں غلیظ و نسیخ ظاہر ہوگی اور جماہیز تجھے زیادہ ہیں کیونکہ تو تنہا لوگوں کے شمار میں ہے اور اجماع تیرے خلاف ہے تو نے اپنے نفس کی پیروی کی ہے اور اس نے تجھ کو بلاؤں اور مصیبتوں میں پھنسا دیا ہے تجھ کو رات اور دن اور گرمی اور جاڑے اور بیچ اور خریف اور ان کے تغیر اور انقلاب احوال میں نظر کرنی چاہیے کہ خداوند تعالیٰ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور تیرا سونا اور جاگنا تیرے اختیار سے باہر ہے اور ان کے علاوہ اور بہت سی نشانیاں ایسی ہیں جس سے تو غافل ہے اگر تو اپنے نفس کا مجاہدہ اختیار کرے گا تو تیرے نفس کی کل صفات ذمیرہ دورائے جائیں گی اور تو اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہوگا پس تجھ کو لازم ہے کہ غضب کو رضا کے ساتھ اور کبر کو تواضع کے ساتھ اور بخل کو سخاوت کے ساتھ اور امساک کو صدقے کے ساتھ اور خاموشی کو ذکر کے ساتھ اور مخالفت کو خلوت اور نیند کو بیداری اور کم سیری کو بھوک اور غفلت کو ہوشیاری اور شرکت کو عزلت اور مداہنت کو صدق و صفا کے ساتھ دور کرو اور شہوت اور باطل کو حق کے ساتھ نکال کر باہر کرو اور جب تم اپنی صفات نالائقہ کو دور کر کے نیک صفات سے آراستہ ہو جاؤ گے اس وقت غفلت کا پردہ تمہارے دل سے دور ہوگا اور تم دیکھ لو گے کہ کس طرح مردے زندہ ہو جاتے ہیں مگر افسوس اس بات کا ہے کہ تم سرکش شیطان بن کر یہ سمجھتے ہو کہ خدا کے مرید ہو پس اس کی توحید کی حلاوت کے آسار کہاں ہیں حضرت داؤد کے پاس وحی بھیجی کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرے کہ اور پھر میرے ذکر کے وقت سو رہے وہ جھوٹا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں آپ کے فرزند حضرت اسماعیل کے ذبح کرنے کا حکم ہوا کہ اے والد صاحب ایہ اس شخص کی جزاء ہے جو اپنے دوست سے غافل ہو کر سو رہے اور آدم علیہ السلام جب سو رہے تو حوا علیہ السلام پیدا ہوئیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

عجبا المحب کیف ینام

کل نوم علی المحب حرام ۱

معلوم ہو کہ تیرا قلب وہی شہر ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں پس تیرے نفس

یعنی آپ جو سو رہے اس کے بدلے میں آپ کو یہ حکم ہوا کہ اپنے فرزند کو ذبح کرو۔

معاذ اللہ ہے تعجب سے کہ کیونکر سوئے کیونکہ ناشق پر نیند بلکل حرام ہے۔

کا شیطان خواہشوں کے رسالے اور جب دنیا کی پلٹنیں اور وسوسوں کے نقاب اور بدگمانیوں کے متعلق پچی اور مخالفت کی منجینق اور تکبر کا بوق یعنی بگل اور سمعت کے نقارے اور لالچ کی شمشیر باز اور مکر کے نیزہ باز لے کر اس شہر پر حملہ کرتا ہے اور چاروں طرف سے اس کو محصور کر لیتا ہے پھر اگر اس شہر میں اخلاق حمیدہ کے بہادر اور صفات حسنا کا توشہ وغیرہ نہیں ہوتا تو یہ شہر ہلاک ہو جاتا ہے اور اس بادشاہ کی سلطنت چھین کر صدق کے برج منہدم ہوتے ہیں اور ذکر کا نگہبان سو جاتا ہے اور اصرار قلب کے تخت پر شیطان جلوس کرتا ہے اعمال کے خزانے اکھیڑے جاتے ہیں اور شکوک شبہات تمام شہر میں چکر لگاتے پھرتے ہیں معاملہ کے درخت کاٹے جاتے ہیں اور اعمال کے عموال لٹتے ہیں اور امیدوں کے پھل توڑ کر کھالیے جاتے ہیں کتاب الہی میں شک واقعہ ہوتا ہے اور اصحاب کی مصاحبت سے نفوس نفرت کرتے ہیں اور ہر ایک اپنے آقا اور مولیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور خواہش کا مطیع ہو جاتا ہے۔ پس اسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ سب کے سب ناک کے بل دوزخ میں ڈالے جاتے ہیں اور اس وقت حسرت و افسوس کے ساتھ کہتے ہیں: "وما لنا لا نری رجلاً کنا نعدہم من الاشرارۃ، اتخذناہم سخریاً ام زاغۃ عنہم الابصار" "شہ اور حرام سے پرہیز کر کے تم کو اپنا توشہ صاف اور پاکیزہ کرنا چاہیے اور پھر تم اپنے دل میں نور ایمان کو ملاحظہ کرو گے اور روز قیامت کا سامان تم پر منکشف ہوگا اور تم اپنے نفس کے ساتھ روحانی فرشتہ بن جاؤ گے اور خواہش اور غفلت کے ساتھ شیطان الرجیم بنو گے پس تم کو نفس عمارہ پر جہاد کرنا لازم ہے تاکہ اس کی صفات مضمومہ دور ہو کے وہ نفس لوامہ بنے اور پھر لوامہ سے ترقی کر کے مطمئن ہو جائے جیسا کہ بادشاہ اپنے فراش کو ترقی دے کر منشی بناتا ہے اور پھر وزیر کر لیتا ہے اور اس وقت یہ وزیر بادشاہ کی سلطنت میں ہر طرح کے تصرف کرتا ہے اور بادشاہ کے نزدیک اس کی نیکیاں بھی برائیاں ہوتی ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے "حسنات الابرار سینات المقربین" اور خدا کی طرف راستہ انفاس خلاق کے شمار کے ساتھ ہے اور مقامات بھی انفاس کے ساتھ بلند ہوتے ہیں حضور ﷺ ہر سانس میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرتے تھے اور یہ مقامات کشف اور معارف کے ہیں اور اسی کی نسبت فرمایا ہے کہ جب تک میں روز و شب میں سو بار استغفار نہیں پڑھتا تو میرے قلب کو فریب رہتا ہے

۲۔ یہ بات ہے کہ ہم جن لوگوں کو شریروں میں شمار کرتے تھے ان کو یہاں دوزخ میں نہیں۔۔۔ ان کا مزحقہ اڑایا تھا ہماری نظر ان پر نہیں جمتی ہے

اور رین عین سے بھی سخت تر ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی نظم سنو جو آپ نے نفس کے متعلق فرمائی ہے۔

صبرت لنفسی عن اللذات لماتولت

والزمت نفسی صبرہا فإ

وكانت علی الايام نفسی عزیزة

فلمارات عزمی علی الذل ذلت

لہایا غنس یؤتی تؤتی تویمہ

فقد كانت الدنیا لثام ولت

فلا مجرد فیہما اذھی اقبلت

ولا البخل یقیہا اذا ماتولت

پس تم نفس کو مہذب بناؤ مجاہدہ کی تکلیف دے کر دروازے سے اس کو قریب کرو اور انبیاء و اولیاء کے مقام کو دیکھو اور ثواب و ثناء کو غنیمت سمجھ کر صادقین کا ذکر فاسقین کے ذکر کی مثل نہیں ہے اور اس کی خبر تم کو موت کے بعد معلوم ہوگی اور تم نے جو لغو مقالات سنے ہیں انھیں کے سبب سے یہ تم سستی کرتے ہو ورنہ میں تم کو بار بار سمجھا چکا ہوں تھوڑے عرصے میں تم کو خود ہی معلوم ہو جائے گا دنیا میں لوگ سوتے ہیں مرنے کے بعد بیدار ہونگے اور تمہاری مثال اس درخت کی سی ہے جس میں نہ پھل آتا ہے اور نہ سایہ اس کا اس قابل ہوتا ہے کہ کوئی اس میں بیٹھ سکے یا تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جس کے سر میں گنج ہو اور مصنوعی بال لگا کر اصلی بال والی عورتوں پر فخر کرے اور جب اس کا سر کھول دیا جائے تو اپنے ہم نشینوں میں ذلیل اور شرمندہ ہوائے شخص تو اپنے لباس کی آرائش پر پھولا ہوا ہے کل قافلہ کوچ کرے گا اور اے غافل تو راستہ پر پڑا رہ جائے گا اور بے سرو سامان بیٹھا رہے گا اور قافلہ ہاشی سے کہے گا کہ مجھ کو واپس کر دو تاکہ میں نیک عمل کروں مگر پھر اس کی اجازت نہ ملے گی صحابہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ میت کے آنسو رخسار پر بہنے میں کیا حکمت ہے فرمایا چھوٹا بچہ تو اپنے والدین کا حال لوح محفوظ میں دیکھتا

دنیاوی لذتیں جب کہ چلی گئیں تو ان کی طرف سے میں نے نفس کو صبر دیا اور ان کا صبر اپنے نفس پر ہمیشہ لازم رکھا اور میرا نفس زمانہ میں بڑا ذی عزت تھا مگر جب اس نے ذلت کی طرف میرا قصد دیکھا تو وہ بھی ذلیل ہو گیا اور میں نے اس سے کہا کہ اے نفس بزرگی کے ساتھ مر کیونکہ دنیا ہمارے پاس تھی مگر پھر بے وفائی کر کے چلی گئی جب دنیا آتی ہے تو عادت اس کو فنا نہیں کر سکتی اور جب وہ جاتی ہے یو بخل اس کو باقی نہیں رکھ سکتا۔

ہے اور بڑا آدمی اپنے اعمال اور اپنی بیوی اور اپنے مال کے منتقل ہونے کو دیکھ کر روتا ہے پس اے شخص تو اسی حال میں ہے اور میں تجھ کو بلند کرنا چاہتا ہوں اور تیری ہمت تجھ کو پست کرتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ تیری ہمت ہی غالب ہے پس جس کی ہمت ان چیزوں کی طرف ہوگی جو اس کے پیٹ میں داخل ہوں تو اس کی قیمت وہ چیز نہ ہوگی جو اس کے پیٹ سے خارج ہوتی ہے اگر تم اس مطلب کو سمجھ گئے ہو تو ہوشیار ہو جاؤ ورنہ تم جانو اور تمہارا نفس جانے ہم نے نصیحت کر دی مگر تم نصیحت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے ہو۔

انٹیسواں مقالہ (۲۹)

محبت اور شوق اور مشاہدہ اور مکاشفہ اور مواعظ و زواجر عقلیہ و نقلیہ کے بیان میں معلوم ہو کہ محبت جائز ہے اور سب سے پہلے محبت خدا اور اس کے اولیاء کے درمیان میں جاری ہے چنانچہ قرآن شریف اسی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے **والذین آمنوا اشد حباً للہ** اور فرماتا ہے **۲** اور اگر تمہارا نفس خبیث یہ وسوسہ پیدا کرے کہ اس ذات پاک سے کیسے محبت پیدا ہو سکتی ہے جس کو دیکھا نہیں ہے اور نہ وہ ہماری جنس سے ہے تو اس کی مصنوعات کو دیکھنا اور عجائب و غرائب اور حسن و جمال میں غور کرنے سے اس کی محبت پیدا ہوتی ہے کیونکہ وہی ان کا صانع ہے اور اسی کی قدرت و کمال سے یہ سب چیزیں پیدا ہوئی ہیں اور زمین کا فرش ہری گھاس کا سبز رنگ اور درختوں پھول بوٹے اور پھل اور دریاؤں کی لہریں اور آسمان اور رات دن اور چاند اور سورج اور چھوٹے بڑے ستارے یہ سب اس کی صنعت اور قدرت کی دلیلیں ہیں اور اس کے استمرار وجود پر گواہی دیتی ہیں پس پاکی ہے اس ذات کی جو کل مخلوقات کا خالق اور مصنوعات کا صانع ہے اے شخص اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو تمہارے نفس کی تربیت میں ان سب چیزوں سے بڑھ کر عجائب و غرائب ہیں جو تم نے دیکھی اور سنی ہیں اور ان سب دلائل سے بڑھ کر جو دلیل کہ تم کو اس کی طرف رہبری کرتی ہے اور اس کی محبت دلاتی ہے وہ اس کا کلام معجز نظام ہے پس اسی کے ساتھ اس کے متکلم کی محبت پر دلیل لی جاتی ہے اس کے متعلق بہت سی حدیثیں ہم نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں بیان کی ہیں اور یہاں صرف ان کی طرف اشارہ کافی ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے وہ شخص جھوٹا ہے جو میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور راستے اور ایمان والے خدا سے سخت محبت رکھتے ہیں۔

۲ خدا ان سے محبت کرتا ہے اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں۔

کو سوراہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا مومن بندہ میری طرف نوافل سے تقرب حاصل کیا کرتا ہے یہاں تک کہ مجھ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے پس جب مجھ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے آخر حدیث تک معلوم ہوا کہ محبت اور عشق دونوں ایک ہیں اور اصل عشق کی یہ ہے کہ پسندیدگی کی نظر سے شوق کے ساتھ کسی صورت کو دیکھے اور اسی شوق کا بخار جو نہایت گرم ہے تیز اور ذی خاطر سے مجاہدہ کی آتش کے سبب سے اٹھتا ہے اور اس آگ کے انجرے دماغ کے پیچھے سے ظاہر ہوتے ہیں اور فکر کی نمکین باتیں دماغ کے اگلے حصے میں پیدا ہوتی ہیں اور قلب کی خلوت کے دوارے لے جاتے ہیں یہ معشوق کا خیال عین یقین کے سامنے بیٹھ جاتا ہے اور نفس کا آئینہ مجاہدہ سے مصقل و مجلا ہو کر جمال محبوب کی نظر کے لائق بنتا ہے محبت کے اندر اصل بات سنا دمہ اور الفت اور معشوق کے کلام کو بہتر اور خوب سمجھتا ہے جب یہ بات ہوتی ہے تب پھر معشوق کی تلاش میں ہمت ابھارتی ہے اور شوق کی آگ بھڑک اٹھتی ہے پس اس وقت عشق غالب ہوتا ہے اور عاشق راستوں میں مثل دیوانوں کے پھرتا ہے اور اسی آتش شوق سے بلغم وغیرہ اخلاط فاسدہ جل کر آسمان قلب صاف ہو جاتا ہے اور معشوق کا چاند اس میں تجلی کرتا ہے اور معشوق کی تجلی حلال سے عاشق والہ و شیدہ ہو کر از خود فرشتہ ہو جاتا ہے اور اس عالم بے خودی میں نہ نیند ہوتی ہے نہ قرار ہوتا ہے عشق کی آگ لچھہ بلچھہ شیر جو کہ شعلہ مارتی ہے اور بدن کی قوتوں کو کمزور کر کے نحیف و ضعیف اور زار و نزار بنا دیتی ہے کسی شاعر کا قول ہے۔

میتواں داشت سہاں عشق زمردم لیکن

رروی رنگ رخ و خشکی لب راچہ علاج

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ہر شب کو ایک منادی ندا کرتا ہے اے لوگو خدائے تعالیٰ زیادہ کھانے والے اور زیادہ سونے والے کو لعنت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے ابن آدم اس واسطے تو پیدا کیا گیا ہے قناعت کرتا کہ تیرا جناب ہلکا ہو اور کم سویا کرتا کہ تجھ سے ذکر زیادہ ہو سکے۔

(اگر تو ایسا کرے گا) تو پس تیرا محبوب تجھ کو اپنی طرف کھینچ لے گا اور اپنی طاعت کی تجھ کو توفیق دے گا اور اپنے گناہ سے محفوظ رکھے گا پس نوافل زیادہ پڑھا کرو فصل۔

فصل

(شوق اور مکاشفہ کے بیان میں)

معلوم ہو کہ شوق ہی سے مکاشفہ کی حالت پیدا ہوتی ہے اور شوق یہ ہے کہ بقائے معشوق کی تمنا ہو اور معشوق کی ملاقات بغیر مکاشفہ کے حاصل نہیں ہوتی اور مکاشفہ یا تو عیاناً ہوتا ہے اور یا قلبی ہوتا ہے اور یہ معشوق کے ایسے حال کے ساتھ تجلی ہے جس کو عاشق کا دل تحمل کر لیتا ہے مگر عیانی مکاشفہ قلبی مکاشفہ سے افضل ہے اور جو مکاشفہ کہ عیانی و قلبی دونوں طور سے ہو وہ دونوں سے افضل ہے جیسا کہ حضور ﷺ کو شب معراج میں ہوا اور حضرت ام المؤمنین عائشہ اور حضرت امیر المؤمنین اور حضرت ابن عباس کی روایتوں کے جمع کرنے سے ثابت ہے اور معلوم ہو کہ حقیقت مکاشفہ کی یہ ہے کہ محبوب کی طرف نظر کرے اور پھر یہ نظر عاشقوں کے درجوں کے نساب متفاوت ہوتی ہے کیونکہ کل مخلوق کی نظر یکساں نہیں ہے اور ادنیٰ درجہ اس کا قلب کی نظر ہے اور آنکھ کی نظر بعض لوگوں کے نزدیک عرض غیر دائمی ہے اور سب سے بڑا مرتبہ بھی ہے کہ قلب اور آنکھ دونوں کی نظر سے مکاشفہ ہو پھر جس وقت غفلت کا پردہ دور ہو کر محبوب تجلی کرتا ہے تو محبت بشر بھی پردوں اور جسمانی حجاب سے نکل کر خطاب کو سنتا ہے اور حجاب کو دیکھتا ہے

۱۔ 'وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب' اور اس وقت کل جہات سے خطاب اس کو سنائی دیتا ہے اور یہ شخص عیسوی حال ہو جاتا ہے ۲۔ 'وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم' اور ملائکہ اور جنات مومنین اس کے مطیع حکم ہوتے ہیں اور خدا کے اور اسکے درمیان میں ایک روزن کھل جاتا ہے جس کے سبب سے کل کائنات کے اسرار اس کو معلوم ہو جاتے ہیں مگر اس مرتبہ کا حاصل ہونا علم و عمل پر موقوف ہے اور جب لطیف کی نسیم غفلت کا حجاب دور کرتی ہے تو کائنات میں یہ شخص جو کچھ تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے جو کچھ یہ چاہے گا وہی ہو جائے گا کیونکہ دونوں ارادے ایک ہو جاتے ہیں جیسا کہ احوال صوفیہ میں بیان کیا گیا ہے 'فاذا ابصرتنا ابصرنا و اذا ابصرتنا ابصرتنا' ناسوت

۱۔ اور کوئی انسان اس لائق نہیں ہے کہ خدا اس سے بالمشافہ ہم کلام ہو مگر بطور وحی کے کے ذریعے یا پردے کے پیچھے۔

۲۔ اور میں تم کو ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو۔

ایک لطیف معنی بن جاتا ہے اور غیب سے اس کو ایسی قوت بہم پہنچتی ہے کہ اس کے ساتھ وہ ان باتوں کو جو اس پر وارد ہوتی ہیں قبول کر لیتا ہے اور بھی کرامتوں کے ظہور اور غیب کی خبریں بیان کرنے کا باعث ہے اور نفس اغراض فاسدہ کے دور ہونے سے جو ہر قدسی بن جاتا ہے اور غیبی اس پر پوشیدہ نہیں رہتے اور اگر تم یہ کہو کہ ان باتوں کے ساتھ ایک قسم کی انبیاء علیہ السلام سے مشارکت ہوتی ہے پھر ان کو اولیاء کیسے حاصل کر سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ غیب کی اصل خداوند تعالیٰ سے ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ وہ اپنے علم غیب میں سے کچھ ان پر ظاہر کر دیتا ہے تم نے اس کا یہ فرمان نہیں سنا اور من رسول کا لفظ صرف اس واسطے فرمایا ہے تاکہ عالم لوگ اس کو غیبی مشارکت نہ سمجھیں اور یہ بات یعنی غیبی سے مطلع ہونا کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ شاہی خزانوں سے شاہی غلام آگاہ ہوتے ہیں اور معشوق کی خوبصورتی کو دیکھ کر عاشق صادق اس کی بہت سی پوشیدہ باتوں کو اس کے حسن پر قیاس کر کے معلوم کر لیتا ہے اور حالانکہ اور لوگوں سے وہ باتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ 'وتلک الامثال نضر بہا للناس وما یعقلہا الا العالمون' حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر ایک شخص خلج تو ہے مگر خراج نہیں ہے اور ابو یزید بسطامی نے فرمایا ہے کہ جو شخص تمکین کے درجے میں پہنچا پس وہ طبیب سے امر خلق کے تحت پر بیٹھ کر اپنے مالک کے حکم سے بادشاہوں کے راز پر مطلع ہوتا ہے جیسا کہ تمہارا پیارا غلام تمہارے بہت سے پوشیدہ حالات سے واقف ہو جاتا ہے۔

فاطمہ سلما سیہ جو ایک بزرگ عورت تھیں اس وقت شہر سلما سے نکلتیں جب مؤذن ظہر کی آذان کہہ دیتا تھا اور بسطام میں آن کر جماعت سے نماز پڑھتی تھیں پھر اگر تم کہو کہ یہ بات غیر ممکن ہے اور ایسی حالت انبیاء کی بھی نہیں ہوئی تو پھر اور کسی کی کب ہو سکتی ہے جو اب اس کا یہ ہے کہ یہ حکم تم خدا تعالیٰ پر لگاتے ہو یا اپنے نفس پر اگر اپنے نفس پر لگاتے ہو تو تم جانو اور تمہارا نفس جانے اور اگر تم خدا تعالیٰ پر یہ حکم لگاتے ہو تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جب تم اپنے بدن کی رگیں اور پٹھے شمار نہیں کر سکتے اور تم کو اتنی خبر نہیں کہ تمہارے سر پر جو امامہ ہے اس پر کس قدر پیچ ہیں پھر ایسی بے خبری کے ساتھ تم خدا اور اس کے غلام کے درمیان میں کیوں دخل دیتے ہو اور پھر تم کو کیا معلوم ہے کہ خدا نے اپنے انبیاء کو کیا کیا اختیار اور مقام عنایت کیے تھے اور بعض علوم تم کو بطریق نقل کے معلوم ہو گئے تو پس معجزہ عقل کی تکذیب کرتا ہے اور جب کہ تمہارے خاص اسرار سے تمہارا بیٹا تک واقف نہیں ہوتا ہے تو پھر تم کیسے اپنے مالک اور خالق ان مثالوں کو ہم لوگوں کے واسطے بیان کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے ہیں ان کو مگر عالم لوگ۔

کے اسرار سے واقف ہو سکتے ہو جب تک کہ تم اس سے واصل نہیں ہوئے اور جب وصول کا ہاتھ جائے گا اس وقت تم پر وہ معاملہ منکشف ہوگا جو خدا اور رسول کے درمیان میں ہے اور واسطے ہم تم سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ تم مجاہدہ کرو یا مجاہدہ نہ کرو مجاہدہ مشاہدہ کے ساتھ شکوک غبار دور کر دیتا ہے اور تم نے جو اپنی آنکھ پر حب دنیا کی پٹی باندھ رکھی ہے اور ہمت تمہارا نہایت ضعیف اور خسیس ہے تو پھر ایسی ناپاکی کے ساتھ تم شریف مقام میں کب پہنچ سکتے ہو حزن وہ اکثر اعظم ہے جو تمہاری ہر ایک جہالت کو علم سے بدل دے سکتا ہے اور جو شخص اس مضبوط کر لیتا ہے وہ راحت پاتا ہے محبت اور شوق و مکاشفہ کا یہ مختصر بیان تھا جو کیا گیا۔

فصل

(وعظ اور نصیحت کے بیان میں)

جن آیات و اخبار میں وعدہ و وعید کا مضمون ہے اور جو حکایات و اشعار جازب و مخوف ہیں ان کے ساتھ مبتدی کو خوف دلانا اور منتہی کا شوق بڑھانا چاہیے کیونکہ مبتدی کے گمراہ ہونے اور جہالت کی طرف میں کرنے کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے اس واسطے اس کو ڈرانا چاہیے تاکہ وہ راستہ پر قائم رہے اور منتہی نے چونکہ گناہوں کو ترک کر دیا ہے اور اس کا قلب رفیق ہو گیا ہے اور مجاہدہ کی مشقتیں اٹھا چکا ہے اس واسطے اس کو شوق دلانا چاہیے جب اونٹ کو گیت سنائے جاتے ہیں تو بھاری بوجھ کو لیکر وہ بہت سہولت سے منزل قطع کرتا ہے پس گویا مجاہدے کی مشقت نعمات کی بدولت اس پر آسان ہو جاتی ہے جیسا کہ خشک زمین پر جہاں مینہ برسا اور وہ ہری بھری ہو گئی اور یہی حال مرید کا ہوتا ہے ابو تو حیدی فرماتے ہیں کہ اگر تو نعمات کے فوائد و منافع کا منکر ہے تو اونٹ کو دیکھ جو تجھ سے زیادہ غلیظ طبیعت رکھتا ہے اور گیت کو سنکر بے تکان منزل طے کرتا ہے پس اے طالب تجھ کو چالیس دن کا چلہ کرنا ضرور ہے اور اس چلہ میں ہر روز تم کو اپنی خوراک ایک لقمہ کم کرنی چاہیے یا پہلے روز ایک تر لکڑی سے اپنے کھانے کو وزن کر کے کھاؤ اور پھر اسی لکڑی سے روز وزن کیا کرو جس قدر وہ خشک ہوگی کھانا کم ہوگا اور اس ترکیب و ترتیب سے تم عالم ملکوت میں داخل ہو گے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اے لوگو تم میں جو شخص دنیا کے اندر بڑا

شکم سیر ہے وہ قیامت کے روز سب سے زیادہ بھوکا ہوگا اور جب تم ایسا کرو گے تو تمہارا نفس قدسی ہو جائے گا اور عالم قدس کے ساتھ تم کو انس ہوگا پس تم دنیا کی محبت کی طرف مائل نہ ہو پس حالت محمدی ﷺ تمہاری طرف منتقل ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے کہ میں تم جیسا نہیں میرا رب مجھ کو کھلا پلا دیتا ہے پس یہ حالت صادقین کی ہے اور یہ منزلیں متقیوں کی ہیں پس تم تکذیب کرنے والوں میں سے نہ بنو اور اگر تم مقربوں میں سے نہ بن سکو تو اصحاب الیمین ہی سے بن جاؤ۔

تیسواں مقالہ

(علم و عمل کے بیان میں)

معلوم ہو کہ مخلوق الہی میں سے تین شخص مخصوص ہیں عالم اور عارف اور ناسک عالم تو وہ شخص ہے جو علم ظاہری حاصل کر کے اس پر عمل کیا اور اس کے سبب سے خداوند تعالیٰ نے علم باطنی اس کو عنایت کیا جیسے کہ علم محبت اور علم شوق و رضا اور علم قدر اور علم مکاشفہ اور مراقبہ اور علم قبض و بسط وغیرہ ہیں اور یہی صوفیہ صافیہ کے علوم کہلاتے ہیں اور صوفیہ یہ لوگ ہیں جیسے حسن بصری سفیان ثوری ابو یزید بسطامی ابوالحسین نوری جیب عجمی معروف کرخی شفق بلخی محمد بن حنیف بشر بن سعید حانی احمد خوارزمی احمد وارانہ جارث محاسبی سری سقطی ابوالحسین بن منصور حلاج جنید بغدادی ابوبکر شبلی ابو نعیم قاضی پس یہ طائفہ الہیہ وہ لوگ تھے جن کا ذکر جاری ہے اور یہ ان لوگوں کی مثل نہ تھے جو علوم اور شہوات میں مشغول ہوتے ہیں اور دھوکہ بازی اور مکر و دغا کو انھوں نے اپنا پیشہ بنا رکھا ہے ان لوگوں نے تو واحد شاہد کو مضبوط پکڑا ہے اور یہ لوگ شاہد کی محبت میں مبتلا ہیں ان لوگوں نے تو مناسب کو چھوڑا اور ترک کیا ہے اور یہ لوگ ان کی فکر میں رہتے ہیں اکثر کلام ان کا یہ ہوتا ہے کہ مذہب کو بچاؤ یہاں تک کہ چلا جائے اور علم خلاف ان کے نزدیک مثل برد کے ہے اور علم اصول ان کے نزدیک بالکل فضول ہے اور نحو محو ہے پس کل علوم ان کے گانے بجانے اور رقص و سرود پر منحصر ہیں قرابت اور صحابت میں یہ لوگ تفریق نہیں کرتے ہیں پس ان

کے عیوب کس قدر کثیر ہیں اپنے محبوب کو یہ لوگ بھول گئے ہیں اور اطاعت کی مدارج کو چھوڑ کر کھانے کے مشغلوں میں مصروف ہیں خلق کے واسطے سجاوے بچھائے ہیں اور خدا اور حق کو بالکل فراموش کیا ہے پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی شان میں یہ حدیث وارد ہے کہ خداوند تعالیٰ ان کے کپڑوں کو اتار کر جنت کے دروازوں پر لٹکائے گا اور ان پر یہ لکھدیگا کہ یہ مکرور و غ کپڑے ہیں پس یہ لوگ دنیا کے صوفی ہیں انھوں نے علم و عمل کو جمع کیا ہے اور اس قدر شب بیداری کی ہے کہ کامیاب ہو گئے ہیں اپنے قول کی بدولت انھوں نے پالیا اور صدق اختیار کیا پس تحقیق کو پہنچ گئے علم حاصل کیا پھر عمل کیا پس حال و قال کے جامع ہوئے اور یہی لوگ علم و معرفت اور نسیک اور زہد والے ہیں اور ان کے کل حالات نے ان کے اندر قوت الہی پیدا کی جس کے سبب سے وہ اشتیاق کے پر و بازو کے ساتھ ریاض قدس کی طرف پرواز کر گئے اور علوم غیبی کے پھل و میوے چننے لگے پس یہ لوگ فقراء آخرت ہیں اور صوفی وہ لوگ ہیں جنھوں نے یہ جانا کہ نعمت منعم کی طرف سے ہے اور پھر انھوں نے اسباب کو ترک کر کے صرف منعم پر بھروسہ کیا۔

اور علماء آخرت یہ لوگ ہیں جیسے حسن بصری سفیان بن عیینہ سفیان ثوری داؤد طائی ظاہری ابوسعید بن مبارک مخزومی ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن ذوطا الکوئی مالک بن انس المدنی محمد بن ادریس الشافعی لمطلسی۔ احمد بن حنبل الشیبانی۔ بذنی، ابن شریح، حداد، فقال، ابوالطیب ابو حامد اور ہمارے استاد امام الحرمین ابولعالی الجوینی اور شیخ امام ابوالحق ابراہیم فروز آبادی المعروف بہ شیرازی ان کا ہمارے استاد امام الحرمین سے بادشاہ کے سامنے مناظرہ ہوا تھا اور میں بھی اس وقت موجود تھا میں نے دیکھا کہ اس مناظرہ میں ان کی غرض سوائے اظہار حق کے اور کچھ نہ تھی نہ اس میں کسی آیت کی باطل تاویل کرتے تھے اور نہ خبر نبوی میں نقص نکالتے تھے نہ کلام میں ان کے سختی تھی غرض یہ کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے پاس فتوے بھیجنے میں صحابہ کرام کے مشابہ تھے اور کہتے تھے کہ تمہارا اکبر تقلید کا زیادہ حقدار ہے اور ہم لوگ تو بڑے علماء ہیں دنیا کی آرائش و زینت اور ساز و سامان میں مشغول ہیں پس اب تم خود ان طائفوں میں فرق کو دیکھ لو حدیث میں آیا ہے کہ جس نے جھگڑے کو ترک کیا حالانکہ وہ حق پر ہے پس اسی کے واسطے جنت کے بلند حصے میں ایک محل سونے کا تیار ہوگا پس ہمارے واسطے نہ تو محل ہے نہ تخت ہے نہ حوریں ہیں شافعی رحمہ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا اور اس سے پہلے ابو یوسف کے ساتھ ایک مسئلہ میں ان کا جھگڑا ہو چکا تھا دیکھا کہ گویا یہ جنت میں داخل ہوئے ہیں اور وہاں ایک حور بیٹھی ہے جس کے چہرے کی روشنی سے تمام مکان روشن و منور ہو رہا ہے انھوں نے حور سے دریافت کیا کہ تم

کس کے واسطے ہو اس نے کہا جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑ دے چاہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو اور پھر اس نے کہا اے شافعی قیل و قال اور گفتگو سے تم کو یہ لباس اور زیور حاصل نہ ہوگا اگر تم سچے ہو اور جنت کا مالک بننا چاہتے ہو تو مثل مالک کے علم و عمل اختیار کرو کیونکہ ملک سلطنت کا ارادہ کرنے والا ملکوں پر صبر کرتا ہے شافعی کہتے ہیں پھر جب میں بیدار ہوا تو میں نے یہ جان لیا کہ یہ لوگ خواہش کی طرف لیجانے والے ہیں اور آخرت خدا کے پاس متقیوں ہی کے واسطے ہے حدیث شریف میں ہے کہ علم عمل کے ساتھ قائم رہتا ہے اور اگر عمل نہ ہو تو علم چلا جاتا ہے پس یہ لوگ دنیا و آخرت کے علماء اور دنیا اور آخرت کے فقراء ہیں اور تم ادنیٰ چیزوں کے لالچ میں اعلیٰ مقامات سے محروم ہو گئے ہو تم مثل بھیڑیے کے ہو اور تشکیک و تکذیب میں تمہارا قصد ہے

افسوف تری اذان کشف الغبار

افرس تحت رجلک حمار

اور علوم کثرت کے ساتھ ہیں مگر ان میں آخرت کو بتلانے والا علم شریعت کا ہے اور کتابیں اس کی مثل تفاسیر واحدی اور صحاح ستہ اور قرابرة قرآن اور وہ اور ادا اور وظائف جو کتاب احیاء میں مذکور ہیں اور اگر علم عقائد میں مختصر کتاب دیکھنی چاہو تو واقع الادلہ ہمارے شیخ امام الحرمین کی دیکھو یا قواعد العقائد کو ملاحظہ کرو اور اگر سلف صالحین کا طریقہ تم کو اختیار کرنا ہے تو کتاب نجات الابرار کا ملاحظہ کرو جو اصول دین میں ہماری آخری تصنیف ہے اور اس کتاب کے اندر ہم بہت سی کتابیں تم کو بتلا چکے ہیں ان میں سے جو ممکن ہو پڑھو اور جو چاہو عمل کرو کیونکہ ملاقات عنقریب ہے۔

معلوم ہو کہ سال کے اندر چار فصلیں ہیں حمل سے جو راتک ربیع اور سرطان سے آخر سبہ تک گرمی اور میزان سے آخر قوش تک خریف اور جدی سے آخر حوت تک جاڑ ۲۱ و قدرہ منازل لتعلموا عدد السنین " اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہو جب آوے تو اس کو بخوشی قبول کرو اور جب یہ جاوے تو اس سے پرہیز کرو کیونکہ یہ تمہارے جسم کے ساتھ وہی سلوک کرے گی جو تمہارے درختوں کے ساتھ کرتی ہے۔

اور بعض ایسے ہیں جو نقصان پہنچانے والے ہیں مثل علم سحر و کہانت و کیمیا کے تانبے کو صاف کر کے چاندی بنا کر فروخت کرتے ہیں حالانکہ وہ چاندی نہیں بنتا اور بعض مکاسب ایسے

عنقریب جب تمہارا صاف ہوگا تو تم دیکھ لو گے کہ تمہارے پیچھے گھوڑا ہے یا گدھا ہے۔

۲ اور اس کی منزلیں بنانی ہیں تاکہ تم سالوں کا شمار اور حساب معلوم کرو۔

حسین ہیں کہ نفس ان کو قبول نہیں کرتا ہے مثلاً غسل اور حجام اور بھنگی و چمار وغیرہ کے کام پس جو صنائع ہم نے بیان کیے ہیں ان میں سے کسی صنعت کو اختیار کرو اور عالم و عامل بن کر اپنے مقصد کو حاصل کرو خدا ہی کے دارحسنى میں تمہارے نفس کو قرار پہنچے گا اور وہیں تم جنتوں اور نہروں میں خدا کے پاس آرام سے رہو گے۔

فصل

(عجائب اسفار کے بیان میں)

حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ قاف کے پیچھے مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے آفتاب اس کو چالیس برس میں قطع کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس زمین میں مخلوق رہتی ہے فرمایا ہاں مومن لوگ ہیں جو ایک پلک زدن بھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں اور آدم علیہ السلام اور ابلیس کو مطلق نہیں جانتے فرشتے ان کو ہماری شریعت کے موافق تعلیم دیتے ہیں اور قرآن شریف ان کو پڑھاتے اور ان کے باہم فیصلہ کرتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کچھ زیادہ بیان فرمائیے فرمایا مسلمان جنوں میں سے ایک عورت میری واقف ہے وہ کئی سال غائب رہی جب وہ آئی تو میں نے اس سے دریافت کیا کہ کہاں گئی تھی اس نے کہا میں اپنی بہن کے پاس اس سفید زمین میں تھی جو قاف کی پرلی طرف ہے میں نے کہا کیا وہ لوگ مومن ہیں اس نے کہا ہاں میں نے آپ کی کتاب ان کے سامنے پڑھی پس ہماری قوم کے سب لوگ ایمان لے آئے میں نے پوچھا کہ اس زمین کے پرلی طرف کیا چیز ہے اس نے کہا برف کے پہاڑ ہیں اور پانی اور ہوا اور اندھیرا ہے اور پھر اس کے پرلی طرف چھنم ہے میں نے کہا کہ کیا ان شہروں میں بھی سورج پہنچتا ہے اس نے کہا ہاں۔

اور تمیم بن حبیب اری کا قصہ بھی بڑا عجیب ہے کہ جب ان کو جنات راستہ گم کرا کر ایک جزیرہ میں لے گئے اور وہاں انھوں نے وہ محل دیکھا جس میں دجال مقید ہے اور اس نے ان سے پوچھا کہ تم کس امت میں سے ہو انھوں نے کہا حضرت محمد ﷺ کی دجال نے کہا کیا وہ مبعوث ہو گئے تمیم نے کہا ہاں اس نے کہا تو اب میرے نکلنے کا وقت آ گیا اور لیلۃ الجن کا واقعہ بھی نہایت تعجب خیز ہے عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں میں اور علی بن طالب اندھیری رات میں حضور کے ساتھ چلے یہاں تک کہ حضور ایک سوراخ پر پہنچ کر کھڑے ہوئے اس سوراخ میں

سے ایک شخص نکلا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اندر تشریف لائے پس حضور اور علی تو اندر تشریف لے گئے اور مجھ کو اپنے زائد کپڑے دے کر وہیں بٹھا دیا اور جب صبح کی نمود شروع ہوئی تو حضور اور چند لوگ آپ کے ساتھ تشریف لائے اور حضور نے مجھ سے فرمایا کہ یہ تمہارے مسلمان بھائی جنات ہیں اور پھر میرے پاس بنیذ تھی اس کو آپ نے نوش فرمایا اور باقی سے وضو کیا پس بنیذ سے وضو کرنا بلا نزاع صحیح ہے مگر بعض اہل خواہش نے اپنی مرضی کے موافق اس کی تاویل کی ہے جس کو اس کی تحقیق منظور ہو وہ ہماری کتاب منائے المذہب میں ملاحظہ کرے اور زعیم بن بلعام کا قصہ بھی نہایت عجیب ہے اس نے یہ چاہا تھا کہ دریائے نیل کا منبع دریافت کرے اور چلنا شروع کیا یہاں تک کہ حضرت خضر سے اس کی ملاقات ہوئی اور خضر نے اس سے کہا کہ اب عنقریب تم ایسے اور ایسے مقام میں پہنچو گے چنانچہ زمین ایک پہاڑ کے پاس پہنچا جس میں ایک برج چار ستونوں پر کھڑا تھا اور دریائے نیل اس برج کے اندر سے آ رہا تھا اور اس پہاڑ میں ایسے میوے تھے جو کبھی خراب نہ ہوتے تھے زعیم کہتے ہیں پھر میں اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اس کی برٹی میں نے بڑے بڑے عالی شان محل اور باغ دیکھے اور کہتے ہیں میں ایک بوڑھا شخص تھا اور بال میرے سفید تھے پس ایک ہو اس طرف سے ایسی آئی کہ میرے تمام بال سیاہ ہو گئے اور میں نئے سرے سے جوان ہو گیا پھر اس باغ میں سے آواز آئی کہ اے زعیم یہاں ہمارے پاس آ جاؤ کیونکہ یہ متقیوں کا مقام ہے کہتے ہیں میں نے اس آواز پر جانے کا قصد کیا مگر خضر نے مجھ کو پکڑ لیا اور جانے نہ دیا۔

اور یہ حضور ﷺ کے اس فرمان کا راز ہے کہ سات نہریں جنت میں سے ہیں جیہون، اور سیون، اور دجلہ، اور فراط، اور نیل، اور ایک چشمہ برون میں اور مقد میں چشمہ سلوان، کیونکہ اسی سے زمزم کا پانی ہے۔

اور اس سے بھی تعجب خیز بلوقیا، اور غغان کا واقعہ ہر اور یہ بہت طول طویل واقعہ ہے ہم اس کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں، یہ دونوں سفر کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تابوت رکھا تھا پس اس کو دیکھتے ہی بلوقیہ نے دوڑ کر ہاتھ بڑھایا کہ حضرت سلیمان کے ہاتھ میں سے انگوٹھی اتار لے اور جو سانپ کہ اس انگوٹھی پر موکل تھا اس نے اس پر ایسی پھونک ماری کہ وہ جل کر راکھ ہو گیا غغان نے ایک قاروہ مار کر اس کو زندہ کیا اور اس نے تین بار اسی طرح کیا جب یہ ہاتھ بڑھائے تو سانپ پھونک مارے اور یہ جل کر راکھ ہو جائے یہاں تک کہ یہ چوٹھی مرتبہ بھی راکھ ہو گیا تب غغان وہاں سے یہ کہتا ہوا نکلا کہ شیطان نے

ہلاک کر دیا شیطان نے ہلاک کر دیا سانپ نے اس کو آواز دی اور کہا کہ تو یہاں آ اور تجربہ کرے یہ انگوٹھی سوا حضرت محمد ﷺ کے اور کسی کے ہاتھ میں نہ جاوے گی اور ان سے تو کہہ دیجو کہ فرشتوں نے تمہاری اور تم پہلے انبیاء کی فضیلت میں اختلاف کیا تھا پس خدا نے تم کو اور انبیاء پر اختیار کیا پھر عفان نے کہا کہ اس سانپ نے مجھ کو حکم کیا اور میں وہ انگوٹھی اتار کر لے آیا اور آپ کی نذر کی حضور ﷺ نے وہ انگوٹھی لیکر حضرت علی کو دی حضرت علی نے اس کو اپنی کن انگلیوں میں پہنا اسی وقت پرندہ جنات اور آدمی سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درمرباط جنی بھی آئی اس کا قصہ بہت طویل ہے پھر جب نماز کا وقت ہوا اور لوگ نماز میں مشغول ہوئے تو جبرئیل سائل کی صورت بن کر صف کے اندر چلے گئے لوگ اس وقت رکوع میں تھے اور حضرت علی نے انگوٹھی کی طرف اشارہ کیا وہ فوراً اڑ کر جبرئیل کے ہاتھ میں چلی گئی تمام فرشتوں میں حضرت علی کی اس سخاوت سے شور برپا ہو گیا اور جبرئیل نے آن کر مبارک باد دی اور کہا اہل بیت رسول خدا نے تم پر انعام کیا تم وہ لوگ ہو کہ خدا نے تم سے ناپاکی دور کر کے تم کو بالکل پاک کر دیا ہے حضور ﷺ نے حضرت علی کو دی انہوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہم اس دنیا کی فانی نعمت کو لیکر کیا کریں گے جس کے حلال کا حساب ہے اور حرام کا عذاب ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ اعتراض کر لے کہ پھر حضرت علی معاویہ سے دنیا کے واسطے کیوں لڑے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی معاویہ سے حق پر لڑے جو آپ کے واسطے تھا اور لیکن حکیم پس باطل اور غیر صحیح ہے کیونکہ حکیم موجود اور محدود اور معروف اور معلوم غیر مجہول پر ہوتی ہے یہ فقہ اور شرع ہے پھر تم جو کچھ چاہو اور کہو اگر اس معاملہ کی تفصیل دیکھنی ہو تو ہماری کتاب نسیم النسیم میں دیکھو اور قصص ذی القرنین کا دیکھنا بھی کافی ہے اور ابن ابی الدنیا کی کتاب ریاض الندیم بھی بہتر ہے اور کتاب ”الاقالیم“ ”اور کتاب“ ”مسالک“ ”والممالک“ اور کتاب ’مادری‘ سب اچھی ہیں اور اگر تم کو افلاک کی وسعت اور ایک کا دوسرے سے تفاوت معلوم کرنا ہو تو جانو کہ زمین کی وسعت کو کب ایک شب میں قطع کرتا ہے اور فلک ہوائی قمر ایک مہینہ میں قطع کرتا ہے پس دیکھ لو کہ ایک مہینہ اور ایک شب میں کیا فرق ہے پھر اس کے اوپر فلک زحل ہے جس کو چھبیس سال میں قطع کرتا ہے پھر اس کے اوپر کرسی اور عرش ہے اور یہ آٹھوں جنتوں کی سقف ہے جن میں سے ہر ایک جنت کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے پس تم اپنی دلیل کو اس مساق مذکور سے حاصل کرو اور تیری ناقص ہمت کو کیا ہو گیا ہے کہ کسی طرح بلند ہی نہیں ہوتی اور نہ تو اس کو سعادت کا لباس پہناتا ہے بلکہ تو اپنے نفس کی پرورش میں ہمہ تن مشغول ہے پس تو

اس شخص کی مثل ہے جو ایک گدھے کے عشق میں قافلہ سے پیچھے رہ گیا اور قزاقوں نے اس کو لوٹ لیا۔

یہ دنیا عالم خواب ہے اور انبیاء علیہ السلام اس خواب کی تعبیر دینے والے ہیں اور اس تعبیر کا راستہ و دروغ تم کو بیدار ہونے کے بعد معلوم ہوگا کیا تم نے یہ اشارہ نہیں سنا کہ لوگ سوتے ہیں پس جس وقت مریں گے تو بیدار ہونگے پھر جس وقت مرتے ہیں تو بیدار ہو جاتے ہیں اور دنیا میں تیری مثال ان دو بچوں کی سی ہے جو ایک پیٹ میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ اب ہم عنقریب یہاں سے نکل کر ایک دوسرے عالم میں پہنچیں گے اور جب یہ تولد ہو جاتا ہے اور دنیا کی کشادگی کو دیکھتا ہے تو کیا یہ اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ پھر ماں کے پیٹ کی تنگی میں واپس جائے ہرگز نہیں اور اسی طرح جب تو آخرت کی کشادگی کی طرف نکلے گا تو پھر تجھ کو دنیا کی طرف واپس ہونا ناخوش معلوم ہوگا اور تیرے مولا کے دروازے میں تیری مثال اس شخص کی سے ہے جو بادشاہی خدمت میں جانا چاہتا ہے اور وہ بھوکا ہے پھر اس نے بادشاہ کے دروازے پر کتا اور روٹیاں دیکھیں اور کتا اس کو اندر جانے سے روکتا ہے پس اگر اس شخص کی ہمت بلند ہے یہ روٹی کا خیال چھوڑ کر بادشاہی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور جس وقت کتا روٹی کھانے میں مصروف ہوتا ہے فوراً یہ شخص اندر داخل ہو جاتا ہے اور اگر اس کی ہمت اپنے پیٹ کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو یہ روٹی کھانے کی طرف سبقت کرتا ہے اور پھر کتا اس کو اندر داخل نہیں ہونے دیتا اور روٹی اس کے پیٹ میں متعفن ہو تو تجھ کو بادشاہ کی حضوری سے روکتا ہے پس تجھ کو لازم ہے کہ روٹی کتے کی طرف پھینک دے اور خود آرام سے بیٹھ کر اعلیٰ درجہ کے اعمال میں مصروف ہوتا کہ ان کا نیک بدلہ قیامت کے روز تم کو ملے اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے ایک جماعت ظلمات میں داخل ہوئی اور وہاں کے حال سے واقف شخص نے کہا یہاں کے کنکر پتھر لے لو تم کو فائدہ ہوگا پس جس شخص نے اس کی بات پر یقین کیا اس نے پتھر اٹھا لیے اور جس نے نہ کیا اس نے نہ اٹھائے یہاں تک کہ جب لوگ ظلمات سے باہر آئے اور ان کنکروں کو دیکھا تو سب کے سب جواہرات اور موتی تھے پس جنھوں نے لیے تھے وہ تو خوش ہوئے اور جنھوں نے نہیں لیے تھے وہ حسرت میں رہ گئے پس یہی صورت دنیا میں تیرے اعمال کی ہے کہ یا تو غفلت کر کے تو غلام ہو جائے گا اور یا عمل کرنے سے تجھ کو خدا کی طرف سے سلام ملے گا لازم ہے کہ تو اپنا تکبر چھوڑ دے اور کم کھانا اختیار کرے اور پیٹ کو پاک و صاف بنائے اور نیند سے آنکھوں کی حفاظت کرے امید ہے کہ جب تو ایسا کرے گا تو تیری برائی دور ہوگی اور تیرا دین

تیرا پورا ہوگا اور قیامت کے روز ہر ایک نعمت کا تم سے حساب لیا جائے گا کیا تم نے سنا کہ نبی ﷺ سے خدا نے ایک بار جو کی روٹی اور کھجوروں کے پیٹ بھر کر کھانے کا حساب لیا ہے اور ان کو تنبیہ کی ہے چنانچہ اس نے فرمایا ہے ”ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم“

فصل

(بلند ہمتی کے بیان میں)

معلوم ہو کہ ہمت والے کا اپنے دل کو حصول مقصد کے واسطے جمع کرنا اور خاص اس کی طرف متوجہ ہونا ہے اور ہمت والا اپنے حصول مقصد میں اغراض متفرقہ کا ارادہ نہیں کرتا ہے اور جو ایسا کرتا بھی ہے سو اس سے ایک کام کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

ہمتیں نفس کی شاخیں ہیں جس کا نفس بلند ہوتا ہے اس کی ہمت بھی بلند ہوتی ہے اور جس کا نفس پست ہوتا ہے اس کی ہمت بھی پست ہوتی ہے دیکھ رذیل لوگوں کی ہمتیں جیسے بھنگلی چمار وغیرہ ہیں ان کی حیثیت کے موافق ہوتی ہیں اور جو بات کہ ازل میں ان کے واسطے ہو مقدر ہو چکی اور ان کے خمیر میں پڑ چکی ہے اس سے تجاوز نہیں کرتی اور جبکہ تمہارا معشوق ملک ہے پس تم کو ہرگز خسیس اور ذلیل باتوں سے الفت نہ کرنی چاہیے کیونکہ ملک و سلطنت نامُ نسب پر موقوف نہیں ہے بلکہ بلند ہمتی پر موقوف ہے چنانچہ جو فیض کے سب سے پہلے نفس کلی سے صادر ہوا ہے وہ علماء اور بادشاہوں کی ہمتیں ہیں اور پھر جوں جوں فیض دور ہوتا گیا ہمتیں رذیل ہوتی گئیں جیسا کہ انسان کے بعد حیوانات رذالت میں ایک دوسرے سے بڑھتے چلے گئے ہیں اور ہر ایک نے اپنی ہمت کے موافق اپنا کھانا پینا اور طرز و روش پسند کیا ہے چنانچہ کوئی اناج و غلہ وغیرہ سے پیٹ بھرتا ہے اور کوئی گھاس کھاتا ہے اور کوئی نجاست پر قناعت کرتا ہے ذوالقرنین کے قصہ میں غور کرو کہ یہ ہیلانا کے بیٹے اور باپ ان کا جولا ہا تھا اپنی بلند ہمتی سے یہ سلطنت کے فکر میں مصروف ہوئے اور صنعت وغیرہ کے کاموں کو پسند نہ کیا اور ان جیسے دنیا میں بہت لوگ ہوئے ہیں اور متقدمین نے اپنی بلند ہمتی سے علم موسیقی ایجاد کیا ہے کہتے ہیں کہ اس کا الحان افلاک کی گردش کے الحان سے لیا گیا ہے کیونکہ گردش افلاک سے عجیب و غریب نغمے اور اوزان پیدا ہوتے ہیں اور موسیٰ و ادریس اور دیگر لوگوں سے منقول ہے کہ عود باچہ اس پرندہ کی

البتہ اس دن تم سے نعمتوں کی بابت سوال کیا جائے گا۔

شبیبہ بنایا گیا ہے جو پہاڑ میں معلق رہتا ہے اور اس کی ناک میں اس قدر سوراخ ہیں جیسے عود میں ہوتے ہیں اور یہ باتیں ہمت کی فروعات سے متعلق ہیں اور بغیر ہمت کے مقصد کا حاصل ہونا دشوار ہے علماء کے مقصد کا حاصل ہونا درس و تدریس کے مواظبت اور فاقہ و صبر کے ساتھ ہے اور سلطنت کے مقصد کا حاصل ہونا ان باتوں کے ساتھ ہے جو سلطنت کو جذب کریں اور اگر تم یہ کہو کہ یہ سب امور تقدیر سے متعلق ہیں جس کی تقدیر میں ہوتا ہے وہی پاتا ہے ورنہ ہزار کوشش کرے کچھ نہیں ہوتا بندہ کی پیشانی پر جو کچھ لکھا ہے وہ مٹ نہیں سکتا۔

بیشک یہ تمہاری بات سچی ہے کہ جو کچھ مقدر میں ہے وہی پیش آئے گا پس اس واسطے تم کو چاہیے کہ عزت کی تلاش میں جان و دولت کے ساتھ نہ مرو معاویہ کا قول تم نے سنا ہوگا کہتا ہے بلند کاموں کا ارادہ کرو تا کہ ان کو پاسکو دیکھو میں خلافت کے لائق نہ تھا مگر میں نے اس کی ہمت کی پس اس کو پالیا۔

ہم نے کتاب سطر خزائن الہدی میں ایک حکایت نقل کی ہے اور یہاں بھی اس کو بیان کرتے ہیں کہ کسی شہر کا بادشاہ مر گیا اس کے امیروں و وزیروں نے شہر کو اندر سے بند کر لیا اور کہا ہم اس شخص کو بادشاہ بنائیں گے جس کی کلائی میں چمکدار نور کی علامت ہو چنانچہ ایک فقیر ان کے پاس آیا اور اس کی کلائی میں نور کی دیسی نشانی تھی جو پہلے بادشاہ کی کلائی میں تھی وزیر نے اس فقیر کو خوب غور سے دیکھا اور اس کو اپنا بادشاہ بنا لیا پھر ایک روز وزیر اسی بادشاہ کے پاس عود قمار کی لکڑی کے برتن میں کچھ چیز رکھ کر لے گیا بادشاہ نے پوچھا کہ اے وزیر یہ لکڑی کہاں سے آئی ہے وزیر نے کہا حضور ایسی لکڑیاں کثرت کے ساتھ ہمارے دریا میں کہیں سے بہ کر آ جاتی ہیں بادشاہ نے کہا تم جلد اس بات کی تحقیق کرو کہ یہ لکڑیاں کہاں سے آتی ہیں ورنہ تم کو وزارت سے معزول کیا جائے گا وزیر اسی وقت کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہوا اور پھر ایک پہاڑ پر چڑھ کر اس کے پرلی طرف اتر اور دیکھا کہ بہت سے لوگ اس پہاڑ میں گوشہ نشین اور عبادت میں مصروف ہیں وزیر نے دریافت کیا کہ یہ لوگ کس واسطے اس قدر مجاہدہ دریافت کر رہے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ سب سلطنت کے طالب اور ایک سال کامل اس کے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں اور جوان میں سے ترقی کرتا ہے اس کی کلائی پر ایک نورانی داغ ہو جاتا ہے پس وہی سلطنت کا مستحق ہے وزیر اس حال کو دریافت کر کے بادشاہ کے پاس آیا اور سارا قصہ بیان کیا بادشاہ نے کہا اے وزیر کسی کو حقیر نہ مجھو ورنہ تو خود حقیر ہوگا بلکہ تجھ کو سفر اور عمل کرنا چاہیے تاکہ تیرا ذرا خیر کیا جائے پس یہ مجاہدہ کرنا اور بھوکے رہنا بلند ہمتی کی بات ہے پھر کہا کہ تو جوش اور خود کو دیکھ کر خوش نہ ہو جو

اس کے اندر لکڑیوں کے سے دل ہوتے ہیں اور خود تم نے اپنی آنکھ سے استقاء اور جادو اور کہانت میں بلند ہمتی کا کرشمہ دیکھ لیا ہوگا اور اگر تم کرامات کا ظاہر کرنا چاہو تو فاقہ اور علم اور خلوت اختیار کرو اسرار کائنات کی علامت تم پر مکشف ہوگی مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ مغرب میں ایسے لوگ ہیں جو مسلمان جنوں کو عزائم کے زور سے مسخر کر لیتے ہیں اور اس کے متعلق مفصل بیان ہم نے کتاب خزانہ سرالہدای میں کیا ہے اس میں تلاش کر کے حصول مقصد میں کوشش کرے۔

کتاب سر العالمین کا یہ حصہ ختم ہوا اور اب اس کے آگے دوسرا حصہ شروع ہوگا اور وہ بھی امام حجۃ الاسلام ابی حامد محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ کی تصنیف سے ہے۔

مقالہ ابن سیناء پر رد کے بیان میں

اور جب یہ خیال ابن سیناء کے دل میں سمایا بایں طور کہ اس نے کہا کہ شمس اور کل کو اکب جماد میں اور ان کا فیاض ہے نہایت شوق سے اس خیال کو اس نے مضبوط پکڑا اور بغیر برہان کے اس کا کلام ہرگز نہ چلا اور عقلی اور نقلی دلائل اس کے خلاف میں واضح طور سے موجود ہیں چنانچہ نقلی دلائل یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ^۱ "السم تر ان اللہ یسجدو له من فی السموت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال" اور خسوف قمر کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا ہے ^۲ "اللہم فرج عنہ" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمر اس وقت تنگی میں ہوتا ہے اور اس کے علم کو محسوس کرتا ہے اسی واسطے اس کے لئے کشادگی کی دعا فرمائی ہے۔

پھر ابن سیناء اس کی تعلیل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بیان شمس و قمر وغیرہ کے سجدہ کا ان سے زبان حال کے طور پر ہے اور یہ وجہ دلیل کی نہیں ہے کیونکہ سجدہ خلاف کلام کے ہے اور پہاڑ

۱ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا کو سب سجدہ کرتے ہیں اور جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور

چاند اور ستارے اور پہاڑ

۲ یعنی اے اللہ اس کی سختی کو کھول دے۔

کا سجدہ اس کا سایہ ہے۔

اور یہ آیت ”فالمدبرات امرأ“ نہیں فرمایا ہے فاعل اور مفعول میں فرق کے واسطے اور اگر مفعول ہوتا تو مذکر یا محل قابل اس کے واسطے نہ ہوتا پھر خداوند تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور فرمایا ہے ”والسماوات البروج“ بروج مقامات ہیں جس میں فاعل واقع ہوتا ہے نہ مفعول کیونکہ فاعل وہ معنی ہے جن سے ان کے مفعول کی توجیہ ہوتی ہے صحیح اخبار احاد میں وارد ہے کہ فرشتے سورج کو برف کے پہاڑوں میں کھینچتے ہیں اور اس کی تقدیس اور تجمید سنتے ہیں۔

اور اگر سورج جماد ہوتا تو خداوند تعالیٰ قرآن شریف میں اس قدر اس کی قسمیں نہ کھاتا اب ہم عقلی دلائل بیان کرتے ہیں ارباب نقل اور اہل نجوم کا اس بات پر اجماع ہے کہ شمس فلک کا حاجب ہے کیونکہ اس کی امر و نہی مشاہدہ کی جاتی ہے اور یہ ذات فلک میں انخریق کرنے والا ہے اور پھر کرہ سفلی پر بھی اس کی حکومت ہے اور ہر ایک عارف و عالم اس کے آثار و افعال کو مشاہدہ کرتا ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ جاہل ہے اور دلیل و برہان حقیقت خوف پر قطعی حکم لگا چکی ہے پس نقص ایک چیز کا متدل ہے اوپر جملہ کے اور جبکہ اعتراض واقعہ ہو روحانیات اور جسمانیات میں مجانبت کہاں رہی یہاں تک کہ وہ اپنی طبیعتوں سے اہل کون و فساد کے عالم میں اثر کریں پس جواب کو اس کے ارباب کے واسطے ظاہر کیا ہے اور دو اور اس کے پینے والے میں کیا مناسبت ہے جس کے سبب سے وہ تاثیر کرتی اور اسہال لاتی ہے کہتا ہے اس لئے کہ سب چار طبائع سے مرکب ہیں پس جواب صحیح ہوا کہ عناصر اصلیہ نے اثر کیا ہے حال میں بالکلیہ اور ایسے ہی نفس جو بدن سے خارج اور منفصل ہے اس کا نفس اس ہوا سے ماخوذ ہے جو دورہ فلاکیہ سے جرم متخلل کے ساتھ متصل تھی پس یہ نتیجہ دور کا ہے جیسا کہ سچھے کے ساتھ ہوا جھلی جاتی ہے پس اگر ہوا سچھے سے ہو تو یہ باطل ہے اور اگر تم سے ہو تو پھر جو چیز اس سے ہے وہ تمہارے ساتھ کیسے متصل ہو سکتی ہے بلکہ اس کے اندر رازیہ ہے کہ ٹھہری ہوتی ہے اور پنکھا اس کو ہلاتا اور جدا کر ہے اور جب ہوا تم سے جدا ہو کر ٹھنڈک پاتی ہے تو پھر اس کو تمہاری طرف پہنچاتی ہے اور اسی طرح کل مقامات اور حمام میں ہوتا ہے۔

پس جبکہ نسبت صحیح ہوئی تو بغض و محبت کا تصور ہوا جیسا کہ ایک قوم سے خیال کو قوی کیا پس وہ اس سے مخاطب ہوئے اور قرآن شریف سے اجسام روحانیہ کا مقابلہ مشاہدہ کیا گیا ہے اور برہان اس کی اہل خیر کے نزدیک موجود ہے اور اے مطلقاً تم یہ کہتے ہو کہ فلک اچھے اچھے

نعموں کے ساتھ تسبیح پڑھتا ہے پس کواکب تمہارے نزدیک فلک کی روح ہیں پھر جب کہ زندگی بدن کے اندر موجود ہوئی تو روح کے بطریق اولیٰ موجود ہونی چاہیے یہ تلویح کافی ہے جیسے کہ لطیف شربت خلط کے شروع میں عمل کرتا ہے اور جب خلط زیادہ ہوتی ہے دوا کی بھی زیادہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور پھر جب کہ دونوں عالموں کے درمیان میں نسبت کا سبب ہوا کے ساتھ صحیح ہوا تو عشق اور بغض اور امر و نہی اور وصل مالک سے واسطے مخلوک کے صحیح ہوا کیونکہ اعلیٰ جانب اسفل سے زیادہ کشادہ ہوتی ہے اور اعلیٰ جانب کے رہنے والے روحانی عالم اسفل کے حاکم ہیں کیونکہ بادشاہ کی نزدیکی کے سبب سے پہلے فیض نہیں کو پہنچتا ہے اور اس کے متعلق دفع دخل کے واسطے قرآن نے توضیح فرمائی ہے 'عند ملیک مقتدر' 'عند کالفظ تو قریب کا ہے اور اہل لغت اس عندیت کے معنی انتہاء عقولوں کے لیتے ہیں پس جب یہ بات تمہارے نزدیک صحیح طور سے ثابت ہو گئی تو اب تم کو اس عالم اعلیٰ کی تمنا کرنی چاہیے اور مشغلات فاسدہ کو ترک کر کے مجاہدہ کے ذریعہ سے ترقی کرو اور جب تک کہ تم اسی عالم اسی اسفل میں مقید ہو اپنے نفس کو کیسے عزت کی نظر سے دیکھ سکتے ہو پس تم کو لازم ہے کہ عالم بالا کی طرف توجہ کرو اور اپنی ہمت کے ساتھ جنم کے مرکب کو قطع کرو تا کہ روح اپنے عالم سے متصل ہو جائے بسبب اس قدیم عشق کے جو اس کے اندر موجود ہے۔

فصل

(زہد کے بیان میں)

کیونکہ لغت میں زہد کے معنی کسی چیز کے واسطے ترک کرنے کے ہیں اس نے تو آخرت کے واسطے زہد کیا اور ایک گروہ نے دنیا کے واسطے زہد کیا اور ایک گروہ نے نہ آخرت کے واسطے کیا نہ دنیا کے واسطے بلکہ ان دونوں کے مالک یعنی خداوند تعالیٰ کے واسطے زہد کرتے ہیں اور یہ تیسرا طریقہ نہایت سخت و دشوار ہے کیونکہ نفس آخرت کا بیان سن کر خوش ہوتا ہے اور راحت پاتا ہے اور جس نے سب کو ترک کیا وہ یہ بھی نہ جانا کہ کس چیز میں اس نے رغبت کی ہے پس وہ زینب ہو اور یہ مرض بالکلیہ ہے اس کی دوا ضرور چاہیے اور دوا اس کی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جب نفوس نے اس بات کو جان لیا کہ زمین پر جو چیز ہے ضرور وہ زائل ہونے والی ہے پس پاکیزہ نفوس نے ان پاکیزہ چیزوں کو اپنے اختیار سے بغیر کسی مجبوری کے ترک کر دیا اور

مجبوراً ترک کرنا ایسا ہے جیسے فقیر یا بوڑھا آدمی ایسے گناہوں کو ترک کر لے جن کو کرنے سے بچتا ہو اور یہ طلاق مکروہ سے مشابہ ہے اور جب عقلہ نے اس بات کی طرف نظر کی کہ جو عمر گزر گئی ہے اس میں کچھ مزانہ رہا اور جو باقی ہے اس کو دوام اور ہمیشگی نہیں ہے تب یہ لوگ بطریق منازعہ کلیہ کے ترک دنیا کی طرف رجوع ہوئے اور اس شخص کی مثل بن گئے جس نے دوا کی تلخی پر جلد صحت پانے کی امید میں صبر کیا اور اس کی اغراض فاسدہ مثل اس مقام کے ہیں جس کے اوپر دھواں محیط ہو اور اس کی اغراض فاسدہ مثل اس مکان کے ہیں جس کے اوپر دھواں محیط ہو اور اس کے اندر موذی جانور اور گز مڑہ بھری ہوئی ہوں پس اس کے مالک اس کی صفائی اور ستھرائی کرنے اور اس کے ضرور دور کرنے کی طرف متوجہ ہوئے چنانچہ آنکھ کا دھونا اور پاک کرنا اس کو جھکانے اور ادھر ادھر نہ ڈالنے اور رونے کے ساتھ ہے اور زبان کے اندر جو ناپاکی ہے اس کو ذکر اور استغفار اور ندامت اور اعتدار کے ساتھ دھونا اور پاک کرنا چاہیے اور جب کہ تم کو یہ بات معلوم ہے کہ لشکر بادشاہ کا مطیع حکم ہوتا ہے پس نفرت کے بعد فوراً ہی وہ واپس بھی آجاتا ہے مگر سارا خوف اور اندیشہ بادشاہ کی طرف سے ہے کیونکہ جب فساد اس کے اندر پیدا ہو جاتا ہے تو پھر رعیت کا ٹھکانا نہیں رہتا اس کی خرابی سے ساری رعیت خراب و برباد ہو جاتی ہے اور جب تک عقیدہ سالم ہے تو اعضاء کا علاج نہایت قریب اور سہل ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ابن آدم کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو بدن درست رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہوتا ہے تو سارا بدن فاسد رہتا ہے پس سب سے بڑا تمہارا زہد یہ ہے کہ جب تم اس بزرگ طریقہ میں قدم رکھو تو نفس طاہرہ اور جسم کے درمیان میں شہوتوں اور لذتوں کا ترک واقع کرو اور جب نفس ان کو اپنے معشوق کی خاطر ترک کر دے گا تو ان سے جدا ہو کر ان کی طرف سے صبر کرے گا اور اپنے معشوق سے جدا نہ ہو سکے گا اور اگر پہلے اس نے مجاہدہ و ریاضت کا کچھ شوق کیا ہے تب اس کی طرف میل کرنے سے طبائع اربعہ پر یہ نفس فوقیت لیجا کر اعلیٰ مرتبہ میں مقرب فرشتوں سے متصل ہوگا اور پاک لوگوں کی ہم نشینی کے ساتھ انوار قرب کے فیض سے مستغنیض ہوگا اور ان کی لذت اس کو کھانے پینے کی کل لذتوں سے افضل معلوم ہوگی جیسا کہ عاقل بادشاہ کی ہم نشینی اور قرب سے اپنا حصہ لیتا ہے اور عقلی لذتیں جو علم اور مطربات کے سننے سے حاصل ہوتی ہیں وہ کل و شرب کی لذتوں سے بدرجہا بڑھ کر ہوتی ہیں اور پھر انھیں انوار و فیوض و برکات کے ساتھ نفس نئی آسمان کو طے کر کے اس مقام انوار میں پہنچتا ہے جہاں نہ دن ہے نہ رات ہے کیونکہ دن رات کو خداوند تعالیٰ نے گردش فلک کے ساتھ

وابسطہ کیا ہے اور خیر و خیر کے قضیے انھیں پر مرتب ہوتے ہیں دوسرا فلک قمر کا مرکز ہے اور قمر اس ایک مہینہ کی مسافت میں قطع کرتا ہے جیسا کہ اول ایک شب و روز میں قطع کیا تھا اور اسی طرح چوتھا فلک شمس کا مرکز ہے جس کو شمس ایک سال میں قطع کرتا ہے اور پھر اسی طرح افلاک کو ان کے کوکب قطع کرتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں فلک کو زحل قطع کرتا ہے اور پھر اس کے اوپر آٹھواں اور نواں آسمان ہے اور اے غافل تو ادنیٰ اور تنگ ہی منزل میں منہمک ہو رہا ہے تجھ کو یہ خبر نہیں کہ اگر تو کوشش کرے تو یہ پاک روح تیری نویں آسمان جس کو اصطلاح شریعت میں کرسی کہتے ہیں فرشتوں کی ہم نشین ہو سکتی ہے اور وہ مقام عیوب اور امراض اور ہر ایک طرح کی علت اور زنا فعال سے بالکل پاک و منزہ ہے اور اس کا سبب ظاہر یہ ہے کہ ہم فنا کو دیکھتے ہیں کہ وہ سوا اس کرہ خاکی کے رہنے والوں کے اور کسی کے پاس نہیں جاتی ہے کیونکہ اسی کرہ میں رات اور دن کے احوال متغیر ہوتے ہیں اور پھر یہ برہاں بھی اس دعویٰ پر موجود ہے کہ نیرین اور کوکب باوجود دائرہ سفلی سے قریب ہونے کے باقی ہونے کے باقی ہیں پھر جو چیز کہ ان سے اوپر ہیں وہ تو اور بھی زیادہ قائم و دائم ہیں اور جب یہ بات جائز ہے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان میں میدان اور کشادگی و وسعت ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ نویں آسمان کے پرے بہت بڑی کشادگی اور وسعت ہے اور چونکہ انوار قدسیہ سے وہ مقام بہت نزدیک ہے اس سبب سے وہ بڑی بزرگی اور بخشش ہوتی ہے اور ارباب نقل کے نزدیک جب ایہ بات مسلم ہوئی کہ جرم بازی غیر جرم شمس ہے کیونکہ جرم ناری کے واسطے اعراض فاسدہ مثل دھوئیں وغیرہ کے ہونے کی ضرورت ہے پس وہ ارواح خبیثہ کا مسکن ہوا کیونکہ جب دنیا نے ان کو بھاری کر دیا ہے اور جب وہ محل اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کا قصد کرتی ہیں جب ہی عالم سفلی کا شوق ان پر غالب ہو کر ان کو نیچے دھکیل دیتا ہے اور یہی اس آیت کا مضمون ہے ”ولھامن اوتی کتابہ وراظہرہ“ اور جو روحیں جب دنیا سے پاک ہوتی ہیں وہ اپنے شوق کے ساتھ محل اعلیٰ میں ترقی کو جاتی ہیں اور یہی اس آیت کے معنی ہیں ”وامامن اوتی کتابہ بیمینہ“ پس سب ظلمتوں سے بڑھ کر نفس کی وہ ظلمتیں ہیں جن سے یہ تجاوز نہیں کر سکتا ہے اور اس کا وہ طائر ہے جس کو وہ چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتا۔

وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ۔

اور جبکہ یہ براہین صحیح ہو گئیں تو یہ بات ثابت ہوئی کہ وہاں ایک نعمتوں کا گھر ہے جس میں خدا نے اپنے دوستوں کے واسطے نور اور حور و تصور اور قطفوف دانیہ اور عرف عالیہ سے بے حد و نہایت مہیا کیا ہے پھر جو شخص یہ خیال کرے کہ وہ دارالقرار کا درہم اور دنیا کی محبت کے ساتھ

مالک ہوگا تو یہ خیال اس کا باطل ہے زہد کا سب سے بڑا درجہ نفس کا جسم کے اندر زہد کرنا ہے تاکہ اس کی ظلمتوں کو قطع کر کے اس کی لذتوں اور خواہشوں کو ترک کر لے اور اس کے اندر جو مصائب و شدائد اس کو درپیش ہوں ان سب کو گوارا کرنے پس جب وہ ان خواہشوں کو چھوڑ دے گا تب اس کے اندر نیک باتوں کے آنے کی گنجائش ہوگی چنانچہ سب سے پہلے مرید جن اخلاق ضمیمہ سے اپنے نفس کو پاک کر لے وہ یہ ہیں طمع تکبر بخل ریا اور حسد من اخلاق ناپاک کو نفس کے کتے اور درندے سانپ و بچھو سمجھا جائیے جب بندہ مر جاتا ہے تو یہ سب درندے اپنے اپنے بھٹوں اور بلوں سے نکل کر نفس کو تکلیف اور عذاب پہنچاتے ہیں اور جہل کو بڑا زدہا اور رسم قاتل سمجھنا چاہیے پس جب نفس ان اخلاق ضمیمہ سے پاک ہو کر اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہوتا ہو زہد کے ابتدائی درجہ میں پہنچتا ہے اور نور عقل کے بازو قوی ہوتے ہیں اور دریائے یقین میں یہ تیرنے لگتا ہے راستی کا قاصد اس کے دل سے غفلت کا پردہ اٹھا دیتا ہے پس دراصل روز آخرت کا یہی توشہ بھروسہ ہے اور نفس کو جس بات کی عادت ڈالو اسی سے اس کو الفت ہو جاتی ہے بلکہ اس کا عاشق و گردیدہ ہو جاتا ہے نفس کو طبائع اربع سے کیا نسبت کہ وہ ان کی طرف بالکل ہی مائل ہو جائے نفس سماوی ہے اور یہ ارضی ہیں جو الفت کے ان درمیان میں ہے یہ فقط ہم صحیحی کے سب سے ہے پھر جس وقت سوار اپنی سواری سے جدا ہوتا ہے تو سواری کو آرام ملتا ہے پس بدن روح کا مرکب یعنی سواری ہے اور اگر تم اس کو روح کا محبوب بناؤ گے تو پھر یہ روح کے ساتھ رہے گا اور کبھی اس سے جدا نہ ہوگا اور سکرات موت میں جو سختی روح کو درپیش ہوتی ہے وہ صرف بدن کے ساتھ اس کے عشق ہی کے سبب سے ہوتی ہے کیونکہ روح اس کے سوا کسی کو اپنا محبوب نہیں جانتی لہذا اس کی مفارقت روح کو گوارا نہیں ہوتی اور روح کا بدن سے اس درجہ عشق کرنا بالکل روح کی خطا ہے اور بادشاہ کا قرب ہر حال میں بہتر ہے پس تنہائی کی اشد ضرورت ہو تو اپنے اختیار سے اس کی عادت ڈالنی چاہیے دنیا میں زاہدوں کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ ان کے در پر حاضری دیا کریں جیسا کہ شارع علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ زاہدوں نے دنیا کی حرمت اور آخرت کی نعمت کے ساتھ کامیابی حاصل کی اگر تم شریعت کے قائل ہو تب تو تم کو طریق محمدی کا پابند ہونا چاہیے اور اگر تم اہل عقل کے طریق پر ہو تو افلاطون اور سقراط کا طریق اختیار کرو اور جبکہ تم کو یہ بات معلوم ہے کہ شہد کبھی کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اور بڑا قیمتی کپڑا جو حریر ہے کیڑے کے لگے ہوئے جالے سے بنتا ہے اور سب سے عمدہ پینے کی چیز دنیا میں پانی ہے اور پینے والے اس میں ایک طریقہ پر ہیں۔ پھر گھوڑا ہے اور سوار اس کا اور ہے پھر عورتیں ہیں ان

کے ساتھ جو مشقت اور تکلیفیں ہیں وہ ظاہر میں پھر چاندی اور سونا ہیں جو ایک قسم کے پتھر ہیں اگر کل بادشاہ ان کے مسوخ کرنے پر متفق ہو جائیں تو ان کی کچھ قیمت نارہے اور باوجود ان سب باتوں کے تم یہ سمجھتے ہو کہ ان ساتوں باتوں کے ترک کرنے سے تم کو زہد حاصل ہو جائے گا جو یہ ہیں: 'من النساء والنسب والقناطیر المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام والحرث' اور تم کو یہ خبر نہیں کہ سات چیزیں پوشیدہ تمہارے اندر گھسی ہوئی بیٹھی ہیں ان کو بھی نکال کر باہر کرنا چاہیے اور وہ یہ ہیں عجب تکبر بدگمانی، بخل، حسد، بغاوت حد سے زیادتی، پس ان باتوں میں زہد کرنا بہتر ہے دیکھو بزرگان سلف بڑے مالدار تھے مگر اپنے مال کو وہ راہ مستقیم میں خرچ کرتے تھے اور دل ان کے مال کی محبت سے پاک و صاف تھے بخلاف تمہارے کہ تم لوگوں کے دل مال کی محبت میں پھنسے ہوئے ہیں جیسا کہ ظاہری طہارت ظاہری آداب کے ساتھ ضروری ہے ایسے ہی قلب کی طہارت باطنی آداب کے ساتھ فرزند کے بڑے افسوس کی بات ہے کہ بظاہر تو تم پروردگار کی نماز پڑھتے ہو اور دل میں خواہشوں کے متعلق فکر کر رہے ہو حالانکہ اس بات کو بھی جانتے ہو کہ تمہارا دل خدا کا گھر ہے اور اس کی رحمت کا محل اور علم کا سرچشمہ اور ملائکہ کا جائے وقوع اور ذکر کی جگہ اور روح کا میل اور حکم کی لوح اور عقل کا آئینہ اور یقین کا چراغ ہے مگر یہ سب باتیں تم سے تخلیط اور غفلت کے سبب سے پوشیدہ ہیں اور تم ایمان کے نور سے اپنی طبیعت کے اندھیرے کی طرف گناہ کے پردے کے پیچھے واپس ہو گئے ہو اور اسی سبب سے یہ انوار تم پر پوشیدہ ہیں جیسا کہ بادل کا پردہ آفتاب کے رخ روشن کو پوشیدہ کر لیتا ہے اور مٹی پانی کے چہرہ کو چھپائے ہوئے ہے جب تم اس کو دور کرو گے تو اس تک پہنچ جاؤ گے اور الہام کے ذریعہ سے مخفی اور لدنی علوم تم پر منکشف ہونگے لوح جب کہ اوپر ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کے سوا وہ کسی بات کی گنجائش نہیں رکھتی تو پس تم اپنے دل کو آفات ذمہ سے دھو کر صاف کر لو تا کہ وہ علوم جو خدا و حصر سے باہر ہیں اس کے اندر منقش ہوں تم شرع کی رو سے اس بات کو جانتے ہو کہ گھر میں بچھونے پرکتے کی تصویر کے ہونے سے فرشتہ اندر نہیں آتا ہے پھر باوجود اس کے تم نے اپنے دل کے اندر سات کتے بلکہ زیادہ مثل حرص و غرور و بخل وغیرہ کے باندھ رکھے ہیں پھر جس شخص کے دل میں یہ آفات بھرے ہوئے ہوں اس بات کی آرزو کیسے کرتا ہے کہ نسیم قرب اس کے اوپر چلے کیونکہ یہ آفات قلب کے کتے ہیں جب نفس دنیا میں زہد اختیار کرنے سے عاجز ہو اور شہوتوں کی طرف مائل ہو جائے تو

اس نے اور چاندی اور عمدہ گھوڑوں اور عورتوں اور فرزندوں اور مویشی اور کھیتی سے۔

اس کو خطاب و سنت کے وعظ و نصائح سنا کر تنبیہ کرو اور اخلاق حمیدہ کی اس کو عادت ڈالو کیونکہ خیر سعادت ہے اور شر لجاجت ہے جو شخص یہ جانتا ہے کہ وہ آخرت کی طرف راستہ چل رہا ہے تو اس کے واسطے ضروری ہے کہ کچھ سامان بھی تیار کرے اگر تم نے دنیا کو طلاق دیدی تو بہتر ہے ورنہ پھر وہ خود تم کو طلاق دے دے گی اور تمہارے اور اس کے درمیان کا وصل فنا کی چھری سے کٹ جائے گا اور جب یہ طریق علم اخلاص کے ساتھ تمہارے واسطے درست ہو جائے تب تم ملائکہ مقربین کا حیات ابدی اور سری لذتوں میں اختیار کرو اور فردوس اعلیٰ میں بادشاہ بزرگ کے زیر سایہ اعتدال کی جگہ میں رہو کیونکہ وہاں رات و دن نہیں ہوتا اور گردش افلاک سے ایسے نغمے سنائی دیتے ہیں جن کی لذت و سرور سے ہوش و ہواش گم اور عقل زائل ہو جاتی ہے اور نفس اہل قدیم کے پڑوس میں اس عقل کے فعال کے پاس رہتا ہے جس کے پرلی طرف واسطہ عالم نفع ہے جو فیض الہی سے صادر ہوتا ہے پس کیسی خوشی اور مبارک باد ہے اس نفس کے لئے جو پاک اور پاکیزہ ہو گیا بے شک لوگ سوتے ہیں جب مریں گے تو اسی وقت بے دار ہونگے۔ کیونکہ اس وقت اجسام کثیفہ سے ان کی مفارقت ہوگی اور نیز نفس بدن کا خادم ہے اس کی اغراض حاصل کرنے کے واسطے اور وہ اس کا والی ہے پس جب وہ اس شہر کی حکومت سے معزول ہو جاتا ہے تب ہر چیز اپنے اصل محل کی طرف رجوع کرتی ہے اور جب معاد اور ارواح و اجساد کے جمع ہونے کا وقت آوے گا قیامت کبریٰ اپنے معجزات کو ظاہر کر کے مستحق ہو جائے گی اور دردناک عذاب آنکھ سے دیکھا جائے گا معاذ اللہ کے متعلق کچھ اختلاف نہیں ہے صرف اختلاف اس بات میں ہے کہ وہ ارواح کے واسطے ہے اجساد کے واسطے نہیں ہے اور یہ بات قبیل تعجیز سے ہے کیونکہ جس قدرت والے نے پہلے جسم کو پیدا کیا تھا وہی اس کو دوبارہ پیدا کرنے کا بھی قادر ہے اور بدن روح کی طاعت اور معصیت دونوں میں شریک حال ہے جیسا کہ ایک اندھا اور ایک ابا جمل کر کوئی جرم کریں تو اس کی سزا کے دونوں مستحق ہونگے یہ اشارہ سمجھنے والے کے واسطے کافی ہے اور جب کہ تم اس بات کو جانتے ہو کہ دنیا مثل تمہارے سایہ کے ہے اگر تم اس کو پکڑنا چاہو گے تو وہ تمہارے ہاتھ نہ آئے گی اور تم عاجز ہو گے اور اگر تم اس سے روگردان ہو کر چلے جاؤ گے تب وہ تمہارے پیچھے پیچھے ہوگی اور یہی حضور ﷺ نے اپنے پروردگار سے روایت فرمایا ہے کہ وہ فرماتا ہے اے دنیا جس نے میری خدمت کی ہے اس کی تو خدمت کیجیو اور جس نے تیری خدمت کی ہے اس سے تو خدمت لیجیو۔

اور جب تم نے جان لیا کہ دنیا کا یہ حال ہے اور اس کی نعمتیں ہمیشہ ایک قوم سے

دوسری قوم کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہیں اور آدمی اپنے آئندہ و گزشتہ کے متعلق کچھ فکر نہیں کرتا ہے کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا اور اگر کسی تکلیف سے اس کو راحت ملتی ہے تو اس تکلیف کو ہرگز یاد نہیں رکھتا اور جب روح جنتی ہوتی ہے تو موت کی تکلیف اس کو کچھ نہیں معلوم ہوتی۔

تم نہیں دیکھتے ہو کہ لوگ فانی ریاست کی تلاش میں کس طرح سے کوشش کرتے ہیں پس اسی طرح جو شخص دار بقاء کی قدر و قیمت کو جانتا ہے اس کے واسطے کیوں وہ کوشش نہ کرے گا حالانکہ دار البقاء کی وہ سلطنت ہے جو کبھی زائل نہیں ہوتی تم اس بات کو جان چکے ہو کہ زہد دنیا میں عزت اور آخرت میں نعمت اور بدن کی راحت اور لوگوں سے تو نگری اور خدائے کریم کے ساتھ مشغولی کا موجب ہے میں نے حتی الوسع خوب نصیحت کر دی ہے مگر تم لوگ نصیحت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے۔

فصل

روح کے بیان میں

چونکہ موت اور روح اور ان دونوں کے اسرار کے متعلق کلام کرنا ضروری تھا اس سبب سے پہلے روح کے متعلق گفتگو شروع کی گئی ایک طائفہ اپنے گمان میں یہ سمجھتا ہے کہ روح ارض ہے اور ایک طائفہ یہ کہتا ہے کہ وہ جسم لطیف ہے فنا کو قبول نہیں کرتی اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ روح ایک جوہر بسیط روحانی مدرک حساس ہے جسم سے منتقل اور جدا ہونے کے وقت علم و حکمت کی صورتیں اس کے اندر منقش ہو جاتی ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت نے روح کی نسبت گفتگو کرنی منع کر دی ہے کیونکہ فرمایا ہے کہ ”قل الروح من امر ربی“ یہ خیال ان لوگوں کا غلط ہے کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ شارع نے روح کے اندر خوض کرنے کو منع فرمایا ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ خود شارع علیہ السلام نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ جو تم میں سب سے زیادہ اپنے نفس کو جانتا ہے وہی سب سے زیادہ اپنے رب کو جانتا ہے۔

شارع علیہ السلام اگر کامل تھے تو بیشک انھوں نے روح کو جانا تھا اور اگر ناقص تھے تب ان کو مبعوث ہونا جائز نہیں اور صرف عوام الناس اور جہلاء کو خوض کرنے سے منع فرمایا ہے صحیح بات یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح عقلی و نقلی دلائل کی رو سے باقی رہتی ہے نقلی دلائل یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ”لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احياء عند

ربہم پر زقون فرحین بما اتاہم ۱ اور یہ حال ہے درست نہیں ہے کہ قدرت میں موت کے اندر تخصیص اور عموم ہو اور فرماتا ہے ۲ "النار یعرضون علیہا غدوا و عشیا" اور فرماتا ہے "رزقہم منہا بکرۃ و عشیا" تمثیل مخاطب کے سمجھانے کے واسطے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جنت میں رات دن نہ ہو لگے تو پھر صبح شام کہاں ہوگی اور حدیث میں وارد ہے کہ مومن کی روح جنت کے درختوں میں پھرے گی اور ان کے پھل کھاوے گی اور انکی نہروں کے پانی پیئے گی اور پھر عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قندیل میں جا کر آرام سے جا کر قیامت تک رہے گی

اور برہان عقلی یہ ہے کہ ہمیت کو اس کی صورت میں بالکل کامل دیکھتے ہیں موت سے کوئی نقص اس کے اندر پیدا نہیں ہوتا صرف حرکتیں اور نطق اور عقل اور کل وہ صفات جن سے انسان اور بہائم میں فرق معلوم ہوتا ہے جاتی رہتی ہیں پس موت روح اور جسم کے درمیان میں فاصلے سے عبارت ہے جب یہ جسم روح سے جدا ہوتا ہے تو روح اپنے عالم اول کی طرف رجوع کرتی ہے جس کو ہم عرش اور یہ لوگ یعنی فلسفی عقل فعل کہتے ہیں ساتھ اپنے گھر کو واپس ہوتی ہے اور اگر شوق اس کا محل سفلی کی طرف غالب ہوتا ہے تب وہ گناہوں کے بھاری بوجھ کے سبب سے اوپر کواڑ نہیں سکتی اور نہ نیک لوگوں میں جا کر شریک ہو سکتی ہے یہی بندہ کا بہت بڑا گناہ ہے اور اسی کے سبب اس کو دوزخ میں عذاب کیا جاتا ہے اور اس راز کو حضور ﷺ نے اس کلام میں ظاہر فرمایا ہے کہ نیک لوگوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں جنت کے اندر چرتی پھریں گی اور جب شوق جسم کی طرف غالب ہوگا تو روح اپنے گناہوں کے مواخذہ میں گرفتار ہوگی اور سب سے بڑا گناہ اس کا اپنے غیر جنس یعنی جسم سے محبت کرنا ہے اور جوں جوں جسم مضحک اور فنا ہوتا جاتا ہے اسی قدر روح کا اشتیاق بھی اس کی طرف کم ہوتا جاتا ہے اور دوسرا شوق یعنی بلند مکان کا قوی ہوتا جاتا ہے اور اسی سبب سے حضور ﷺ نے فرمایا ہے جس قدر دیر تک بندہ کا جسم قبر میں رہتا ہے اس کے گناہوں میں تخفیف ہوتی ہے اور دلیل اس معنی کی یہ ہے کہ اہل میت کے دل اس کے اشتیاق میں ہوتے ہیں اور جس وقت سے اس کا جسم قبر کے اندر مضحک ہونا شروع ہوتا ہے ان کے رنج و غم میں بھی کمی پڑ جاتی ہے اور یہی معنی کسی شاعر نے اس شعر میں نظم کیے ہیں

ان لوگوں کو مردہ نہ سمجھو جو راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس خوشحال ہیں۔

۱ دوزخ پر صبح و شام لائے جاتے ہیں۔

الى الحول تم اسم السلام عليكم
ومن .. حولا كما فقد اعتد

صرف راز جو ہے وہ اس روح کی وضع اور اس بدن کے ساتھ اس کی بلا بت میں ہے باطن اور ظاہر سے اور یہ جسم روح کا مرکب ہے تاکہ اس پر سوار ہو کر وہ ان علوم سے جو اس کی ذات میں مرتسم ہیں اپنے مقاصد کو حاصل کرے جب تم یہ چاہو کہ تمہارا نفس علوی اور رفیق اعلیٰ کی طرف راغب ہو پس تم اس کی صفات و سمیہ کو دور کرنا اور صفات حمیدہ کے ساتھ اس کو آراستہ کرنا شروع کرو مثلاً بخل کے بدلہ سخاوت اور کنجوسی کے بدلہ بخشش اور جہالت کے بدلہ علم اور انکار کے بدلہ معرفت اور شر کے بدلہ خیر حاصل کرو اور شبہ کے اندھیروں سے نکال کر نور جلال کی طرف اس کی رہنمائی کرو اور تکذیب سے تصدیق میں اور بظالت سے خدا کے ساتھ مشغولی میں اور تزکیہ نفس کے واسطے خلوت اختیار کرو۔

ان سب باتوں کے بجالانے سے تمہارا نفس ربانی قوی ہو کر درجہ کمال کو پہنچے گا اور اس وقت تم سے اعلیٰ علیین کی طرف منجذب ہونے میں جھگڑے گا اور تم اس وقت ملائکہ مقربین کے مرتبہ میں ہو گے اور عرش اور لوح کا جمال تمہارے سامنے ہو گا اور تم عقل فعل سے قوت الہی اور فیض الہی حاصل کرو گے اور اپنے جسم اور نفس کے درمیان میں قطع شہوت اور ہلاک لذت کے ساتھ ڈال لو گے پس جسم کے اندر نفس کا زہد پیدا ہو گا اور جسم سے جدا ہونے کی خواہش ظاہر ہوگی تاکہ دار ابدی میں لذت سرمدی حاصل ہو اور اگر نفس پر جسم کا عشق غالب ہو اتب نفس جسم سے جدا ہونا نہ چاہے گا اور نہ اس کو اوپر کی طرف ترقی کرنے دے گا "ان الذین کذبوا بایاتنا واستکبروا عنها لا تفتح لہم ابواب السماء ولا یدخلون الجنة حتی یلج الحمی فی سم الخیاط" اے پس جب اس بات پر برہان قائم ہو گئی کہ پاک روح اعلیٰ محل کی طرف ترقی کرتی ہے اور اپنے اختیار کے ساتھ آزاد ہوتی ہے بخلاف فلاسفہ اور اپنے لوگوں کے پاس آتی جاتی اور اپنے انبار جنس سے ملاقات کرتی ہے اور ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ روہیں ایک دوسری کے پاس آتی جاتی ہیں اور نئی آئے والی روح سے دنیا کے حالات دریافت کرتی ہیں وہ ان سے بیان کرتی ہیں اور فرمایا ہے کہ بعض روہیں گونگی ہوتی ہیں بول نہیں سکتیں اور یہ ان لوگوں کی روہیں ہیں جو بغیر وصیت کیے مر گئے ہیں

ابیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ تکبر کیا ان کے واسطے آسمان کے دروازے نہ کھلیں گے اور نہ وہ لوگ جنت میں داخل ہو گئے یہاں تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے نکل جائے۔

اور وجہ شرعی کے موافق پس روحمیں جو صورت چاہیں پرندے وغیرہ کی اختیار کر سکتی ہیں ان فرشتوں پر قیاس کر کے جو انسانوں کی صورت بن کر پیغمبروں کے پاس آئے ہیں پس قرب ملائکہ سے ان کے استقرار کے سبب محل سے انہوں نے اس چیز کی استمداد لی ہے جو جوہر خاصیت اکتساب ملائکہ سے انہوں نے کسب کیا ہے پس اگر طبعاً ہے تو وہ انہیں کی مثل ہے اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے باوجود اپنے علم اور فہم کثیر اور مشکوٰۃ انوار نبوت سے قریب ہونے کے فرمایا ہے اور حالانکہ آپ چراغ ہدایت کی پتی اور زیتون ابراہیمی کے روغن تھے کس طرح مصطفیٰ کے در پر کھڑے رہے پھر انہوں نے ان سے جو کچھ شکایت حال کہنا تھی وہ کہی۔

اور بے شک قبر حبت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یادوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اور خاصیت مثل اتصال شمع کے ہے ساتھ مسموع کے اور نظر کے ساتھ منظور کے۔

الغرض کوئی نفس خواہ نیک ہو یا بد ہو موت اس کے واسطے راحت ہے اور خوف صرف روح کے جسم سے مفارقت کرنے کا ہوتا ہے اور موت کی مثال نشہ کی سی ہے پھر جب روح بدن سے نکل جاتی ہے تو اس کا خوف واپس آ جاتا ہے اور بھاری بوجھ اس پر سے دور ہو کر صفت کمال کی طرف روح رجوع کرتی ہے اور جو علوم یا اعمال اس نے کسب کیے تھے وہ سب اس کو یاد آ جاتے ہیں اور اسی سبب سے اشارہ کیا ہے کہ لوگ (دنیا میں) سوتے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہونگے بہر حال موت اہل عقل کے نزدیک بندہ کے واسطے زندگی سے بہتر ہے کیونکہ اس میں رب العالمین سے نزدیک رہنا ہوتا ہے۔

فصل

موت کے بیان میں

اور جبکہ موت سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑھ کر حادثہ ہے کیونکہ اس سے زیادہ اور کوئی ہولناک بات مخلوق نے نہیں دیکھی ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہے کیونکہ برہان اس کی اجماع اور تصدیق ہے اور اسی شخص سے تعجب ہے جو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اور پھر دوسرے سے دلیل مانگتا ہے اور یہی قیامت صغریٰ ہے یعنی جب زندگی کا آفتاب جاوے

اور صفات کے ستارے جھڑپڑیں اور معافی کی اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جہل کے وحشی جانور عقل کی چراگاہ میں جمع ہو جائیں اور عافیت کے دریا بیماریوں کی آگ سے پاٹ دیے جائیں اور صاف نفوس کے دریا بیماریوں کی آگ سے پاٹ دیے جائیں اور صاف نفوس کے علم سے اور غیر صاف کے ظلم سے شادی کی جائے اور دیوان تظر کے سامنے اعمال نامے پیش کیے جائیں اور سرکشی کا دوزخ ظاہر کیا جائے اور ایمان کی جنت آراستہ کی جائے پس اس وقت ہر نفس جان لے گا کہ اس نے توحید سے کیا آگے بھیجا اور اس نشا کی سختی سے آسمان نفس انتشار کو اکب عقل کے ساتھ پھٹ جاتا ہے اور بندہ دو منزلوں کے درمیان رہتا ہے کیونکہ اگرچہ اس سے دنیا کے وسوسے اور خیالات منقطع ہو گئے مگر آخرت کے اسرار پر منکشف نہیں ہوئے یہاں تک کہ جب اس نے فرشتے کی صورت دیکھی اس کا نفس اپنے مقناطیس کی تلاش میں اڑا کیونکہ اس میں یہی خاصیت ہے کہ جو اس کی صورت دیکھتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے یہ بات ایسی نہیں کہ کوئی شخص اس کا انکار کر سکے کیونکہ بعض سانپ اس قسم کے ہوتے ہیں جب کوئی شخص ان کی طرف نظر کرتا ہے تو فوراً مر جاتا ہے اور فرقہ دہریہ کے لوگ اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں یہ بات کیسے ہو سکتی ہے کہ ایک فرشتہ آسمان میں رہتا ہے اور زمین والوں کی رو میں قبض کرتا ہے۔ معتبر لوگوں نے بیان کیا اور دیکھا کہ ایک شخص نے سانپ کو مارا سانپ نے اس کے کاٹا اور وہ شخص اسی وقت مر گیا اور سانپوں کی ایک قسم ایسی ہے غرض یہ کہ خواص بہت ہیں جن کا یہ مختصر بیان کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں قبض روح کس طرح ہوتی ہے حالانکہ بندہ اپنے روح کے قبض کرنے والے کو نہیں دیکھتا ہے اور عقل کی آنکھ سے بار بار دیکھا گیا ہے۔ کہ جب لوگ سوتے ہیں اور خواب دیکھتے ہیں تو اس کا حال اس کے پاس والے کو بھی معلوم نہیں ہوتا ہے چاہے وہ سوتا ہو یا جاگتا ہو اور خواب ان کے نزدیک ایک عرض ہے جو کل عروق میں حلول کرتی ہے اور حرارت یا بروقت کے ساتھ خشک ہو جاتی ہے انفاس متحرکہ کی خاموشی کے ساتھ پھر جب وہ بخار جو لحم صنوبری یعنی دل سے اٹھتا ہے اور خون سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے پرلی طرف لطیفہ آہیہ ہے جس کے آگے یہ بخار مثل پردہ کے ہے اور یہ بات بھی قابل انکار نہیں ہے کہ وہ نفس موسیٰ اور روحانی ہے پس حرکت اور سکون اس کے اندر ومویت کی وجہ سے ہے اور علم اور حقائق معلومات کے درمیان میں فرق صفات روحانیت سے ہے اور عقل یہی اس کے انوار میں سے ایک نور اور اس کے زیوروں میں سے ایک زیور ہے پھر جب نفس تمام بدن سے جمع ہو برگوں کے سور میں پھینکتا ہے تو لطیفہ عرش قلب کے نزدیک جمع ہو کر حلقوم سے نکلتا ہے اور پوشیدگی کے ساتھ منجذب ہو جاتا ہے

کہتے ہیں کہ روح اگر جوہر بسیط یا جسم لطیف ہوتی تو آنکھ اس کو ضرور دیکھتی اور یہ غیر ممکن ہے کیونکہ دیکھنے والی روح اس جسم خاکی اور ناجاہیہ طینی کے اندر اس کو مشاہدہ نہیں کر سکتی ہے کیونکہ یہ اپنی غیر جنس کے ساتھ مجبوب ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے گھر میں بیٹھا ہوا آدمی نہیں دیکھ سکتا ہے کہ دیوار کے پیچھے کون ہے اور جب یہ روح بدن سے نکل کر اہل قرب و یقین کے مقام میں پہنچتی ہے تو اس کی علمی قیمت قوت اور اعمال کے موافق ملاء اعلیٰ کا مشاہدہ اس کو میسر ہوتا ہے اسی واسطے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اپنی میت کے سامنے قرآن پڑھا کرو کیونکہ قرآن کی خوش الحانی اور اس کی معانی کے سننے سے موت کی سختی آسان ہوتی ہے اور جیسا کہ گانا سننے سے اونٹ باسانی منزل طے کرتا ہے اسی طرح قرآن سننے سے دنیاوی دوسو سے دل سے منقطع ہو کر قلب خدا کی طرف مشغول ہوتا ہے اور سکرات موت اس پر آسان ہو جاتے ہیں اور وہ غم کے دریاؤں میں غوطہ کھانے لگتا ہے یہاں تک کہ سر الہی پر اس پر منکشف ہوتے ہیں پھر اس کے بعد روح جسم سے نکل کر ہر ایک رگ و پے سے صاف ہوتی ہے اور اس مصیبت سخت سے نجات پا کر آباد کرتی ہے اور نجات پانے کی مبارک باد اس طرح اس کو سنائی جاتی ہے

۱ "الذین تتوفہم المملکة طیبین یقولون سلام علیکم اذخلوا الجنة بما کنتم تعملون" یہ خطاب اس شخص کے واسطے ہے جس نے اپنے نفس کو پاک و صاف کیا ہے اور دنیا کے تعلقات کو ترک کر کے جہالت کے اندھیرے سے بالکل باہر نکل آیا ہے اور صرف ایک طرف اپنے خیال کو متوجہ رکھا ہے پس یہ نفس جو کچھ دیکھتا ہے وہ اس طرح دیکھتا ہے جیسے سونے والا خواب میں دیکھتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ سونے والے کی حالت جاگ اٹھنے سے جاتی رہتی ہے اور اس نفس کی حالت ہمیشہ اسی طرح قائم و دائم رہتی ہے اور جس قدر نفس کے اندر علم کی قوت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر نعمتوں میں اس کا حصہ زیادہ ہوتا ہے

۲ "قل هل یتوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون" پھر اس کے بعد معاد باقی رہتی ہے پس انھیں کے پاس ارواح صافیہ کا عقل فعل کے پاس رہنے کے واسطے اور ہر چیز کے اپنے عنصر کی طرف عود کرنے کے واسطے محشر ہے اور نفس اپنی پاکیزگی کو وطن کی طرف ہونے کے وقت پاتا ہے تم نے نہیں دیکھا کہ مسافر کا دل ہمیشہ اپنے وطن کے شوق میں لگا رہتا ہے اور اگر یہ اوہ لوگ جن کے پاس فرشتے اخوت کرتے ہیں اور کہتے ہیں تم پر سلامتی ہے اپنے عملوں کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔

۳ کبھد و کیا وہ لوگ برابر ہیں جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ہیں۔

تخص مسافر فقیر ہوتا ہے تو دنیا کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کا فکر اس کو وطن کی محبت کے یاد دلانے سے باز رکھتی ہیں اور دنیا کا عنقریب زائل ہونا ایک بدیہی بات ہے اس کے واسطے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اپنے نشینوں کو روز یہاں سے سفر کرتے ہوتے دیکھتے ہیں۔

پھر تم کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ جو علم تمہارے کام آئے گا اور قبر میں تمہارے ساتھ جائے گا وہ کون سا علم ہے یہ بیع و سلم اور فرائض کا ہے یا احکام نکاح و طلاق یا مسائل جنایات کا علم ہی نہیں ان علموں کو شارع علیہ السلام نے انتظام و سیاست کے واسطے قائم کیا ہے ورنہ قبر میں نفع دینے والا علم وہ ہے جو نفس کی ذات میں مرسم اور منتقش ہو گیا ہے۔ جس وقت بندہ کو قبر میں رکھتے ہیں خدا نخواستہ یہ بندہ گناہ گار ہے تو اس پر انتقام کے افعے (سانپ) نکل پڑتے ہیں اور اس کی جہالت کی صورتیں اس کے افعال ناشائستہ کے سبب سے ان کو حرکت دیتے ہیں اور ندامت کے بچھو اس کو کا ثنا شروع کرتے ہیں اور اپنی ذلت کے واسطے یہ روتا ہے اپنے جسم کو یاد کر کے نہیں روتا اور وہیں یہ عقل کی میزان اور علم کی مثال کو دیکھتا ہے اور وہ میزان عقل ہوتی ہے لکڑی کی نہیں ہوتی اور اس کو اس دلیل سے سمجھنا چاہیے کہ اندھے کے پاس اگر کوئی چیز وزن کی جائے تو وہ اس کو نہیں دیکھ سکتا کا ہے کیونکہ اس کے پاس دیکھنے کا آلہ ہی ندارد ہے اور نظر ایک واسطہ ہے جو مشاہدہ کو قلب کی طرف منتقل کرتا ہے اور قلب فکر کے طریق پر صورتوں کو روح کی ذات میں جو نفس لطیفہ الہیہ ہے مرسم کرتا ہے اور مقاصد ربانیہ کے موجود نہ ہونے کے وقت شارع علیہ السلام نے جاہل کے حق میں لوگوں سے فرمایا ہے کہ اس کے واسطے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے تیری صفات مرمومہ ہی کی آفتیں جب قبر کی تنگی میں تجھ پر ظاہر ہوں گی تو منکر و نکیر وغیرہ سے تجھ کو کافی ہوں گی اور اگر تیرے اوصاف ان مذمتوں سے پاک اور اوصاف حمیدہ سے آراستہ ہیں تو یقین صاف ہو کہ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ بن جائے گی اور اس کے حاصل کردہ علم توحید کے نور کے ساتھ عقل کا آفتاب چمکے گا اور یہی علم آخرت میں نفع دینے والا ہے ”نور ہم سعی بین ایدیہم“ قیامت صغریٰ یعنی موت کے بیان میں یہ فعل کافی ہے اس شخص کے واسطے جو اہل یقین میں سے کلام کو سمجھتا ہو ان لوگوں کے واسطے ایسے درجے ہیں جو نور عقل اور صفاء علم ہی سے ادراک کیے جاتے ہیں پس موت اس جدائی سے عبارت ہے جو بدن اور روح کے درمیان میں واقع ہوتی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ فکر اور وہم نفس کی ذات کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں دماغ

کے اگلے حصہ میں ہیں پس جب روح اس کو معدوم کرتی ہے تو عالم ہو جاتی ہے اور غذا اس کی وہ معلوم ہوتے ہیں جو اس کے پاس ہیں اگر یہ روح جاہل ہوتی ہے تب نہایت رنج و غم کے ساتھ کہتی ہے "یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ" اور شرح شریف اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ روح گناہ اور صواب کی باتوں کو سمجھتی ہے اور اگر وہ گناہ گار ہے تو گناہوں کی قید میں اس طرح گرفتار ہوتی ہے جیسے اندھا آدمی چوراہے میں پھنس جاتا ہے نہیں جانتا کہ اس کے مقصد کا کونسا راستہ ہے پس اسی طرح یہ روح قبر کی دیواروں میں ٹکراتی پھرتی ہے اور اگر یہ روح گناہوں سے پاک ہے تب یہ انبیاء کرام کے مقام میں ترقی کر جائے گی۔

معلوم ہو کہ سعادت اور شقاوت کی اصل دنیا کی محبت اور اس کا بغض ہے پس جو شخص چاہے اس کی محبت کمتر کرے اور جس کا جی چاہے اس کو بڑھائے۔

فصل

(قیامت صغریٰ اور کبریٰ کے بیان میں)

اما بعد پس تم موت سے بہت بڑے خطرہ میں ہو اور راز اس کا روح والوں میں زیادہ تر ہے اور پھر اسکے باوجود متعلق اختلاف کیا ہے۔ گرم ٹھنڈے اور تری خشک مرض کے پیش آنے میں جو فساد صورت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ دو قیامتوں کا متضمن ہے ایک صغریٰ اور ایک کبریٰ پر کبریٰ کے احوال اور خوفناک باتیں تو تم کو معلوم ہیں مگر ہم اب تم سے صغریٰ کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ تم کو اسرار اور معانی قرآن کا علم ہو جب تمہارے عقل کا سورج لپٹ جائے گا اور تمہارے حواس کے ستارے جھڑ پڑیں گے اور تمہارے ذہن کی اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور تمہارے جہل کے وحشی جانور جمع ہونگے اور تمہارے علم و عمل سے تمہاری شادی ہو جائیگی اور تم کو اپنے اندرون کی خباثت معلوم ہوگی اور تم ملامت کے ساتھ اس پر افسوس کرو گے پھر تمہارے حواس اور عروق کے صحائف یعنی اعمال نامے پیش کیے جائیں گے اور تمہاری بلندی کا آسمان گر پڑے گا اور تم عدم سے جا ملو گے اور اگر تم سے علم کا توشہ لینا فوت ہو جائے گا تب اپنے نفس کو تمہارے ملامت کرنے کی دوزخ مشتعل ہوگی اور اگر تیرا نفس کامل اور پاک ہو اور ذلیل و ذلیل اخلاق سے محفوظ رہا تب جمال قدسی اپنا حسن آراستہ کرے گا اور تیری جہالت کا آسمان

اے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے پاس خدا کے ملحوظ رکھنے میں نہیں کی۔

تیرے عقل کے نور سے پھٹ جائے گا اور تیرے جسم کی حساسیت تیرے طمع کے ستارے بکھر جائیں گے پھر جب نفس اپنے علوم کاملہ عقلیہ شاملہ کے ساتھ خالص ہوگا تب عالم علوی سے نفس کے اپنے مقام کی طرف واپسی ہونے اور علم سے جگہ پکڑنے کے ساتھ فیض الہی کے دریا عالم علوی سے اس کے اوپر جاری ہونگے اور تیرے جسم کے پہاڑ اڑتے پھریں گے اور عدم بطریق تحلیل تیرے تمام اجزاء میں سرایت کرے گا اور تیرے افعال منکر و نکیر کی صورت بن کر تیرے سامنے آویں گے اور تیرے جہل اور ندامت کے سانپ بچھو تجھے کاٹیں گے۔

شارع علیہ السلام نے تم سے تمہاری عقل کے موافق گفتگو کی ہے اور جب کہ تم سلامت نہ رہے اور دوسرا سلامت رہا تو اس سے اسی کو کیا فائدہ ہے اور جس وقت تمہارے عقل کے صور میں پھونکا جائے گا اس وقت تمہاری کیا قدر رہے گی جب میعاد ارواح میں واپس آؤ گے تو اپنے جہل کے نشہ میں ہو گے قرآن شریف کے عکس کو دیکھو کہ پہلے تمہارے سامنے مثل کا خیال قائم کر کے پھر اس کا عکس کیا ہے۔ "وتسرى الناس سكارى وما هم بسكارى" صراط ہی راستہ ہے پھر جب نفس طریق کمال کے ساتھ نکالا جائے گا تو اس کی عقل کا نور اس کے آگے ہوگا اور اس کے عمل کا شرف اس کے دائیں طرف ہوگا اور یہ ہونا تقریب کے طور پر کیونکہ عند اور این اور کیف کا دخول مکان پر ہوتا ہے اور یہ روح اپنے مرکب سے جدا ہو کر ایسے عالم میں پہنچ گئی ہے اور کیف اور این سے منزہ ہے یہ سب عقل فعال کے پڑوس میں ہونے کے جس کو ہم عرش کہتے ہیں کیونکہ وہ کل کائنات پر محیط ہے جب تم اپنے نشہ پر یہ راستہ پیش کرو گے اور حالت تفریط کو اس کے سامنے کھول دو گے تو حق کا راستہ اس کے سامنے قائم ہوگا اور علم کی میزان کھڑی ہوگی اور قرب کے حوض پر وارد ہو کر ملا اعلیٰ سے ملاقات کرے گا خداوند تعالیٰ سے بہت نزدیک ہوگا اور اس روح کو قرب الہی کے سبب سے کھانے پینے کی کچھ پرواہ نہ رہے گی اور بلندی اور بزرگ منزل میں فیض الہی اس کے علم اور توحید و معرفت کے موافق اس پر جاری ہوگا جسم مجاہدہ کے ساتھ صاف ہوتے ہیں اور عقل علم کی ریاضت کے ساتھ صاف ہوتی ہے اور یقین تصدیق کے ساتھ صاف ہوتا ہے اور دل کشف کے ساتھ صاف ہوتے ہیں اور صاف عقلیں غفلت کا پردہ اٹھنے کے ساتھ صاف ہوتی ہیں۔

نفوس کو دنیا فانی کی محبت سے پاک کرو اور طبائع کی کدورت سے ان کو خالص کر لو اور انبیاء علماء کے اخلاق کے ساتھ ان کو آراستہ کرو اس طریقہ سے یہ اس فانی کھانے پینے کی

اور تم لوگوں کو نشہ میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہونگے۔

تیزوں اور ذلیل حالت سے مستغنی ہوں گے اور علم کی جنتوں سے جو بلند اور بالا مقام خدائے کریم کے زیر سایہ ہے خوبصورت حوریں غیر کی طرف نظر نہ کرنے والیاں ان کے سامنے طاہر ہوگی معافی کی حور سے بڑھ کر اور کون سی حور اجسام حروف کے محل کے اندر ہے فکر کی پنڈلی تیرے سامنے کھولتی ہے جس کو دیکھ کر کوئی جنت کے میووں اور انگوروں اور نو جوان حوروں کی طرف مائل نہ ہوگا اور نہ جہالت کے مرتبوں سے قاصر رہنے کے برابر تصور ہیں اللہ تعالیٰ ناتا ہے میں نے اپنے بندوں کے واسطے اپنی جنت میں وہ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا۔

اور معلوم ہو کہ انگور، کھجور، انار، سونا، چاندی، حوریں، محل، اور نہریں درخت، یہ سب الفاظ سمجھانے کے واسطے مرکب کیے گئے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں وارد ہے ﴿فسی صدر مخضود و طلح منضود و ظل ممدود و ماء مسکوب﴾ ورنہ صحابہ کرام میں سے خاص خاص لوگ عام لوگوں کے طور سے ان الفاظ کو نہ سمجھتے تھے بلکہ معرفت الہی میں ان میں سے ایک کا یہ بیان ہے ^۱ "سبحان من لا سبیل الی معرفتہ الا بالعجز عن معرفتہ" دوسرے فرماتے ہیں ^۲ ان کشف العطاء ماذدت یقینا "ایک قاری نے یہ آیت پڑھی ^۳ "جنات تجری من تحتہ الانهار" حضرت بی بی رابعہ نے فرمایا مشتاق ملاقات کھانے پینے کو لے کر کیا کرے گا بیشک بادشاہوں کے پاس رہنے میں باورچیوں کی ضرورت نہیں رہتی ہے مگر یہ خطاب خاص بھی ہے اور عام بھی ہے اور وہ ہر نفس کے واسطے بعض اجرام میں جو کچھ کوئی تمنا کرے اسی کی شکل بنتا ہے کیونکہ وہ معافی ہیں جو نفوس کے اندر ^۴ منقش ہوتے ہیں مثلاً کسی شخص کو دن کے تئیں کوئی خیال آیا اور رات کو اس نے خواب میں اس خیال کو دیکھا اور جب پاک اور علم والے نفوس نعمتوں میں ہونگے تو اور نفوس کی بدبختی سے ان کو نقصان نہ پہنچے گا پھر جب قیامت صغریٰ یعنی موت کی قیامت قائم ہوگی تو اس میں تم کو قیامت کبریٰ کے حالات کی خبر ہو جائے گی مگر فرق یہ ہے کہ قیامت کبریٰ میں کل کام اعلان کے ساتھ ہونگے سب کے سامنے حساب لیا جائے گا اور منہ پر مہر لگے گی اور ہاتھ پیر گواہی دیں گے اس علم و عمل اے کاٹنے کی بیروٹیوں اور ارے ہوئے کیلوں اور لمبے لمبے سایوں اور پانی کی جھرنوں میں جنتی لوگ ہوں گے ^۵ پاکی ہے اس ذات کو جس کی معرفت کی طرف راستہ نہیں ہے مگر اس کی معرفت سے عاجز ہونے کے ساتھ۔ ^۶ اگر پردہ کھول دیا جائے تو میرا یقین کچھ زیادہ نہ ہو یعنی مجھ کو پہلے ہی یقین کا کمال حاصل ہے۔ ^۷ باغ جن کے نیچے نہریں بنتی ہیں۔

کی جو حاصل کیا ہے اور فاسق کو جو عذاب کیا جائے گا وہ اپنے جہل کے ساتھ خارج ہے جب دنیا نے اپنے طالبان ازت کو بندر اور خنزیر کی صورت میں مسخ کر دیا ہے کیا بات ہے کہ تم نہیں سمجھتے نہ آدم عقل سے بڑا ہے نہ خواہش سے بڑھ کر شیطان ہے اور نہ جہل سے زیادہ قاتل کوئی زہر ہے جو شخص اس مضمون میں غور کرے گا وہ اس کو سمجھ لے گا "قل هل ننبکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیہم فی الحیاة الدنیا وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا" کیا تم نے اسرار قرآن میں نظر نہیں کی؟^۲ "وانزلنا علیہم الکتاب والمیزان" کہ یہ میزان دو پلڑوں والی ہے مگر جب تم صحیح علم کے ساتھ اخذ و جمع کرو گے تو اس سے وہی میزان عقل مراد ہوگی جس کے سبب سے تم کو ہلاک ہونے والے اور نجاست پانے والے کا حال معلوم ہو سکتا ہے اور جب تم سے علوم عقلیہ الہیہ کے مقاصد فوت ہو گئے تب تم اپنی جہالت کی ہتھیلی بڑے ندامت کے ساتھ کاٹو گے اور کہو گے، رب ارجعون لعلی اعمل صالحاً، معرفت کرنے والے کے واسطے سب کچھ ظاہر اور منکشف اور بیان ہو گیا ہے اور العدی ہی ہر طالب کو اس کے مطلوب کی توفیق دینے والا ہے بیشک وہ طالبوں پر لطف کرنے والا اور مومنوں پر مہربان ہے۔

فصل

(اسرار نبوت کے بیان میں)

معلوم ہو کہ بنا خبر سے ماخوذ ہے کہتے ہیں نبانی یعنی مجھ سے بیان کیا نبوت کے واسطے بہت سے اصرار ہیں جن میں سب سے پہلا ازل کی طرف سے سعادت کا خمیر ہے اور بعض اسرار یہ ہیں کہ دنیا سے سوا ضروریات عمل تعلقات کو قطع کرنا اور خلوت کے مکان میں گوشہ نشین ہونا جیسا کہ ہمارے حضور ﷺ غار حراء میں خلوت نشین ہوتے تھے اور ایک شخص کو اپنے دائیں طرف کھڑا ہوا دیکھتے تھے اور امیہ بن صلت کی بھی حالت ایسی ہی ہوئی تھی اور وحی مخفی طور پر خبردار کرنا ہے وہ ایک شخص معین کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے ہر چیز میں خاص خاصیتیں رکھی

۱ کہہ دو کہ میں تم کو ایسے لوگ بتاؤں جن کے اعمال خسارے کے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششوں سے زندگی دنیا میں برباد ہو گئی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کرتے ہیں۔

۲ اور اتاری ہم نے ان پر کتاب اور ترازو۔

گئی ہیں چنانچہ ہلیہ میں قبض کرنے کی خاصیت ہے اور یہی خاصیت بازو اور بلوطا اور انار کے چھلکوں اور سنگ سماق میں ہے پھر ان سب کو جمع کرنا اس شخص میں اثر کرتا ہے جس کی طبیعت بطریق حرارت کے نرم ہوگئی ہو اور محمودہ کی خاصیت اسہال لانا ہے اور یہی خاصیت بھشہ کے شربت اور گل قند اور تر بد اصفر اور شربت گلاب میں بخلاف باقی شربتوں کے برف کی خاصیت ہے۔

اور خاصیت ہی کے متعلق دیکھو کہ مقناطیس کا پتھر لوہے کو جذب کرتا ہے اور سنگ بذرہ مکھیوں کے واسطے ہے اور نیند نہ آنے کے واسطے ایک طلسم بنایا جاتا ہے اور ایسے ہی طلسموں سے مردوں اور عورتوں کے دلوں کو جذب کیا جاتا ہے اور ایک پتھر میں یہ خاصیت ہے کہ اس کو بجانے سے مینہ برستا ہے اور ایک پہاڑ میں یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اس پر جاتا ہے نیند اس پر غلبہ کرتی ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے اور قوت کا پتھر آگ میں نہیں جلتا اور نیز روغن طلق بدن پر ملنے سے بدن بھی آگ میں نہیں جلتا ہے اور نہ برق کی بتی چراغ میں جل سکتی ہے اور چین کے خرگوش کی اون سے جو کپڑا بنایا جاتا ہے وہ بھی آگ میں نہیں جلتا۔

اور لولو دفع زہر میں عجیب خاصیت رکھی ہے اور تر اوند خالص جگر کی حرارت کو مفید ہے حالانکہ خود بھی گرم ہے اور کپڑے میں لپٹے ہوئے انڈے پر آگ اثر نہیں کرتی ہے اور ایک بوٹی میں محبت کی خاصیت ہے اور ایک میں بغض کی خاصیت ہے اور عورتوں میں جادو کی بھی خاصیت ہوتی ہے۔ اور ایک میں بغض کی خاصیت ہے اور عورتوں کے جادو میں بھی خاصیت ہوتی ہے اور جادو میں ایسی ہی تاثیر ہے جیسے نظر بد میں ہوتی ہے اگر تم ایسا کرنا چاہو تو ہر تین حرف کے بعد چوتھا حرف لو اب ت، ث، کے حروف میں سے اور پھر ان حروف سے کلام بنا کر جس کام میں چاہو لاؤ وقت عمل کے واسطے نیک ہونا چاہیے تر بیع کا وقت نہ ہو۔

پس بلند ہمتی کے ساتھ ضرور اس عمل سے تاثیر پیدا ہوگی اور جادو سرمہ وغیرہ اشیائے نمینت اور سیب وغیرہ میوہ جات کے منگانے اور جانور کی دم پر سوار ہونے اور دیگر بہت سی باتوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بڑے منتر ایسے ہیں جن کے ذریعہ سے کنویں پر جنات سے گفتگو کی جاتی ہے اور لکڑی کے سانپ بچھو بن جاتے ہیں اور سدا ب جادو کا اثر ہونے نہیں دیتی اور رائی اور جو پر بھی منتر پڑھا جاتا ہے اور زعفران کا طلسم بنا کر جس کو ہنسانا منظور ہو کھلاتے ہیں غرضیکہ اسی طرح سے ہر چیز میں ایک ایسی خاصیت ہے جو دوسری چیز میں نہیں ہے پس قادر قدیم نے اسی طور سے نبوت کے اسرار خاص خاص لوگوں میں مرتب کیے ہیں اور وہی ایک شخص کے ساتھ

مخصوص ہوتی ہے دوسرے کے ساتھ نہیں ہوتی جیسا کہ ہر شخص کی قوتوں میں بنسبت اور لوگوں کی قوتوں کے فرق ہوتا ہے دیکھو تم بعض چیزوں کو دیکھتے ہو اور تمہارے ساتھی کو نظر نہیں آتی اور ایسے ہی کوئی بات تم کو سنائی دیتی ہے اور تمہارے ساتھی کو سنائی نہیں دیتی اور اہل فراست کے قصے تم نے سنے ہوں گے اور بعض اوقات خیال پختہ ہو کر صورت بن جاتا ہے اور آنکھوں والا ان چیزوں کو دیکھتا ہے جو اندھے کو معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ دیکھنے کا آلہ یعنی آنکھ اس کے پاس نہیں ہے۔

پس تم لوگوں کے حالات سیدھے نہیں اور سب سے بڑا حجاب تمہارے واسطے دنیا کی محبت ہے ایک دفعہ بنی اسرائیل کے جنگل میں کثرت سے سانپ ظاہر ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تانبہ کا ایک عصا بنایا اور اس کے سر پر ایک صلیب لگا کر اس میں طلسم بنایا جس کے دیکھتے ہی کل سانپ مر گئے اور پھر اس ازدہے نے جا کر ان سب کو کھالیا۔ اور خواصی کے متعلق یہ بات بھی ہے کہ ایک شخص نے سانپ کو پتھر مارا سانپ نے پتھر پر کاٹا اور وہ شخص مر گیا اور ایک سانپ دیکھنے سے مار ڈالتا ہے اور آب حیات سے خدائے تعالیٰ مردہ کو زندہ کر دیتا ہے ان نبی پر وحی کا نازل ہونا بھی مثل انہی کے خواص کے تصور کرنا چاہیے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں بھید یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام حکماء متقدمین کے راز و اسرار سے آگاہ تھے اور ان علوم کے سبب جو چاہتے تھے سو کرتے تھے یہ قول ہمارے نزدیک نہایت قبیح ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ قادر اور حکیم ہے اس کی سعادت کا فیض بطریق تحرک کے ارادہ کے ذریعہ سے اس شخص کی طرف پہنچتا ہے جس کو وہ مخلوق ک مصلحت کے واسطے قائم کرتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بستر کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ اس کے نیچے سحر مدفون تھا یہ بات بالکل غلط ہے۔

اور اب اس زمانہ میں ملک مغرب میں ایسے لوگ ہیں جو طلسمات اور عزائم کے زور سے جناتوں سے خدمت لیتے ہیں اور نجومی لوگ بخورات کے ذریعہ سے کواکب کا کلام سنتے ہیں اور ان سے گفتگو کرتے ہیں اور کوئی شخص اس بات کا انکار کرے کہ کواکب کسی سے بات نہیں کرتے تو اس کا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہو گیا ہے کہ کواکب و نجوم غیر جماد اور زندہ جاننے اور ارادہ کرنے والے ہیں اور ان نبی مخصوص کے واسطے قدرت نے وحی کے مبین اسرار منکشف کر دیے تھے۔

یہ لوگ (یعنی فلاسفہ) کہتے ہیں کہ بطلموس آسمان کے فرشتوں سے باتیں کرتا تھا

پس جبکہ تمہارے اندر اس کے سوا اور کوئی شخص اس مرتبہ کا نہیں ہے تو ایسے ہی ہمارے ہاں حضرت محمد ﷺ کے مرتبہ کا اور کوئی شخص نہیں ہے ان کی خاصیت ایسی ہی سمجھنی چاہیے جیسے بطلموس کی اور چونکہ رمزوں کو ان کے لوگ ہی سمجھتے ہیں اس واسطے یہ جملے بھی رمز ہی میں رکھے گئے تاکہ ان کے سمجھنے والے سمجھ لیں۔

اور جب تم اپنے نفس کو ان مقامات کی سیر کراؤ تو اس بات کی پاکی ضرور ہے کمال علوم اور مجاہدات کے ساتھ اس کو آراستہ کرو پھر دیکھو کہ اسی وقت اس کی عقل کا آدم اور اس کے فضل کا نوح صفا یقین کے پہاڑ پر ظاہر ہوگا اور فضل کا موسیٰ پہاڑ کے اوپر سے خطاب سنے گا کہ جب دنیا کی جوتی دل سے نکال بیشک میں خدا ہوں پروردگار تمام عالموں کا۔

تیرے ہی اندر انبیاء ہیں اگر تجھ کو عقل ہے اور تجھ ہی سے فرشتے ہیں اگر تو سمجھتا ہے قلب پروردگار کا مکان ہے اور یہی عرش جلال ہے اور اسی میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور یہی رحمت کا جائز نزول ہے پس جس وقت اس میں سے تیری بیماری کا داؤ ظاہر ہو تو اس کو جبرئیل عقل کے واعظ کے ساتھ دفع کرتا کہ اس کے تخم سے تیری سلامتی کا سلیمان ظاہر ہو کر کسر نفس کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر شہوات کے دروازے بند کرے اور جنوں کو قید میں لائے اور بلقیس نفس کا تخت حاضر کرے اے شخص افسوس ہے کہ جب تو شہوات اور جب دنیا کے اندر پھنسا ہوا ہے تیری خواہش سے بڑھ کر کوئی شیطان نہیں ہے تیرے اطراف کے فرشتوں یعنی ہاتھوں پیروں وغیرہ کا سجدہ تیرے نفس کے آدم یعنی روح کے واسطے ہے جو مقام قرب سے تیرے جسم خاکی تنگ و کثیف میں قید ہوئی ہے۔

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بستر پر کتے کی تصویر کا ہونا مکان میں فرشتوں کے نزول کو مانع ہوتا ہے اور حالانکہ تیرے بدن کے مکان میں دس کتے موجود ہیں اس واسطے تجھ کو ان کے دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور وہ دس کتے یہ ہیں حرص، امید، جھوٹ، بخل، لالچ، ریا، نفاق، حقد، حسد، تہمت، چغلیخوری پس یہ سب تیرے دشمن ہیں اور تو ان سے غافل ہے تو انبیاء علیہ السلام کے مناقب میں عیب لگانا چاہتا ہے کیا تو نے نہیں سنا کہ شارع علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے قیامت کے روز بہت لوگ خزیروں اور بندروں اور کتوں کی صورت پر حشر کیے جائیں گے اور صورت کا مسخ ہونا جہالت کے سبب سے ہے اور تجھ کو اختیار ہے کہ چاہے فرشتہ بنے یا شیطان بنے یہ سارا حصہ تیری ہمت پر موقوف ہے اور جب تو کشف اسرار کے ساتھ انتہا کمال چاہے تو جان لے کہ سراندیپ کا عصا سانپ بن جاتا ہے اور اگر تجھ کو طلسمات کی ترکیبیں معلوم کرنی ہیں تو جابر بن حیان کی کتب کا مطالعہ کر یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بہت بڑے خلیفہ تھے اور جعفر و کہانت میں انھوں نے کمال حاصل کیا تھا اور ان دو سانپوں کی حکایت بھی تو نے سن لی ہے جو

تحت سلیمان کے محافظ تھے اور بلوقیا اور عفان سیر کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور جبکہ قرآن شریف نے تجھ سے بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین نے مطلع شمس سے مغرب تک سفر کیا تو بس چاہیے کہ تیری ہمت عالی بھی مقاس علم کے ساتھ طبیعت کے ظلمت میں سفر کرے تاکہ آفتاب یقین اس پر روشن و تاباں ہوا اور تو تمام زمین جسم کا مالک ہو جائے اور دریائے طبیعت میں غوطہ لگا کر جوہرات قدس حاصل کرے اور اگر تیرے قلب پر طبیعت کی ضد قائم ہے تو غفلت کے یا جوج و ماجوج شہوتوں کے پھل سے ظاہر ہوئے کبف تیرا جسم ہے اور اصحاب اس کے تیرا ایمان ہے اور تیری حرص تیرا کتا ہے اور قلم ان سب باتوں کو لکھ کر خشک ہو گیا ہے جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔

فصل

ہمارے واسطے نبوت اور رسالت اور کرامت اور معجزات اور تارنجیات کے مرتبے ہیں وہ نبی جو اپنی ذات کے واسطے تھے مثل حضرت یحییٰ اور خضر علیہم السلام کے ہیں اور رسول وہ نبی ہیں احکام وحی کے ساتھ دوسروں کو حکم کراتے ہیں اور معجزات وہ باتیں ہیں انبیاء سے خلاف عادت ظہور میں آئیں اور دوسرا کوئی شخص ان کو نہ کر سکتا ہو مثلاً قمر کا شق کرنا اور بھیڑیے سے باتیں کرنی اور درخت اور جانوروں کا سجدہ کرنا وغیرہ ان کے اصول مقررہ اور اسرار ان کے پوشیدہ ہیں اور کرامات بھی مثل معجزات ہی کے ہیں بلکہ جس نبی کی امت سے کرامت ظاہر ہوئی ہے یہ کرامت ان نبی کا معجزہ ہے اور معجزہ کے ظاہر کرنے اور کرامت کے پوشیدہ رکھنے کا حکم ہے اور کرامت اختیار اور بغیر اختیار دونوں حالتوں میں پیدا ہوتی ہے اور تیرنجیات کا طریقہ مشہور ہے مثلاً پانی سے چراغ روشن کرنا اور بغیر کسی کے اس کو دروازوں میں کر دینا اور بعض لوگ ان میں ایسے ہیں جو ایک دن کے تین رات بنا دیتے ہیں اور جیسے بے موسم کے پھلوں کا موجود کرنا اور ہوا میں سونا چاندی دکھادینا اور روغن طلق بدن پر مل کر آگ میں داخل ہونا ہندوستان میں بعض پتھر اور درخت ہیں کہ جب حیوان ان کو دیکھتا ہے تو بے اختیار سجدہ کرتا ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ جو شخص یہ حیلہ کرتا ہے کہ رائی کے پانی میں کندش ملا کر اس میں رومال تر کر کے خشک کر لیتا ہے اور پھر اس کو آنکھوں پر پھیر کر بغیر رونے کے آنسو نکالتا ہے تو ایسے شخص پر جانور سے سجدہ کرانے کا حیلہ بھی مشکل نہ ہوگا اور دفع کے زہر کے واسطے لوگ بہت سے حیلے کرتے ہیں چنانچہ قدرے شہد خام کے ساتھ بندق ملا کر کھانا بچھو کے زہر کو بہت جلد آرام کرتا ہے اور اسی طرح عقلی اور روغن زیت کو جوش دیکر لگائیں بغیر ہاتھ سے چھونے کے تو تمکڑ ہر کا اثر چوس لے گا اور یا قوت کے اندر پیاس بجھانے کی عجیب خاصیت ہے اور جادو گر اپنے جادو کے زور سے مینہ بساتے ہیں اور اپنے مکان سے تھوڑی دیر باہل جا پہنچتے ہیں اور ہند میں ایسے لوگ ہیں جو آسمان پر منتر

پڑھ کر پھونکتے ہیں اور برسنے لگتا ہے اور بعض لوگ گرمی میں منتر پڑھتے ہیں اور بادل ان کے سر پر سایہ کرتا ہے اور تنور پر منتر پڑھ کر دم کرتے ہیں تو وہ گرم نہیں ہوتا اور نہ ہنڈیا میں جوش آتا ہے اور نہ کشتی حرکت کرتی ہے اور کتا خاموش ہو جاتا ہے وادی حضرت موت میں غار سرخ کے پاس ایک چبوترہ پر بیری کا درخت ہے اور اسی کے سائے میں حضرت ہود علیہ السلام کا مزار ہے اس مزار کے پتھروں سے نکلنے بنا کر انگوٹھی پرزہرا اور مشتری کے قرآن کے وقت جڑے جاتے ہیں اور پھر وہ وقت ضرورت جب اس انگوٹھی سے ہوا کی طرف غرضیکہ خداوند سبحانہ تعالیٰ نے نبوت اور سلطنت کے ساتھ ارایت کی اصلاح کی ہے جیسے کہ بدن میں جب کوئی غلط فاسد ہو جاتی ہے تو اس کا ایجان کم کرنے کے واسطے قصد لیا جاتا ہے پس اسی طرح مصالح احوال کے واسطے رسول کی ضرورت ہے سب شہروں سے اشرف مکہ مکرمہ ہے کیونکہ اسی مؤید کا ظہور ہے اور اسی سبب سے اس میں جذب قلوب کی تاثیر ہے اور پھر رسول کا مقام سکونت بھی متبرک ہے کیونکہ ان کی سعادت کی برکت دونوں مقاموں کو شامل ہے جیسے کہ بادشاہوں کا سایہ حمایت ان سب پر شامل ہوتا ہے جو ان کے دائرہ کے اندر ہوتے ہیں پھر ان دونوں مقاموں کے بعد اور انبیاء کے آثار و مقامات متبرک ہیں مثلاً قدس اور خلیل اور انصا کیہ اور عبادان اور جویری جہان آسمان سے وحی کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور امیدوار کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے اور دعا کی جو میں ایسی تاثیر ہے جیسے طلب باران میں انفاس کی تاثیر اور نوح علیہ السلام کا مکان بھی مقام عجاہت و حل مقاصد ہے نیک بخت آدمی کا کلمہ باقی رہتا ہے اور صالحین کی برکتیں ہمیشہ قائم ہیں اور اس کے اندر راز صرف ان کا صدق اور لوگوں کا ان کے واسطے دعا کرنا اور رسولوں کے آثار کی پیروی کرنا ہے اپنی بلند ہمتوں کے ساتھ انبیاء کے انوار سے انھوں نے فیض حاصل کیا ہے پس اپنے مطلب کو پہنچ گئے جن ظن دلوں کا مقناطیس ہے صفا باطن اور اگلے بزرگوں کے درجے اس کے ساتھ جذب کیے جاتے ہیں۔

الحمد للہ علا ذالک کہ آج بتاریخ ہشتم ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو اس کتاب مستطاب کے ترجمہ سے فراغت ہوئی۔



الحمد للہ اختتام مجموعہ رسائل امام غزالی

جلد اول حصہ اول

نصائح امام غزالیؒ

یعنی

ایہا الولد

تعارف کتاب

معلوم ہو کہ حضرت امام محمد غزالیؒ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد جس نے امام غزالیؒ کے پاس رہ کر کئی سال علم حاصل کیا اور تمام علوم سے پورا فائدہ اٹھایا اس کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا کہ میں نے کئی سال اپنے دل کو مار کر بہت علم حاصل کیا جس میں تقریباً ہر قسم کا علم شامل ہے اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان علوم میں سے کون سا علم میرا مددگار ہوگا میری قبر کو روشن کرے گا تاکہ میں ایسے علم سے کنارہ کشی کر لوں اس لئے آنحضرت محمد ﷺ نے ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اور فرمایا ہے۔

”اعوذ باللہ من علم لا یمنع“

یعنی میں اللہ سے ایسے علم کی پناہ چاہتا ہوں جس سے کوئی فائدہ نہ ہو یہ شاگرد کچھ روز اس انداز سے سوچتا رہا اور آخر معلوم کرنے کی نیت سے تمام حقیقت اپنے استاد امام محمد غزالیؒ کو لکھ بھیجی اور مزید کچھ دوسرے مسائل بھی پوچھے اور ان سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت بھی فرمائیں اور یہ بھی عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا بتادیں جسے میں ہمیشہ پڑھتا رہوں اس نے اپنے خط میں یہ بھی بتایا کہ حالانکہ امام غزالیؒ نے اس سلسلہ میں کتنی ہی کتابیں لکھی ہیں مثلاً ”احیاء العلوم“ ”کیمیائے سعادت“ ”جواہر القرآن“ ”اربعین“ ”مہناج العابدین“ وغیرہ لیکن اس ناتواں کے تو ایسی چیز کی ضرورت ہے جو ہمیشہ پڑھے اور اس پر عمل کرے اس پر امام غزالیؒ نے یہ نصیحت لکھ کر جواباً شاگرد کو بھیجی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی

رسوله محمد وآلہ اجمعین

اے پیارے بیٹے اور سچے دوست اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی

اطاعت و بندگی کرنے کے لئے بڑی عمر عطا فرمائے اور محبوب بزرگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمام نصیحتوں کا سرچشمہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس ہے اس لئے تمام نصیحتوں کا منشور آپ کی احادیث اور سنت پر مشتمل ہے ہر وہ نصیحت جو حدیث اور سنت کے خلاف ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا بے شمار نصیحت نامے آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ اور سنت کی روشنی میں لکھے اور بیان کیے گئے ہیں ان سے اگر تجھے کچھ نصیحت پہنچی ہے تو پھر میری کسی نصیحت کی ضرورت نہیں لیکن اگر تجھے رسول اللہ ﷺ کی نصیحتوں میں سے کوئی نصیحت نہیں پہنچی تو مجھے بتا کے اتنے سال تک تو نے کونسا علم حاصل کیا؟ بیٹے آنحضرت ﷺ نے جو نصیحتیں کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ،

”علامتہ اعراض اللہ عن العبد اشتغاله بما لا يعنيه وان امر اذہبت ساعتہ من عمرہ فی غیر ما یخلق لہ لحرى ان یطول علیہ حسرة“

ترجمہ: بندے کا غیر مفید کاموں میں مشغول ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے اپنی نظر عنایت پھیر لی ہے اور جس کام کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اگر اس کے سوا کسی اور کام میں ایک لمحہ بھی صرف ہوا تو یہ بڑی حسرت کی بات ہے۔
آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

من جاوز الاربعین سنة ولم یغلب خیرہ علی شرہ فلیتجهز الی النار“

ترجمہ: جس شخص کا حال چالیس سال کی عمر کے بعد بھی یہ ہو کہ اس کی برائیوں پر بھلائیاں غالب نہ ہوں تو اسے دوزخ میں جانے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

بیٹے: ساری دنیا کے لوگوں کو یہ نصیحت کرنا نہایت آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ جن لوگوں کے دلوں میں

دنیا کی لذتیں اور نفسیاتی خواہشات گھیر لیتی ہیں ان کو نصیحت اور ہدایت کڑوی لگتی ہے ان لوگوں کے دل دنیاوی خواہشوں اور عیش میں گرفتار رہتے ہیں اس سلسلہ میں وہ شخص خاص طور پر قابل ذکر ہے جو حکمت فلسفہ اور اس طرح کے دوسرے دنیاوی علوم حاصل کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ علم اسے اس کی دنیا کی فانی شان اور مرتبہ کے علاوہ آخرت میں بھی چھٹکارے کا سبب بنے گا اس پر عمل کرنا ضروری نہیں اس طرح وہ خود کو عمل کرنے سے فارغ سمجھتا ہے یہ اعتقاد فلسفہ پڑھنے والوں کا ہے جو کہ غلط ہے سبحان اللہ العظیم یہ شخص اتنا نہیں جانتا کہ وہ جو علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا وہ علم اس کے لیے آخرت کی پکڑ کا سبب ہوگا کیا اسے یہ خبر نہیں ہے کہ سرکارِ دو عالم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

”ان اشد الناس عذاباً یوم القیامة عالم لم ینفعہ اللہ بعلمہ“

ترجمہ قیامت میں لوگوں میں سب سے زیادہ اس عالم کو ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے حاصل کیے ہوئے علم سے فائدہ نہ پہنچایا ہو۔
بزرگوں کے قصوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ کو کسی بزرگ نے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اے ابوالقاسم (مرنے کے بعد کے حال کی) خبر دیں حضرت جنیدؒ نے جواب دیا:

”طاحت العبادات وفیت الاشارات

وما نفعنا الارکعیات رکعنا فی جوف اللیل“

ترجمہ: عبادات اور اشارات سب بیکار گئے البتہ ان رکعتوں نے کچھ فائدہ پہنچایا جو تہجد کے وقت پڑھتا تھا۔

بیٹے: نیک اعمال سے محروم ظاہری علم ہے خالی ہاتھ اور باطنی کمالات سے خالی نہ رہنا اور یقین کر کے (نیک اعمال کے سوا) صرف علم قیامت کے دن کچھ مدد نہیں کرے گا یہ بات اس مثال سمجھنی چاہیے کہ اگر کوئی جنگل و بیاباں سے گزر رہا ہو ہاتھ میں دس تیز تلواریں ہوں اور اسی طرح عمدہ تیرکمان اور دوسرے ہتھیار بھی ہوں اور اس کے ساتھ ہتھیار

چلانے اور جنگ کرنے کا طریقہ بھی آتا ہو ایسے ہیں اچانک سامنے شیر آجائے تو بتاؤ کہ کیا سب ہتھیار استعمال کیے بغیر وہ شیر سے بچ سکتا ہے؟ تو یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ہرگز نہیں بچ سکتا اسی طرح تجھے علم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ایک لاکھ علمی مسئلہ جانتا ہو لیکن کسی پر عمل نہ کرتا ہو تو یہ عمل اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو اسے گرمی اور صفرا کی شکایت ہو اسے یہ علم ہو کہ اس بیماری کی شفاء سلخجین اور کشکاب (جو کی آش) میں ہے لیکن وہ ان دواؤں کو استعمال نہیں کرتا تو کیا دوا کے اثرات اور استعمال کرنے کا یہ علم گرمی اور صفرا کی بیماری کو دفع کرے گا؟ تو بہتر سمجھ سکتا ہے کہ حکمت کا محض علم ہونے سے بیماری ختم نہیں کر سکتا۔

گرمی دو ہزار رطل ازوپیمائی

تائے نخوری نباشد شیدائی

یعنی اگر تو دو ہزار رطل شراب تولے تو بھی اس وقت تک نشہ نہیں ہوگا جب تک اسے

بی نہ لے۔

بہت سا علم حاصل کرنا اور کتابوں کو لٹے پلٹے رہنا لیکن اس پر عمل نہ کرنا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک نیک اعمال کے ذریعہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حقدار نہیں بتاتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت تجھے نصیب نہیں ہوگی۔

سن: قرآن حکیم اس سلسلے میں فرماتا ہے۔

﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾

﴿ترجمہ: انسان کو کوشش کے بغیر کچھ نہیں مل سکتا﴾

اس سے ثابت ہوا کہ انسان کوشش کر کے ہی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

بیٹے! مجھے علم ہے کہ تو نے پڑھا ہوگا کہ یہ آیت منسوخ ہے

لیکن منسوخ وہ شخص ہے جس نے یہ بیان کی ہے اے بیٹے! میں نے

فرض کیا کہ یہ آیت منسوخ ہے لیکن ان دواؤں کے بارے میں تو کیا

کہتا ہے؟

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾

ترجمہ: (پس جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہوگی (قیامت میں) اسے وہ دیکھے گا اور جس نے ذرہ بھر بھی گناہ کیا ہوگا (قیامت میں) اسے وہ دیکھے گا)

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾
ترجمہ: (پس جو اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیک کام کرے)

﴿وَلَا يَشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾

ترجمہ: اور کسی دوسرے کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہیں کرتا۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اچھے کام کیے، ان کے لئے جنت الفردوس مہمانداری کے طور پر ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ پھر دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿الْأَمِنَ تَابَ وَأَمِنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾

ترجمہ: سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور ان احادیث مبارکہ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:

﴿بَنِي الْإِسْلَامِ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَصَوْمِ شَهْرِ رَمَضَانَ
وَحَجِّ الْبَيْتِ مِنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اول شہادت دینا کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں دوسرے نماز قائم کرنا تیسرے مال کی زکوٰۃ دینا چوتھے ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور پانچواں استطاعت ہو تو حج کرنا۔

﴿الایمان اقرار باللسان وتصدیق بالجنان

و عمل بالارکان﴾

ترجمہ: ایمان زبان سے قبول کرنے اور دل سے ماننے اور ارکان پر عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

یہ حقیقت بیان کر کے اگر دل میں خیال پیدا ہو کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نہیں بلکہ اپنے اعمال کے ذریعہ جنت میں جائے گا تو یہ سمجھ لے کہ تو نے میری بات نہیں سمجھی تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں یہ نہیں کہہ رہا بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت سے جنت میں جائے گا لیکن جب تک بندہ اپنی عبادت و بندگی سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کے لائق نہیں بنے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب نہ ہوگی یہ حقیقت میں نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ان رحمة الله قريب من المحسنين﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکو کاروں کے قریب ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو تو پھر وہ جنت میں کیسے جائے

گا میں بھی یہ بات دہراتا ہوں کہ (خدا کی رحمت کے بغیر) بندہ جنت میں کیسے جائے گا لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ بندہ ایمان کے ذریعہ جنت میں داخل ہوگا پھر تو سامنے مشکل وادیاں ہیں جن میں پہلا مشکل راستہ ہے ایمان کو بہ سلامت ساتھ لے جانا۔

اے بیٹے! تجھے یقین ہونا چاہیے کہ جب تک کام نہ کرے گا اس وقت تک مزدوری

نہ ملے گی بنی اسرائیل کا ایک شخص اللہ کی بہت عبادت کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے

اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جس نے کہا کہ خداوند قدوس فرماتا ہے کہ تو یہ تکلیف بلا ضرورت کرتا

ہے تیری عبادت قبول نہیں اور تو دوزخ میں جائے گا فرشتے کا پیغام سن کر اس نیک مرد نے

جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور ہمارا کام اس کی بندگی کرنا ہے

اور وہ مالک اور اختیار والا ہے پھر یہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے

پروردگار! تو اس کائنات کے راز و بھید سے واقف ہے اور تیرے عبادت گزار بندے نے جو

جواب دیا ہے وہ بھی تو جانتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ بندہ ہماری بندگی سے منہ نہیں

موڑتا تو ہم بھی اس سے منہ نہیں موڑیں گے۔

﴿اشهدوا یا ملائکتی انی قد غفرت له﴾

اے میرے فرشتو! تم سب شاہد رہنا کہ میں نے اسے بخش دیا۔
اے بیٹا! سن کہ رسول اللہ ﷺ کیا فرماتے ہیں:

حاسبوا قبل ان تحاسبوا

وزنوا قبل ان توزنوا

ترجمہ: قیامت کے دن تم سے حساب لیا جائے اس سے پہلے تم اپنے
آپ (نفس) سے حساب لے لو۔ تمہارے (ترازو میں) عمل تولے
جائیں اس سے پہلے اپنے (اعمال کی) تول کر لو۔
حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ:

من ظن انه بدون الجهد يصل فهو متمن ومن ظن انه ببذل
الجهد يصل فهو متعب

ترجمہ: جو شخص یہ سمجھے کہ میں اعمال کے بغیر ہی جنت میں جاؤں گا۔ ایسا شخص گمراہ
ہے۔ اور جس نے سمجھا کہ صرف کوشش سے ہی جنت میں جاؤں گا۔ تو وہ محض مشقت میں
مشغول ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ:

طلب الجنة بلا عمل ذنب من الذنوب

ترجمہ: نیک اعمال کے بغیر بہشت کی خواہش کرنا گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔
ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

الحقيقة ترك ملاحظة العمل لا ترك العمل -

ترجمہ: علم کی حقیقت یہ ہے کہ اس پر عمل کرے فریضہ نہ ہو ایسا نہ کرے کہ سرے
سے عمل کرنا چھوڑ دے۔

سرکارِ دو عالم آنحضرت ﷺ ان تمام اقوال سے زیادہ بہتر واضح پاکیزہ اور عمدہ طریقہ
سے فرماتے ہیں کہ:

الکیس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت

والاحمق من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله

الامانى وفى رواية على الله المغفرة

ترجمہ: عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنے تابع کر لیا اور مرنے کے بعد

خیرت کے لئے عمل کیا اور بے عقل و احمق وہ ہے جس نے اپنے نفس کو حرص و ہوس لذات ہوات اور خواہشات) کا تابع کیا اور خیال یہ ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کی خواہش کرتا ہے۔

اے بیٹے! تو نے راتیں جاگ کر علم کا بار بار رو دیا اور اس کے مطالعہ کے خاطر اپنے پر نیند حرام کی مجھے علم نہیں ہے کہ اس سے کیا مقصد تھا اگر تیری نیت دنیا کے فائدہ حاصل کرنا و دنیاوی شان و رتبہ حاصل کرنا تھا تو۔

”فویل لک ثم ویل لک“

یعنی: پس تیرے لیے افسوس ہے اور پھر تیرے لئے افسوس ہے۔

لیکن اگر تیرا مقصد دین محمدی ﷺ اور اسلام کو قائم رکھنا اور اخلاقی تہذیب اور کسر نفسی

تھا تو۔

”فطوبی لک ثم طوبی لک“

تو پھر تیرے لئے خوشی اور آفرین ہے اور پھر تیرے لئے خوشی اور آفرین ہے۔

سهر العیون بغیر وجھک صنائع

وبکاؤھن بغیر فقدک باطل

ترجمہ: اے پروردگار! تیرے دیدار کے علاوہ آنکھوں کا جاگنا بیکار ہے اور تیری

ذات کے علاوہ کسی کے لئے آنکھوں کا رونا باطل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

عش ماشنت فانک میت و احب

ماشنت فانک مفارقة و اعمل ماشنت

فانک تجزی بہ

ترجمہ: (اے انسان) تو اپنی زندگی جیسے چاہے ویسے گزار (مگر یہ خیال رہے) کہ

تجھے مرنا ہے اور جس سے چاہے محبت کر (مگر یہ خیال رکھ) کہ تجھے اس سے جدا ہونا ہے اور جیسا

چاہے ویسا عمل کر۔ (مگر یہ خیال رکھ) کہ تجھے اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔

تجھے علم، علم الکلام، علم الاخلاق، علم طب، نجوم، عروض، صرف و نحو، غزلیات کے

دیوان، اور فنون جنگ وغیرہ پڑھنے میں کیا فائدہ ہو اور کیا حاصل کیا تو نے عمر ضائع کرنے

اور دنیا کی شہرت حاصل کرنے کے سوا کونسا فائدہ حاصل کیا میں نے حضرت عیسیٰ کی انجیل میں

پڑھا ہے کہ جس وقت میت کو کھٹولے میں رکھتے ہیں اور جب تک اسے قبر تک لاتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس میت سے چالیس سوال کرتا ہے۔

پہلے سوال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”عبدی قد طهرت منظرا الخلق سنین فهل طهرت منظری ساعة“

ترجمہ: اے میرے بندے! تو نے مخلوق کو دکھانے کی غرض سے کتنے سال اپنے آپ کو (ظاہری علم سے) سنگھارا لیکن کیا تو نے میری خاطر ایک ساعت کے لیے بھی اپنا دل صاف کیا؟

بیٹھے! ہر روز تیرے دل میں اللہ کی آواز آتی ہے:

”عبدی مات صنع بغیری وانت مجفوفہ، بخیری“

ترجمہ: اے میرے بندے! تو دکھاوے اور ریا کاری کے لئے عبادت کیوں کرتا ہے جبکہ خیر اور شر دونوں میرے ہاتھ میں ہیں اس لئے تجھے چاہیے کہ تو سچی نیت سے میری بندگی کرے۔

اے بیٹے! عمل کے بغیر علم پاگل پن ہے اور علم کے بغیر عمل بیکار ہے وہ علم جو آج تک تجھے گناہ سے دور نہیں رکھتا اور اللہ کی اطاعت کا شوق پیدا کرتا ہے یاد رکھ یہ کل تجھے دوزخ کی آگ سے نہیں بچائے گا اگر تو آج نیک عمل نہ کرے گا اور گزرے ہوئے وقت کا تدارک نہ کرے گا تو قیامت کے دن تو کہے گا:

’فارجعنا نعمل صالحاً‘

ترجمہ: ہمیں واپس (دنیا میں) لوٹا دے تاکہ ہم نیک کام کریں۔

پھر تجھے کہا جائے گا اے احمق! تو وہیں سے تو آ رہا ہے۔

اے بیٹے! تو ہمت پیدا کر اور جسم میں جدوجہد کے لئے حرکت پیدا کر نیک اعمال کے لئے کوشش کر کیونکہ پھر قبر میں جانا ہے جو لوگ کہ تجھ سے پہلے اس میں موجود ہیں وہ ہر لمحہ تیرے منتظر ہیں کہ تو کب ان کے پاس پہنچتا ہے۔

خبردار! ثمر (نیک اعمال) کے بغیر ہرگز ان کے پاس مت جانا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں:

”هذه الاجساد قفس الطيور او اصطبيل الدواب“

ترجمہ: یہ جسم پرندوں کے پنجرے ہیں یا پھر جانوروں کے طویلے۔

پس سوچ کہ تو کس میں سے ہے اگر گھونسلے والے پرندوں میں ہے اور ارجعی یعنی
سیری طرف لوٹ آ، کی آواز سنے گا تو پرواز کر کے اونچی جگہ جا بیٹھے گا۔

”اھتز عرش الرحمن لموت سعد بن معاذ“

ترجمہ: سعاد ابن معاذ کی موت سے عرش خداوندی لرز گیا۔

لیکن خدا نخواستہ اگر تو جانوروں میں سے ہے جن کے لئے یہ کہا گیا ہے۔

”اولئک کالانعام بل ہم اضل“

ترجمہ: یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یقین کر کے تو اپنا
سامان مقام زاویہ سے مقام ہاویہ کی طرف یعنی اس دنیا سے سیدھا دوزخ کی جانب لیکر پہنچے گا
ایک مرتبہ حضرت حسن بصری کو ٹھنڈا شربت دیا گیا پیالہ ہاتھ میں لیتے ہی ایک سرد آہ بھری اور
بیہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا آپ کو کیا ہو گیا تھا آپ نے جواب دیا۔

”ذکرت امنیۃ اهل النار حین یقولو لاهل الجنة ان فیضو اعلینا من الماء“

ترجمہ: میں نے دوزخیوں کی اس تمنا کو یاد کیا کہ جب وہ اہل جنت سے کہیں گے کہ ہمیں تھوڑا سا
پانی دیدو (اے عزیز) اگر تیرے پاس عمل کے بغیر علم کافی ہوتا اور عمل کی ضرورت ہوتی تو صبح
صادق کے وقت یہ کیوں فرماتا:

”هل من تائب، هل من سائل، هل من مستغفر“

ترجمہ: ہے کوئی گناہوں سے توبہ کرنے والا کوئی سوال کرنے والا ہے کوئی مجھ سے
اپنی مغفرت کی دعا مانگنے والا۔

پھر تو اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان بیکار ہوتا دراصل صبح صادق کے وقت اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان تو

اس لئے ہے۔

”کانو قلیل من اللیل ما یہجعون“

ترجمہ: (ایسے بندے) چند ہی ہیں جو رات کے آخری حصے میں تھوڑی سی نیند کرتے
ہیں صحابہ کرام کی ایک جماعت رسول اکرم ﷺ کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمر کی تعریف
کر رہی تھی اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”نعم الرجل هولو کان یصلی باللیل“

ترجمہ: وہ ایک اچھا شخص ہے کاش کہ وہ تہجد کی نماز پڑھتا ہو ایک روز نبی کریم ﷺ
نے صحابہ کرام میں سے ایک صحابی سے فرمایا:

”لا تكثر النوم بالليل فان كثرة النوم بالليل تدع صاحبه فقيراً يوم القيامة“
ترجمہ: (اے فلاں) رات کو زیادہ نیند کر کیونکہ رات کو سونے والا قیامت کے روز
خالی ہاتھ ہوگا۔

”ومن الليل فتهجد به نافلة لك“

ترجمہ: (اے رسول ﷺ) اور رات کے حصے میں اس (اللہ تعالیٰ) کے لئے نماز تہجد
ادا کیجئے، امر ہے۔

”وبالاسحار هم يستغفرون“

ترجمہ: اور وہ (سچے بندے) صبح صادق کے وقت خدا تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے
ہیں شکر ہے۔

”والمستغفرين بالاسحار“

ذکر ہے سرکارِ دو عالم آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو تین آوازیں بہت پسند
ہیں، ایک مرغِ سحر کی، دوسری قرآن پاک کی تلاوت کی، اور تیسری کچھلی رات میں اللہ تعالیٰ
سے معافی مانگنے اور توبہ کرنے والوں کی۔
حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں۔

ان الله تعالى خلق ريحاً تهبُّ وقت الاسحار

تحمل الاذكار والاستغفار الى الملك الجبار“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا پیدا کی ہے جو کچھلے پہر چلتی ہے اس وقت جو لوگ
اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور خداوند قدوس سے معافی مانگتے ہیں ان کی آوازیں اللہ تعالیٰ کی
بارگاہ میں پیش کرتی ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے یہ بھی فرمایا کہ:

اذا كان اول الليل نادى مناد من تحت العرش

ليقم العبدون فيقومون ويصلون ماشاء الله ثم ينادى مناد

في شطر الليل الا ليقيم القانتون فيقومون ويصلون الى

السحر فاذا كان السحر ينادى مناد الا ليقيم المستغفرون

فيقومون ويستغفرون فاذا طلع الفجر ينادى مناد الا ليقيم

الغفلون فيقومون من مفر شههم كالموتى تشر وامن قبورهم

ترجمہ: رات شروع ہونے پر ایک فرشتہ عرش کے نیچے سے منادی دیتا ہے کہ عبادت گزاروں کو اٹھ جانا چاہیے تو جسے اللہ توفیق دیتا ہے وہ اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں پھر آدھی رات کو دوسرا فرشتہ منادی کرتا ہے کہ خدا کے باادب فرما برداروں کو اٹھ جانا چاہیے پس وہ اٹھ کر سحر تک نماز پڑھتے ہیں جب سحر ہوتی ہے تو تیسرا فرشتہ آواز دیتا ہے کہ خدا کی مغفرت طلب کرنے والوں کو اٹھ جانا چاہیے پس وہ اٹھ کر اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے ہیں پھر جب پو پھٹنے کا وقت آتا ہے تو پھر چوتھا فرشتہ صدا لگاتا ہے کہ اے غافلوا! اٹھو (دن نکل آیا ہے) پھر یہ لوگ اپنے بستروں سے اس طرح اٹھتے ہیں جیسے مردے قبروں سے اٹھیں گے۔

اے بیٹے: حضرت لقمان کی وصیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یا بنی لاتکونن الدیک اکیس

منک فانہ ینادی بالاسحار وانت نائم

ترجمہ: اے بیٹے! مرغے کو اپنے سے زیادہ عقل مند نہ ہونے دینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تورات کے پچھلے پہر اٹھ کر اذانیں دے (یعنی اپنے پروردگار کو یاد کرے) اور تو پڑا سوتا رہے یہ حقیقت اس شعر سے واضح ہو جاتی ہے

لقد هتفت في جنح الليل حمامة

على فنن وهنأوانى لنائم

كذبت وبيت الله لو كنت عاشقاً

لماسبقني بالبكاء الحمائم

وازعم انى هائم ذو صبابة

له بسى ولا ابكى وتبكى البهائم

شاخ پر بیٹھی پکار رہی ہے اور میں پڑا سورا ہوں عبادت کیا چیز ہے اطاعت اور عبادت آنحضرت ﷺ کی شریعت کی پیروی یا تابعداری کرنے کو کہتے ہیں پھر خواہ وہ نیکی کرنے یا بدی سے روکنے کے احکامات ہوں یا قول و فعل کی اتباع ہو یعنی جو کچھ کرے یا نہ کرے بولے یا نہ بولے یہ سب کچھ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات گرامی کے مطابق ہونا چاہیے اگر کچھ بولے تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق بول اگر خاموش رہے تو ان کے حکم کے، مطابق خاموش رہے اگر کوئی کام کرے یا نہ کرے تو یہ سب کچھ پیغمبر علیہ السلام کے حکم کے مطابق کر اگر تو کوئی

کام کرتا ہے اور وہ تجھے عبادت معلوم ہوتا ہے لیکن وہ کام آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کی خاطر نہیں کرتا تو یہ کام عبادت میں شمار نہ ہوگا بلکہ گناہ میں شمار ہوگا خواہ وہ نماز روزہ ہی کیوں نہ ہو تجھے معلوم نہیں کہ اگر کوئی شخص دونوں عیدوں اور ایام تشریق میں روزے رکھے گا تو گنہگار ہوگا حالانکہ روزہ دار کی صورت اختیار کرتا ہے لیکن چونکہ آنحضرت ﷺ کے

فرمان کے مطابق نہیں کرتا اس لئے گنہگار ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص مکرو وقت میں یا پرانی قبضہ کی ہوئی جگہ پر نماز ادا کرے گا تو وہ عاصم یا فاسق یا گنہگار کہلایگا حالانکہ یہ کام ظاہری طور پر عبادت نظر آتا ہے مگر یہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق نہیں ہے اس لئے درست نہیں کوئی شخص اپنی منکووحہ سے مباشرت کرتا ہے تو یہ گناہ نہیں حالانکہ ظاہری طور پر یہ کام خراب نظر آتا ہے لیکن چونکہ فرمان کے مطابق کیا جاتا ہے اس لئے حلال ہے لہذا معلوم ہوا کہ عبادت فرمانبرداری کا دوسرا نام ہے اسی طرح نماز اور روزے بھی اسی وقت عبادت میں شمار کیے جاتے ہیں جب وہ فرمان کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہذا اے بیٹے تیرے سارے قول و فعل آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق ہونے چاہئیں یعنی جو کچھ عمل کرے یا گفتگو کرے وہ سب شریعت کے مطابق ہو کیونکہ مخلوق کا علم اور عمل جو بھی آنحضرت ﷺ کی شرح کے مطابق نہیں وہ قطعی گمراہی ہے اور حق سے دور رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے گزشتہ زمانہ کے تمام علوم منسوخ فرمائے پس تجھے چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کے سوا کچھ نہ کر اور یقین کر جو علوم تو نے حاصل کیے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کے راستے پر نہیں چل سکتا البتہ یہ راستہ تجھے محنت اور مجاہدے سے طے کرنا ہوگا اور اپنی ذلت نفس اور خواہشات کو مجاہدہ کی تلوار سے کاٹنا ہوگا یہی نفسانی خواہشات صوفیوں کے ڈھونگ اور یہودیوں سے ختم نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ کو باریک نقطے یعنی فلسفیانہ گہرائیاں اور تاریک اوقات یعنی گناہ آلود زندگی پسند نہیں زبان سے تو فصاحت و بلاغت کے کلمات ادا ہوں لیکن دل میں غفلت و نفس پرستی ہو تو یہ بڑی بد نصیبی کی نشانی ہے جب تک نفس کی خواہشات کو سچائی اور مجاہدے کی تلوار سے نہیں کاٹے گا اس وقت تک تیرے دل میں معرفت کی روشنی پیدا نہیں ہوگی اے بیٹے! تو نے کچھ مسئلے پوچھے ہیں جن میں سے کچھ تو تقریر و تحریر میں پوری طرح بیان نہیں ہو سکتے اس منزل تک تو پہنچ گیا تو خود بخود پتا چل جائے گا عشق کا سبق پڑھایا نہیں جاتا بلکہ خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ اگر تو اس منزل تک پہنچ گیا تو اس کا جاننا مستحیلات یعنی ایک حال سے دوسرے حال میں آنے کے برابر ہے۔ اس لئے عشق، محبت اور ذوق کا دوسرا نام ہے۔ محبت

اور ذوق کو نہ تقریر کے ذریعہ بیان کیا جاسکتا ہے نہ تحریر کے ذریعہ اس کی اصل روح کو پیش کیا جاسکتا ہے جس طرح مٹھاس، کھٹاس اور ملخی کو کوئی شخص تقریر اور تحریر کے ذریعہ بیان کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا لہذا معلوم ہو کہ اگر تو اس منزل پر پہنچ گیا تو خود بخود معلوم ہو جائے گا لیکن اس منزل تک اگر نہ پہنچ سکا تو پھر اس حقیقت کو تقریر و تحریر کے ذریعہ اچھی طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

اے بیٹے! تیرے کچھ سوال اسی قسم کے ہیں لیکن جس قدر بھی تحریر و تقریر میں آسکتے ہیں وہ سب میں نے اپنی تصنیف احیاء العلوم الدین اور دوسری کتابوں میں وضاحت سے بیان کیے ہیں جو کہ تو ان میں پڑھ سکتا ہے البتہ یہاں بھی انشاء اللہ تعالیٰ کچھ مختصر بیان کیے جائیں گے۔

دوسرا تو نے پوچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے کے لئے کیا چیز واجب ہے تجھے علم ہونا چاہیے کہ پہلی بات یہ ہے کہ اس میں خوف خدا کا عقیدہ اس درجہ پر موجود ہو کہ اس میں کسی بھی قسم کی بدعت نہ ہو۔ دوسرے توبۃ النصوح اس طرح کی جانی چاہیے کہ دوبارہ ایسی ذلت کی طرف واپس نہ لوٹے تیسرے دشمن کو بھی اس حد تک رازی رکھے کہ کسی بھی مخلوق کا حق اس پر واجب نہ رہے۔ چوتھے شریعت کے علم میں سے اتنا علم حاصل کرنا چاہیے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور فرمانبرداری کر سکے شریعت کے علم کا اس سے زیادہ جاننا واجب نہیں دوسرے علوم میں سے بھی اتنا جاننا چاہیے جس سے اس کا چھٹکارا ہونا چاہیے، یہ حقیقت تیرے علم میں ہونی چاہیے کہ بزرگوں کی حکایات میں آتا ہے کہ شبلیؒ نے فرمایا کہ میں نے طریقت کے چار سواستادوں کی خدمت کی اور ان استادوں کی بیان کردہ چار ہزار احادیث میں سے صرف ایک حدیث اختیار کی اور باقی حدیثوں کو چھوڑ دیا اس لئے کہ ایک حدیث پر غور کیا تو اپنا چھٹکارا اس حدیث میں پایا مجھے اس حدیث میں علم اولین و آخرین بیان کیا اور نظر آیا وہ حدیث یہ ہے:-

اعمل للدنیا بقدر مقامک فیہا

واعمل لآخرتک بقدر بقائک فیہا

واعمل لله بقدر حاجتک الیہ واعمل

للنار بقدر صبرک علیہا

ترجمہ: دنیا کے لئے اتنا کام کر جتنا اس میں رہے اور آخرت کے لئے اتنا کام کر جتنا

وہاں رہنا مقدر ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتنا کام کر جتنا تو اس کا محتاج ہے اور دوزخ کے لئے اتنا

کام کر جتنا تو اس کی تکالیف پر صبر کر سکے۔

اے بیٹے! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تجھے زیادہ علم کی ضرورت نہیں کیونکہ زیادہ علم پڑھنا اور حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اس دوسری حکایت پر غور کرتا کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے۔

حکایت: کہتے ہیں کہ شقیق بلخی قدس اللہ روحہ کے شاگردوں اور مریدوں میں سے حاتم اصم بھی ایک شاگرد اور مرید تھے ایک دن شقیق نے ان سے کہا کہ اے حاتم! تم کتنا عرصہ میری صحبت میں رہے اور میری باتیں سنتے رہے حاتم اصم نے کہا کہ تینتیس سال (۳۳) شقیق نے کہا کہ اس عرصہ میں تو نے مجھ سے کیا فائدہ حاصل کیا؟ حاتم بن اصم نے جواب دیا کہ آٹھ فائدے حاصل کیے ہیں۔ شقیق نے کہا: "انا لله وانا اليه راجعون"

اے حاتم! میں نے اپنی زندگی تعلیم و تربیت میں گزار دی اور تجھے میرے علم سے آٹھ فائدوں کے علاوہ کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا! حاتم نے کہا اے استاد! اگر سچ پوچھیں تو یہ حقیقت ہے جو میں نے بیان کی مجھے ان سے زیادہ کوئی ضرورت نہیں اور علم سے اتنا ہی فائدہ کافی ہے کیونکہ مجھ یقین ہے کہ دنیا و آخرت میں میرا چھٹکارا ان آٹھ فائدوں سے ہوگا شقیق بلخی نے ان سے کہا کہ اے حاتم! اچھا تو بتاؤ کہ وہ آٹھ فائدے کون سے ہیں؟

حاتم بن اصم کے بیان کردہ فوائد

اے استاد! پہلا فائدہ یہ ہے کہ میں نے اس دنیا کے لوگوں کو دیکھا کہ ہر ایک کا ایک محبوب ہے۔ لیکن لوگوں کے یہ محبوب ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی تو موت لانی والی بیماری تک ساتھ دیتے ہیں اور کچھ مرتے دم تک اور کچھ ایسے ہیں جو قبر تک ان کے ساتھ چلتے ہیں اور دفن کے بعد تمام محبوب وہاں سے واپس آجاتے ہیں ان میں سے کوئی محبوب قبر میں ساتھ نہیں جاتا کہ وہاں اس شخص کی دل بستگی کی غرض سے اس کے ساتھ رہے میں نے غور کیا اور اپنے آپ سے کہا کہ محبوب تو وہی اچھا ہے جو قبر میں بھی ساتھ جائے اور محبت کے ساتھ رہے۔ اس لئے باعث دل بستگی بنے، اس کی قبر کو روشن کرے اور قیامت اور اس کی منزلوں میں اس کا ساتھی ہو

میں نے دیکھا کہ ان خوبیوں والا محبوب صرف میرے اچھے اعمال ہیں۔

اس کے بعد سے میں نے اپنے نیک اعمال کو اپنا محبوب بنا لیا تا کہ یہ میرے ساتھ قبر تک جائے۔ میرے لئے سامانِ دل بستگی ثابت ہو میری قبر کی روشن قندیل بنے قیامت کی منزلوں میں میرے ساتھ ہو اور کبھی بھی مجھ سے الگ نہ ہو۔ شقیق بلجی نے کہا کہ شاہباش اے حاتم! تم نے بہت عمدہ بات بتائی ہے اب دوسرا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس دنیا کے لوگوں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ہر کوئی لذات و خواہشاتِ نفس کے پیچھے چل رہا ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہے یہ دیکھ کر میں نے اس آیت کریمہ پر غور کیا:

”وامامن خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الہوی فان الجنة ہی الماویٰ“
ترجمہ: جو شخص اپنے پروردگار کا خوف کرے گا وہ اپنے نفس کو حرس و ہوا سے روکے گا تو اس کے ٹھہرنے کا مقام جنت ہے۔

مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن حکیم حق اور اللہ کا کلام سچا ہے پھر اپنے نفس کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوا۔ اسے ایسے سانچے میں ڈالا اور اس وقت تک اس کی کوئی خواہش پوری نہ کی جب تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سکون نہ آنے لگا، شقیق بلجی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کی برکتیں عطا فرمائے اچھا اب تیسرا فائدہ بیان کرو۔

اے استاد! تیسرا فائدہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو ہر شخص نہایت تکلیف اور محنت سے اس فانی دنیا کے مال کو جمع کر سنے میں لگا ہوا ہے اور بڑا خوش ہے کہ اس کے پاس بہت سے مال و متاع ہے لیکن جب میں نے قرآن کریمہ کی اس آیت پر غور کیا۔

﴿ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق﴾

ترجمہ: تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ سب فنا ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔

تو میں نے جو دنیا میں جمع کیا تھا وہ سب خدا کی راہ میں درویشوں اور فقیروں میں تقسیم کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس بطور امانت جمع رہے اور میرے لئے آخرت کا ثمرہ اور چھٹکارے کا سبب بنے۔

شقیق بلجی نے کہا کہ اے حاتم! اللہ تعالیٰ تجھے اجر عطا فرمائے تو نے بہت اچھی بات کی اور بہت اچھا کام کیا ہے اچھا اب چوتھا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! چوتھا فائدہ یہ ہے کہ میں نے دنیا کے لوگوں کو دیکھا کہ ان میں سے کچھ کا خیال ہے کہ شان و شوقت اور عزت و شرف زیادہ اور بڑے قوم قبیلے سے ہے اس لئے وہ اپنے قبیلہ پر فخر کر رہے ہیں کچھ ایسے ہیں کہ جو سوچتے ہیں کہ شان و شوقت کا دولت کی فراوانی، مال اور اہل و عیال سے حاصل ہوتی ہے اس لئے ایسے لوگ اپنی دولت اور اولاد پر فخر کر رہے ہیں کچھ ایسے ہیں جو اپنی عزت اور شان، غصہ دکھانے، مارنے، کوٹنے، اور قتل و غارت گری میں سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو اپنی فضول خرچی کو شان و شوقت سمجھتے ہیں اس لئے وہ فضول خرچی کو عزت سمجھ کر اس پر فخر کرتے ہیں لیکن میں نے اس آیت پر غور کیا جس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

”ان اکرمکم عند اللہ اتقکم“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ اور مرتبے والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار

ہے۔

لہذا یہ حق اور سچ ہے اور مخلوق کے خیالات باطل اور گمان غلط ہیں اس لئے میں نے تقویٰ کو اختیار کیا تاکہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مرتبہ والا شمار کیا جاؤں شقیق بلجی نے کہا کہ اے حاتم! کاش اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو تو نے بڑی اچھی بات کی۔ اب پانچواں فائدہ بیان کر۔

اے استاد! پانچواں فائدہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ ایک دوسرے کی شکایت کر رہے ہیں معلوم ہوا کہ یہ سب جلن، حسد، اور کینے کی وجہ سے کر رہے ہیں جس کا واحد سبب عظمت و شان، مال و دولت اور علم ہے میں نے قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر غور کیا جس میں فرمایا گیا کہ:

﴿نحن قسمنا بینہم معیشتہم فی الحیوۃ الدنیا﴾

ترجمہ: ہم نے لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی میں رزق تقسیم کر دیا ہے۔

پھر سوچا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ازل سے ہی مال و مرتبہ کو مقرر فرمایا ہے۔ اور اس میں کسی کو کچھ اختیار نہیں اس لئے کسی سے بھی مقابلہ اور حسد نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور تقدیر پر راضی رہا اور ساری دنیا کے ساتھ بن گیا شقیق نے فرمایا کہ اے حاتم! سچ کہتے ہو اور ٹھیک کرتے ہو اب چھٹا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! چھٹا فائدہ یہ ہے کہ جب میں نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو میں نے دیکھا کہ

ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے دوسرے سے دشمنی کر رہا ہے پھر میں نے اس آیت پر غور کیا۔

﴿ان الشیطن لکم عدو فاتخذوہ عدوا﴾

ترجمہ: بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم اس کو دشمن سمجھو۔

اس کے بعد یقین کر لیا کہ اللہ کا قول سچا ہے شیطان اور اس کی پیروی کرنے والوں کے علاوہ کسی سے دشمنی نہ رکھنا چاہیے اس کے بعد سے شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور اس کے کسی بھی حکم کو نہ مانا بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کی اور اس کے بعد سے اسی کی عبادت اور بندگی اختیار کر لی سیدھا راستہ صراط مستقیم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

﴿الم اعهد الیکم یٰبنی ادم ان لاتعبدوا الشطن انه لکم عدو مبین. وان

اعبدونی ہذا صراط مستقیم﴾

ترجمہ: کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لے لیا تھا اے ”اولاد آدم“ تو ہرگز شیطان کی اطاعت نہ کرنا۔ تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرو (کیونکہ) یہ سیدھا راستہ ہے شقیق نے فرمایا اے حاتم! بہت اچھا کام کیا اور بہت اچھی بات بتائی اچھا اب ساتواں فائدہ بیان کر۔

اے استاد! ساتواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ہر شخص اپنے سلسلہ میں حلال و حرام کی بھی تمیز نہیں کر رہا بلکہ مشکوک اور حرام کمائی کے حصول کے لئے ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ پھر میں نے اس آیت پر غور کیا۔

﴿و ما من دآبۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا﴾

ترجمہ: زمین پر ایسا کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے۔

پھر یقین کیا کہ قرآن حکیم حق اور سچ ہے اور میں بھی ان جانداروں میں سے ہوں جو کہ زمین پر موجود ہے بس پھر میں اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گیا اور یقین کر لیا کہ وہ مجھے روزی پہنچائے گا کیونکہ اس نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔

شقیق نے کہا کہ بہت اچھا کیا اور بہت اچھی بات بتائی اچھا اب آٹھواں فائدہ بیان

کر۔

حاتم نے کہا آٹھواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ معلوم ہوا ہر آدمی کا بھروسہ کسی دوسرے پر یا کسی چیز پر ہے کسی کو اپنے مال پر بھروسہ ہے کسی کو لوگوں پر بھروسہ ہے لہذا میں

نے اس آیت شریفہ پر غور کیا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾

ترجمہ: جس نے اللہ پر توکل کیا اس کے لئے اللہ کافی ہے۔

اس کے بعد سے میں نے خدائے تعالیٰ عزوجل پر توکل کیا۔

﴿وَهُوَ حَسْبِي وَنَعْمَ الْوَكِيلُ﴾

ترجمہ: اور وہی میرے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔

جب شفیق بلخیؒ نے یہ فائدے سنے تو کہا کہ اے حاتم! اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق عطا

فرمائے تم نے بہت عمدہ باتیں بتائیں میں نے توریت، انجیل، زبور، اور فرقان حمیدہ میں دیکھا کہ

یہ چاروں کتابیں ان آٹھ فائدوں کا ذکر کرتی ہیں یعنی چاروں کتابوں نے اپنی تعلیم میں یہ آٹھ

فائدے بتائے ہیں اور جس نے بھی ان پر عمل کیا گویا چاروں کتابوں پر عمل کیا۔

اے بیٹے! تجھے ان حکایتوں سے معلوم ہوا کہ تجھے زیادہ ان کی ضرورت نہیں ہے۔

اب واپس اپنے قصے کی طرف آتے ہیں اور، طالب، اور سالک، کے لئے اللہ کی

راہ میں جو باطنی شرائط ہیں وہ تجھے بتاتا ہوں۔

پانچویں شرط جو کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے والے سالک کے لئے واجب یہ

ہے کہ اس کا ایک شیخ کامل ہونا چاہیے جو اس کی رہنمائی کرے اور اس میں سے برے اخلاق

نکال کر اچھے اخلاق پیدا کرے تربیت کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ جس طرح ایک کسان

فصل کی دیکھ بھال کرتے وقت جو بھی گھاس پھوس فاضل اگ جاتا ہے اسے فصل سے باہر نکال

دیتا ہے اسی طرح کھیت میں جو بھی خار و خس پیدا ہوتے ہیں انھیں وہ جڑ سے نکال کر باہر

پھینکتا ہے پھر وہاں پانی اور کھاد دیتا ہے تاکہ فصل بڑھے اور عمدہ بھی ہو اسی طرح ہر حالت میں

اللہ کی راہ پر چلنے والے مسافر کے لئے مرشد کامل کے سوا دوسرا کوئی بھی علاج یا حل نہیں ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اپنے بندوں کی طرف بھیجا تاکہ آپ ﷺ اللہ کی راہ کی

روشن دلیل ثابت ہوں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر لائیں رسول اللہ ﷺ

نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو اپنے نائبوں اور خلفاء کو اپنی جگہ مقرر فرمایا تاکہ وہ قیامت تک

اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ کی دلیل ہو۔

لہذا سالک کے لئے ایسا شیخ کامل ہونا چاہیے جو کہ اللہ کے راستے پر چلنے کے لئے

رسول اکرم ﷺ کے نائب کی حیثیت سے روشن دلیل ہو۔

شیخ کے اوصاف

رسول اللہ ﷺ کا نائب جس کو اپنا شیخ بنایا جائے اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عالم ہو لیکن ہر عالم بھی شیخ کامل نہیں ہو سکتا اس کلام کے لائق وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں چند مخصوص صفات ہوں یہاں ہم اجمالی طور پر چند اوصاف بیان کرتے ہیں تاکہ ہر سر پھرایا گمراہ شخص شیخ بننے کا دعویٰ نہ کر سکے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ شیخ وہی ہو سکتا ہے جو دنیا کی محبت و عزت و مرتبے کی چاہت سے منہ موڑ کر ایسے کامل شخص سے بیعت کر چکا ہو جس کا سلسلہ آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہو اس شخص نے ہر قسم کی ریاضت کی ہو اور آنحضرت ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل کی ہو وہ شخص تھوڑا کھانا کھاتا ہو تھوڑی نیند کرتا ہو زیادہ نمازیں پڑھتا ہو زیادہ روزے رکھتا ہو اور خوب صدقہ و خیرات کرتا ہو اس کی طبیعت میں تمام اچھے اخلاق ہونے چاہئیں اور صبر، شکر، توکل، یقین، سخاوت، قناعت، امانت، حلم (سنجیدگی) انکساری، فرمانبرداری، سچائی، حیاء، وقار، سکون، اور اسی قسم کے اور فضائل اس کی سیرت و کردار کا حصہ ہوں اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے انوار سے ایسا نور اور روشی حاصل کی ہو جس سے تمام بری خصلتیں مثلاً کنجوسی، حسد، کینہ، جلن، لالچ، دنیا سے امید، غصہ، اور سرکشی وغیرہ، اس میں ختم ہو چکی ہوں اور علم کے سلسلہ میں کسی کا محتاج نہ ہو سوائے اس علم کے جو کہ ہمیں (مخصوص) آنحضرت ﷺ سے ملتا ہے۔

یہ مذکورہ اوصاف شیخ کامل پیران طریقت کی کچھ نشانیاں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے نائب ہونے کے لائق ہیں ایسے شیخوں کی پیروی کرنا صحیح طریقہ ہے۔

شیخ کی اطاعت

ایسے شخص بڑی مشکل سے ملتے ہیں اگر یہ دولت کسی کو حاصل ہوئی اور یہ توفیق نصیب ہوئی کہ ایسا کامل شیخ ملا اور وہ شیخ اسے اپنے مریدوں میں شامل کر لے تو اس مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کا ظاہری و باطنی ادب کرے۔

ظاہری آداب

ظاہری ادب یہ ہے کہ اس سے بحث مباحثہ نہ کرے اور اگر کوئی مسئلہ چھڑ جائے اور اگر کبھی سمجھے کہ شیخ سے بھول ہو گئی تو اس پر بھی اعتراض نہ کرے اسے چاہیے کہ ہر ایک کے ساتھ مصلے پر جا کر نہ کھڑا ہو بلکہ جب نماز کا وقت ہو تو پھر جا کر مصلے پر نماز ادا کرے جب نماز پڑھ کر فارغ ہو تو مصلے لپیٹ دے شیخ کے سامنے ہر نماز کے بعد زیادہ نفل نہ پڑھے اور شیخ کامل جو بھی حکم دے اسے اپنی استطاعت کے مطابق بجلائے۔

باطنی آداب

باطنی ادب یہ ہے کہ مرشد سے جو کچھ بظاہر سنے اس کے بارے میں یا شیخ کے قول و فعل کی بابت دل میں زرا بھی شبہ نہ کرے ورنہ منافق کہلائے گا اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اسے چاہیے کہ شیخ کی صحبت سے کنارہ کش ہو جائے جب تک کہ اس کا باطن بھی ظاہر کی طرح نہ ہو جائے۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ مرید نفس کی چال بازیوں سے بچے یہ صرف اسی طرح ممکن ہے جب وہ بد کردار اور جاہل لوگوں کی مجلس چھوڑ دے اس طرح اس کے دل سے شیطان کا غلبہ ختم ہو جائے گا اور شیطانی اثرات جڑ سے ختم ہونگے پھر خواہ وہ شیطانی گروہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ ہر حال میں مسکینی اور درویشی کو خوشحالی پر ترجیح دے اور نیاز مندی اختیار کرے یہ سات باتیں اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والے سالک اور طالب کے لئے ضروری ہیں۔

تصوف کی حقیقت

دوسرے تو نے یہ پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ تصوف دو خصلتوں کا نام ہے: پہلی یہ کہ (بندہ) اللہ کا وفادار ہو یعنی شریعت پر عمل کرتا ہو اور دوسری یہ کہ اللہ کی مخلوق سے ہمدردی و بھلائی

کرنے والا ہو جس میں شریعت پر ثابت قدمی اور انسانیت کی فلاح کی خوبیاں ہیں وہ ”صوفی“ ہے اللہ سے وفاداری یہ ہے کہ اپنی خوشی کو اللہ کی خاطر قربان کر دے لوگوں سے بھلائی یہ ہے کہ لوگوں کی صرف اپنی غرض کی خاطر تعلقات نہ رکھے اور خود غرضی سے کنارہ کرے بلکہ اپنے آپ کو لوگوں کی بھلائی کے لئے وقف کرے بشرطیکہ یہ بھلائی شریعت کے مطابق ہو۔

بندگی کی حقیقت

دوسرے تو نے پوچھا کہ بندگی کیا ہے؟ عبودیت یا بندگی میں تین باتیں ہیں پہلی یہ کہ شریعت کے حکم کی حفاظت کرنا اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ قضا و قدر اور قسمت پر راضی رہنا تیسری یہ کہ خواہشات اور اختیار کو چھوڑ دینا اور اللہ تعالیٰ کے اختیار اور خواہش پر خوش رہنا۔

توکل کی حقیقت

تو نے یہ بھی پوچھا ہے کہ توکل کیا ہے؟ تجھے معلوم ہو کہ توکل اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں ان پر پختا یقین ہونا چاہیے یعنی اعتقاد ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تیری قسمت میں لکھا ہے وہ تجھے ضرور ملے گا پھر چاہے پوری دنیا اس کو روکنے کی کوشش کرے تب بھی اس کو روکا نہیں جاسکتا لیکن جو کچھ تیری تقدیر میں نہیں لکھا اس کے لئے تو اور سارا جہاں کتنی بھی کوشش کرے وہ تجھے ہرگز نہیں ملے گا۔

اخلاص کی حقیقت

تو نے یہ بھی پوچھا ہے کہ اخلاص کیا ہے؟ تجھے معلوم ہو کہ اخلاص یا خلوص یہ ہے کہ تیرے سارے کام صرف اللہ (کی رضا) کے لئے ہونے چاہئیں جو کچھ بھی کرے وہ دکھاوے کے لئے نہ ہونا چاہیے اچھے کام کرتے وقت تیرا دل لوگوں کی طرف مائل نہ ہو تیرے دل کو نہ لوگوں کی تعریف پر خوش ہونا چاہیے نہ کسی سے شکایت پر رنجیدہ ہونا چاہیے تجھے معلوم ہو کہ ریا کاری لوگوں کی تعریف اور تعظیم سے پیدا ہوتی ہے اور ریا کاری کا علاج یہ ہے کہ تو سارے جہاں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے طابع سمجھ اور ساری مخلوق کو کنکروں اور پتھروں کی مانند سمجھ تجھے یہ سمجھنا چاہیے کہ پتھروں کی یہ طاقت نہیں کہ وہ تجھے رنج و راحت پہنچا سکیں ساری مخلوق کو اگر ایسا سمجھے گا

تو پھر تجھے ریا کاری سے نجات مل سکے گی جب تک یہ عقیدہ رکھے گا کہ مخلوق کو دکھ سکھ پہنچانے کی طاقت ہے تو پھر تیرے دل سے ریا کاری ہرگز نہیں نکل سکتی۔

اے بیٹے! تیرے باقی سوال ایسے ہیں کہ جن میں کچھ ہماری تصنیف کردہ کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں جو ان میں سے دیکھ لے اور کچھ سوال ایسے ہیں جن کا جواب لکھنا ممنوع ہے تو جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر عمل کرتا کہ وہ امور تجھ پر واضح ہو جائیں جو تو بھی نہیں جانتا۔
اے بیٹے! اس کے بعد جو تجھے مشکل لگے اور سمجھ نہ آئے تو زبانی طور پر دل کی زبان کے علاوہ مجھ سے نہ پوچھ۔

﴿ولو انهم صبروا حتى تخرج اليهم لكان خيرا لهم﴾

ترجمہ: اگر وہ لوگ آپ ﷺ کے از خود باہر آنے تک صبر کرتے تو انھیں کے لئے بہتر

تھا۔

حضرت خضرؑ کی نصیحت قبول کر۔

”فلاتسألني عن شيء حتى احدث لك منه ذكرا“

ترجمہ: پھر تم مجھ سے کوئی بات مت پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی تم سے اس کا ذکر

کروں۔

جلدی مت کر، جب وقت آئے گا تو خود ہی تجھے بتا دیا جائے گا اور دکھا دیا جائے گا۔

”ساريكم اياتي فلا تستعجلون“

ترجمہ: ہم تجھے جلدی اپنی نشانیاں دکھائیں گے لہذا (اس سلسلہ میں) تم جلدی کی

خواہش مت کرو۔

تو وقت سے پہلے مت پوچھ۔ جب اس کیفیت کو تو پہنچے گا تو خود نظر آ جائے گا تو یہ

یقین کر کے جب تو اس منزل کی طرف نہ جائے گا۔ اس وقت تک نہ تو وہاں پہنچے گا نہ دیکھ سکے گا۔

(اولم يسيروا في الارض فينظروا)

ترجمہ: کیا وہ زمین (ملک) میں گھومے پھرے نہیں ہے تاکہ وہ سب کچھ دیکھ لیتے۔

اے بیٹے! خدا کی قسم اگر تو اپنے دل کو روشن کر لے تو یقیناً عجیب غریب کیفیات نظر

آئیں۔ تجھے چاہیے کہ ہر منزل پر جان کی بازی لگا دے۔ اس کے علاوہ مقصد حاصل نہیں ہوگا

حضرت ذوالنون مصریؒ نے اپنے شاگردوں میں سے ایک شاگرد سے کتنی اچھی

بات کہی ہے۔

”ان قدرت علی بذل الروح فتعال وان لاتشتغل بنزهات

الصوفیة والقال“

ترجمہ: اگر (اس راہ میں) جان کی بازی لگانے کی ہمت ہے تو آ جا۔ (قدم رکھ) ورنہ محض صوفیوں کی خوش کن باتوں میں مت آ۔

اے بیٹے! میں اب آٹھ نصیحتوں پر اپنا قصہ ختم کرتا ہوں۔

آٹھ نصیحتیں

تجھے ان سے چار باتیں کرنی ہیں اور چار باتیں نہیں کرنی ہیں تاکہ تیرا علم قیامت کے دن تیرا دشمن نہ بنے۔

پہلے تو وہ چار کام بیان کیے جاتے ہیں جو تجھے کرنے نہیں ہیں۔

مناظرہ کا اصول

اول یہ کہ جہاں تک ہو سکے ہر کسی سے مناظرہ نہ کر اور کسی بھی مسئلہ پر بحث نہ کر کیونکہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں اور فائدے سے زیادہ نقصان ہے یہ کام تمام بری باتوں مثلاً ریاء کاری، حسد، غرور، کینہ، دشمنی، فخر، اور ناز وغیرہ کا سرچشمہ ہے اگر تیرے اور دوسرے شخص کے درمیان کوئی مسئلہ چھڑ جائے اور تیری خواہش ہو کہ حق ظاہر ہو تو اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے تیری نیت کو ٹھیک کہا جائے گا۔ اس سلسلہ میں نیک نیتی کی دو علامات ہیں۔

اول یہ کہ اگر تیری زبان سے یا تیرے مخالف کی طرف سے حق ظاہر ہو تو تو اس میں کوئی فرق نہ کرے یعنی دونوں صورتوں میں راضی رہے کہ (بہر حال) حق ظاہر ہوا۔

دوسری علامت یہ ہے کہ تو تنہائی میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کو بہتر سمجھے لیکن اگر تو کسی مسئلہ پر بحث کرے اور تجھے یہ یقین ہو کہ تو حق پر اور مخالف صرف بحث کر رہا ہے تو تو خبر دار ہو جا اور اس سے بحث نہ کر اور بات کو وہیں ختم کر دے ورنہ خواجہ رنجش پیدا ہوگی اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

یہاں میں ایک فائدہ بیان کرتا ہوں تجھے معلوم ہو کہ مسائل کے بارے میں سوال کرنا ایسا ہے کہ گویا دل کے طبیب کے سامنے دل کی بیماری اور اس کے اسباب بیان کرنا نیز اس

طیب کی طرف سے دل کی بیماری کی شفاء کے لئے کوشش کرنا ایسا ہے جیسا اس مسئلہ کا جواب دینا۔ تجھے یقین ہونا چاہیے کہ جاہل لوگ ایسے مریضوں کی مانند ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے اور عالم طبیبوں اور حکیموں کی مانند ہیں۔ ناقص عالم طبابت کے لائق نہیں اور کامل عالم بیماری کا علاج کر سکتا ہے نیز بیماری کے اسباب بھی معلوم کر سکتا ہے۔ لیکن بیماری اگر غالب آجائے اور اس کے اسباب بھی معلوم نہ ہو سکیں تو پھر کسی استاد طبیب سے مشورہ کیا جائے جو یہ بتا سکے کہ اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے اور یہ بیماری دوا دارو سے ٹھیک نہ ہوگی۔ اس قسم کی لاعلاج بیماری کے علاج میں مشغول رہنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوگا اب تو سمجھ کہ:

مریض کی اقسام

جاہل مریض چار قسم کے ہوتے ہیں۔ اور ان چار میں سے ایک کا علاج ممکن ہے باقی تین لاعلاج ہیں۔

پہلا بیمار وہ ہے جو حسد کی وجہ سے سوال پوچھے یا اعتراض کرے۔ حسد ایک ایسی مہلک بیماری ہے جس کا علاج نہیں ہے یوں سمجھ لو کہ تو جو بھی جواب دے گا وہ خواہ کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو لیکن وہ تجھے اپنا دشمن شمار کرے گا اور اس کی جلن اور حسد کی آگ اور بھی بھڑکے گی۔ لہذا اچھا یہ ہے کہ اس کو جواب نہ دے کسی شاعر نے اس سلسلہ میں اچھا کہا ہے

کل العداوة قد ترجیٰ از لتھا

الاعداوة من عاداتك من حسد

ترجمہ: ہر قسم کی دشمنی کا ازالہ ہو سکتا ہے مگر جو دشمنی حسد کی وجہ سے ہو اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔

لہذا اس کا مداویٰ یہ ہے کہ اس حاسد کو چھوڑ دے تاکہ وہ اس مرض میں مبتلا رہے۔

”فا عرض عن من تولى عن ذكرنا ولم يرد الا الحياة الدنيا“

ترجمہ: تو ایسے شخص سے کنارہ کش اختیار کر جو (حسد کی وجہ سے) ہمارے ذکر سے

منہ موڑتا ہے اور دنیا کی زندگی (کی آسائشوں) کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا۔

مریض کے دوسری قسم وہ ہے جس کی بیماری کا سبب اس کی حماقت یا بیوقوفی ہے۔

یہ بیماری لاعلاج ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں (بحکم خدا) مردوں کو زندہ کرنے میں عاجز

نہیں ہوا لیکن احمق اور جاہلوں کا علاج کرنے سے عاجز آ گیا جاہل احمق وہ ہے جو علم حاصل کرنے میں بہت کم وقت گزارتا ہے اور علوم عقلیہ یا نقلیہ ابھی شروع ہی نہیں کیے ہیں لیکن ان بڑے عالموں پر اعتراض کرتا ہے۔ جن کی ساری زندگی علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل میں گزری ہے اس سے یہ علم نہیں ہے کہ اس کا اعتراض جو کہ خود اسے اور اپنے جیسے دوسرے لوگوں نیز علماء کو گراں گزرتا ہے۔ اسی طرح بلاشک یہ اعتراض اس بڑے عالم کو بھی گراں گزرتا ہوگا اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کا یہ اعتراض جو اس عالم پر کر رہا ہے، بیکار اور فضول ہے اور اس بڑے عالم کی فکری گہرائی کو خود اس نے دوسرے عالم نے اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے سمجھا ہی نہیں ہے بھلا جب وہ اتنا بھی نہیں سوچ سکتا تو یہ اس کی حماقت اور نادانی ہے۔ ایسے شخص سے بھی الگ رہنا چاہیے اور اسے جواب نہیں دینا چاہیے۔

نصیحت بقدر ظرف

تیسرے قسم کا بیمار وہ ہے جو اپنی بے قراری و بے صبری پن کی وجہ سے بزرگوں کی باتیں نہ سمجھے اور اپنی کم عقلی پر بھروسہ کیے رہے اور جو اپنے فائدے کی وجہ سے سمجھے ایسا شخص بھولا اور بے عقل ہوتا ہے اور اس کا ذہن حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو بھی جواب دینا ضروری نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”نحن معاشر الانبياء امرنا ان نتكلم الناس على قدر عقولهم“
ترجمہ: ہم گروہ انبیاء سے فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کو ہم ایسی باتیں بتائیں جو ان کی عقل کے مطابق ہوں۔

نصیحت کے قابل شخص

چوتھی قسم کا بیمار وہ ہے جو صراط مستقیم کا طلب ہو، فرمانبردار ہو، ذکی، اور ذہین ہو اور اس میں غصہ، نفس پرستی، حسد اور دولت مجاہ کی خواہش نہ ہو۔ (لہذا) ایسا شخص جو کہ راہ حق اور صحیح طریقے کا متلاشی ہو اور جو سوال پوچھے یا اعتراض کرے وہ حسد کی وجہ سے یا عیب جوئی کے خاطر یا امتحان لینے کی غرض سے نہ کرے ایسا ہی شخص وہ مریض ہے جس کا علاج کیا جا سکتا ہے چنانچہ اگر اس شخص کے سوال کا جواب دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔

۲ وعظ کی حقیقت

نصیحت یہ ہے کہ تو وعظ اور تقریر کرنے سے بچے کیونکہ اس میں بڑی آفتیں اور نقصان ہے۔ اگر سمجھتا ہو کہ تو جو کچھ وعظ کرتا ہے اس پر پہلے خود بھی عمل کر چکا تو یہ بات بھی خیال میں رہے کہ حضرت عیسیٰ سے حق تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

”یا ابن مریم اعظ نفسک فان اتعظت فعظ الناس فاستحیی منی“
ترجمہ: اے فرزند مریم! تم اپنے نفس کو نصیحت کرو پھر اگر اس نے تمہاری نصیحت قبول کر لی تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے شرمناؤ۔

اگر ایسے حالات پیدا ہوں کہ تجھے وعظ کرنا ہی پڑے تو پھر دو باتوں سے بچنا۔ اول یہ کہ اپنے وعظ میں رنگین بیانی، اشارہ و کنایہ، مقفی، و مسجع، عبارات، دل خوشکن اشعار، و ابیات اور خلاف شرع گفتگو (بعض نام نہاد) صوفیوں کے جھوٹ سے پرہیز کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تصنع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا لیکن۔ (اگر کسی کا وعظ کا) تکلف یا نمائش حد سے تجاوز کر جائے تو سمجھ لے کہ اس کا وعظ کا باطن خراب اور دل غافل ہے کیونکہ وعظ کا مقصد اپنی قابلیت جتاننا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کا ذکر کیا جائے اللہ کی بندگی کے سلسلہ میں اپنی کوتاہیاں بیان کی جائیں اور فضول کاموں اور ضائع کردہ عمر پر افسوس کیا جائے آخرت کی دشوار گزار مرحلوں کا تذکرہ کیا جائے جو آگے ہمارے راستے میں حائل ہیں اسی طرح ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے گزرنے کا طریقہ، مرتے وقت ملک الموت کا منظر، قبر میں منکر و نکیر کے سوال و جواب اور قیامت کی منزلیں اس میں بیان کی جائیں۔ اس کے علاوہ حشر کے میدان میں حساب کتاب کا منظر میزان میں اعمال کے تولے جانے پل صراط سے گزرنے اور پار پہنچنے اور روزے محشر کی دوسری ہولناکیوں کا نقشہ پیش کیا جائے و اعظ کو چاہیے کہ خوف کی یہ تمام باتیں لوگوں کے سامنے پیش کرے اور ان تمام باتوں سے مطلع کرے۔ اس کے علاوہ مجلس میں بیٹھے لوگوں کو ان کے عیوب و کوتاہیوں کی یاد دلائے تاکہ ان کے دل میں عذاب آخرت کا خوف پیدا ہو اور جس قدر ہو سکے اپنے برباد شدہ وقت پر افسوس کریں اور اس کی تلافی کریں اور جو وقت عبادت کے بغیر گزرا ہو اس پر آنسو بہائیں یہ تمام باتیں جو میں نے اوپر بیان کی ہیں وعظ

میں بیان کی جائیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی کے گھر کے دروازے پر سیلاب کا پانی پہنچ جائے اور نوبت یہ آجائے کہ گھڑی بھر میں اس کے گھر کو اپنی لپیٹ میں لیکر اس کے بال بچوں کو بھگودے گا۔ اس وقت گھر کا مالک اپنے گھر میں شور کرے گا اور کہے گا اے گھر والو! الخذر، الخذر یعنی افسوس افسوس، جلدی بھاگو سیلاب کا پانی پہنچ گیا ہے، ایسے خوف ناک وقت میں گھر کا مالک سیلاب کا ذکر ہرگز رنگین عبارات، اشارات، و کنایات، مقفی، مسجع، مرصع، اور ہم وزن کلام یا پر تکلف شاعرانہ رنگین بیانی سے نہیں کرے گا۔ اہل مجلس کے سامنے بھی وعظ کی مثالیں اسی طرح (یعنی خود ڈر کر اور دوسروں کو ڈراتے ہوئے) ہونی چاہئیں۔ دوسرے وعظ کرتے وقت اپنے دل میں ایسے خیالات نہ آنے دے کہ لوگ تیرا وعظ سن کر واہ واہ کے نعرے لگائیں اور وجد میں آ کر جھومنے لگیں بد مست ہو جائیں یا کپڑے پھاڑیں اور ساری محفل میں شور برپا ہو جائے اور سامعین کہنے لگیں کہ مجلس بہت اچھی منعقد ہوئی اور فلاں نے بہت اچھا وعظ کیا اس قسم کے خیالات ریاکاری میں شامل ہیں اور ایسی بات پر خوش ہونا تیری کم عقلی ہے۔

در اصل تیری نیت یہ ہونی چاہیے کہ وعظ کے ذریعہ خدا کی مخلوق کو دنیا سے آخرت کی طرف بلائے گناہوں سے بندگی کی طرف لے آئے حرص کی زہد کی طرف کنجوسی سے سخاوت کی طرف ریاکاری سے خلوص کی طرف، تکبر سے انکساری کی طرف غفلت سے بیداری کی طرف اور غرور سے پرہیزگاری کی طرف بلائے ان کے دلوں میں آخرت کی محبت پیدا کرنا کہ دنیا کو اپنا دشمن سمجھیں۔

اسی طرح لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور رحمت کے بارے میں اور غلط بیانی کے ذریعہ دھوکے میں نہ رکھ بلکہ انھیں پرہیزگاری اور خدا ترسی پیدا کر اور دیکھ کے ان کے دل میں وہ کونسی بات ہے جو اللہ کی رضا کے خلاف ہے اور ان کا جھکاؤ کس چیز کی طرف ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت کے خلاف ہے۔ اس کے ساتھ ان کے اخلاق و اعمال پر نظر رکھ تاکہ ان کی بد اعمالیاں ختم ہوں اور ان کی جگہ اچھے اخلاق و اعمال پیدا ہوں۔ جن لوگوں پر ڈر اور خوف کا غلبہ ہو ان میں اتنی امید پیدا کر کہ جب وہ تیری مجلس سے اٹھیں تو ان میں کچھ باطنی صفات پیدا ہو چکی ہوں اور ان کا ظاہر بھی تبدیل ہو چکا ہو جو لوگ اللہ کی عبادت میں سست تھے، وہ عبادت کی طرف مائل ہو جائیں اور دل میں شوق بندگی پیدا کریں اور جو لوگ گناہ کے کرنے میں نڈر اور دلیر ہوں ان میں خوف خداوندی پیدا ہو جائے جو وعظ ایسا نہ ہوگا اور وعظ ایسی باتیں نہ بیان کرے گا تو وہ وعظ پر اور سننے والوں کے لئے وبال کا باعث ہے ایسا شخص شیطان ہوتا ہے۔

(جو کمین نفس کا غلام بن کر یہ خیال کرے کہ واعظ کے ذریعہ میں اپنی قابلیت ظاہر کروں اور دنیا کی جاہ و شان حاصل کر لوں) وہ شیطان مخلوق خدا کو راہ راست سے بھٹکاتا ہے ان کا خوف بہاتا ہے اور انہیں دائمی ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔ خلق خدا کو چاہیے کہ ایسے شخص سے دور رہیں۔ ایسے لوگ دین میں جو فساد پھیلاتے ہیں ایسا فساد شیطان بھی نہیں پھیلا سکتا جس شخص میں طاقت ہو کہ ایسے واعظ کو منبر سے اتار سکے اس پر واجب ہے کہ ایسے لوگوں کو منبر سے کھینچ کر نیچے اتارے و وعظ کرنے سے روک دے تاکہ وہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بابت غلط بیانی سے کام نہ لے سکیں۔

۳ امراء اور بادشاہوں سے دور رہنا

تیسرے کسی بادشاہ، کسی امیر، اور حاکم کو سلام نہ کر، ان کی مجلس صحبت اور محفل سے دور رہ بلکہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ کیونکہ انہیں دیکھ کر اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں بڑی مصیبتیں پوشیدہ ہیں۔ لیکن اگر کبھی ان کی صحبت کا اتفاق ہو ان کی تعریف سے کنارہ کش رہنا۔

فان الله يغضب اذا مدح الفاسق والظالم واذا مدح
ومن دعا لظالم بطول البقاء فقد احب ان يعصى الله في
الارض .

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے جب کسی فاسق اور ظالم کی تعریف کی جاتی ہے اور جو شخص کسی ظالم کے لئے درازی عمر کی دعا مانگتا ہے تو گویا اس دعا کرنے والے نے یہ پسند کیا کہ وہ اللہ کی زمین پر گنہگار ہو کر چلے

۴ حاکموں کے تحفے قبول نہ کرنا

چوتھا یہ کہ حاکموں کے تحائف قبول نہ کر چاہے تحفے معلوم ہو کہ جو دے رہے ہیں وہ حلال مال سے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے مال پر نیت رکھنے سے دین میں نقصان و فساد ہوتا ہے ان کی طرف سے جو انعام اور مراعات ملتا ہے، ان کے ظلم و ستم اور فسق و فجور کو جنم دیتا ہے جو دین کے لئے نقصان کا سبب ہوتا ہے۔ اس سے کم از کم جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ

تو ان ظالموں سے محبت کرے گا اور جو بھی کسی شخص سے محبت کرتا ہے وہ اس کے لئے درازی عمر کی دعا کرتا ہے۔ اگر ظالم کی عمر بڑی ہوگی تو ظلم بھی زیادہ رہے گا اور دنیا میں فساد اور خرابی پیدا ہوگی جس سے زیادہ اور کیا بری بات ہو سکتی ہے؟ خبردار! خبردار! شیطان تجھے گمراہ کرے گا اور تیرے دل میں یہ خیال پیدا کرے گا پہلے تو یہ کر کے ان خاکموں سے روپے لے کر غریبوں میں تقسیم کر کے ان کو آرام پہنچا ان کی ضرورت پوری کر، خبردار! کسی بھی جن یا انسانی شیطان سے اس قسم کا مشورہ قبول نہ کرنا اور ان کے فریب میں آ کر دھوکہ مت کھانا کیونکہ شیطان نے اس طریقہ سے کئی لوگوں کا خون بہایا ہے اور ابھی تک خون بہاتا چلا آ رہا ہے۔ اس حقیقت میں کتنی ہی آفتیں پوشیدہ ہیں جو ابھی ہم نے اپنی کتاب ”احیاء العلوم الدین“ میں بیان کی ہیں تو انھیں وہاں تلاش کر سکتا ہے۔

عمل کے قابل چار باتیں

اے بیٹے! (اوپر بیان شدہ) چار باتوں سے پرہیز کرنا لیکن جو کام کرنے ہیں وہ بھی چار ہیں اور مناسب ہوگا کہ ان کی پوری حفاظت کرے۔ (وہ یہ ہیں)

اللہ تعالیٰ سے تعلق کا طریقہ

پہلی بات یہ کہ ہر وہ معاملہ جو تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو اس طرح نبھا کہ اگر تیرا خریدا ہوا غلام تیرے لئے وہی کرے تو تو غم کرنے کے بجائے اسے پسند کرے اور داد دے اور اس پر کسی طرح غصہ نہ کرے گا۔ اسی طرح تو اپنے غلام یا نوکر کی جو بات اپنے لئے پسند کرے تو تو بھی اپنے پروردگار کی بندگی میں کوئی کوتاہی کرے گا تو تیرا خالق اسے پسند نہ کرے گا یہاں جو حقیقت بیان کرنی ہے وہ یہ ہے کہ تیرا غلام تیرا بندہ نہیں ہے بلکہ خریدا ہوا ہے لیکن تو اپنے اس حقیقی خالق اور مالک کا بندہ ہے جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

اللہ کے بندوں سے تعلق کا طریقہ

دوسری بات یہ کہ جو معاملہ تیرے اور اللہ کے بندوں کے درمیان ہو اسے اس طرح نبھا کہ اگر وہ تجھ سے ویسا ہی کریں تو تو اسے پسند کرے۔ اور اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے۔

”فلا یکمل ایمان عندی حتی یحب لیسائر الناس ما یحب لنفسه“

ترجمہ: میرے بندے کا ایمان ہرگز مکمل نہیں جب تک (وہ) تمام انسانوں کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو خود اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

مطالعہ کی تلقین

تیسرے یہ اگر تو اپنے علم کو بڑھانا چاہتا ہے اور کوئی علمی کتاب پڑھنا چاہتا ہے تو یہ سمجھ کہ اب تیری عمر ایک ہفتے سے زیادہ نہیں، اس حالت میں تجھے کس قسم کا علم فائدہ بخشنے گا بس تو اس علم میں مشغول ہو اگر تجھے خبر ہو کہ، تیری زندگی ایک ہفتے سے زیادہ نہیں ہے تو تو اس ہفتے میں ایسی علمی کتابیں ہرگز نہ پڑھے گا جن میں تجھے مناظر، اصول و کمال مذہب و لغت صرف و نحو شعر و عروض طب و نجوم غزلوں کے دیوان اور مضمون نویسی یا اسی قسم کی دوسری معلومات حاصل ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ تو یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ علوم اب کوئی فائدہ نہیں پہچائے گا اس لئے پورے ہفتے تو دل کے مراقبے اور اپنے نفس کی صفات پہچاننے میں مشغول ہو گا دنیا سے منہ موڑ کر اپنے دل کو بری عادتوں سے پاک کر کے اللہ کی محبت اور اخلاق حمیدہ سے سنوار کر اس کی عبادت اور بندگی میں مشغول ہو گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تو اس ہفتے دن یارات کو کسی کے پاس نہ جائے حالانکہ یہ امکان بھی نہیں ہے کہ گویا تو اسی دن یارات میں انتقال کرے۔

اے بیٹے! ایک بات سن اور یاد رکھ اور اسے حقیقت سمجھ اس پر غور کر اور اس پر عمل کر تو یقیناً تیری نجات ہوگی۔ اگر تجھے یہ خبر دی جائے اور کہا جائے کہ اگلے ہفتے بادشاہ تیرے گھر پر آئے گا تو پھر یقیناً تو یہ پورا ہفتہ سوائے اس کے کوئی کام کاج نہیں کرے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کی نگاہ فلاں جگہ یا چیز پر جائے تو کیوں نہ میں اسے پاک و صاف کر لوں اس طرح تو اپنے گھر کی ہر چیز کو صاف کرے گا سچائے گا اس میں تیرا جسم تیرا لباس، تیرے گھر کی در و دیوار اور فرش وغیرہ آجاتے ہیں یہ سب پاک کرے گا۔

اب تو خود سوچ اور سمجھ میں بھلا اشارے سے کیا سمجھاؤں گا؟ تو خود عقل مند ہے اس لئے اشارہ کافی ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

ان الله لا ينظر الى صوركم ولا الى اعمالكم

ولا كن ينظر الى قلوبكم ونياتكم

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا

اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور

نیوں کو دیکھتا ہے۔

جب احکم الحاکمین کی نگاہ تیرے دل پر ہے تو پھر تو اپنے دل کو صاف کیوں نہیں کرتا۔ اگر تیری تمنا ہے کہ قلب کے احوال کا علم حاصل کرے تو پھر کتاب احیاء علوم الدین اور ہماری دوسری کتابوں کو دیکھ کیونکہ تمام مسلمانوں پر یہ علم حاصل کرنا ”فرض عین“ ہے اور دوسرا علم ”فرض کفایہ“ ہے مگر یہ علم اس قدر ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور تاویل کر سکے اگر اللہ تعالیٰ تجھے توفیق عطا فرمائے تو تو یہ علم ضرور حاصل کرنا۔

۱۴ خوراک کا ذخیرہ نہ کرنا

چوتھی بات یہ ہے کہ تو اپنے اہل و عیال کے لئے دنیا کے مال سے ایک سال سے زیادہ کی خوراک جمع کر کے نہ رکھ کیونکہ رسول کریم ﷺ بعض ازواج مطہرات کے لئے ایک سال کی خوراک جمع کی اور فرمایا۔

اللهم اجعل قوت ال محمد کفافاً

ترجمہ: اے میرے اللہ! محمد ﷺ کی اہل و عیال کی خوراک میں کفایت فرما۔

لیکن آنحضرت ﷺ نے تمام ازواج مطہرات کے لئے خوراک جمع کر کے نہ رکھی تھی بلکہ ایک سال کے لئے صرف خوراک ان ازواج مطہرات کے لئے جمع فرمائی تھی جن کا توکل ضعیف تھا اور جن امہات المؤمنین کا یقین پختہ تھا اور توکل مضبوط تھا ان کے لئے آنحضرت نے ایک دن کے لئے بھی خوراک جمع نہ فرمائی جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ان جیسی دوسری امہات المؤمنین۔

اے بیٹے! اس رسالہ میں میں نے تیرے تمام سوالوں کے جواب دیے ہیں اب تجھے چاہیے کہ ہمت کر کے سب پر عمل کر اور مجھے دعا میں نہ بھلا تو نے یہ بھی چاہا کہ تجھے کوئی دعا لکھ بھیجوں تو دعائیں تو حدیثوں کی کتب ”صحاح ستہ“ میں تلاش کر اسی طرح اہل بیت علیہ السلام کے طریقوں میں بھی بہت سے دعائیں آئی ہیں وہاں تلاش کر درج ذیل نماز کے بعد خاص طور پر پڑھ۔

اللهم انی اسئلك من النعمة تما مها ومن

العصمة دوامها ومن الرحمة شمولها ومن العافية

حصولها ومن العیش ارغده ومن العمر اسعده ومن

الاحسان اتمه ومن الانعام اعمه ومن الفضل اعذبه ومن

الطف اقربہ ومن العمل اصلحہ ومن العلم انفعہ ومن
الرزق او سعہ اللهم کن لنا ولا تکن علینا اللهم اختم لنا
بالسعادة اجالنا وحقق بالزیادة اعمالنا وقرن بالعافیة غدونا
واصلنا واجعل الی رحمتک مصیرنا ومالنا واصبب
سجال عفوک علی ذنوبنا ومن علینا باصلاح عیوبنا
واجعل التقوی زادنا و فی دینک اجتهادنا وعلیک
توکلنا واعتمادنا ثبتنا علی نهج الاستقامة واعدنا (فی
الدنیا) من موجبات الندامة یوم القيامة وخفف عنا ثقل
الاوزار وارزقنا عیشة الابرار واکفنا واصرف عنا شر
الاشرار واعتق رقابنا ورقاب ابائنا وامهاتنا من النار والدين
والمظالم یا عزیز یا غفار یا کریم یا ستار یا حلیم یا جبار یا
عظیم یا قهار یا الله یا الله یا الله یا رحمن الدنیا ویا رحیم الآخرة
برحمتک یا ارحم الراحمین صلی الله تعالی علی
خیر خلقه محمد و آلہ واصحابہ اجمعین ، والحمد لله رب
العالمین .

فَرِحْتُمْ: یا الہی میں تجھ سے تیری نعمتوں کا اہتمام (کثرت) چاہتا ہوں اور
پاکیزگی میں سے اس کی ہمیشگی چاہتا ہوں اور رحمت میں سے اس کا شامل ہونا اور تندرستی میں
سے اس کا حاصل ہونا اور رزق میں اس سے اس کی کشادگی اور زندگی میں سے اس خوشحالی اور عمر
میں سے اس کی سعادت اور احسان میں سے اس کی تکمیل اور انعامات میں سے وہ انعام جو سب
سے زیادہ عام ہوں اور فضل میں سے وہ فضل جو سب سے زیادہ شیریں ہو اور لطف میں سے وہ
لطف جو سب سے زیادہ عنایت والا ہو اور اعمال میں سے وہ عمل جو سب سے زیادہ اچھا ہو اور علم
میں سے سب سے زیادہ فائدے والا علم اور رزق میں سے سب سے زیادہ کشادگی والا رزق
چاہتا ہوں۔

بِإِلَهِكَ: تو ہمارا ہو جا (یعنی ہمیں فائدے عطا فرما) اور ہمارے اوپر بوجھ نہ ڈال
(یعنی ہمیں نقصان کا منہ نہ دکھا) یا اللہ ہماری عاقبت سنوار دے اور ہمارے اعمال درست
فہمادے ہمارے صبح شام کو خیر و عافیت سے ہمکنار فرما اور ہمارے گھر اور ہمارے مال و اسباب

کو اپنی رحمت سے ہمکنار فرما اور ہمارے گناہوں اور عیبوں کو اپنی عفو و درگزر کی چادر سے ڈھکدے اور ہمارے عیبوں کی اصلاح فرما کر ہم پر احسان فرمائے اللہ تیری ہستی پاک پر ہمارا اعتماد اور توکل قائم رکھ۔

اے ہمارے پروردگار: تو ہمیں دین میں استقامت اور ثابت قدمی عطا فرما تو ہمیں دنیا میں ایسے کاموں سے اپنی پناہ میں رکھ جو قیامت میں شرمندگی اور ندامت کا سبب بنیں اور ہمارے گناہوں کا بوجھ (ہم پر) ہلکا کر اور ہمیں نیک لوگوں والی زندگی عطا فرما اور تو ہمارے لئے کافی ہو جا اور ہمیں بدکار و غلط کار لوگوں کے شر سے محفوظ فرما اور تو ہماری گردنیں اور ہمارے آباء و اجداد کی گردنیں دوزخ کی آگ سے قرض سے اور ظلم و ستم سے آزاد فرما اے بڑی عزت والے اے بخشنے والے اے کرم کرنے والے اے عیبوں کو ڈھکنے والے اے بردبار اے زور والے اے عظمت و بزرگی والے اے قہار اے اللہ اے اللہ اے اللہ اے دنیا میں مہربانی کرنے والے اے آخرت میں رحم کرنے والے اے سب سے زیادہ رحم فرماتے والے تو اپنی رحمت کے طفیل زیادہ رحم کرنے والا ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو کہ تمام مخلوق میں برگزیدہ ترین ہستی ہیں اور ان کی آل پر اور ان کے تمام صحابہ کرام پر ہمیشہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

تمام تعریف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُبَّتْ الْكُتُبُ بِسُورِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (القرآن)

”اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے اہل و عیال کو (آتش دوزخ سے) بچاؤ“

تربیت اولاد

کے

زریں اصول

(۱)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و ترتیب

(مولوی) صدر الدین حسن صاحب امر تسری

تربیت اولاد

گفتنی

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى
 خصوصاً منهم على سيدنا ونبينا ومولانا محمد
 المصطفى وعلى اله البررة التقى واصحابه
 الذين هم نجوم الاهتداء .

برادران اسلام :- اسلامی احکام و ہدایات کی رو سے بچوں کی صحیح دینی
 و دنیوی تعلیم و تربیت کا پورا پورا انتظام کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن افسوس
 ہے کہ مذہبی لاعلمی و ناواقفیت اور دو سو سال فرنگی حکومت کے تسلط اور اس کے
 قائم کردہ طاغوتی نظام تمدن کی وجہ سے پیدا شدہ سیاسی، معاشی و اقتصادی
 مشکلات کی بدولت مسلمان جس طرح تمام دوسرے شعبہ زندگی میں اسلامی
 تخیل اور طرز عمل سے بہت دور ہو گئی ہیں۔ ٹھیک اس طرح بلکہ اس سے کہیں
 زیادہ تعلیم و تربیت کے معاملہ میں اسلام کے بنیادی اصول اور طریقہ کار کو
 چھوڑ کر رفتہ رفتہ ان سے نا آشنا ہوتے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ نصاب
 تعلیم طرز تعلیم و تربیت، تعلیمی ماحول، مقاصد تعلیم، انتخاب معلمین، غرضیکہ
 اس سلسلہ کی کوئی کڑی بھی اس وقت پوری طرح اسلامی نقطہ نظر کے مطابق
 نہیں ہے

خلط غلط غلط غلط غلط غلط غلط
 ہست این مضمون زسرتاپا غلط

اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داری

معصوم انگلیں جھول رہی ہیں دل داری کے جھولوں میں

یہ کچی کلیاں کیا جانیں کب کھلنا کب مرجھانا ہے

آپ نے بہت سے والدین کو بچوں کی بد اخلاقیوں، بد کرداریوں اور ناروا شوخیوں اور گستاخیوں کی شکایتیں کرتے سنا ہوگا لیکن کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ان کے فرائض اور ذمہ داریاں کیا کیا ہیں؟ اور انھیں کس طرح ان کی ادائیگی اور انجام دہی سے عہدہ برآ ہونا چاہیے؟

مگر افسوس ہے کہ عام طور پر والدین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے بچے کو مدرسہ میں داخل کر کے اپنی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے۔ اور وہ قدم جو انھوں نے بچے کو معلمین کے سپرد کرنے کے لئے اٹھایا اس سلسلہ میں ان کا آخری قدم تھا اب یہ صرف معلمین کا فرض ہے کہ وہ اسے انسانیت کاملہ کے کسی سانچے میں ڈال کر مکمل کی حیثیت سے انھیں واپس کر دیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے بچے کو معلمین کے سپرد کر کے صرف یہ نہیں کہ ان کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اور زیادہ ہو جاتی ہیں۔

معلمین بچے کو اس کے فرائض کی زبانی اور کتابی تعلیم دیتے ہیں۔ والدین پر فرض ہے کہ وہ اسی تعلیم کو عملی طور پر دہرائیں۔ معلمین کا کام ہے کہ وہ بچوں کو تہذیب اخلاق کی شاہراہ بتائیں اور انھیں پوری پوری تاکید کر دیں کہ وہ اس راستہ سے منحرف نہ ہوں۔ لیکن چونکہ زندگی کے سفر میں بچوں کے ہر وقت کے رفیق والدین ہی ہیں اس لئے یہ فرض ان پر عائد ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو عملاً اس شاہراہ سے گزار بھی دیں مثلاً معلم بچوں کو تقلید کرتا ہے کہ بڑوں کا ادب کرنا چاہیے، چھوٹوں سے محبت کرنی چاہیے، ہمیشہ سچ بولنا چاہیے، ہر کام وقت پر کرنا چاہیے، چھوٹوں سے محبت کرنی چاہیے اور اپنی امکانی کوشش صرف کر دیتا ہے کہ بچوں کو ان امور کی خوبیاں ذہن نشین کرادے۔

اب والدین کا فرض ہے کہ وہ معلم کی ہدایتوں پر بچوں سے عمل کرائیں۔ اور ان کی کڑی نگرانی اور پوری پوری دیکھ بھال رکھیں کہ وہ گھر کے ماحول میں ماں باپ بڑے بھائی بہنوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کریں۔ کسی وقت کوئی کلمہ جھوٹ اپنی زبان سے نہ نکالیں۔ اس کے سوا ان کے سونے، جاگنے، لکھنے، پڑھنے، کھانے، پینے، کے اوقات بالکل مقرر اور منضبط ہوں اور حقیقت تو یہ ہے کہ انسان چونکہ فطرۃً نمونہ پسند واقعہ ہوا ہے اور بچوں کی طبیعت خاص طور پر اپنی صفائی اور پاکیزگی کی وجہ سے ہر حرکت سے فوری طور پر اثر قبول کرتی ہے۔

اس لئے والدین کو چاہیے کہ اگر وہ اپنے بچوں کو صحیح معنوں میں باایمان، خوش اخلاق، اور نیک کردار، انسان کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو خود ان کے سامنے تمام دینی و دنیاوی کاموں میں صحیح عملی نمونہ بن کر رہیں، بچہ کونیکوں کی خوبیاں اور گناہوں کی برائیاں بتا کر زبانی تعلیم دینے سے کئی زیادہ بہتر ہے بہتر یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف ایسا پاکیزہ ماحول پیدا کر دیا جائے جس میں نیکیاں ہی نیکیاں ہوں اور وہاں برائیوں کا گزر بھی نہ ہوتا ہو تاکہ وہ نیکیاں اس لئے اختیار نہ کرے کہ انھیں اختیار کرنے میں اس کا یا اس کے ابنائے جنس کا فائدہ ہے بلکہ اس لئے کہ انھیں اختیار کرنا اس کی فطرت کا اور عین ایمانی فرض ہے۔

مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ عام طور پر ہمارے گھروں میں ماحول ان خوبیوں سے بالکل خالی ہے اور ان تمام برائیوں اور خرابیوں سے مکدر ہے جن سے بچوں کو محفوظ رکھنا ان کی صحیح تربیت کی جان ہے۔

موجودہ اسکولوں کی حالت

باقی رہی مروجہ اسکولوں کی حالت، سو آپ جانتے ہیں کہ ان میں کہاں تک ایمان و اسلام کی حقیقت اور ان کے لوازم و فرائض کی تعلیم دی جاتی ہے؟ اور وہ کون سے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ ہیں۔ جو بچوں کو ان اسکولوں کے نصاب تعلیم اور معلمین کی عملی زندگی سے حاصل ہوتے ہیں؟ اگر ایک طرف کتابیں سراسر اسلام کے حقیقی نظریات کے خلاف ہیں تو دوسری جانب معلمین کا طریق عمل طرز زندگی بھی کوئی اسلامی نمونہ پیش نہیں کرتا اور اگر فقہاء، تعلیم یعنی ہم سبق ساتھیوں کو دیکھو تو وہ بھی ذہنی و عملی طور پر اسلامی اعتقادات و صالحات سے قطعاً عاری اور نابلد محض ہوتے ہیں۔

الغرض یہ ماحول بھی مجبوری کے طور پر دین فطرت کے خلاف اور مغربی جاہلیت کے

رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ آپ خود غور کریں اور سوچیں کہ ایسے ماحول سے بچے بے دین، بد اخلاق، بد کردار، تصنع باز، بے ادب و گستاخ، صاف رویاہ دل، تن آساں اور بے عمل بن کر نہ نکلیں تو کیا بن کر نکلیں؟ یہ دنیا تو عالم اسباب ہے جیسا بیج بویا جائے گا ویسا ہی پھل آئے گا۔

جز آ و سینة سینة مثلها (الآیة)

اور برائی کا نتیجہ بھی ویسا ہی برا (ظاہر ہو کر رہتا) ہے۔

اس تعلیم کا سب سے پہلا کرشمہ جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ بچہ اپنی عقلمندی اور ہوشیاری کے غرور اور گھمنڈ میں آ کر اپنے باپ دادا کو بیوقوف اور غیر مہذب تصور کرنے لگ جاتا ہے۔

اس تلخ نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اکبر مرحوم نے کہا تھا۔

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں

کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ خبطی سمجھتے ہیں۔

اسی غلط تعلیم نظام کی مغربی پالیسی اور اس سے پیدا ہونے والے افسوس ناک

نتائج پر نظر کرتے ہوئے اقبال مرحوم نے حکومت کے نظریہ و مقصد کی کیا ہی اچھی وضاحت کی تھی۔

سینہ میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر

کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو

ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب

سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا سے اک ڈھیر

بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل عام کی فرعون پالیسی بیشک ظلم کا ایک بدترین نمونہ تھی

لیکن نتیجہ کے اعتبار سے اس قدر کامیاب کیسے ہو سکتی تھی۔ دشمن کا مرجانا بھی ایک گونہ ایک

اٹھینان کا ذریعہ صحیح لیکن اس کا زندہ رہنا ہاں دشمن کی بجائے دوست بن کر زندہ رہنا اور زندگی

کی مشکلات میں دست و بازو کی طرح مدد کرنا اس سے ہزار گنا مفید اور منفعت بخش ہے اور اس

پے مزید طرفہ تریہ کے بدنامی سے بالکل بچاؤ بلکہ نیک نامی کی شہرت کا فائدہ اکبر مرحوم نے کیا

خوب کہا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی
میرے بزرگو اور عزیزو! کہ اسی گہری تعلیمی پالیسی کا نتیجہ ہے جو آج ہم دیکھ رہے
ہے کہ مسلمان اس تیزابی تعلیم سے منہمک ہو کر رفتہ رفتہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی بجائے
ان مغرب کے ذہنی تہمت و اختراعات اور عملی تلبیسات و تسویلات کو اپنی تحقیق کا معیار اور
رہنما کی جگہ پر اٹھ کر اسلامی اخلاق و اعمال اسلامی معاشرت اسلامی تہذیب و تمدن اسلامی
سیاست، اسلامی شعائر غرضیکہ پورے قانون الہی سے اس قدر بیگانہ ہو گئے ہیں کہ خدا کو
ملانے کے ساتھ ساتھ اپنی صحیح حیثیت اپنی زندگی اصل حقیقت اور اس کی غرض و غایت کو بھی
اموش کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

”نسوا لله فانسهم انفسهم اولئک هم الفسقون“

وہ خدا فراموشی کے مرتکب ہوئے تو خدا نے انہیں خود فراموشی (کے
عذاب میں) مبتلا کر دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔

ایسے ہی مغربیت زدہ خود فراموش کو مخاطب کرتے ہوئے اقبال مرحوم کہتے ہیں

تو ہم مثل من از خود درجانی

خنک روز کہ خود را بازیابی

مرا کافر کند اندیشہ رزق

تیرا کافر کند علم کتابی

پس چہ باید کرد اے اخوان دین

ایسی نازک حالت میں نہایت ضروری ہے کہ مسلمان خدا کا نام لے کر اپنے پاؤں پر
کھڑے ہوں، اور اپنی اولاد کی صحیح دینی و دنیاوی تعلیم و تربیت کے لئے ایسے اسلامی مدارس قائم
کریں جو تمام غیر اسلامی سے اثرات سے کلیتہً پاک ہوں جہاں دل و دماغ پر پوری طرح
صرف دین اسلام اور غلبہ ہو اسی طرح اپنی ذہنی و امنی درستی سے اپنے گھروں کے ماحول کو بھی
پورے طور پر اسلامی رنگ میں رنگیں اور مدارس کی فضا کو بھی ایسی خالص اسلامی فضا بنائیں کہ
بچے جدھر بھی جائیں اور جو بھی پڑھیں اس سے انہیں خدا شناسی کا شہوت خود شناسی کا شعور حقائق
دینی کی فراہمی اور عملی قوت حاصل ہوتا کہ بڑے ہو کر ان کا کوئی کام اور کوئی نقل و حرکت چاہے وہ
کوئی شخصی ہو یا قومی انفرادی ہو یا اجتماعی اور کوئی معاملہ چاہے معاش و تجارت کا ہو یا سیاست و

یاست کا اسلام کی حدود و قوانین سے باہر نہ ہو۔

ویکون الدین کلہ للہ

یہاں تک کہ قانون الہی بکمال و تمام ناقد ہو جائے۔

اور یہ کوئی ناممکن امر نہیں صرف اجتماعی طور پر اپنے دل و دماغ کو ایمان سے روشن کر کے اعضاء و جوارہ کو حتی المقدور اسلامی اعمال صالح سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہے پھر منزل مقصود پر پہنچنا بالکل یقینی امر ہے۔ رب العزت مجددہ فرماتے ہیں۔

والذین جاہدوا فینا لنھدینھم ترجمہ: اور وہ لوگ جنھوں نے پوری کوشش کی
سبلنا وان اللہ لمح المحسنین (الآیة)

ترجمہ: ہمارے (دین اسلام) کے راستے میں ہم ضرور بضرور (ان کی دستگیر کر کے)
انھیں اپنے راستے کی منزل مقصود پر پہنچادیں گے اور اللہ تعالیٰ تو مخلص نیکو کاروں کے ساتھ ہی
ہیں۔

آخری گزارش

معزز ناظرین! اسی احساس ضرورت کے ماتحت ایک عرصہ سے میرا خیال تھا کہ
اسلامی طریقہ تعلیم و تربیت کے، متعلق کتاب و سنت سے چند مختصر اصول و کلیات اور زمانہ حال
کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے سلف صالحین بزرگان دین رحمہ اللہ اجمعین کی کتابوں سے
انکے مفید علمی ہدایات اور عملی تجربات ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر کے مسلمانوں کی
خدمت میں پیش کروں، جو ان کے لئے تربیت اولاد کے سلسلہ میں بصیرت و منفعت کا ذریعہ ہو
لیکن بعض مجبور یوں کی وجہ سے اب تک مجھے اس اہم خدمت کا موقعہ نہ مل سکا اس
لئے اب اپنے اس ارادہ کو آئندہ کے لئے ملتوی کرتے ہوئے فی الحال حضرت امام غزالیؒ کے
ایک مختصر مگر نہایت ہی مفید کارآمد مضمون سلیس اردو ترجمہ کر کے اس تمہید کے ساتھ ”تربیت
اولاد“ کے نام سے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

تفہیم و وضاحت کی خاطر جا بجا مضامین کے عنوانات قائم کر دیئے ہیں نیز موقعہ
بموقعہ مضمون کی مناسبت کے لحاظ سے بعض نئی رواج یافتہ غلطیوں کا ذکر کر کے ان کی اصلاح کی
طرف بھی توجہ دلائی ہے اور اصل مضمون کی تائید و تشریح کے لئے صفحات کے ذیل میں مختلف
کتابوں سے اخذ کر کے کچھ احادیث بھی مع ترجمہ درج کر دی ہیں جس سے اس مضمون کی

ت میں ایک معتد بہ اضافہ ہو گیا ہے۔

ضروری عرضداشت

خواہ مخواہ نکتہ چینی کو عقلمندی تصور کرتے ہوئے کسی مسئلہ پر اعتراض کرنا یا کسی نصیحت کو اس وجہ سے قبول نہ کرنا کہ اس کی وجہ سے نفس سرکش کو رنج ہوتا ہو یا اپنے موجودہ رواجی عمل میں کچھ اصلاح و ترمیم یا تبدیلی کرنی پڑتی ہو عقلمندی اور حق طلبی کے خلاف ہے۔

نت ہمیشہ حقیقت ہی رہتی ہے چاہے زمان مکان میں کتنی ہی تبدیلیاں آجائیں اور نصیحت حال نصیحت ہی ہے چاہے نفس اسے خوشی سے قبول کرے یا نہ کرے اور وہ اپنے سابقہ تخیل پر عمل کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

امید ہے کہ ناظرین کرام سرسری نظر کے بجائے غور و فکر سے ان اصول و قواعد کا بعد فرما کر اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں بہترین نتائج حاصل کر کے مستفید ہونگے اور بچوں کے لئے بھی دعائے خیر کریں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو لفظی ہیر پھیر کی آفات سے محفوظ رکھے اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، فقط

عبدك وابن عبدك اللهم

صدرالدین حسن غفرلہ

ترجمہ مضمون

حضرت امام غزالیؒ

بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت

اور تحسین اخلاق کا بیان

تمہید

بچوں کی تربیت کے لئے مؤثر طریقہ اختیار کرنا نہایت اہم اور ضروری ہے، کیونکہ بچہ والدین کے پاس خدا کی امانت ہے اور اس کا دل ایک عمدہ صاف اور سادہ آئینہ کی مانند ہے جو بالفعل اگرچہ ہر قسم کے نقش و صورت سے خالی ہے لیکن ہر طرح کے نقش و اثر کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہے اور جس چیز کی طرف چاہو مائل کیا جاسکتا ہے چنانچہ اگر اس میں اچھی عادتیں پیدا کی جائیں اور اسے علم پڑھایا جائے تو وہ ایسی ہی عمدہ نشوونما پا کر دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر لیتا ہے اور اس کے ثواب میں اس کے والدین اور استاد وغیرہ بھی حصہ دار ہو جاتے

ہیں اور اگر اس میں بری عادتیں پیدا کی جائیں اور جانوروں کی طرح بے قید چھوڑا جائے تو وہ خلاق ہو کر تباہ ہو جاتا ہے جس کا وبال گناہ اس کے وئی اور سر پرست کی گردن پر پڑتا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

يا ايها الذين امنوا قوا انفسكم واهليكم نارا (الآية)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے اہل و عیال کو (جہنم کی) آگ سے

بچاؤ۔

اور جب کہ باپ اپنے بچہ کو دنیا کی آگ سے بچاتا ہے تو بطریق اولیٰ اس پر لازم ہے کہ اسے آخرت (جہنم کی آگ سے بچائے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ اسے آداب اور تہذیب سکھائے اور محاسن اخلاق کی تعلیم دے، اور برے ساتھیوں اور ہمنشینوں سے اس کی حفاظت کرے۔ اور اس کے دل میں بناؤ سنگار، زیب و زینت، تن آسانی اور آرام طلبی کی رغبت نہ بیٹھنے دے ورنہ وہ بڑا ہو کر انھیں حقیر چیزوں کی طلب اور جستجو میں اپنی عمر عزیز کو ضائع کر کے ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیگا بلکہ لازم ہے کہ باپ ابتداء سے اس کی کڑی نگرانی اور دیکھ بھال کرتا رہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ ان الله لا يحب الفاحش المتفحش الصياح في الاسواق ، الحدیث . اللہ تعالیٰ بے حیا بیہودہ اور بازاروں میں چمکنے چلانے اور شور مچانے والے آدمی کو پسند نہیں کرتے۔ (ابن ابی الدنیا و طبرانی، احیاء جلد ۳ صفحہ ۱۰۵)۔

تنبیہ: جن حضرات کے نونہال بچے رات کے دو دو بجے تک سینماؤں بے ہودہ تماشا گاہوں اور نامعلوم کیسے کیسے شریروں اور بد اخلاق خود ساختہ دوستوں کے ساتھ کن کن مقاموں میں طرح طرح کی بیہودگیوں میں مشغول رہتے ہیں یا بازاروں میں بکتے اور شور و شغب برپا کیے رہتے ہیں اور وہ ان کی خبر تک بھی نہیں لیتے وہ اس حدیث شریف پر غور کر کے اپنے فرائض و نگہداشت کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہوں اسی طرح بچہ کے صندوق اور جیب وغیرہ کو وقتاً فوقتاً دیکھتے رہنا چاہیے کہ اس میں کبھی کبھی پیسے ملیں تو تحقیق کرنا چاہیے کہ کہاں سے آئے؟ نیز یہ بھی معلوم کرتے رہنا چاہیے کہ اس کا میل جول اور نشست و برخاست وغیرہ کیسے لڑکوں کے ساتھ ہے؟ اسی طرح کبھی کبھی اس کے جزدان اور المہاری وغیرہ کا جائزہ بھی لیتے رہنا چاہیے کہ کہیں فحش افسانی اور عشقیہ غزلیں تو اس کے پاس موجود نہیں؟ لیکن یہ سارا کام نہایت بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

حلال غذا کی ضرورت و اہمیت

اور اس کی پرورش کرنے اور اسے دودھ پلانے کے لئے بھی کوئی نیک خواہر دیندار عورت مقرر کرے جو رزق حلال کھاتی ہو کیونکہ جو دودھ رزق حرام سے پیدا ہوتا ہے اس میں کوئی خیر و برکت نہیں ہوتی بلکہ جب حرام کے دودھ سے بچے کی پرورش ہوتی ہے تو اس کی مایہ خمیر میں خباثت رہ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی طبیعت شیطانی کاموں کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور جب بچہ میں نیکی و بدی کی تمیز کا شعور محسوس ہو تو اس کی نہایت ہی کامل نگہداشت شروع کر دیں اور اس کا اندازہ حیا کی ابتدائی علامات کے ظہور سے ہوتا ہے۔

کیونکہ جب وہ اپنی عزت و شرف کو محسوس کر کے شرمانے لگتا ہے اور حیا کی وجہ سے بعض کاموں کو وہ چھوڑنے لگتا ہے تو یہ صرف اس کی عقل ہی کی ضیاء اور روشنی کا نتیجہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ بعض کاموں کو برا اور دوسرے کاموں کے خلاف سمجھ کر ایسے بعض کاموں سے شرماتا ہے اور دوسرے بعض کاموں سے شرم محسوس کرتا ہے اور یہی حیا کا احساس ہے جو اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور ایک بین علانت ہے جو اس کے اعتدال اخلاق اور دل کی صفائی پر دلالت کرتی

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... احتیاط کے ساتھ ایسے غیر محسوس طریقہ سے کرنا چاہیے کہ وہ بدگمان نہ سمجھ بیٹھے، آج کل جہاں تک ہمارا شہری ماحول انگریزی تہذیب سے متاثر ہو رہا ہے اتنا ہی اس میں فواحش اور بے حیائی کے محرکات عام ہوتے چلے جا رہے ہیں، عام طور پر عورتوں کا بے پردہ پھرنا، عام دکانوں خصوصاً پنواڑیوں کی دکانوں، ہوٹلوں وغیرہ پر قد آدم آئینوں کے ساتھ عریاں حسین زنانہ تصویروں کا آویزاں ہونا گانے بجانے کی کثرت یہ چیزیں بلوغ تبہ سے پہلے ہی بچوں کی شہوانی حس کو بیدار کر کے ان کے اخلاق کی تہذیب اور جسم و جان کی صحت و صلاحیت کو نقصان پہنچانے کا باعث ہوتی ہیں اس لئے بچہ کو ایسے مقامات کی آمد و رفت اور نشست و برخاست سے محفوظ رکھنا چاہیے، فقط۔

اجن لوگوں کی کمائی میں سود، رشوت، جھوٹے مقدمات کی وکالت، جو وغیرہ کی آمدنی بھی شامل ہو ان کا اور ان کے بچوں کے اخلاق و اعمال کا کیا حال ہوگا؟ فقط حسن و شرف لک۔

۲ حدیث شریف میں حیا، کو ایمان کی شاخ اور گناہوں سے روکنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے، ارشاد ہے:

”الحیاء من الایمان، کنز العمال عن ابی عمر“ نیز ارشاد ہے:

”اذالم تستحی فاصنع ما شئت“ جب تجھ کو شرم نہ رہے تو جو چاہے کر۔ (بخاری عن ابن مسعود)

ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ بھلائی برائی کا احساس پیدا کرنے والا شعور قدرت کی طرف سے امر کی بشارت ہے کہ وہ بچہ بالغ ہو کر کامل عقل والا ہوگا۔ اس لئے حیا دار بچہ کو ہرگز آزاد نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ اس کی حیا و تمیز سے مدد لیتے ہوئے اس کی خوب تربیت کرنی چاہیے۔

آداب طعام کا بیان

سب سے پہلے جو بری خواہش بچہ پر غلبہ کرتی ہے وہ زیادہ کھانے کی حرص ہے، اس لئے اس کو کھانا کھانے کے آداب سکھانا نہایت ضروری ہے۔

مثلاً یہ کہ وہ کھانا صرف داہنے ہاتھ سے کھائے شروع میں بسم اللہ ضرور پڑھے، اپنے سامنے سے ہی کھائے ۲ دوسروں سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے کھانے کی طرف

کھانے کے متعلق یہ بنیادی اصول ہمیشہ یاد رکھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

”نحن اقوام لا ناكل حتى نجوع واذا كلنا فلا تشبع“ (الحدیث)

”ہم ایسی قوم ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔“

نیز فرمان نبوی ﷺ ہے: ”المعدة بيت الداع والحمية رأس كل دواء“ واصل کل داء البردة“ (الحدیث) معدہ امراض کا گھر ہے اور پرہیز تمام دواؤں کی اصل ہے اور ہر مرض کی جڑ غذا پر غذا استعمال کرنا ہے ظاہر ہے کہ عادت یا خرابی بچوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے ماں کو چاہیے کہ بچہ کو ٹھیک طریقہ سے مقرر اوقات پر ہی کھانا کھلائے، فقط حسن شرب

۲ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”سم الله وکل بيمينک وکل مما يليک“ (بخاری و مسلم) کہ جب کھانا کھانے لگو تو بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔

عن ابی هريرة ان رجلا كان يأكل اكلا كثيرا فاسلم وکان يأكل قليلا فذکر ذلك للنبي ﷺ فقال ان المؤمن يأكل في معاد واحد والكافر يأكل في سبعة امعاء رواه البخاری وروى مسلم عنه ان رسول الله ﷺ ضافد ضيف وهو كافر فامر رسول الله ﷺ بشاة فحلبت فشرب حلابها ثم اخرى فشربه، ثم اخرى فشربه ثم اخرى فشربه حتى شرب حلاب سبع شياة ثم انه اصبح فاسلم فامر له، رسول الله ﷺ

بشاة فشرب حلابها ثم باخرى فلم يستقها فقال رسول الله ﷺ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر.....

دیکھنے ہی نہ لگ جائے اور نہ ہی کسی کھانے والے پر نظر جمائے کھانے میں حد سے زیادہ بھی جلدی نہ کرے۔ اچھی طرح چبا کر کھائے، لگاتار لقمے منہ میں نہ ڈالے سالن وغیرہ سے ہاتھ اور کپڑے خراب نہ کرے، بعض اوقات اسے خشک روٹی بھی کھلائی جائے تاکہ وہ سالن کو اس قدر ضروری نہ سمجھے کہ اس کے بغیر گزارا ہی نہ کر سکے۔

اسی طرح اس کے سامنے زیادہ کھانے کی برائی بیان کی جائے۔ مثلاً اس طرح کے زیادہ کھانے والوں کو جانوروں سے تشبیہ دی جائے اس کے سامنے زیادہ کھانے والے بچوں کی مزمت اور کم کھانے والے تربیت یافتہ بچوں کی تعریف کی جائے اسے کھانے میں ایثار کرنے یعنی اپنے ساتھیوں کی ضرورت کا خیال رکھنے کی طرف پوری توجہ دلائی جائے کھانے کی کم پرواہ کرنے اور ہر قسم کے سادہ کھانے پر قناعت کرنے کا خوگر بنایا جائے۔

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... المؤمن یشرب فی معا واحد والکافر یشرب فی سبعة
امعاج (الحدیث)

ایک شخص بہت سارا کھانا کھایا کرتا تھا پھر اسلام لایا تو بہت کم کھاتا تھا، نبی ﷺ سے یہ بات عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ مؤمن صرف ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں (بخاری) اور (مسلم شریف) میں ہے کہ ایک شخص بحالت کفر آنحضرت ﷺ کا مہمان ہوا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے بکری کا دودھ پلاؤ چنانچہ اسے بکری کا دودھ پلایا گیا پھر دوسری کا پھر تیسری کا یہاں تک کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا پھر جب صبح ہوئی تو مسلمان ہو گیا، آپ نے پھر بکری دودھ پلانے کا حکم فرمایا تو اس نے ایک بکری کا دودھ پی لیا، آپ نے دوسری کا حکم فرمایا لیکن وہ اس کا تمام دودھ نہ پی سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا مؤمن صرف ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں، مطلب یہ ہے کہ مؤمن کافر سے بہت کم کھاتا پیتا ہے ورنہ آنتیں تو سب کی برابر ہیں، فقط

اس زمانہ میں بچوں کی جسمانی صحت کو خراب کرنے کے ساتھ ان کے اخلاق کو تباہ کرنے اور بگاڑنے والی ایک غلطی عام ہو گئی ہے وہ یہ ہے کہ انھیں بازار سے ناشتہ کرنے یا چاٹ وغیرہ کھانے کے نقد پیسے دیئے جاتے ہیں اور وہ بیوقوف اور کی دیکھا دیکھی وقت بے وقت ایسی مضر چیزیں کھاتے ہیں جو انھیں ہر طرح سے نقصان پہنچاتی ہیں بلکہ انھیں پیسوں میں سے بچا کھچا کر نمائش بنی بھی کرتے ہیں اس لئے ماں باپ کا فرض ہے کہ حسب حیثیت و ضرورت جو کچھ بھی بچوں کو کھلانا ہو اپنے گھر لا کر کھلا دیا کریں ورنہ جس قدر بچا کی دل چسپی بازار سے بڑھتی جائے گی وہ اتنا ہی گھر سے۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر.....

آداب لباس کا بیان

اس طرح رنگین کپڑوں ریشمی لباس کے بجائے اس کے دل میں سفید کپڑوں کی محبت و رغبت پیدا کی جائے اور اچھی طرح اس کے ذہن نشیں کیا جائے کہ ایسے کپڑے پہننا عورتوں اور بجزروں کا کام ہے اور شریف مردوں کو اس سے نہایت نفرت ہے، اور ایسی باتیں اسے وقتاً فوقتاً عام طور کہی جایا کریں اور ماں باپ کا فرض ہے کہ جب کبھی کسی بچہ کو ریشمی یا رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھیں تو اس کے سامنے اس کی خوب مزمت کرے اور اس کے دل میں اس کی نفرت بٹھائے اور اسے ان تمام بچوں کے میل جول سے محفوظ رکھیں جو خوشحالی اور آرام طلبی اور فاخرہ کپڑے پہننے کے عادی ہوں اور ہر اس شخص کی صحبت سے بھی اسے محفوظ رکھیں جو اسے ایسی مرغوب چیزوں کی باتیں سنائیں جو بچہ ابتدائی اٹھان کے وقت (ایسی باتوں میں) آزاد چھوڑا جاتا ہے وہ بڑا ہو کر عام طور پر بد اخلاق، جھوٹا، چور، چغلیاں، ضدی، بیہودہ گو، ہنسی مخول کرنے والا مکار، فریبی، اور بیوقوف ثابت ہوتا ہے اور ان تمام خرابیوں سے محفوظ رکھنے کا واحد

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... بے نیاز ہوتا جائے گا اور اس طرح رفتہ رفتہ اس کے اخلاق و اعمال میں نہایت فتور اور خرابی پیدا ہو جائے گی، اسی طرح چلتے پھرتے مٹھائی یا پھر وغیرہ کھانا یا کھڑے ہو کر پانی وغیرہ پینا خلاف تہذیب ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے۔ فقط،
 خصوصاً سرخ رنگ کا لباس مردوں کے لئے خاص طور پر منع ہے، اسکے متعلق بخاری، مسلم، وترندی، و ابوداؤد، میں بہت سی احادیث موجود ہیں تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اس کے علاوہ یہ قاعدہ یہ کلیہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام جو سہولت اور آسانی کا دین ہے و جو ب کے درجہ میں لباس کا کوئی رنگ اور کوئی وضع مقرر نہیں کی ہے اور مختلف ملکوں کے تمام رائج الوقت لباسوں کو جائز رکھا ہے بشرطیکہ غیر مسلموں سے ان کی امتیازی وضع میں مشابہ نہ ہوں، فقط،

۲ دولت مندوں کی دیکھا دیکھی جب کوئی غریب آدمی ایک دو دفع اپنے بچوں کو سینمایا ایسی ہی کسی فحش تماشا گاہ میں لے جاتا ہے اور آئندہ ہمیشہ ہمیشہ بوجہ غربت کی ان کی ضد پوری نہیں کر سکتا تو پھر وہ اپنے گھر اور محلہ سے چھوٹی موٹی چوریوں کے ذریعہ سے ہی اپنی خواہشات پوری کیا کرتے ہیں اور جب یہ خرابی بڑھتی ہے تو اسی بات کی عزت و آبرو کو لے ڈوبتی ہے مگر جہالت کا برا ہو وہ لوگوں کو اپنا دکھڑا تو سنا تا پھرتا ہے لیکن یہ نہیں سمجھتا کہ میں نے ہی اسے یہ عادت بد سکھائی تھی۔

۳ جو بچہ ماں باپ کو بھی ایک دوسرے کی چغلیاں کھاتے اور سنتے دیکھتا ہو وہ۔ بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

ذریعہ صرف عمدہ تعلیم و تربیت ہی ہے اس کے بعد بچہ کو مکتب میں داخل کرنا چاہیے تاکہ وہ قرآن و حدیث پڑھے، اللہ کے نیک بندوں کے حالات اور سوانح و حکایات کا علم حاصل کرے تاکہ بچپن ہی سے اس کے دل میں اولیاء کرامؑ جمعین کی محبت کی جڑ لگ جائے۔

شعر و شاعری کی وباء

نیز اس کو عشقیہ اشعار اور عاشق مزاج شاعروں سے بھی محفوظ رکھیے اور ایسے

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... کیوں نہ چغلی خور بنے؟ اس لئے اپنے گھر کو ایسی چیزوں سے بالکل پاک رکھنا چاہیے اور اگر بچہ گھر میں آکر کسی کی چغلی کھائے تو ماں باپ کو چاہیے کہ اسے عمدہ طریقہ سے منع کر دے ورنہ رفتہ رفتہ اسے چغلی خوری کا چسکا پڑ جائیگا۔ فَتَنَكَ حَسَنٌ عَشْرًا لَكَ
 کیا آج کل کے عام نصاب تعلیم میں اولیاء کرامؑ کے سوانح حیات اور سیرت کا کوئی حصہ رکھا گیا ہے؟ موجودہ کتابوں کا منتہائے نظریہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس طرح اپنے اسلاف کرام اور بزرگان دین سے غیر مانوس رکھ کر ان کے سامنے ان کی سیرت اس طرح بگاڑ کر پیش کریں گے یہ ان سے متنفر ہو جائیں، چنانچہ اودھم پور ریاست جموں کا واقعہ ہے کہ جب ممتحن نے ایک مسلمان لڑکے سے دریافت کیا کہ مغل بادشاہوں میں سب سے اچھا اور سب سے برا کون کون بادشاہ ہوا ہے؟ تو اس نے بے ساختہ کہہ دیا کہ سب سے اچھا اکبر اور سب سے برا اورنگزیب عالمگیرؒ نعوذ باللہ جن بچوں کا ذہن اس قدر خراب کر دیا گیا ہو وہ اسلام کو کیا فائدہ پہنچائیں گے؟ افسوس گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا۔

۲ شعر کی اچھائی برائی اس کے مضمون کی اچھائی برائی پر موقوف ہے۔ جس شعر میں یاد الہی اور رسول اللہ ﷺ کی تعریف اولیاء کرامؑ، بزرگان دین کے مناقب، توجہ آخرت بے ثباتی دنیا، علم و عقل اور تجربہ کار مضمون کو وہ اچھا ہے ورنہ فضول ہے اور اگر مخرّب اخلاق، عشقیہ مضمون ہے جیسا کہ آج کل کے عام زبان زور اشعار کی حالت ہے تو نہایت برا ہے ایسے اشعار کے متعلق رسول اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ "الاشعر و من ابلیس" کے شعر ابلیس کا حصہ ہے نیز ایسے اشعار سے نفرت دلانے کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا ہے: عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لان تمتلی جوف رجل فیحایرہ خیر امن ان یمتلی شعرأ (متفق علیہ) بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر.....

ادیبوں سے بھی الگ تھلگ رہے جو یہ سمجھتے ہوں کہ ایسی شعر گوئی زندہ دلی اور لطافت طبعی کی علامت ہے، کیونکہ یہ بچوں کے دلوں میں فساد اور خرابی کا بیج بونے والی چیزیں ہیں۔

نیکیوں پر ابھارنے اور برائیوں سے روکنے کا طریقہ

پھر جب بچہ سے کوئی عمدہ خصلت یا قابل تعریف فعل ظاہر ہو تو باپ کو چاہیے اسے شاباش کہے اور ایسا انعام دے جس سے وہ خوش ہو جائے اور لوگوں میں اس کی تعریف کرے پھر اگر کبھی وہ اس کے خلاف کر بیٹھے تو مناسب ہے کہ اس سے بے خبری ظاہر کرے۔ نہ تو اس کی بے عزتی اور تذلیل کرے اور نہ ہی اس کی غلطی کو نمایاں کرے بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہونے دے کہ وہ اپنے سامنے اس کا ایسی جرأت کرنا ممکن بھی سمجھتا ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ بچہ کو خود ہی اپنی غلطی کو ڈھانپنا اور چھپانے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ بسا اوقات کسی غلطی کا اظہار کرنا اس کے زیادہ بے باک ہو جانے کا باعث ہو جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اپنا عیب ظاہر ہونے کی بھی پرواہ نہیں کرتا اور اگر ایسی عاقلانہ احتیاط کے باوجود دوبارہ ویسی ہی حرکت کرے تو مناسب ہے کہ اسے تنہائی میں جھڑکا جائے اور اس فعل کی برائی اس پر خوب ظاہر کی جائے اور کہا جائے کہ خبردار! اس کے بعد ایسی بری حرکت ہرگز نہ کرنا خدا نخواستہ اگر تیری غلطی کا کسی کو پتہ لگ گیا تو تو لوگوں میں رسوا اور بدنام ہو جائے گا (وغیرہ وغیرہ علی بن ابی طالب) (القیاس)

زیادہ جھڑکنے کے نقصانات

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسے زیادہ نہ جھڑکا جائے کیونکہ اس سے بچہ میں طعن

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... اگر کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے جس سے اس کے سینے اور پھیپھڑے کو سخت تکلیف ہو اس سے بہتر تکلیف ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی شخص کو فحش اشعار یاد ہوں اور یہ قباحت تو صرف ایسے اشعار کی ہے باقی رہا گانا اور غنا سرور وغیرہ وہ بالکل حرام ہے کیونکہ یہ فحش کاری اور بے حیائی کا بڑا محرک ہے اور اس کا زناء و بدکاری سے خاص تعلق ہے چنانچہ عیاش اور نفس پرست لوگ اس طوائف کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو گانا بھی سناتی ہو حدیث پاک میں ہے۔ "الغناء رقیۃ الزنناء" ترجمہ: کہ گانا زناء کا افسون اور منتر ہے۔ دیکھو مکتوبات شریف حضرت مجدد الفسائی دفتر سوم مکتوب، (۳ ص ۹۸) فقط حسن نشر لک

و ملامت سننے کی عادت اور غلطیوں کا ارتکاب کرنے کی جرأت بڑھتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے دل سے پند و نصیحت کی وقعت بھی جاتی رہتی ہے۔

اسی طرح باپ پر لازم ہے کہ اس سے بات چیت کرنے میں اپنے رعب اور ہیبت کو قائم رکھے اور صرف کبھی کبھی ہی جھڑکا کرے اور ماں کو چاہیے کہ (کسی بات پر ضد کرنے) کے موقعہ پر اسے باپ سے ڈرائے اور بری باتوں سے سختی کے ساتھ روکے۔

سونے کے آداب و لوازم

۱ اور دن کو سونے ۲ سے منع کرے کیونکہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے لیکن اسے رات کو سونے سے نہ روکا جائے لیکن نرم بستر سے بہر حال روکا جائے تاکہ اس کے اعضاء ۳ مضبوط ہوں اور بدن بھدا نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے آرام کے بغیر نہ رہ سکے بلکہ اسے

۱ اس میں بچے کو برائی اور بے جا ضد سے روکنے کا مقصد حاصل ہونے کے بعد علاوہ یہ خوبی ہے کہ اس طرح اس کے دل میں باپ کا رعب بیٹھ جاتا ہے جس کی بناء پر اس کی نصیحت اس کے لئے کارگر ثابت ہوتی ہے نیز فرضی جن بھوت کے ہولناک اور جھوٹے خوف سے بھی اسے ڈرانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی فقط۔

۲ صبح صادق کے وقت سے سورج بلند ہونے تک سونا نہایت برا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کی نحوست سے رزق میں تنگی آتی ہے اور خیر و برکت نہیں رہتی اور صبح سویرے اٹھنے والوں کیلئے آپ نے دعائے خیر فرمائی ہے کہ:-

جو مسلمان حضرت رسول اکرم ﷺ کی اس دعاء سے فیضان رحمت و برکت حاصل کرنا چاہے وہ صبح سویرے اٹھا کرے۔ اور سونے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ شمال کی جانب سر اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دہنی طرف کروٹ پر لیٹے گا اس کے علاوہ اور طرح لیٹنا بھی مباح ہے لیکن قبلہ کی جانب پاؤں پھیلا نا جائز ہے اور پیٹ کے بل لیٹنا بھی بالکل منع ہے، حدیث شریف میں ہے،

”انہا ضجعة یبغضها اللہ تعالیٰ“

”کہ پیٹ کے بل لیٹنا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے“

۳ کیونکہ مسلمان مجاہد اور سپاہی بن کر رہنا چاہیے عیاش اور تن آسان بن کر نہیں حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

”من لم یغزو ولم یحدث بہ نفسہ مات میتة الجاہلیة“ ”جس شخص نے جہاد نہیں کیا اور دل سے اس

کے متعلق صلاح بھی نہیں لی وہ جاہلیت و کفر کی موت مرا“

سخت بستر پر سونے موٹے چھوٹے کپڑے پہننے اور سادہ خوراک کھانے کی عادت ڈالی جائے اور جو کام وہ چھپا کر کرتا ہو اس سے روکا جائے کیونکہ وہ اس کام کو برا سمجھنے کی وجہ سے تو چھپاتا ہے اس لئے اگر اسے نظر انداز کیا گیا تو وہ اس برے کام کا عادی ہو جائے گا۔

اسی طرح دن کو چلنے پھرنے اور ورزش کرنے کی عادت بھی ڈالی جائے تاکہ وہ کاہل اور ست نہ ہو جائے لیکن اس امر کی نہایت احتیاط رکھی جائے کہ وہ اپنا سر پنڈلیاں، گھٹنے، رانیں، وغیرہ ہرگز ننگی نہ کریں ۲۱۔ بہت جلدی چلے نہ ہی اپنے ہاتھوں کو ڈھیلا ڈھالا رکھے بلکہ انھیں اپنے سینے سے ملا کر چست رکھے۔

تکبر اور غرور کی ممانعت

اپنے ساتھیوں کے سامنے ماں باپ کی ملکیت میں سے کسی چیز پر فخر کرنے اپنے کھانے پینے کی چیزوں کپڑوں حتیٰ کہ تختی اور دوات تک پر اترانے سے بھی منع کیا جائے۔ ۳۔ بلکہ اپنے ہر ساتھی سے انکساری اور تعظیم و تکریم سے پیش آنے اور پاکیزہ گفتگو کرنے کا عادی بنایا جائے۔ اور اسے دوسرے بچوں سے کوئی چیز نہ لینے دی جائے اگر کسی مالدار کا لڑکا ہو تو اسے یوں سمجھایا جائے کہ عزت اور سر بلندی دینے میں ہے لینے میں نہیں بلکہ لینا تو کمینا پن، ذلت، اور فرومانگی ہے اور اگر غریب کا لڑکا ہو تو اسے سکھایا جائے کہ لالچ کرنا اور کسی سے کچھ

۱۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ جب کسی کو صوبہ کامل (گورنر) مقرر فرماتے، تھے تو پانچ شرطوں میں یہ شرطیں بھی ضبط تحریر میں لایا کرتے تھے کہ وہ کبھی باریک کپڑا نہ پہنے گا نرم بستر پر نہیں سوائے گا اور ہمیشہ بے چہنے آنے کی روٹی نہ کھائے گا ایک دفعہ شام کے عامل (گورنر) کے متعلق معلوم ہوا کہ اس نے باریک کپڑا پہننا شروع کر دیا ہے تو اسے معزول کر دیا اور فرمایا کہ ایسا آرام طلب شخص کبھی اسلامی ہدایت کے مطابق بنی نوع کی پوری خدمت نہیں کر سکتا۔ حسن شرک

۲۔ کیونکہ اسے عموماً بچہ کے ذہن میں بے حیائی اور خواہش کی تحریکات پیدا ہوتی ہیں اور ایسا کرنا شرم گناہ ہے اس لئے وہ نیکر اور جانگاہ جس میں گھٹنے ننگے رہیں پہننا منع ہے۔ فقط حسن شرک

۳۔ کیونکہ اس سے بچوں میں منافرت پھیلتی ہے اور بعض اوقات لڑائی بھی ہو جاتی ہے جو نقصان دہ ہے اور اس سے بڑھ کر بری بات یہ ہے کہ اس طرح بچت مال و جائیداد کو باعث فضیلت سمجھ کر اخلاقی اور عملی فضیلت کے حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

لینا اپنی توہین اور رسوائی کا باعث ہے اور کتے کی سی خصلت ہے کہ وہ لقمہ کے انتظار اور لالچ میں دم ہلاتا رہتا ہے۔

اسی طرح بچہ کو سونے اور چاندی سے نفرت اور سانپوں اور بچھوؤں سے زیادہ ان کی محبت سے خوف دلاتا رہے کیونکہ سونے چاندی کی محبت اور طمع بچوں بلکہ بڑوں کو بھی زہروں کی آفت سے زیادہ نقصان پہنچانے والی ہے۔

آداب مجلس و آداب کلام

نیز اسے سکھایا جائے کہ مجلس میں نہ تھو کے نہ ناک صاف کرے نہ کسی کے سامنے جمائی لے اور نہ کسی کی طرف پیٹھ کرے ۳ نہ پیر پر پیر رکھے، اسی طرح اپنی ہتھیلی کو ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر یا اپنے سر کو بانہہ کا سہارا دے کر بھی نہ بیٹھے، کیوں کہ یہ سب کاہلی اور سستی کی علامتیں ہیں غرضیکہ اسے بیٹھنے کا طریقہ بھی سکھایا جائے اور زیادہ باتیں کرنے سے روکا جائے۔ اور اچھی طرح ذہن نشین کرایا جائے۔ کہ یہ بے شرمی کی باتیں ہیں۔ اور ذلیل لوگوں کے بچوں کے کام ہیں ۴ نیز سچی ہو یا جھوٹی ہر قسم کی قسم کھانے سے بالکل منع کر دیا جائے تاکہ اسے بچپن ہی سے قسم ۱۔ جو لوگ سر بازار جلسیوں کا ٹکڑا یا اسی طرح کوئی اور کھانے کی چیز دکھا کر چیلوں، کوؤں، کی طرح بچوں کو جمع کرے اور انھیں ادنی ادنی چیزوں کے لئے لپچاتے، شور مچانے اور ہاتھ پھیلا کر مانگنے کی بری عادت سکھاتے ہیں اور پھر اپنی مؤذب اخلاق حرکت شنیعہ کو سخاوت اور فیاضی تصور کرتے ہیں وہ ذرا اپنی ذہنیت پر غور کریں، فقط حسن شرک

۲۔ زیور کی صورت میں استعمال کرنا چور کے خطرہ سے خالی نہیں، بلکہ بسا اوقات تو جان بھی تلف ہو جاتی ہے اور نقد سکوں کی محبت بھی بچوں کو بہت سی خرابیوں اور بے ہودیوں میں مبتلا کر کے رہتی ہے۔

۳۔ اس کی صورت یہ ہے کہ حلقہ کے درمیان کبھی نہ بیٹھے قطار میں بیٹھے، حضور پر نور ﷺ فرماتے ہیں:-

”ملعون علی لسان محمد ﷺ من تعد وسط الحلقة رواہ الترمذی و ابو داؤد“

جناب محمد ﷺ کی زبان اطہر پر وہ شخص ملعون ہے جو حلقہ مجلس کے درمیان بیٹھے۔

۴۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِإِيمَانِكُمْ﴾ ”الآیۃ“ کہ اللہ تعالیٰ کے

نام پاک کو اپنی قسموں کے لئے نشانہ مت بناؤ اس طرح خدا کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے بھی منع کر

دیا جائے کہ یہ شرک ہے حدیث شریف میں ہے۔ ”حلف بغير الله فقد اشرك“ جس نے اللہ

تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

کھانے کی عادت نہ پڑ جائے اسی طرح گفتگو میں پہل کرنے سے بھی روکا جائے اور اس امر کی عادت ڈالی جائے صرف جواب دینے کے لئے بولا کرے اور وہ بھی صرف بقدر اسوال اور جب کوئی شخص اس سے باتیں کر رہا ہو تو اچھی طرح سنے اور اپنے سے بڑے کے لئے اٹھ کر جگہ کھلی کرے اور پھر ادب سے اس کے سامنے بیٹھ جائے اسی طرح بچہ کو بیہودہ گوئی، فحش کلامی، لعن طعن، دشنام دہی، گالی گلوچ، سے روکے اور ایسی باتیں کرنے والوں کے میل جول سے منع کرے کیونکہ برے ساتھیوں کے بری باتیں بچے پر ضرور اثر ڈال کر رہتی ہیں اور بچوں کی تربیت کے کا اصلی راز تو انھیں برے ساتھیوں سے محفوظ رکھنے ہی میں مضمر ہے۔

صبر و تحمل

اور یہ بھی ضروری ہے کہ جب بچہ کو استاد مارے تو نہ چیخے چلائے اور نہ شور و شغب برپا کریں اور نہ ہی کسی کی سفارش کا سہارا ڈھونڈے بلکہ صبر و تحمل سے کام لے، یہ بات سمجھانے کے لئے بچے سے یوں کہا جائے کہ دیکھو صبر کرنا بہادر مردوں کا طریقہ ہے اور چیخنا چلانا، رونا پیٹنا، تو ادنیٰ اور کمینے لوگوں اور عورتوں کا کام ہے۔

احادیث شریف میں ہے "البلاء مؤکل بالمنطق" کہ مصیبت بے جا بولنے کے ساتھ وابستہ ہے، کسی نے کیا خوب کہا

زباں اپنی حد میں ہے بیشک زباں

بڑھے ایک نقطہ تو یہ زباں

کہے ایک جب سن لے انسان دو

کہ حق نے زبان ایک دی کان دو

۲ جو حضرات خود اپنے بچوں کو سینما یا دوسری تماشہ گاہوں میں لے جاتے ہوں یا ایسے لڑکوں کے ساتھ جانے

دیتے ہوں وہ اپنی غفلت اور کوتاہ اندیشی پر غور کریں۔ فقط، نشر و نشر لک

۳ اس طرح بچہ کی قوت برداشت کو ترقی دینا اور اس میں صبر و تحمل کے مردانہ اوصاف پیدا کرنا مقصود ہے نیز

سفارش و حمایت کرنے سے استاد کی تنبیہ اور نصیحت کا فائدہ ضائع ہو جاتا ہے۔ فقط، نشر و نشر لک

ورزش کی اہمیت و فوائد

نیز اسے پڑھنے کے بعد کسی عمدہ کھیل کی اجازت بھی ضرور دی جائے جس سے وہ کتب کی تکان دور کر کے راحت حاصل کر سکے لیکن اتنا نہ کھیلنے دیا جائے کہ کھیلنے ہی سے تھک جاوے کیونکہ بچے کو کھیل کود سے کلیہً روک کر صرف پڑھنے پڑھانے میں دبائے رکھنا اس کے دل کو مردہ اس کی ذہانت کو باطل اور ناکارہ اور اسکی زندگی کو مکدر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ تعلیم سے بالکل ہی جان چھڑانے کے لئے حیلے اور بہانے تلاش کرنے لگ جاتا ہے

نہ تفریط بہتر نہ افراط اچھی
توسط کے درجہ میں ہر بات اچھی

بزرگوں کی تعظیم کے آداب

یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ بچے کو والدین اساتذہ اور ہر اس شخص کو جو عمر میں اس سے بڑا ہو چاہے اپنا رشتہ دار ہو یا نہ ہو سب کی فرمانبرداری کرنا سکھایا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ وہ ان کی طرف عزت کی نگاہوں سے دیکھیں، اور ان کے سامنے کھیل کود کو ترک کر دے اور جب سن بلوغ کو پہنچے تو اسے طہارت و پاکیزگی میں سستی نہ کرنے دی جائے اور نماز ختم کرنے پر چشم پوشی کا برتاؤ نہ کیا جائے نیز رمضان کے بعد دنوں میں اسے روزہ بھی رکھوایا جائے

اس سلسلہ میں ساتھیوں کی اخلاقی حالت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اگر صحیح تربیت یافتہ بچے نہ ملیں تو باپ خود اپنے ساتھ لے جائے تفریح اور ورزش کرائے ایک صحیح دماغ صرف تندرست جسم میں ہی نشوونما پا سکتا ہے اس لئے بچے کی صحت جسمانی کے لئے مناسب ورزش کے ساتھ اس کے جسم اور کپڑے کی صفائی کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔

۲ حدیث شریف میں ہے کہ بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز پڑھاؤ اور نو برس کی عمر میں بھی نہ پڑھے تو مار کر پڑھاؤ۔

۳ حدیث شریف میں ہے کہ بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز پڑھاؤ اور نو برس کی عمر میں بھی نہ پڑھے تو مار کر پڑھاؤ۔

۴ یہ اپنے اپنے ماحول اور خاندان کے طرز زندگی پر منحصر ہیں، جیسے گرد و پیش میں بچہ رہے گا ویسے ہی بری باتیں اس میں پیدا ہوں گی۔

اور دیباچہ و ریشم، سونا، چاندی، پہننے سے بالکل الگ رکھا جائے اور حسب مناسب شریعت اسلامیہ کے حدود و تعزیرات سمجھائے جائیں اور چوری حرام خوری خیانت بددیہانتی، جھوٹ اور بے حیائی، اور نوخیزی کے دوران میں بچوں کی طبیعت میں پیدا ہونے والے تمام بری باتوں سے خوب اچھی طرح ڈرایا جائے جب کسی بچے کی بچپن سے ہی ایسی اٹھان ہوگی تو بلوغ کے قریب پہنچے تک وہ ان امور کے اسرار و حقائق و خوبی سمجھ سکے گا۔

غذا کے متعلق عمدہ تخیل

پھر اس دور میں اسے سمجھایا جائے کہ جس قدر بھی حلال غذا میں ہیں یہ بھی ایک طرح کی دوائیں ہی ہیں اور ان سے صرف یہ مقصود ہے کہ انسان انھیں کھاپی کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر سکے۔

دنیا کی بے ثباتی

اور یہ بات بھی بخوبی ذہن نشیں کرائی جائے کہ دنیا بذاتہ خود ایک غیر مقصود اور بے اصل، بے بقا، اور فنا ہو جانے والی چیز ہے موت اس کی نعمتوں کا خاتمہ کر دیتی ہے، اور یہ صرف ایک گزر گاہ ہے سکون و قرار کا مقام نہیں لیکن عالم آخرت حقیقی امن و سکون کا مکان اور قرار و اطمینان کی جگہ ہے اور ہر وقت دنیا کی زندگی کو ختم کر دینے کی تاک میں لگی ہوئی ہے۔

عقل مند کون ہے؟

اور فی الحقیقت عقل مند وہ شخص ہے جو اس دنیائے فانی سے آخرت کے عالم باقی کے لئے زاد رہ اور نیکیوں کا سرمایہ فراہم کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے قبولیت کا اونچا درجہ نصیب ہو اور جنتوں کی وسیع نعمتیں ملیں اگر بچے کی ابتدائی ذہنی نشوونما اچھی ہوئی ہوگی تو بالغ ہونے کے دوران میں یہ کلام اس کے لئے نہایت اوقع فی النفس مؤثر و خوش آئند کا نقش فی الحجر دل میں گھر کرنے والا ثابت ہوگا۔

اگر اس کے برعکس غلط طریقہ سے اس کی ذہنی نشوونما ہونے سے اس میں بیہودگی، بے حیائی، زیادہ کھانے کی خواہش، عمدہ لباس کی طمع، آرائش و زیبائش کی علت، ناز و انداز تکبر و غرور کی خصلت پیدا ہو چکی ہوگی تو اس کا دل اس حقیقت کے قبول کرنے سے اسی طرح انکار کر دے

گا۔ جس طرح خشک دیوار سوکھی مٹی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے، غرضیکہ یہی ابتدائی امور ہیں جن کا پوری طرح خیال رکھنا چاہیے۔

بچے کی فطرت اور والدین کا فرض

کیونکہ بچے کا جو ہر قلب ایسا ہی پیدا کیا گیا ہے کہ خیر و شر اور نیک و بد دونوں کا اثر لے سکتا ہے اور یہ ماں باپ کا کام ہے کہ اسے نیکی و بدی کے پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف مائل کر دیں حضرت رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

”کل مولود یولد علی الفطرة و انما ابواہ یہود دانہ او ینصرانہ او یمجسانہ“

کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ (الحدیث)

عمدہ تربیت کے اعلیٰ نتیجہ پر ایک تاریخی شہادت

حضرت سہیل بن عبد اللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ میں تین برس کی عمر میں رات کو اٹھ کر اپنے ماموں حضرت محمد بن سوارؒ کی نماز تہجد کا روحانی منظر دیکھا کرتا تھا۔ ایک روز آپ نے مجھے فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا؟ جس نے تجھے پیدا کیا، میں نے عرض کیا کہ میں اسے کس طرح یاد کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ رات کو بستر پر کروٹ بدلنے کے وقت زبان ہلائے بغیر صرف اپنے دل میں تین دفع یوں کہا کرو:

”اللہ معی، اللہ ناظر الی اللہ شاہدی“

اللہ میرے ساتھ ہے، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ میرے سامنے ہے۔

میں نے چند راتوں تک یوں ہی کہا پھر انھیں اس کی اطلاع ادی تو فرمایا کہ اب ہر رات میں سات دفعہ یوں ہی کہا کرو، میں نے ایسا ہی کیا اور پھر اس کی اطلاع بھی عرض کی تو فرمایا ہر رات گیارہ دفعہ کرو، میں نے ایسا ہی کیا جس کے نتیجہ میں مجھے اپنے دل میں اس کی لذت اور حلاوت محسوس ہونے لگی پھر جب اس پر عمل کرتے ہوئے ایک سال گزر گیا تو فرمایا جو ذکر میں نے تمہیں سکھایا ہے اسے خوب یاد رکھو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو، یہ تم کو دنیا و آخرت

لے کر مرید حق کو چاہیے کہ وہ اپنے مرشد کو اپنی کیفیت کی ٹھیک ٹھیک اطلاع دیکر درجہ بدرجہ اصلاح لے اور راہ سلوک و معرفت کو طے کرے۔ بیعت کا مقصد ہی یہی ہے۔

میں نفع کا ذریعہ ہوگا۔ میں چند برسوں تک اسی طرح کرتا رہا، یہاں تک کہ میں اس کی لذت اپنے باطن کی گہرائی میں محسوس کرنے لگا۔

پھر ایک دن فرمایا کہ اے سہیل! اللہ جس کے ساتھ ہو، اسے دیکھتا ہو جس کے سامنے ہو کیا وہ شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ خبردار! کبھی خدا کی معصیت اور نافرمانی نہ کرنا چنانچہ میں تنہا رہنے لگ گیا۔ پھر انھوں نے مجھے مکتب میں بھیجنا چاہا تو میں نے کہا کہ مجھے اپنی توجہ بٹ جانے کا خطرہ ہے ہاں! اگر آپ استاد سے یہ شرط طے کر لیں کہ میں کچھ وقت اس کے پاس پڑھا کروں اور پھر جلدی سے پلٹ کر یاد الہی میں مشغول ہو جایا کروں تو بہتر ہو۔

اس کے بعد میں استاد کے پاس گیا اور چھ سات برس کی عمر تک قرآن کریم پڑھ کر حفظ کر لیا میں ہمیشہ روزہ رکھا کرتا تھا اور بارہ برس تک جو کی روٹی میری خوراک رہی اسی اثناء میں تیرہ برس کی عمر میں مجھے ایک اہم مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تو میں نے اپنے گھر والوں سے درخواست کی کہ وہ مجھے بصرہ جانے کی اجازت دیں تاکہ میں وہاں کے علماء سے وہ مسئلہ دریافت کروں چنانچہ میں نے بصرہ آ کر وہاں کے علماء سے دریافت کیا لیکن ان میں سے کسی نے بھی میری تشفی نہ کی اس کے بعد میں حضرت حبیب حمزہ بن عبداللہ عبادانی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے عبادان گیا۔ اور ان سے وہی مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے مجھے تسلی بخش جواب دیا پھر میں ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر ان کے ملفوظات قدسیہ سے فیض حاصل کرتا تھا اور آداب سیکھتا رہا پھر تستر چلا آیا اور اپنی خوراک کا یہ اندازہ مقرر کیا کہ میرے لئے ایک درہم (تقریباً سو اچار آنہ) کے جو خرید کر پیس کر رکھے جاتے تھے اور اسی میں میرے لئے روٹی پکائی جاتی تھی اور میں ہر رات سحری کے وقت صرف ایک اوقیہ (ایک اونست تقریباً تین تولے) اس میں سے کھاتا اور وہ سالن کے بغیر، اس طرح میرے لئے سال بھر تک یہی ایک درہم کافی ہوتا۔

پھر میں نے یہاں تک ترقی کی کہ تین راتوں کے بعد افطار کرنے لگا، پھر پانچ راتوں کے بعد پھر سات راتوں کے بعد، اسی طرح تدریجاً پچیس راتوں تک پہنچ گیا پھر اسی حالت میں متواتر بیس سال تک قائم رہا پھر کئی برس تک دنیا کی سیاحت کی اور پھر پلٹ کر تستر چلا آیا میں تقریباً ساری ساری رات قیام کرتا تھا امام احمد فرماتے ہیں کہ مجھے اس امر کا ثبوت نہیں ملا کہ انھوں نے اپنے وصال تک کبھی سالن استعمال کیا ہو۔

حاصل کلام

یہ واقعہ امام غزالیؒ نے اس لئے نقل نہیں کیا ہے کہ سب لوگ اپنے بچوں کو اسی طرح تیار کریں بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر ابتداء سے بچے کی تربیت کا مکمل انتظام کیا جائے تو وہ ایسے انسانی کمالات کی بلندیوں تک عروج کر سکتا ہے ورنہ ایسی ریاضت شاقہ اختیار کرنا ہر مسلمان کے ذمہ ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے قوانین و احکام اور اپنے نبی مکرم رسول اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین و جملہ بزرگان دین و اولیاء کرام کی صحیح محبت ہمارے دلوں میں پیدا کرے اور انھیں کے راستہ پر چلائے اور یہی دین تویم ہے اور یہی صراط مستقیم۔

﴿ اَحْرَدُ عَوْنا ان الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين ، آمين ﴾
(رسول کا لونی سخاوی)

(مولوی) صلوات اللہ علیہ وسلم حسن عسکر

وَاللّٰهُ اَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَاذْعُوْهُ بِهَا

اور اللہ کے پیارے پیارے نام ہیں جس میں اس کے ساتھ اس کو پکارو۔

الحمد للہ والمنته حجة الاسلام ابو حامد امام محمد الغزالی کی کتاب

المقصد الاسنی فی شرح

اسماء الحسنی

کا اردو ترجمہ جس میں تناوے نام کے مفصل و شرح معانی کے علاوہ اس میں مشترک اور اسمائے مترادفہ کے متعلق موشگاف بحث کی گئی ہے اور اسمائے باری تعالیٰ کا غیر متناہی ہونا ثابت کیا ہے اور ساتھ ہی تناوے کے عدد میں شرعاً ان کے محصور ہونے کی حکمت پر روشنی ڈالی ہے اور اسم و ذات کے اتحاد و تغائر کے متعلق شہور مذاہب کے اقوال پیش کر کے فیصلہ کن بحث کی گئی ہے۔

ترجمہ محشاة

مولانا محمد نذیر مرنی "مولوی فاضل" و منہی فاضل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله المتفرد بكبريائه
وعظمته، المتوحد بتعالیه وصمديته الذي قص
اجنحة العقول دون حمى عزته، ولم يجعل
السبيل الى معرفته الا بالعجز عن
معرفته، وقصر السنة الفصحاء عن الثناء على
جمال حضرته الا بما اثنى به على نفسه، واحصى
من اسمه وصفته، والصلوة على
محمد خير خلقه، وعلى اله واصحابه وعترته.

مجھ سے میرے ایک دینی بھائی نے فرمائش کی جس کی تعمیل شرعاً ضروری تھی
کہ میں اسماء الحسنیٰ کی شرح لکھوں مگر میں اس کے متعلق اپنے ارادے کا ایک قدم
آگے رکھتا تھا تو ہمت کے دو قدم پیچھے جا پڑتے تھے۔ یہ تھا کہ میں اس کا حق اخوت
ادا کرنے کے لئے اس کام کا بیڑا اٹھاؤں۔ یا اس مشکل کام کا ذمہ اٹھانے سے
بچتے ہوئے اور قوت بشری کو اس مقصد کے حصول کے لئے نا کافی سمجھتے ہوئے
اس سے معافی چاہوں اور معافی کیوں نہ چاہتا جبکہ عاقل آدمی کو اس مشکل کام
میں پڑنے سے دو باتیں مانع ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ کام فی نفسہ بڑا کٹھن اور دشوار
حصول ہے کیونکہ وہ اپنی شان کے لحاظ سے چوٹی کا کام ہے جس کے آگے عقل
حیران ہے اور آخری منزل چھوڑ اس کی پہلی ہی منزل میں نگاہیں پست ہو جاتی
ہیں انسانی طاقتوں کا یہ بل بوتہ کہاں ہے کہ خدائی صفات میں بحث و تحقیق کا
سلسلہ چھیڑے اور چمگاڑوں کی نگاہوں میں یہ تاب کہاں کہ مہر تاباں کا دیدار کر

سکیں۔

دوم یہ کہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق جو کچھ کہا جائے ممکن ہے کہ وہ جمہور کے خلاف واقعہ ہو۔ اور لوگوں کو ان کی عادات اور مذہبی مالوفات سے باز رکھنا مشکل ہے لیکن فرمائش کا پاس اور اس دوست کے شدت اصرار نے ان عذروں کی کوئی پیش نہ جانے دی۔

”فاسئل اللہ تعالیٰ ان یسهل الصواب، ویجزل الثواب، بمنہ ولطفہ، وسعة جودہ انہ الکریم الجواد، الرؤف بالعباد،“

مقدمہ

مناسب ہے کہ اس کتاب کو تین فنون پر منقسم کیا جائے۔

(۱) پہلا فن۔ ابتدائی باتوں میں۔

(۲) دوسرا فن۔ مقاصد خاص میں۔

(۳) تیسرا فن۔ لواحق اور تتمہ جات میں۔

پہلے فن کے مضامین گویا مقاصد خاص کی تمہید ہیں۔

اور تیسرے فن کے مضامین مقاصد خاص کا تکملہ ہیں۔

فن اولیٰ۔ میں ان باتوں کا بیان ہے:-

(۱) اسم۔ مسمیٰ اور تسمیہ کے قول کی حقیقت۔ اور اس میں جو اکثریت مذاہب کو غلط فہمی لاحق ہوئی ہے اس کا ازالہ۔

(۲) اللہ کے اسماء میں سے جو باہم قریب المعنیٰ ہیں مثلاً عظیم، جلیل، کبیر، کیا وہ ایک ہی معنی پر حمل کیے جاسکتے ہیں۔ یعنی وہ اسماء مترادف ہیں یا ان کے معانی کا متفاوت ہونا لازم ہے۔

(۳) جس اسم کے دو معنی ہیں، کیا وہ دونوں معنوں میں مشترک ہے اور ان دونوں معنوں

پر اس طرح محمول ہوتا ہے جیسے عموم کا اس کی مسمیات میں حمل ہوتا ہے یا اسم کا حمل ان معنوں میں سے صرف ایک پر متعین ہے۔

(۱۷) کیا بندہ کو اسمائے باری تعالیٰ میں سے ہر اسم کے معنی سے حصہ ملا ہے۔

فن ثانی۔ میں یہ باتیں شامل ہیں۔

(۱) فَرْقِیْ نام کے معانی۔

(۲) اس امر کا بیان کہ اہل سنت کے نزدیک یہ تمام اسماء صرف ایک ذات اور سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہوتے ہیں۔

(۳) اس امر کا بیان معتزلہ اور فلاسفہ کے مذہب کی رو سے یہ اسماء صرف ایک ذات کی طرف جس میں کثرت کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکر راجع ہوتے ہیں۔

فن ثالث۔ ان باتوں پر مشتمل ہے:

(۱) اسمائے باری تعالیٰ نناوے سے زائد ہیں جو موقوف ہیں۔

(۲) ایک کم سو اسماء کے شمار اور تخصیص کا فائدہ۔

(۳) اللہ تعالیٰ کو ان صفات مدح سے موصوف کرنا جائز ہے۔ جن سے وہ بالمعنی متصف ہے۔ اور ان صفات کے ساتھ بھی جن میں کوئی نقص کا معنی نہ پایا جائے جب کہ اس میں کوئی منع وارد نہ ہو وہ الفاظ جن میں نقص کا مفہوم شامل ہے ہرگز خدا کی شان میں نہیں بولے جاتے مگر جبکہ ان میں اجازت آئی ہو تو پھر ان کی اس طرح تاویل کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی شان مناسب ہو۔

(۴) بعض اوقات اللہ کی شان میں ایک لفظ کا اطلاق ممنوع ہوتا ہے مگر جب اس کے ساتھ اس کے جوڑ کا لفظ شامل کیا جائے تو اس کا اطلاق درست ہو جاتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء الحسنیٰ کے ساتھ پکارا جاتا ہے جیسا کہ اس نے حکم دیا ہے۔

اگر ہم ان اسماء سے تجاوز کریں۔ یہاں تک کہ اس کو اس کی اوصاف سے پکاریں تو صرف مدح و جلال کی صفتوں سے پکارا جائے گا۔

اور ہر صفت یا فعل جس کے ساتھ اس کا موصوف ہونا یا منسوب ہونا جائز ہے اس

کے ساتھ جب ہی پکارا جائے گا کہ اس میں مدح و جلال کا مفہوم شامل ہو اس بات کو ہم جہاں اس کا موقع آئے گا صاف طور پر بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلا فن

ابتدائی باتوں میں

پہلی فصل

اسم مسمیٰ اور تسمیہ کے معنی

اسم مسمیٰ کے متعلق بہت لوگوں نے غور کیا ہے اور سب نے جدا جدا مسلک اختیار کیے ہیں مگر اکثر نے دھوکا کھایا ہے ایک کہتا ہے کہ اسم ہی مسمیٰ ہے۔ مگر وہ تسمیہ سے علیحدہ ہے۔ ایک اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسم، مسمیٰ سے جدا ہے مگر وہ تسمیہ ہی ہے، اگر ایک تیسرا گروہ جو الہیات کا کیڑا اور بحث و مناظرہ میں نام آور ہے، کہتا ہے کہ اسم کبھی مسمیٰ ہوتا ہے جیسے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ذات ہے اور موجود ہے اور کبھی مسمیٰ کا غیر ہوتا ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ خالق ہے وہ رازق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں لفظ خلق۔ (آفرینش) اور رزق (روزی رسائی) پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں اس سے غیر ہیں کبھی اس کی ایسی حیثیت ہوتی ہے کہ نہ تو اس کو مسمیٰ کہا جاسکتا ہے اور اس نہ اس کا غیر، جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ عالم ہے اور قادر ہے یہ دونوں لفظ علم اور قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن کی نسبت نہ تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ ہی ہیں اور نہ یہ کہ اللہ کے غیر ہیں۔ یہ اختلاف دو باتوں سے پیدا ہوا ہے۔

ایک تو یہ کہ اسم تسمیہ ہے یا نہیں؟

دوم یہ کہ اسم مسمیٰ ہے یا نہیں؟

حق یہ ہے کہ اسم نہ تسمیہ ہے اور نہ مسمیٰ ہے اور یہ تینوں اسماء متباین ہیں، مترادف نہیں اظہار حق کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان تینوں لفظوں کے جدا جدا معنی بتائے جائیں پھر اس قول کے معنی بتایا جائے کہ ”فلاں شے فلاں ہے“۔ اور اس قول کے معنی کہ ”فلاں شے فلاں کا غیر ہے“۔ حقائق کے معلوم کرنے کا یہی طریقہ ہے اور اس پر کار بند نہ ہونے والا ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ جو علم تصدیق ہے یعنی اس کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے اس کے الفاظ ایک قضیہ کے صورت میں ہوتے ہیں، اس قضیہ میں ایک موصوف ایک صفت، اور ایک ان دونوں کی باہمی نسبت ہوتی ہے یہ ضرور ہے کہ پہلے صرف موصوف کا علم اس کی حد و حقیقت کے تصور سے ہو۔ پھر صرف صفت کا علم اس کی حد و حقیقت کے تصور سے ہو، اور پھر اس نسبت پر نظر کی جائے جو صفت کو موصوف کے ساتھ ہے کہ وہ اس کے لئے ثابت ہے یا اس سے منفی ہے: دیکھو جو شخص مثلاً یہ سمجھنا چاہے کہ ملک قدیم ہے یا حادث؟ تو اس کے لئے لازم ہے کہ پہلے لفظ ملک کے معنی سمجھے، پھر قدیم یا حادث کے پھر ان دونوں وصفوں میں ایک کو ملک کے لئے ثابت کرنے یا اس سے نفی کرنے پر نظر کرے۔

اسی طرح ضروری ہے کہ اسم کے معنی، مسمیٰ کے معنی اور تسمیہ کے معنی معلوم کیے جائیں، اور اس کے معنی بھی معلوم کیے جائیں کہ فلاں شے فلاں ہے۔ اور یہ کہ کسی شے کی ہویت اور غیریت کیا ہے، تاکہ یہ امر سمجھ میں آسکے کہ فلاں شے فلاں ہے یا اس کی غیر ہے۔

ہر شے کا ایک وجود خارج میں ہوتا ہے ایک ذہن میں اور ایک زبان میں خارجی وجود اصلی اور حقیقی ہے، ذہنی وجود علمی اور صوری ہے۔ اور زبانی وجود لفظی و دلیلی ہے۔

مثلاً سماء (آسمان) کا ایک وجود فی نفسہ ہے۔ اور ایک وجود ہمارے ذہن اور نفس میں ہے، کیونکہ آسمان کی صورت ہماری نگاہوں کے ذریعہ سے ہمارے خیالوں میں منعقد ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض آسمان معدوم ہو جائے اور ہم سلامت ہوں، تو آسمان کی صورت پھر بھی ہمارے خیال میں موجود ہوگی، اسی صورت کو علم کہتے ہیں، اور وہ اس کی مثال ہوتی ہے جس کی نسبت علم ہوتا ہے کیونکہ وہ معلوم شے کی حالت کا پتہ دیتی ہے۔ وہ ایسی ہے جیسے آئینہ میں شکل دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی مقابل کی مقابل خارجی صورت کی حالت کا پتہ دیتی ہے اور زبانی وجود لفظ ہے۔ جو چار حصص پر تقسیم ہونے والی آوازوں سے مرکب ہے، پہلے

حصے کو سین۔ دوسرے کو میم، تیسرے کو الف، اور چوتھے کو ہمزہ کہتے ہیں اور وہ لفظ سماء ہے۔ پس قول امر ذہنی کی دلیل ہے اور امر ذہنی امر موجود کی صورت ہے اگر خارجی وجود نہ ہوتا تو ذہن میں صورت منطبع نہ ہوتی۔ اور اگر ذہن میں صورت منطبع نہ ہوتی تو انسان اس سے مطلع نہ ہوتا اور اگر انسان اس سے مطلع نہ ہوتا تو زبان سے اس کا اظہار نہ کرتا غرض کہ لفظ علم اور معلوم یہ تینوں متبائن امور ہیں۔ لیکن تینوں متطابق و متوازی ہیں۔ اس لئے بسا اوقات کم فہم انسان ان میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اور فی الحقیقت ان میں امتیاز کیوں نہ ہو۔ جبکہ ہر ایک کے جدا جدا خواص ہیں۔ مثلاً انسان اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الخارج ہے۔ اس کو یہ امور لاحق ہیں۔ کہ وہ سوتا ہے۔ جاگتا ہے۔ زندہ ہے۔ مرجاتا ہے۔ چلتا ہے۔ بیٹھتا ہے۔ وغیر ذالک اور اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الذہن ہے۔ اس کو یہ باتیں لازم ہیں کہ وہ مبتدا۔ یا خبر اور عام یا خاص اور جزئی یا کلی یا قضیہ وغیرہ ذالک بنتا رہتا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی اللسان ہے۔ اس کو یہ باتیں لاحق ہوتی ہیں۔ کہ وہ عربی۔ یا فارسی۔ یا ترکی۔ یا زنگی زبان سے ہے۔ اور کم حروف رکھتا ہے۔ یا زیادہ، اور وہ اسم یا فعل یا حرف یا کچھ اور ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ وجود حسب مراد یا مبدلتا رہے اور اہل بلاد کی عادات میں متفاوت ہو، خارجی اور ذہنی وجود کو تو جانے دو۔ لفظی وجود کو لو۔ کیونکہ اسی کے متعلق بحث کرنا ہمارا مدعا ہے۔

الفاظ سے مراد حروف مقطعه ہیں جو انسانی اختیار سے بنے ہیں تاکہ اشیاء کی ذات پر دلالت کریں یہ حروف مقطعه دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو اولاً موضوع ہیں، دوسرے وہ جو ثانیاً موضوع ہیں۔

اولاً موضوع کی مثال آسمان، درخت انسان وغیر ذالک، اور ثانیاً موضوع جیسے اسم، فعل، حرف، امر، نہی، مضارع وغیرہ۔ یہ الفاظ موضوع بوضع ثانی اس لئے ہیں کہ وہ الفاظ جو مختلف اشیاء پر دلالت کرنے کے لئے موضوع ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو معنی فی غیرہ پر دلالت کرتے ہیں ان کا نام حرف ہے دوسرے وہ جو معنی فی نفسہ پر دلالت کرتے ہیں پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو اس معنی کے زمانہ وجود ہی پر دلالت کرتے ہیں، اس قسم کا نام فعل ہے جیسے ضرب (اس نے مارا) یضرب (وہ مارتا ہے) دوسرے وہ جو زمانہ پر دلالت نہیں کرتے۔ ان کو اسم کہتے ہیں۔ جیسے آسمان وزمین۔

پہلے تو اعیان خارجیہ پر دلالت کرنے کے لئے الفاظ وضع کیے گئے پھر اس کے بعد اسم، فعل، حرف، وغیرہ اقسام الفاظ پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیے گئے کیونکہ الفاظ بھی وضع کیے

جانے کے بعد موجود فی الایمان بن گئے۔ اور ان کی صورتیں ذہن میں منقش ہو گئیں۔ تو وہ بھی اس قابل سمجھے گئے کہ حرکات زبان سے ان پر دلالت ہو، الفاظ کا موضوع بوضع ثالث درابع ہونا بھی متصور ہو سکتا ہے حتیٰ کہ اگر اسم کو کئی اقسام پر منقسم کیا جائے، اور ہر قسم کا ایک خاص اسم مقرر کیا جائے۔ تو یہ اسم درجہ ثالث میں ہوگا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اسم نکرہ اور معرفہ وغیرہ پر منقسم ہوتا ہے،

اس تمام بیان سے یہ معلوم کرنا مدعا ہے کہ اسم موضوع بوضع ثانی ہے، چنانچہ اگر سوال کیا جائے کہ اسم کی کیا تعریف ہے؟ تو جواب یہ ہوگا کہ اسم وہ لفظ ہے جو دلالت کے لیے موضوع ہو اور اس میں ایسی شرائط بھی ہم اضافہ کر سکتے ہیں جو اس کو حرف اور فعل سے ممتاز کرتی ہیں مگر یہاں اس کی تعریف بیان کرنا ہمارا مدعا نہیں ہے۔ صرف یہ غرض ہے کہ اسم سے مراد وہ معنی ہے جو تیسرے درجہ میں ہے اور اس کا وجود زبان میں ہے۔ خارج میں یا ذہن میں نہیں۔ جب تم کو اتنا معلوم ہو چکا کہ اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو دلالت کے لیے وضع کیا گیا ہو تو پھر یہ سمجھنا چاہیے کہ جو لفظ دلالت کے لئے وضع کیا گیا ہو اس کے لئے واضح، وضع اور موضوع لہ کا ہونا لازم ہے۔

موضوع لہ کو مسمیٰ کہتے ہیں اور یہ وہ شے ہے جس پر لفظ دلالت کرتا ہے۔ واضح کو مسمیٰ (نام رکھنے والا) کہتے ہیں اور وضع کو تسمیہ نام رکھنا جب کوئی شخص اپنے بیٹے کے لئے ایسا لفظ تجویز کرتا ہے جو اس پر دلالت کرے۔ تو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کا نام رکھا۔ اور اس کے اس لفظ تجویز کرنے کو تسمیہ کہتے ہیں، کبھی نام لینے کو بھی تسمیہ کہہ دیتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی کو پکارے اے زید! تو اس کی اس ندا کو تسمیہ کہیں گے گویا لفظ تسمیہ نام رکھنے اور نام لینے کے دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ کو بظاہر نام لینے کی نسبت نام رکھنے کے معنوں میں ہونا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

اسم، تسمیہ، مسمیٰ اور مسمیٰ بمنزلہ حرکت، تحریک، محرک، اور محرک، کے ہیں۔ اور یہ چاروں مختلف اسم مختلف معنوں پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ حرکت ایک مکان سے دوسرے مکان میں نقل کرنے پر دال ہے۔ تحریک اس حرکت کی ایجاد پر دال ہے۔ محرک صادر ہوتی ہے یہ متحرک کی طرح نہیں ہے۔ جو صرف فعل حرکت پر دال ہے اور فاعل پر دال نہیں جب ان الفاظ کے مفہومات ظاہر ہو گئے تو اب دیکھنا چاہیے کہ کیا ان کے متعلق یہ کہنا جائز ہو سکتا ہے کہ ان میں سے فلاں فلاں ہے یا اس کا غیر ہے مگر اس بات کے سمجھنے کے لئے کسی چیز کے فلاں ہونے، اور

فلاں شے کے فلاں ہونے یا فلاں سے غیر ہونے کے معانی سمجھنے لازم ہیں۔
یہ جو ہم کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شے فلاں ہے اس کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت

کی نظیر یہ کہ کوئی کہے پانی جل ہے یا تیل شمشیر ہے، یہ صورت ان تمام اشیاء میں جاری ہوتی ہے، جوئی نفسہ واحد ہوں۔ مگر ان کے دو مترادف نام ہوں۔ جن کے مفہوم کچھ بھی تفاوت نہ رکھتے ہوں صرف حرفوں کا فرق ہو۔ ایسے اسماء کو مترادف کہتے ہیں۔

دوسری صورت

کی نظیر یہ کہ کوئی سانڈنی، اونٹنی ہے۔ یا کوئل، گھوڑا ہے یہ صورت پہلی سے جدا ہے اس کے اسماء مترادف نہیں مختلف مفہوم رکھتے ہیں کیونکہ سانڈنی اونٹنی کے ساتھ تیز رفتار کا مفہوم بھی مضاف ہے اور کوئل میں گھوڑے کے ساتھ سواری سے زائد ہونے یا آراستہ و پیراستہ ہونے کا مفہوم بھی شامل ہے، صرف اونٹنی یا گھوڑے میں کوئی اس قسم کا زائد مفہوم شامل نہیں ہے اس قسم کے اسماء کو متداخل کہنا چاہیے کیونکہ اونٹنی سانڈنی کے مفہوم میں گھوڑا کوئل کے مفہوم میں داخل ہے،

تیسری صورت

کی نظیر یہ ہے کہ کوئی کہے کہ برف سفید اور ٹھنڈی ہے اس میں سفید اور ٹھنڈی ایک ہی چیز ہے، کیونکہ جو سفید ہے وہی ٹھنڈی ہے۔ یہ صورت نہایت بعید ہے اور اس کا نتیجہ موضوع کی وحدت ہے جو دو وصفوں سے موصوف ہے مطلب یہ کہ ایک ہی شے سفیدی اور ٹھنڈک سے موصوف ہے۔

غرض ہمارا یہ کہنا کہ فلاں شے فلاں ہے ایک کثرت پر دلالت کرتا ہے جس میں ایک طرح سے وحدت ہے کیونکہ اگر وحدت نہ ہو تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں اور فلاں ایک ہی چیز ہیں اور کثرت نہ ہو تو فلاں شے اور فلاں شے کیونکر کہا جاسکے۔ جو صاف دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

اب ہم اپنے اصل مطلب پر آتے ہیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسم، مسمیٰ ہی ہے جس

طرح اسمائے مترادف میں کہا جاتا ہے کہ شمشیر تیغ ہی ہے وہ بہت بڑی غلطی پر ہے، کیونکہ مسمیٰ کا مفہوم اسم کے مفہوم سے جدا ہے، چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسم وہ لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے اور مسمیٰ وہ چیز ہے جس پر دلالت ہوتی ہے اور وہ چیز کبھی غیر ملفوظ ہوتی ہے۔ اور اس لئے اس میں عربی ترکی اور فارسی یعنی عرب ترک اور فارس کے لوگوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ وہ مسمیٰ کبھی ایسا نہیں ہوتا۔

اسم کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ تو اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ کیا ہے، اور مسمیٰ کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو عموماً کہتے ہیں یہ کون ہے یا کونسی چیز ہے۔ جیسے کوئی شخص آئے تو پوچھتے ہیں کہ اس کا اسم کیا ہے۔ جواب ملتا ہے کہ زید ہے اور جب مسمیٰ کی نسبت پوچھنا ہو تو کہتے ہیں یہ کون ہے۔

اگر کسی خوبصورت ترک کا نام ہنود کا سا (مثلاً مرلی دھریا کھڑک سنگھ) رکھ دیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ اسم خراب اور مسمیٰ خوب ہے۔

اگر کسی کا لمبا اور ثقیل نام رکھ دیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ نام ثقیل اور مسمیٰ خفیف ہے اسم کبھی مجاز ہوتا ہے اور مسمیٰ نہیں ہوتا۔ اسم تو کبھی تفاوتاً تبدیل کر لیا جاتا ہے اور مسمیٰ تبدیل ہو نہیں سکتا۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسم مسمیٰ سے علیحدہ ہے۔ اگر غور کرو تو ان کے سوا اور بھی دلائل مل سکتے ہیں لیکن دانا کو اشارہ ہی کافی ہے اور کم فہم کے لئے زیادہ دلائل بھی زیادتی حیرت کے موجب ہو جاتے ہیں۔

دوسری صورت کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اسم، مسمیٰ ہی ہے۔ بایں معنی کہ مسمیٰ، اسم سے مشتق ہے۔ پس وہ اس میں داخل ہے جس طرح اونٹنی، سانڈنی کے مفہوم میں داخل ہے۔

تو اگر یہ مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اسم تسمیہ، مسمیٰ، اور مسمیٰ، ایک ہی چیز ہوں۔ کیونکہ سب کے سب اسم سے مشتق ہیں۔ اور اسم پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ ایک لفظی مغالطہ ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ حرکت تحریک، محرک، اور متحرک سب ایک ہی ہیں۔ اس لئے کہ وہ حرکت سے مشتق ہیں، اور یہ بڑی غلطی ہے، کیونکہ حرکت محض جنبش پر دلالت کرتی ہے جس میں محل اور فعل پر کوئی دلالت نہیں محرک فاعل حرکت پر اور محرک محل حرکت پر دلالت کرتا ہے۔ بایں لحاظ کہ وہ مفعول ہے بخلاف متحرک کے کیونکہ وہ صرف محل حرکت پر دلالت کرتا ہے اور اپنے مفعول

پر دال نہیں ہے۔ اور تحریک فعل حرکت پر دلالت کرتی ہے، بلا فاعل اور محل کی دلالت کے۔ پس یہ سب متبائن حقیقتیں ہیں اگرچہ ان سب سے حرکت خارج نہیں ہے لیکن حرکت فی نفسہا ایک خاص حقیقت رکھتی ہے جو عقل میں آ سکتی ہے پھر اس کی جو نسبت فاعل کی طرف ہے وہ بھی سمجھ میں آتی ہے اور یہ اضافت ہے جو مضاف سے جدا ہے۔ کیونکہ اضافت دو چیزوں کے درمیان متعقل ہوتی ہے۔ مضاف کبھی اکیلا بھی متعلق ہوتا ہے۔ اور اس کی نسبت محل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ اور وہ اس نسبت سے جدا گانہ ہے، جو فاعل کے ساتھ ہے۔

بات یہ ہے کہ حرکت کی نسبت اپنے محل کے ساتھ اور اس کی حاجت بدیہی بات ہے اور فاعل کی طرف اس کی نسبت نظری و کبی ہے اس سے دونوں نسبتوں کے وجود کا حکم مراد ہے، نہ تصور تو اسی طرح اسم کی دلالت بھی ہے اور اس کا مدلول بھی ہے جس کو مسمیٰ کہتے ہیں، اور اس کی وضع فاعل مختار کا فعل ہے وہ تسمیہ کہلاتی ہے اب یہ مداخلت ایسی ہے۔ جیسے اونٹنی، سانڈنی کے مفہوم میں اور گھوڑا کوئل کے مفہوم میں داخل ہے۔ کیونکہ سانڈنی، دراصل اونٹنی ہے جس کے ساتھ خاص صفت شامل ہے پس اونٹنی، سانڈنی میں داخل ہے اور مسمیٰ کی یہ کیفیت نہیں کہ وہ اسم کسی صفت سمیت اور نہ تسمیہ ہی اسم صفت سمیت ہے پس اس میں تاویل درست نہیں۔

تیسری وجہ جس کا مطلب کئی صفتوں کا ایک محل میں موجود ہونا ہے۔ وہ بھی دو رقیاس ہونے کے علاوہ اسم و مسمیٰ میں جاری نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اسم و تسمیہ میں جاری ہو سکتی ہے۔

حتیٰ کہ یوں کہا جاسکے کہ ایک ہی چیز اسم اور تسمیہ کہلانے کے لئے موضوع ہے جیسا کہ برف کی مثال میں پایا جاتا ہے کہ ایک ہی چیز سرد اور سفید کہلاتی ہے ورنہ اس کی وہی مثال ہوگی جیسے کوئی کہے کہ صدیق وہ ہے جو ابو قحافہ کا بیٹا ہے کیونکہ اس کی تاویل یہ ہوگی کہ صدیق ہونا اس شخص کی صفت ہے جو ابو قحافہ کا بیٹا بننے سے منسوب ہے ”تو فلاں شے فلاں ہے“ کا مطلب یہ ہوگا کہ موضوع ایک ہی ہے حالانکہ دونوں صفتوں کا متبائن یقینی امر ہے چنانچہ صدیق کا مفہوم اور ہے ابو قحافہ کا بیٹا ہونے کا مفہوم اور ہے غرض وہ تاویلات اسم و مسمیٰ اور اسم و تسمیہ میں حقیقتاً مجازاً ہرگز نہیں چل سکتیں جن میں یوں کہا جاسکے کہ ”فلاں شے فلاں ہے“ ان تاویلات میں حقیقی وہ ہے جو مترادف اسماء ہوتی ہے جیسے کہ ہم کہتے ہیں کہ تیغ، شمشیر ہے، بشرطیکہ لغت کی روح سے دونوں لفظوں کے مفہوم میں فرق نہ ہو اگر فرق ہو تو دوسری مثال تلاش کرنی چاہیے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک حقیقت کے کئی نام ہوں۔

ابو قحافہ حضرت ابو بکرؓ کے باپ کا نام ہے۔

ہمارے اس قول میں کہ ”فلاں شے فلاں ہے“ ایک پہلو سے کثرت اور ایک پہلو سے وحدت ہونی چاہیے۔ اور تمام وجود میں سے زیادہ حقیقی وجہ یہ ہے کہ معنی میں وحدت اور صرف لفظ میں کثرت ہو۔

اس لمبے چوڑے اختلاف کے متعلق اسی قدر کافی ہے جو لکھا گیا اس سے تم کو معلوم ہو چکا کہ اسم، تسمیہ مسمیٰ یہ تینوں الفاظ متبائن مفہوم اور مختلف مقصود رکھتے ہیں ان کی یہ نسبت بجائے اس کے کہ ”فلاں فلاں ہے“ کہیں یہ کہنا صحیح ہے کہ ”فلاں فلاں سے غیر ہے“ تیسرا مذہب جو اسم کو تین قسموں میں منقسم کرتا ہے یعنی ایک وہ جو مسمیٰ ہی ہے اور دوسرا وہ جو مسمیٰ کا غیر ہے، تیسرا وہ جو نہ مسمیٰ ہے نہ مسمیٰ کا غیر۔

یہ مذہب نہایت کج اور سب سے زیادہ مضطرب ہے ہاں یوں تاویل ہو سکتی ہے کہ جس اسم کو تین قسموں میں منقسم کیا ہے اس سے مراد خود اسم نہیں ہے بلکہ اس کے مفہوم اس میں مراد ہیں اور اسم کا مفہوم اسم سے جدا ہے۔ کیونکہ مفہوم اسم مدلول ہے اور مدلول دلیل سے علیحدہ ہے اور یہ مذکورہ تقسیم مفہوم اسم پر جاری ہوئی ہے۔

پس یوں کہنا صحیح ہوگا کہ اسم کا مفہوم کبھی مسمیٰ کی ذات و حقیقت اور اس کی ماہیت ہوتی ہے اور یہ وہ اسماء انواع ہیں جو مشتق نہیں ہیں۔ مثلاً انسان علم بیاض اور جو اسماء مشتق ہیں وہ حقیقت مسمیٰ پر دلالت نہیں کرتے بلکہ ان میں حقیقت مبہم رہتی ہے۔ اور وہ مسمیٰ کی کسی صفت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً عالم اور کاتب، پھر اس کے بعد مشتق کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو ایسی وصف پر دلالت کرے جو مسمیٰ میں حال ہو جیسے عالم ابیض وغیرہ۔

دوسری قسم وہ جو کسی غیر اور علیحدہ چیز کے ساتھ اپنی نسبت پر دلالت کرے مثلاً خالق اور کاتب۔

پہلی قسم کی تعریف یہ ہے کہ وہ اسم جو ”کیا ہے“ کہ جواب میں بولا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کسی شخص کی طرف اشارہ کر کے کہیں ”یہ کیا ہے“ اور یوں نہ کہیں کہ ”کون ہے“ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ”انسان ہے“ اگر کوئی یوں کہدے کہ ”حیوان ہے“ تو یہ ماہیت کے سوال کا جواب نہ ہوگا کیونکہ ماہیت صرف حیوانیت سے نہیں بنی بلکہ حیوان ناطق سے بنی ہے تو انسان حیوان ناطق کا اسم ہے۔

اگر اس سوال کے جواب میں انسان کی بجائے کہیں ”سفید ہے“ یا ”طویل ہے“ یا ”عالم ہے“ یا ”کاتب ہے“ تو یہ جواب ٹھیک نہ ہوگا کیونکہ سفید کا مفہوم ایک مبہم شے ہے جس

میں سفیدی کا وصف ہے کیا معلوم وہ کوئی شے ہے اور عالم کا مفہوم ہے کوئی مبہم شے جس میں علم کا وصف ہو اور کاتب کا مفہوم ہے کوئی مبہم شے جو کتابت کا فعل کرتی ہو ہاں بطور خود یوں سمجھ جائیں گے کہ کاتب انسان ہی ہوتا ہے مگر یہ امور خارجیہ کے ذریعہ سے سمجھیں گے (خاص لفظ کا تب میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے)

اس طرح جب رنگ کی طرف اشارہ کیا جائے اور پوچھا جائے یہ کیا ہے تو جواب ہو گا کہ سفیدی ہے اگر اسم مشتق اس کے جواب میں بولا جائے مثلاً سفید ہے یا چمکیلا ہے تو یہ جواب کافی نہ ہوگا کیونکہ کیا ہے کے سوال سے تو ذات کی حقیقت اور ماہیت مطلوب تھی اور سفید مبہم شے ہے جس میں سفیدی ہوتی ہے اسی طرح چمکیلی کوئی شے ہے جس میں چمک پائی جاتی ہے غرض یہ تقسیم اسماء کے مدلول و مفہوم میں درست ہے اس قسم کی تعبیر یوں بھی ہو سکتی ہے کہ اسم کبھی تو ذات پر دلالت کرتا ہے اور کبھی فہم کے غیر پر، اور یہ سرسری اطلاق کے طور پر ہوگا چنانچہ ہمارا یہ کہنا کہ کبھی ذات کے غیر پر دلالت کرتا ہے اگر اس کی اس طرح توضیح نہ کی جائے کہ اس سے ماہیت کا غیر مراد ہے؟ جو کیا ہے کہ جواب میں بولی جاتی ہے تو یہ کہنا ہرگز صحیح نہ ہوگا کیونکہ مثلاً عالم ایک ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو علم سے موصوف ہے اور لفظ علم صرف علم پر دلالت ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذہب مذکور کے اس قول میں کہ اسم کبھی مسمیٰ کی ذات ہوتا ہے دو خرابیاں ہیں اور دونوں کی اصلاح لازم ہے ایک (۱) تو یہ کہ اسم کی جگہ مفہوم اسم کہنا چاہیے۔ دوم (۲) یہ کہ ذات کی جگہ ماہیت ذات کہنا ٹھیک ہے۔

اب عبارت یوں ہوئی مفہوم اسم کبھی ذات کی حقیقت اور ماہیت ہوتی ہے اور کبھی حقیقت کا غیر ہوتی ہے مذکورہ مذہب والوں نے جو یہ کہا ہے خالق مسمیٰ سے غیر ہے تو اگر اس میں خالق سے لفظ خالق مراد ہے (اور لفظ ہمیشہ مدلول لفظ سے غیر ہوتا ہے)۔

تو صحیح ہے اور اگر لفظ خالق کا مفہوم مسمیٰ کا غیر مراد ہے تو یہ محال ہے کیونکہ خالق اسم ہے اور ہر اسم کا مفہوم اس کا مسمیٰ ہے اگر اس سے مسمیٰ سمجھ میں نہ آئے تو وہ اس کا اسم نہ ہوگا۔

اور خالق خلق (پیدا کرنا) کا اسم نہیں ہے اگرچہ خلق اس میں داخل ہے اور کاتب کتابت کا اسم نہیں ہے اور نہ مسمیٰ تسمیہ کا اسم ہے بلکہ خالق ذات کا اسم ہے اس حیثیت سے کہ اس سے فعل خلق صادر ہوتا ہے اور خالق سے بھی ذات مفہوم ہوتی ہے لیکن صرف حقیقت ذات مفہوم نہیں ہوتی بلکہ ذات اس حیثیت سے کہ اس میں صفت اضافی موجود ہے جیسے ہم باپ کا

لفظ بولیں تو اس سے بیٹے کی ذات مفہوم نہیں ہوتی بلکہ باپ کی ذات مفہوم ہوتی ہے اس حیثیت سے کہ اس کو باپ کی طرف اضافت ہے۔

اوصاف دو قسم کے ہوتے ہیں ایک اضافی دوسرے غیر اضافی اور ان تمام کے ساتھ ذاتیں موصوف ہیں اگر کوئی سوال کرے کہ خالق وصف ہے اور ہر وصف میں اثبات ہوتا ہے اور اس لفظ کے مضمون میں اثبات نہیں ہے سوائے خلق کے اور خلق یا خالق سے غیر ہے اور خالق میں خلق کا کوئی وصف حقیقی نہیں ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مسمیٰ کے غیر کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ اسم سے مسمیٰ کا غیر سمجھا جاتا ہے متناقض ہے جیسے کوئی کہے کہ دلیل سے مدلول کا غیر سمجھا جاتا ہے کیونکہ مسمیٰ سے مراد اسم کا مفہوم ہے تو پھر مفہوم مسمیٰ کا غیر اور مسمیٰ مفہوم کا غیر کیوں ہو سکتا ہے اور قائل کا یہ قول کہ خالق میں خلق کا کوئی وصف نہیں اور کاتب میں کتابت کا وصف ہے ٹھیک نہیں اس امر کی دلیل کہ وہ اس کا وصف رکھتا ہے یہ ہے کہ وہ کبھی اس سے موصوف کیا جاتا ہے اور کبھی اس سے اس وصف کی نفی کی جاتی ہے اور اضافت مضاف کا اس طرح وصف ہے جس طرح بیاض وصف ہے جو مضاف نہ ہو وصف اضافت کا بھی اثبات نفی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ جو شخص زید اور بکر کو جانتا ہے پھر یہ معلوم کرتا ہے کہ زید بکر کا باپ ہے تو ضرور اس نے ایک نئی بات معلوم کی ہے اور یہ شے یا تو وصف ہے یا موصوف ہے اور وہ شے موصوف کی ذات نہیں بلکہ وصف ہے اور وہ وصف قائم بنفسہ نہیں بلکہ وہ زید کے ساتھ قائم ہے۔ پس اضافتین اوصاف کے قبیل سے ہیں جن کے موصوف مضافات ہیں مگر ان کا مضمون اور چیزوں کے مابین قیاس کیے بدون سمجھ میں نہیں آتا اور یہ امر ان کو اوصاف ہونے سے منع نہیں کرتا۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ خالقیت کے ساتھ موصوف نہیں تو اس نے کلمہ کفر کہا جیسا کہ یوں کہنا کفر ہے وہ عالمیت کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔

سائل مذکورہ اس خبط میں بائیں باعث پڑھا ہے کہ متکلمین کے نزدیک اضافت اعراض کے زمرہ میں شمار نہیں کی گئی اگر ان سے سوال کیا جائے کہ عرض کے معنی کیا ہیں تو جواب دیں گے کہ یہ وہ چیز ہے جو محل میں موجود ہے اور قائم بنفسہ نہیں ہے۔

احکما کے نزدیک موجودات عالم دس قسم پر منقسم ہیں جن میں سے ایک جوہر ہے جو قائم بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر

سوال۔ کیا اضافت قائم بنفسہ ہے؟

جواب۔ نہیں۔

سوال۔ کیا اضافت معدوم ہے؟

جواب۔ نہیں بلکہ موجود ہے۔

سوال۔ اس کی مثال؟

جواب۔ جیسے کسی کا باپ ہونا اضافت ہے اگر یہ اضافت معدوم ہوتی تو جہاں بھر

میں کوئی باپ نہ ہوتا۔

سوال۔ کیا یہ اضافت یعنی باپ ہونا قائم بنفسہ ہے؟

جواب۔ نہیں۔

اب ان کو مجبوراً یہ ماننا پڑے گا کہ وہ محل میں موجود ہے۔ اور بنفسہ قائم نہیں بلکہ محل

میں قائم ہوتی ہے۔ اور یہ پہلے ہی مانتے ہیں کہ عرض سے مراد وہی چیز ہے جو محل میں موجود ہوتی ہے مگر پھر مکر جائیں گے اور اضافت کو عرض تسلیم کرنے سے صاف انکار کریں گے۔

اس مذہب والوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ بعض اسم ایسے ہیں جن کو نہ مسمیٰ کہہ سکتے

ہیں اور نہ مسمیٰ کا غیر کیونکہ وہ اس مثال میں عالم پیش کریں گے اور اس کی نسبت جب بھی عذر کیا

جاتا ہے کہ شرع نے اللہ کے حق میں اس کے اطلاق کی اجازت نہیں دی تو کبھی تو یہ جواب

ملتا ہے کہ حق و صدق کی تصریح خاص اذن پر موقوف نہیں اور کبھی سائل کو ذرہ رعایت دی جاتی

ہے اور نگاہ تحقیق انسان کی طرف پھیری جاتی ہے جبکہ وہ علم کے ساتھ موصوف ہو تو ہم کہتے

ہیں کہ علم انسان سے غیر ہے۔ چنانچہ ایک وقت انسان موجود تھا مگر اس کا علم نہ تھا اور علم کی

تعریف انسان کی تعریف سے جدا ہے۔

سوال، علم انسان سے غیر ہے لیکن جب ایک شخص خاص کی نسبت کہیں کہ وہ عالم ہے

اور انسان ہے تو عالم انسان نہ ہوگا۔ نہ اس سے غیر ہوگا۔ کیونکہ انسان اس سے موصوف ہے۔

جواب یہ ایک سوال کاتب اور نجار میں بھی لازم آتا ہے وہاں بھی کتابت اور نجارت

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... بالذات ہوتا ہے باقی نوراعراض ہیں جو قائم بالغیر ہوتے ہیں اور وہ یہ ہے

(۱) کم (۲) کیف (۳) اضافت (۴) عین (۵) فعل (۶) انفعال (۷) مسمیٰ (۸) وضع (۹) اور

متکلمین کے نزدیک اضافت اعراض میں شامل نہیں (مترجم)

سے انسان موصوف ہے۔ علاوہ ازیں یہ نقطہ تفصیل چاہتا ہے اور وہ یہ کہ لفظ انسان کا مفہوم لفظ عالم کے مفہوم سے جدا ہے، کیونکہ انسان کا مفہوم حیوان ناطق و عاقل ہے۔ اور عالم کا مفہوم ایک مبہم شے ہے جس کو علم ہے پس یہ دونوں لفظ ایک دوسرے سے جدا ہیں ایک کا مفہوم دوسرے سے جدا ہے پس اس جہت سے اس سے غیر ہے یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ شے فلاں شے ہے۔ دوسری جہت سے وہ شے فلاں فلاں ہے اور اس جہت سے یہ کہنا درست نہیں کہ وہ اس سے غیر ہے اور یہ یوں ہے کہ جب تم ایک خاص ذات پر نظر کرو جو انسان کے ساتھ موسوم ہو اور ساتھ ہی عالم اس کا وصف ہو تو بیشک جو ذات انسان سے موسوم ہے وہی عالم سے موصوف ہے جیسے کہ وہ شے جس کا نام برف ہے ٹھنڈی اور سفیدی سے موصوف ہے تو اس قیاس سے تو وہ وہی ہے اور پہلے اعتبار سے وہ اس سے غیر ہے۔ یہ امر از روئے عقل محال ہے کہ ایک ہی اعتبار میں نہ فلاں شے فلاں ہو اور نہ اس سے غیر ہو۔ جیسے کہ یہ امر محال ہے یہ فلاں شے فلاں ہو اور اسی فلاں سے غیر بھی ہو کیونکہ فلاں اور غیر فلاں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ اور یہ تقابل نفی و اثبات کا ہے پس ان کے درمیان واسطہ نہیں ہے۔

جو شخص مذکورہ تقریر جو سمجھ چکا اس کو معلوم ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کے لئے قدرت اور علم کے اوصاف ذات سے زائد ثابت ہو گئے تو ایک ایسی چیز ثابت ہو گئی جو ذات سے غیر ہے اور یہ غیریت لفظاً نہیں بولی جاتی تو معنا ثابت ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ علم کی تعریف بیان کی جاتی ہے تو اس میں اللہ کا علم داخل ہوتا ہے۔ اور اس کی قدرت اور ذات داخل نہیں ہوتی اور جو چیز تعریف سے خارج ہے وہ اس چیز سے غیر کیوں نہ ہو جو تعریف میں داخل ہے وہ اس امر سے جدا ہے جو تعریف سے خارج ہے اور اس مقام پر لفظ غیر کا اطلاق محال قرار دے وہ ان لوگوں میں سے ہے جو لفظ غیر کے معنی نہیں سمجھتے مگر مجھے یقین نہیں کہ وہ لفظ غیر کے معنی نہ سمجھتا ہو کیونکہ اس کے معنی صاف ظاہر ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ ایسا دعویٰ صرف زبانی ہی زبانی کرتا ہو اور دل میں اس کو غلط سمجھتا ہو اور سچی اور حقیقی بحث سے یہ مدعا نہیں ہوتا کہ کسی کی زبان بند کی جائے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ اس کے دل کو راہ راست پر لا کر حق کا قائل کیا جائے پھر زباں خواہ حق کی قائل ہو یا نہ ہو۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسم ہی مسمیٰ ہے وہ بائیں مجبوری اس کے قائل ہوئے ہیں کہ کہیں یہ کہنا نہ پڑے کہ اسم اصطلاح میں وہ لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے جس سے یہ ماننا لازم آتا ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم نہ تھا کیونکہ اس وقت نہ کوئی لفظ تھا

نہ الفاظ ادا کرنے والا تھا اس لئے لفظ حادث ہے اور اللہ قدیم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کمزوری ضرورت ہے جس کا رفع کرنا آسان بات ہے یعنی کہا جاسکتا ہے کہ اسمائے باری تعالیٰ کے معنی ازل میں ثابت تھے اور اسماء نہیں تھے کیونکہ اسماء عربی یا عجمی زبان سے ہیں اور تمام زبانیں حادث ہیں یہ قیاس ان تمام اسماء میں جاری ہو سکتا ہے جو معنی ذات یا صفت ذات کی طرف راجع ہوتے ہیں مثلاً قدوس کیونکہ خداوند تعالیٰ ازل میں قدس کی صفت سے موصوف تھا اور مثلاً عالم کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں عالم تھا۔

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وجود اشیاء کے تین مرتبے ہیں۔

(۱) ایک تو اعیان خارجیہ میں۔ اور خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات کا یہ وجود قدامت

سے موصوف تھا۔

(۲) دوسرا وجود ذہن میں ہے۔ اور یہ وجود حادث ہے کیونکہ خود ذہن ہی

حادث ہے۔

(۳) تیسرا وجود زبان پر۔ اور یہ اسماء ہیں۔ یہ وجود بھی حادث ہے کیونکہ زبان

حادث ہے۔

ہاں موجود ذہنی سے ہماری مراد علم ہے اور یہ بھی جب خدا کی طرف منسوب کیا جائے تو قدیم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے موجود اور عالم ہے اور ازل سے جانتا ہے کہ میں موجود اور عالم ہوں۔

اور اس کا وجود فی نفسہ بھی۔ اور اس کا علم بھی دونوں طرح ثابت ہے۔ اور جو اسماء آئندہ ایک وقت میں اپنے بندوں کو بتائے اور ان کی زبان پر چڑھانے اور ان کے ساتھ ان کے کانوں کو مانوس کرنے والا تھا وہ بھی اس کو ازل سے معلوم ہیں پس اس تاویل سے یہ کہنا جائز ہو جاتا ہے کہ ازل میں اس کے اسماء تھے۔

رے وہ اسماء جو فعل کی طرف راجع ہوتے ہیں جیسے خالق، مصور، وہاب، سوائے ان کے متعلق محققین کے خیالات مختلف ہیں۔

(۱) ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ازل ہی سے خالق ہونا اس کی صفت ہے۔

(۲) دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ازل سے وہ اس کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔

مگر اس اختلاف کی کوئی اصلیت نہیں کیونکہ خالق کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی تو ازل میں قطعاً ثابت ہے اور دوسرا معنی یقماً منفی ہے۔ اور اس میں اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

دیکھو تلوار بہر حال تیغ براں کہلاتی ہے خواہ غلاف میں پڑی ہو یا میدان جنگ میں اپنا کام کر رہی ہو فرق اتنا ہے کہ غلاف میں وہ تیغ براں بالقوہ ہے اور میدان مقابلہ میں بالفعل اس صفت سے موصوف ہے۔

پیاس بجھانے والا پانی جب کوزہ میں ہوتا ہے۔ تو بھی پیاس بجھانے والا کہلاتا ہے لیکن اس وقت اس کی یہ صفت بالقوہ ہوتی ہے۔ اور میدہ میں بالفعل پیاس بجھانے والا ہوتا ہے کوزہ میں اس کے سراب کو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے جس کی وجہ سے وہ میدہ میں پہنچتے ہی پیاس بجھا دیتا ہے اور یہ صفت اس کی ماہیت ہے۔

اور تیغ کے غلاف میں براں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے کہ جس کی وجہ سے کسی جزو بدن پر پڑتی ہے اس کو کاٹ ڈالتی ہے اور یہ وصف اس کی تیزی ہے کیونکہ وہ اپنا کام کرنے کیلئے فی نفسہ کسی جدید وصف کی محتاج نہیں ہوتی۔

پس باری تعالیٰ ازل میں اسی طرح خالق ہے جس طرح وہ عالم و قدوس وغیرہ ہے اور اسی طرح عبد میں ہوگا خواہ کوئی ان اسماء سے اس کو موسوم کرے یا نہ کرے۔

بحث وجدل میں حصہ لینے والوں کو زیادہ تر اس وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ وہ اسماء مشترکہ کے معنوں میں تمیز نہیں کر سکتے۔

اگر وہ ان میں تمیز کریں تو اکثر اختلافات رفع ہو سکتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ماتعبدون من دونہ الا لاسماء سمیتموھا انتم و آباؤکم“ یعنی نہیں عبادت کرتے تم اسکے سوا مگر ناموں کی جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے مقرر کیا ہے اور یہ معلوم ہی ہے کہ وہ لوگ الفاظ کی پرستش نہیں کرتے تھے جو حروف مقطعات ہیں بلکہ وہ مسمیات کی پرستش کرتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل کا پیش کرنے والا اس کی دلالت کی وجہ نہیں سمجھا سکتا تا وقتیکہ یہ نہ کہے کہ وہ مسمیات کی پرستش کرتے تھے تاکہ اسماء کی تو اس کے کلام میں اس امر کی تصریح کی گئی ہو کہ اسماء مسمیات سے جدا ہیں بلکہ مسمیات کو پوجتے تھے تو اس کا کلام متناقض ہوگا اور اگر یوں کہے کہ وہ لوگ مسمیات تو نہیں بلکہ اسماء کو پوجتے تھے تو اس قول کا مفہوم متناقض نہیں ہوگا تو اگر اسماء ہی مسمیات ہوں تو دوسرا قول پہلے قول کی طرح متناقض ہوتا۔

یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ معبودوں کے نام جو انہوں نے بتوں کے لئے مقرر کر رکھے تھے وہ اسماء با مسمیٰ تھے کیونکہ مسمیٰ وہ معنی ہے جو اعیان میں ثابت ہے اس

حیثیت سے کہ اس لفظ پر دلالت کرتا ہے اور اعیان میں کوئی معبود موجود نہ تھا نہ ذہن میں معلوم تھا بلکہ صرف نام ہی نام زبان پر موجود تھے پس وہ ایسے اسماء تھے جن کے موضوع لغو اور معنی کچھ نہ تھے۔

جس کا نام حکیم پڑ جائے وہ فی الحقیقت حکیم نہ ہو اور وہ حکیم حکیم کہلا کر خوش ہوتا ہو تو طنزاً کہا کرتے ہیں کہ صرف اسم پر خوش ہو رہا ہے کیونکہ یہاں اسم کے کوئی معنی موجود نہیں ہیں۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسم مسمیٰ سے جدا ہے کیونکہ اس نے اسماء کو تسمیہ سے ملایا ہے اور تسمیہ کو ان سے منسوب کیا ہے اور اس کو ان کا فعل قرار دیا ہے اور فرمایا اسماء سمیت موہا یعنی وہ نام جو ان کے فعل اور ان کے نام رکھنے سے پیدا ہو اور بتوں کے وجود تو ان کے نام رکھنے سے پیدا نہیں ہوئے تھے۔

اگر کوئی کہے کہ اللہ نے فرمایا ہے ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ یعنی پاکی سے اپنے بزرگ کے نام کی اور پاکی کے ساتھ ذات ہی یاد کی جاتی ہے نہ کہ اسم جو اب یہ ہے کہ اسم کا لفظ یہاں صفت کے طور پر بڑھایا گیا ہے اہل رب کے بعض محاورات اسی طرح واقعہ ہوئے ہیں اس کی مثال خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”لیس کمثلہ شیء“ جیسے کہا جاتا ہے ”لیس ولدہ احد“ جس میں ولد کا اثبات ہوتا ہے بلکہ اس میں کاف زائد ہے یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اسم کے ذریعہ سے مسمیٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو جس سے مسمیٰ کی تعظیم مراد ہو جس طرح شریف، جناب حضرت حضور درگاہ سے اشارہ کیا جاتا ہے اور کہا کرتے ہیں امیر کے حضور میں سلام عرض ہے پیر و مرشد کی جناب میں گیا تھا بندہ درگاہ کی یہ التماس ہے۔ جس سے امیر اور پیر و مرشد اور صاحب درگاہ مراد ہوتے ہیں۔ اور اظہار عظمت کے لئے ان امور کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن کا ان سے ایک قسم کا تعلق ہوتا ہے اور اس تعلق سے کسی صاحب بصیرت کو اصل وضع میں التباس ہونا چاہیے۔ اور کیونکہ التباس ہو جبکہ اسم کو مسمیٰ سے غیر کہنے والوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ ”وللہ الاسماء الحسنیٰ“ یعنی اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ اور رسول ﷺ کا یہ قول ہے کہ ”ان للہ سبحانہ تسعا وتسعین اسماء“ الا واحد ومن احصاها دخل الجنة“ یعنی اللہ کے نناوے نام ہیں ایک کم سو۔ کوئی ان سب کو یاد کرے وہ جنت میں جائے گا اور کہتے ہیں اگر اسم، مسمیٰ ہی ہوتا تو مسمیٰ کی تعداد معاذ اللہ نناوے ہوتی۔ اور وہ محال ہے کیونکہ مسمیٰ ایک ہی ہے پس ان لوگوں کو یہاں مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ اسم مسمیٰ کا غیر ہے۔

یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اسم سے تسمیہ مراد ہونا جائز ہے۔ نہ کہ مسمیٰ جیسے کہ دوسرے فریق نے تسلیم کیا ہے کہ اسم سے کبھی مسمیٰ بھی مراد ہوتا ہے اگرچہ وہ دراصل مسمیٰ سے غیر ہی ہو اور اس دعویٰ میں وہ آیت سبح اسم ربک الاعلیٰ پیش کرتے ہیں مگر یہ فریق بخوبی استدلال نہیں کر سکتے۔

ان دونوں کا جواب یہ ہے کہ سبح اسم ربک الاعلیٰ کا تمام مافیہ و ما علیہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں رہا مذکورہ بالا استدلال سوان کا یہ جواب ہے کہ ”اسم و مسمیٰ ایک ہی ہیں اور یہاں اسم سے مراد تسمیہ ہے ”غلط ہے“۔ جس کے دو سبب ہیں۔

ایک تو یہ کہ جو شخص اسم و مسمیٰ کے ایک ہونے کا قائل ہے اس کو یہ کہنا دشوار نہیں کہ یہاں نناوے مسمیٰ ہیں کیونکہ اس قائل کے نزدیک مسمیٰ سے مراد مفہوم اسم ہے۔

اور علیم کا مفہوم قدیر کے مفہوم سے جدا ہے اسی طرح قدوس کا مفہوم خالق کے مفہوم کا غیر ہے۔ ”علیٰ هذا القیاس فانہم“ تمام اسماء میں سے ہر اسم کا مفہوم و معنی جداگانہ ہے۔ اگرچہ سب کا نتیجہ ایک ہی ذات کے وصف پر منتہی ہو جاتا ہے تو گویا یہ قائل یوں کہتا ہے کہ اسم سے مراد اس کا معنی ہے اور ”وللہ الاسماء الحسنیٰ“ کے معنی میں یوں کہنا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اچھے معنی ہیں۔ کیونکہ مسمیات معانی ہی ہیں جن میں لامحالہ کثرت ہے۔

دوسرا یہ کہ اسم سے مراد یہاں تسمیہ ہونا غلط ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ تسمیہ کے معنی ذکر اسم یا ذکر وصف کے ہیں اور اسم خواہ ایک ہی ہو اسم کا ذکر کرنے والوں کی کثرت سے تسمیہ میں بھی کثرت آ جاتی ہے جیسے ذاکروں اور عالموں کی کثرت سے ذکر اور علم میں کثرت آ جاتی ہے خواہ مذکور اور معلوم ایک ہی ہو پس تسمیہ کی کثرت اسماء کی کثرت کی محتاج نہیں ہے کیونکہ وہ محض اسم کا ذکر کرنے والوں کے افعال ہیں لہذا کثرت اسماء سے مراد یہاں تسمیات نہیں بلکہ اسماء ہیں اور اسماء وہ الفاظ موضوعہ ہیں جو معانی مختلفہ پر دلالت کرتے ہیں تو اب تاویل میں کجروی اختیار کرنے کی ضرورت نہیں خواہ اسم کے مسمیٰ ہونے کا اعتراف کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

اس مسئلہ کی تحقیق میں اسی قدر بحث کافی ہے۔ اگرچہ یہ بحث قلیل المنفعت ہونے کے باعث اس طول کی مستحق نہ تھی۔ لیکن ہمارا مدعا یہ تھا کہ اس قسم کی مباحث میں غور و خوض کرنے کا طریقہ سکھا دیا جائے تاکہ طالبان حق بعض ایسے مسائل میں جو اس سے بھی زیادہ اہم ہیں اس طریقہ سے کام لے سکیں۔

دوسری فصل

اسماء قریب المعنی کا بیان اور اس امر کا ذکر کہ کیا

ایسے اسماء کا مترادف ہونا جائز ہے یا ان کے

مفہومات مختلف ہونا لازم ہے

واضح ہو کہ جن حضرات نے ان اسماء کی شرح کا بیڑا اٹھایا ہے۔ انہوں نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی اور اس بات کو بعید نہیں سمجھا کہ دو اسم صرف ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہوں مثلاً کبیر اور عظیم۔ قادر اور مقتدر، خالق اور باری، مگر میں اس امر کو نہایت بعید سمجھتا ہوں خصوصاً جبکہ ایسے دونوں اسم نناوے اسماء میں سے ہوں۔ کیونکہ اسم سے حروف مقصود نہیں ہے۔ بلکہ معنی مقصود ہیں اور اسمائے مترادف کے محض حروف ہی مختلف ہوتے ہیں۔ اور ان اسماء کی فضیلت صرف ان معنوں کے لحاظ سے ہے جو ان میں مذکور ہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی اسم معنی سے خالی رہ جائے اور الفاظ ہی الفاظ رہ جائیں تو اس میں کوئی فضیلت نہ ہوگی ایک معنی پر اگر ہزار الفاظ دلالت کرتے ہوں تو اس معنی کو ایسے معانی پر جس پر صرف ایک اسم دال ہو کوئی فضیلت نہ ہوگی غرض یہ بات نہایت نادرست معلوم ہو رہی ہے کہ محصور تعداد کو صرف الفاظ کے تکرار سے پورا کیا گیا ہو بلکہ قرین عقل یہ بات ہے کہ ہر لفظ کے تحت میں خاص معنی ہوں تو جب دو لفظ متقارب پائیں تو ان کے اندر دو امروں میں سے ایک امر ضرور ہوگا۔

ایک امر تو یہ کہ ان دونوں اسموں میں سے ایک اسم نناوے کی تعداد سے خارج ہے مثلاً الاحد اور الواحد کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی مشہور روایت میں الواحد آیا ہے اور دوسری روایت میں الواحد کے بجائے الاحد وارد ہوا ہے۔

تو اب اس تعداد کی تکمیل تو حید کے معنی سے ہوگی جو خواہ لفظ واحد سے لیئے جائیں یا لفظ احد سے۔ یا ان دونوں اسموں کو تکمیل عدد کے لئے دو اسموں کے قائم مقام سمجھا جائے اور معنی ایک ہی ہوں یہ امر میرے نزدیک دور از عقل ہے۔

دوسرا امر یہ کہ ایک اسم کو دوسرے اسم پر کوئی نہ کوئی معنوی فوقیت ہے اور اس میں

ایک ایسی دلالت ہے جو دوسرے اسم میں نہیں ہے، اس کی مثال ”الغافر“ اور ”الغفور“ اور ”الغفار“ ہیں۔

اگر ان کو تین اسم جدا جدا تسلیم کیا جائے تو کوئی بعید نہیں ہے کیونکہ غافر صرف اصل مغفرت پر دلالت کرتا ہے اور غفور گناہوں کی کثرت کے لحاظ سے کثرت مغفرت پر دلالت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جو ذات صرف ایک قسم کے گناہوں کی مغفرت کرے اس کو غفور نہیں کہہ سکتے۔ اور غفار تکرار کے طور پر کثرت غفران پر دلالت ہے یعنی وہ پے در پے گناہ مغفرت کرتا ہے حتیٰ کہ جو ذات تمام گناہ بخش دے مگر پہلی ہی مرتبہ بخشے اور دوبارہ کیے ہوئے گناہ کو نہ بخشے وہ اسم غفار کے مستحق نہیں۔

یہی کیفیت ”غنی“ اور ”ملک“ کی ہے۔ کیونکہ غنی وہ جو کسی چیز کا محتاج نہ ہو ملک بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا لیکن ہر چیز اس کی محتاج ہوتی ہے۔ تو ”ملک“ میں ”غنی“ سے زائد معنی پائے گئے اسی طرح علیم اور خبیر میں امتیاز ہے کیونکہ علیم وہ اسم ہے جو صرف علم پر دلالت کرتا ہے۔ اور خبیر امور باطنہ کے متعلق جو علم ہو اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس اتنا سا تفاوت ہی اسماء کو مترادف نہیں ہونے دیتا۔ اور ان میں اونٹنی اور سانڈنی اور گھوڑے اور کونیل کا سا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس قسم کے بعض اسماء متقار بہ میں ہم ان دونوں مسلوں پر چلنے سے عاجز آ جائیں تو چاہیے کہ کم از کم ان دو لفظوں کے معنوں میں کسی نہ کسی وجہ سے تفاوت ہونے کا ہم اعتقاد رکھیں۔ اگر چہ اکن کے ماہ الا فراق پر کوئی نص ہم کو نہ ملے۔ مثلاً ”عظیم“ اور ”کبیر“ اب ان میں جو معنوی فرق ہے خدا کے بارے میں ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ لیکن بعینہہ کو اصل فرق میں کوئی شک نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”الکبریاء ردائی والعظمة اذاری“ اس لحاظ سے ان میں ایک ایسا فرق ہے جو خاص تفاوت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر چہ ردا (چادر اور ازار، تہبند) دونوں انسان کے لئے زینت ہیں لیکن ازار سے اشرف ہے۔

اسی طرح اللہ اکبر کو نماز کی کلید بنایا گیا ہے اور جو لوگ انہماقہ رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ اعظم ان الفاظ کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح اہل عرب اپنے استعمال میں بڑا فرق رکھتے تھے چنانچہ کبیر کو ایسے مقاموں

اس فقرہ میں امام اعظم کے مذہب پر جرح ہے جن کے نزدیک اللہ اعظم کے الفاظ سے بھی افتتاح نماز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ امام غزالی شافعی المذہب ہیں۔ مترجم

میں استعمال کرتے ہیں جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا ہے اگر یہ دونوں لفظ مترادف ہوتے تو یقیناً ہر مقام میں دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے۔

اہل عرب کہا کرتے ہیں فلاں اکبر سناً من فلاں یوں نہیں کہتے کہ اعظم سناً۔

اسی طرح جلیل بھی کبیر اور عظیم سے جدا ہے کیونکہ جلال میں صفات شرف کی طرف اشارہ ہے اس لیے یوں نہیں کہا جاتا کہ فلاں اجل سناً من فلاں اور اکبر سناً ہی کہا کرتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں الفرس اعظم من الانسان یوں نہیں کہتے کہ اجل من الانسان۔ غرض یہ کہ اسماء معنی کی روح سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ لیکن مترادف نہیں ہیں۔

علی الجملہ جو اسماء نناوے اسماء میں سے ہیں ان میں تراوف محض بعید ہے کیونکہ اسماء سے مراد حروف اور آوازوں کے مخارج نہیں ہیں بلکہ ان کے مفہومات اور معانی مراد ہیں پس یہ ایک اصولی امر ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے۔

تیسری فصل

مختلف معنوں والے اسم کا بیان

جو اسم چند مختلف معنوں میں مشترک ہے۔ جیسے المؤمن جس سے کبھی تصدیق مراد ہوتی ہے اور کبھی وہ امن سے مشتق ہوتا ہے اور اس سے امن وامان کا افادہ مراد ہوتا ہے تو کیا یہ جائز ہے کہ اس کو دونوں معنوں پر اسی طرح محمول تکمیل عموم کیا جائے جس طرح علیم کو غیب و آشکارا اور ظاہر و باطن کے علم پر حمل کیا جاتا ہے۔

ایسے اسم کو جب لغت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ ایک اسم مشترک کو تمام مسمیات پر محمول تکمیل عموم کیا جائے کیونکہ اہل عرب رجل کا اسم بول کر اس سے رجال کا تو ہر فرد مراد لیتے ہیں اور یہی عموم ہے مگر عین کا اسم بول کر اس سے سورج کا، اور دنیا اور کفامیزان، اور چشمہ اور آنکھ یکبارگی مراد نہیں لیتے اور یہ لفظ مشترک ہے بلکہ ایسا لفظ اپنے ایک معنی کے لئے بولا جاتا ہے اور اس معنی کی تمیز قرینے سے ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ سے اصول میں مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا ہے اسم مشترک جب مطلقاً

وارد ہوا ہو تو اپنے تمام مسمیات پر حمل کیا جاتا ہے جس طرح علیم علم پر حمل کیا جاتا ہے تا وقتیکہ کوئی قرینہ تخصیص پر دلالت نہ کرے۔

یہ روایت اگر صحیح ہے تو بعید ہے۔ بلکہ مطلق لفظ عین لغت کی جہت سے مبہم ہے۔ ناوقتیکہ کوئی خاص قرینہ تعین پر دلالت نہ کرے۔

تعمیمات کو زبان پر لانے سے شرع نے اکثر منع کیا ہے ایسے مقامات میں اسم کا معنی بیان کرنے میں شرع پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور ہر اسم کا وہی معنی لینا چاہیے جو زیادہ قریب ہو۔ باقی کو نظر انداز کر دینا چاہیے، ہاں جب شرع نے کسی نقطہ میں خاص تصرف کیا ہو اور اس کی وضع و تصرف کا یہ منشا ہو کہ مطلق لفظ سے اس کے تمام معنی مراد لیے جائیں چنانچہ اسم مؤمن شرع میں مصدق پر محمول اور لغت کی وضع سے نہیں۔ بلکہ شرع کی وضع سے امن کے معنی کا فائدہ بھی دے جیسے کہ اسم صلوة اور صوم شرع کے تصرف اور وضع سے بعض ایسے معنوں کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں جنکی مقتضی وضع لغت نہیں ہے اور یہ امر بعید نہیں ہے بشرطیکہ کوئی دلیل موجود ہو لیکن اس وقت ایسا نہیں ہو سکتا۔ جبکہ کوئی دلیل اس امر کی موجود نہ ہو کہ شرع نے وضع کو بدل ڈالا ہے اور میرا ظن غالب یہی ہے کہ شرع نے وضع کو متغیر نہیں کیا۔

مصنفین میں سے جو شخص کہتا ہے کہ اسمائے باری تعالیٰ میں سے کوئی خاص اسم جب کئی معنوں کا محتمل ہو۔ اور ان میں سے کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص ہونے کی عقلی دلیل موجود نہ ہو تو اس کو تمام معنوں پر بطریق عموم حمل کیا جائے گا۔ وہ نہایت دور از قیاس بات کا قائل ہے ہاں بعض متقارب معنی ایسے ہیں جن کا اختلاف اضافات کی طرف راجع ہوتا ہے ان کا تشابہ عموم سے ملتا جلتا ہے پس ایسے اسم میں تعمیم اقرب ہے۔ جیسے السلام کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ عیب و نقص سے سلامتی مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس اسم سے اس ذات کی بدولت اور اس کی طرف سے خلقت کی سلامتی مراد ہو پس یہ اور اس قسم کے اور اسماء عموم سے مشابہ ہیں جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زیادہ میلان منع تعمیم کی طرف ہے۔ اور بعض معنی کی تعمیم اجتہاد ہی کے ذریعہ سے پیدا کی جاتی ہے۔

اب واضح ہو کہ جہتہد کو تعین پر آمادہ یا تو یہ بات کرتی ہے کہ وہ معنی زیادہ مناسب ہوتے ہیں۔ جیسے مؤمن کے معنی ”امان دینے والا“ اور ”ایمان لانے والا“ کے معنی کی نسبت اللہ کے حق میں زیادہ مناسب ہے کیونکہ ایمان لانا خدا کے سوا دوسری موجودات کے لئے شایاں ہے بلکہ ان پر واجب ہے کہ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے کلام کی تصدیق کریں اس لئے کہ

اللہ کا رتبہ تصدیق کرنے والے کے رتبہ سے برتر ہے۔

یہ بات مجتہد کو تعین معنی پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنی دو اسموں کو مترادف نہ ہونے دے۔ جیسے مہیمن کو نگہبان کے سوا دوسرے معنوں پر حمل کیا جاتا ہے کیونکہ نگہبان کے معنوں کے لئے اسم "رقیب" وارد ہو چکا ہے۔ اور مترادف بعید ہے۔

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

یا یہ بات مجتہد کو تعین معنی پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنی زیادہ ظاہر اور جلد سمجھ میں آ جانے والے اور کمال مدح پر زیادہ دلالت کرنے والے ہوتے ہیں،

اسمائے باری تعالیٰ کے بیان میں ہم کو مذکورہ اصول پر چلنا چاہیے اور ہر اسم سے صرف وہی جداگانہ معنی مراد لینا چاہیے جو زیادہ قریب ہو۔ اس کے سوا دوسرے معنوں کو نظر انداز کیا جائے گا ہاں ہم الفاظ مشترکہ کی تعین جائز نہیں سمجھتے۔ اور علاوہ اس کے کسی اسم میں مختلف اقوال کو ترقی دینا غیر مفید بھی ہے۔

چوتھی فصل

اس امر کا بیان کہ بندہ کا کمال اور سعادت اس میں ہے کہ

جہاں تک ممکن ہو اخلاق الہیہ کا خوگر بنے اور اللہ کے اسماء

وصفات کے معنی سے اپنا باطن آراستہ کرے۔

واضح رہے کہ جو شخص اسمائے باری تعالیٰ کے معنی سے صرف اس قدر بہر ایاب ہے کہ ان کو الفاظ کی حیثیت سے سنتا ہے، لغات کی کتابوں میں ان کی تفسیر پڑھتا ہے اور دل سے اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں ان کے معانی موجود ہیں تو سمجھو کہ وہ نہایت ہی کم نصیب اور کم رتبہ کا شخص ہے جس کے اس سرمایہ کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس کی اصلی کامیابی کا باعث ہو سکے کیونکہ صرف الفاظ کا سننا زیادہ سے زیادہ قوت سامعہ کی سلامتی کا مستدعی ہے جس سے وہ آوازوں کو محسوس کرتا ہے اور یہ ایک ایسا رتبہ ہے جس میں چوپائے بھی اس کے ساتھ شریک ہیں اور اسماء کی لغوی وضع کو سمجھنا صرف عربیت جاننے کا مستدعی ہے اور یہ بھی ایک ایسا رتبہ ہے جس میں ایک ادیب لغت دان بلکہ ایک جاہل عرب اس کے ساتھ شامل ہے۔

رہا یہ اعتقاد کہ ان اسمائے معنی اللہ کے لئے ثابت ہیں سو جب یہ اعتقاد و کشف کے بغیر ہو تو صرف ان الفاظ کے معنی سمجھنے اور ان کی تصدیق کرنے کا مستعدی ہے۔

یہ ایک ایسا رتبہ ہے جس میں عام لوگ بلکہ ایک بچہ بھی شریک ہے کیونکہ جب اس کو یہ الفاظ سنا کر ان کے معنی سمجھا دیے جائیں تو وہ سمجھ جائے گا اور ان پر دل سے یقین کرے گا۔

اور تو اور اکثر علماء کا درجہ بھی یہی ہے اس جماعت کو دوسرے لوگوں پر جو ان تینوں جوں میں ان کے شریک ہیں جو فضیلت ہے اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اس میں شک نہیں کہ معراج کمال تک پہنچنے میں یہ ایک بھاری نقص ہے۔

کیونکہ حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی نیک لوگوں کی نیکیاں مقربوں کی شان کے لئے برائیاں ہیں۔

اسمائے باری تعالیٰ میں سے مقربین کا حصہ تین امور ہیں:-

اول

ان اسماء کے معنی کو مکاشفہ اور مشاہدہ کے طور پر سمجھنا تا کہ ایسی دلیل کے ساتھ ان کے حقائق معلوم ہو جائیں جس میں خطا ممکن نہ ہو، اور ان صفات سے اللہ کا موصوف ہونا ان پر اس طرح منکشف ہو جائے جس طرح انسان کو اپنی صفات کے متعلق یقین ہو جاتا ہے جو اس کو احساس ظاہر سے نہیں بلکہ مشاہدہ باطن سے حاصل ہوتا ہے۔

اب دیکھو اس مذکورہ اعتقاد میں اور اس اعتقاد میں کس قدر فرق ہے جو والدین کی تربیت اور استادوں کی تعلیم سے بطور تقلید حاصل ہوتا ہے اگرچہ اس کے ساتھ مباحثانہ دلائل بھی شامل ہوتے ہیں۔

دوم

مقربین کا اس کی صفات جلال کو اس عظمت کی نگاہ سے دیکھنا جس سے ان کو خود ان صفات سے حتی الامکان متصف ہونے کا شوق پیدا ہو جائے تا کہ وہ اس ذریعہ سے نہ صرف جلال مکان بلکہ بالقصد خدا کے قریب ہو جائیں اور اس اتصاف کے ساتھ ملائکہ مقربین کے ساتھ مشابہت پیدا کر لیں اور جب کسی صفت کی عظمت دل میں سما جاتی ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اس صفت کا شوق اور اس جمال و جلال کا عشق اور اس وصف سے اپنے باطن کو

آراستہ کرنے کی خواہش پیدا ہوا اگر یہ سعادت کامل طور پر حاصل ہونی ممکن ہو تو کامل طور پر ورنہ بقدر امکان ضرور شوق پیدا ہو اور اس شوق سے خالی ہونے کے دو ہی باعث ہو سکتے ہیں یا تو اس وصف کے اوصاف جلال و کمال میں سے ہونے کا پورا پورا یقین نہ ہو یا دل کسی دوسرے شوق میں ڈوبا ہو چنانچہ شاگرد جب اپنے استاد کو علم میں کامل دیکھتا ہے تو اس کو شوق براہیگختہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ تشابہ پیدا کرے اور اس کے قدم بقدم چلے ہاں مثلاً جب اس کو سخت بھوک لگی ہو تو اس وقت ایسا شوق غالب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے باطن کا کھانے کے شوق میں مستغرق ہونا علم کے شوق کا معنی ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ صفات باری تعالیٰ کے مشاہدہ کرنے والے کا دل سوائے اللہ کے خیال سے بالکل خالی ہو۔ معرفت کا تخم شوق ہے۔ لیکن اسی وقت جب کہ ساخت دل خواہشات کے خار و خس سے پاک ہو ورنہ تخم بار آور نہیں ہوگا۔

سوم

مقربین کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ کسی ممکن حد تک ان صفات کو حاصل کریں اور ان کی خوبیوں سے اپنی باطنی حالت کو آراستہ کریں جس سے بندہ ربانی یعنی رب کا مقرب بن جاتا ہے کیونکہ ان صفات کی بدولت وہ فرشتگان ملائکہ اعلیٰ کا رفیق ہو جاتا ہے جو مقربان درگاہ الہی ہیں پس جو شخص ان کی صفات کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا کر لیتا ہے وہ اس مشابہت کی مقدار کے موافق حق تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔

سوال :- صفات خدا کے ساتھ خدا کا قرب حاصل کرنا ایک باریک بات ہے جس کو مانتے ہوئے دل کتراتا ہے۔ لہذا اس مسئلہ پر ذرا زیادہ روشنی ڈالیے۔

جواب :- غالباً یہ امر تم سے اور اوسط درجہ کے کسی عالم سے مخفی نہ ہوگا کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں ایک کامل دوسری ناقص کامل ناقص سے اشرف ہے اور چونکہ کمالات کے درجات متفاوت ہیں اور منتہائے کمال صرف ایک ذات پر موقوف ہے حتیٰ کہ کمال مطلق اس کے سوا اور کسی کا حصہ نہیں ہے بلکہ دوسری موجودات کے کمالات ایک دوسرے کی نسبت متفاوت ہیں جس کا کمال جتنا زیادہ ہے اتنا ہی زیادہ اس ذات کے قریب ہے۔ جس کو کمال مطلق حاصل ہے اور

قرب سے مراد رتبہ اور درجہ مراد ہے نہ کہ مقام پھر موجودات ایک اور اعتبار سے دو قسموں میں منقسم ہیں ایک زندہ، دوسری بے جان، اور تم بخوبی جانتے ہو کہ زندہ بے جان کی نسبت اشرف و اکمل ہے اس کے بعد یاد رکھو کہ زندہ کے تین درجے ہیں ایک درجہ ملائکہ کا دوسرا انسان کا۔ تیسرا

بہائم (چوپایوں) کا۔ زندگی کے صحیح مفہوم کا لحاظ کیا جائے تو اس میں بہائم کا درجہ نہایت گرا ہوا ہے۔

کیونکہ زندہ (ہی) وہ چیز ہے جو باہم ادراک اور فعل صادر کرنے والی ہو اور بہائم کے ادراک میں بھی نقص ہے۔ اور اثر و فعل میں بھی نقص ہے۔

بہائم کے ادراک کا نقصان یہ ہے کہ وہ صرف حواس میں مقصود ہے۔ اور حواس کا ادراک غیر مکمل ہوتا ہے کیونکہ وہ انہیں اشیاء کا ادراک کر سکتے ہیں، جو دیکھنے، یا سونگھنے، یا سننے، یا چکھنے، یا ٹٹولنے، سے محسوس ہو سکیں اور پھر ساتھ ہی قریب بھی ہوں اگر یہ اشیاء سامنے موجود نہ ہوں تو آلات حس بالکل معطل و بیکار رہتے ہیں۔

بہائم کا فعل اس لئے ناقص ہے کہ وہ صرف شہوت اور غضب کے مقتضاء میں محصور ہیں اور ان میں عقل بھی نہیں جو شہوت و غضب کو روکے۔

ملائکہ کا درجہ ان تینوں سے بالا ہے اور یہ وہ مخلوق ہے جس کے ادراک میں مدرکات کے قرب و بعد سے کچھ فرق نہیں پڑتا بلکہ انکا ادراک صرف ان اشیاء پر موقوف نہیں ہے جن میں قرب و بعد متصور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اشیاء اجسام ہوتے ہیں اور اجسام تمام موجودات میں سے خسیس ہے نیز یہ مخلوق شہوت اور غضب کی مقتضیات سے پاک ہے پس اس کے افعال شہوت اور غضب کے تقاضے سے نہیں ہیں بلکہ ان افعال کا داعی ایک ایسا امر ہے جو شہوت و غضب سے برتر ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی طلب ہے۔

انسان کا درجہ ان دونوں مخلوقوں کے مابین ہے گویا وہ بہیمت (چوپایوں کی صفات) اور ملکیت (فرشتوں کی صفات) سے مرکب ہے اور ابتدائی حالت میں اس پر بہیمت ہی غالب ہوتی ہے کیونکہ اس وقت اس کو محض حواس کے ساتھ ادراک حاصل ہوتا ہے جن کے ذریعہ سے ادراک کرنے کیلئے وہ اس بات کا محتاج ہے کہ وہ حس و حرکت سے امر محسوس کی طرف قرب طلب کرے۔ یہاں تک کہ بالآخر اس میں عقل کا نور درخشاں ہوتا ہے جو بدن کی حرکت کیے بغیر اور قرب طلب کیے بدون عالم بالا میں تصرف کرتا ہے بلکہ وہ ایسے ایسے امور کا ادراک کرنے لگتا ہے جو مکانی قرب و بعد کو قبول نہیں کرتے غرض کہ پہلے اس میں شہوت و غضب اپنے اپنے مقتضی کے موافق غلبہ دکھاتے ہیں پھر اس کو طلب کمال اور عاقبت بینی کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

پس جب وہ شہوت و غضب کو مغلوب کر لیتا ہے تو یہ دونوں طاقتیں کمزور ہو جاتی ہیں

تو اس سے انسان کو فرشتوں کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہوتی ہے اسی طرح اگر اس کا نفس خیالات اور محسوسات کو ترک کر کے ان امور کے ادراک سے مانوس ہو جائے جو حس اور خیال کی نسبت سے بالا ہیں تو اس کو فرشتوں کے ساتھ اور بھی مشابہت ہو جاتی ہے کیونکہ حیات کی خاصیت ادراک اور عقل ہے اور یہ دونوں کم اور متوسط اور کامل ہو سکتے ہیں انسان ان صفتوں میں جوں جوں فرشتوں کی پیروی کرتا جائے گا، توں توں درجہ بہیمت سے دور اور درجہ ملکیت سے قریب ہوتا جائے گا اور یہ درجہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہے اور قریب سے قریب ہونے والی چیز بھی قریب ہوتی ہے۔

سوال: اس کلام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اور بندوں کے درمیان نسبت قائم ہے کیونکہ جب وہ اس کے اخلاق اپنے وجود میں پیدا کرے گا تو اس کے مشابہ ہو جائے گا حالانکہ یہ امر عقلاً و شرعاً معلوم ہے کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں نہ وہ کسی شے کے مشابہ ہے نہ کوئی شے اس کی مشابہ ہے؟

جواب: جب تم اس مماثلت کا معنی سمجھتے ہو جو خدا کی ذات سے بعید ہے تو تم یہ بھی سمجھتے ہو گے کہ خدا کی کوئی مثل نہیں مگر یہ گمان ٹھیک نہیں کہ کسی وصف میں شریک ہونے سے مماثلت لازم آتی ہے کیا تم کو معلوم نہیں کہ ضدیں باہم مماثل نہیں ہوتیں اور ان کے درمیان ایک ایسا بعد ہوتا ہے جس سے زیادہ بعد خیال میں بھی نہیں آ سکتا پھر بھی وہ دونوں بہت سی اوصاف میں مشارک ہوتی ہیں مثلاً سیاہی سفیدی کی ضد ہے اور یہ دونوں عرضیت میں اور رنگ میں اور نکھوں سے محسوس ہونے میں اور اس کے سوا بہت سی باتوں میں باہم مشارک ہیں۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود لانی مکان اور ”سمیع“ کا ”بصیر“ ”عالم“ ”مرید“ ”متکلم“ ”حی“ ”قادر“ اور ”فاعل“ ہے اور انسان میں بھی یہ صفات پائی جاتی ہیں تو کیا وہ خدا کو مدہ سے مشابہ کر کے اس کی مثل قرار دیتا ہے حاشا وکلا۔ اگر ایسا ہوتا تو تمام مخلوقات باہم مشابہ ہوتی کیونکہ سب کی سب کم از کم وجود میں تو باہم مشارک ہیں بلکہ مماثلت سے مراد نوع اور ہیئت کی مشارکت ہے پس گھوڑا اگر چہ سمجھ میں فائق ہے مگر انسان کی مثل نہیں بن سکتا کیونکہ نوع اس کے مخالف ہے جس میں وہ انسان کے ساتھ مشابہ ہے ایک عرض ہے جو انسان کی ماہیت سے خارج ہے۔

خاصیت الہی یہ ہے کہ وہ موجود واجب الوجود بذات ہے جو تمام ممکنات کو نہایت عمدگی سے موجود کرتا ہے اس خاصیت میں کسی چیز کا مشارک ہونا تصور میں بھی نہیں آ سکتا اور

اگر بندہ کی بعض صفات حاصلہ جو خدا کی خاصیت کے نام ہیں تو اس سے مماثلت لازم نہیں آتی۔ مثلاً وہ، بصیر، عالم، قادر، حی، اور فاعل ہے۔ اور بندہ بھی سمع، بصر، علم، قدرت، زندگی اور فعل سے موصوف ہوتا ہے۔ بلکہ خاصیت الہی خاص اللہ کے لئے ہے اور اس کو اللہ ہی جانتا پہچانتا ہے۔

یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ اس کے سوا معاذ اللہ یا اس کی مثل کے سوا اور کوئی چیز اس خاصیت کو سمجھ اور پہچان سکے۔ اور جب اس کے مثل کوئی نہیں۔ تو صرف وہی ایک اپنے آپ کو اچھی طرح جانتا ہے

حضرت جنید بغدادی نے سچ فرمایا ہے کہ لا یعرف اللہ الا اللہ تعالیٰ یعنی خدا کو خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت ذوالنون جب انتقال کرنے لگے تو کسی نے پوچھا۔ اب آپ کا جی کیا چاہتا ہے۔ فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ مرنے سے پیشتر خدا کو پہچان لوں۔ خواہ ایک لمحہ بھر کے لئے۔ اس مقام پر اکثر ضعیف الاعتقاد لوگوں کے دلوں میں تشویش انگیز خیالات اٹھا کرتے ہیں۔ اور انکو نفی و تعطیل کا وہم و انگیر ہونے لگتا ہے۔ اس لئے کہ انکو اس قسم کے کلام کے سمجھنے کی قدرت نہیں ہوتی ہم اس بات کو سمجھتے ہیں۔ سنو،

اگر کوئی کہے کہ، میں خدا کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا، تو اس کا یہ قول درست ہے۔ اور اگر یہ کہے کہ، میں خدا کو نہیں پہچانتا، تو بھی درست ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ نفی و اثبات اکٹھے صادق نہیں آتے۔ بلکہ ایک صادق آسکتا ہے۔ کیونکہ نفی کا صادق آنا، اثبات کا کاذب ہو جانا ہے۔ وبالعکس۔ لیکن جب کلام کی وجہ مختلف ہو۔ تو دونوں قسموں میں صدق متصور ہو سکتا ہے۔

جیسے کوئی کسی سے پوچھے۔ کیا تم ابو بکر صدیقؓ کو جانتے ہو۔ اور وہ یوں جواب دے کہ صدیقؓ ایسے نہیں ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا ہو۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو ایسے مشہور و معروف بزرگ کو نہ جانتا ہو۔ جن کا نام شہرہ آفاق ہے۔ ممبروں پر انہیں کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ مسجدوں میں انہیں کا ذکر ہو رہا ہے۔ زبانوں پر انہیں کی مدح جاری ہے۔ تو اس کا جواب درست ہوگا۔

اور اگر وہی سائل کسی دوسرے شخص سے پوچھے۔ کیا تم حضرت صدیقؓ کو جانتے ہو، اور وہ یوں جواب دے کہ، آہ، میں کون ہوں، جو حضرت صدیقؓ کو جان سکوں۔

چہ نسبت خاک رابا عالم پاک

صدیق کو وہی جانے، جو صدیق کے برابر یا اس سے بڑھ کر ہو۔ میرا یہ دل گردہ کہاں کہ ان کی تعریف کرنے یا ان کی تعریف کے خواہشمند ہونے کی ہمت کر سکوں مجھ جیسے ناپیڑ تو ان کا نام ہی نام یا ان کی صفات سن سکتے ہیں۔ اگر ان کی معرفت کا دم ماریں تو یہ محال ہے، اس شخص کا یہ کہنا بھی بجا سمجھا جائے گا۔ جس کی وجہ تعظیم و احترام ہے۔ اسی طرح اس شخص کا قول بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ میں خدا کو جانتا ہوں اور اس کا قول بھی جو کہتا ہے میں خدا کو نہیں جانتا۔

بلکہ اگر تم عاقل شخص کو ایک خط دکھا کر پوچھو کہ جس شخص نے اس کو لکھا ہے تم اس کو جانتے ہو اور وہ جواب دے کر نہیں تو اس کا جواب درست ہے اور اگر یوں جواب دے کہ ہاں جانتا ہوں اس کا لکھنے والا انسان زندہ قادر ”سمیع بصیر“ تندرست ہاتھ والا اور لکھ سکنے والا ہے جب اس کی اتنی صفات مجھ کو معلوم ہیں تو میں اس کو کیوں نہ جانوں یہ جواب بھی بجا ہے لیکن زیادہ درست اور فی الواقع بجا جواب یہ ہے کہ نہیں میں اس کو نہیں جانتا کیونکہ وہ فی الحقیقت اس کو نہیں جانتا اور صرف اتنا اس کو معلوم ہے کہ ایسا خط وہی شخص لکھ سکتا ہے جس میں مذکورہ اوصاف ہوں اور خود کاتب کو نہیں جانتا۔

اسی طرح بندے صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ انتظام اور محکم عالم ایسے صانع کا محتاج ہے جو مدبر ”حی عالم اور قدیر ہو اور اس معرفت کے دو پہلو ہیں ایک پہلو عالم سے۔ عالم سے متعلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عالم ایک مدبر حقیقی کا محتاج ہے دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے اس کا مطلب اسمائے باری تعالیٰ ہے جو ایسی صفات سے مشتق ہیں جو حقیقت ذات میں داخل نہیں ہیں۔

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے تو اسمائے مشتقہ اس کا جواب ہرگز نہیں بن سکتے چنانچہ کسی حیوانی وجود کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے اور جواب ملے کہ لمبا ہے سفید ہے یا کوتاہ قد ہے اور سیاہ ہے۔

یا مثلاً پانی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے اور جواب ملے کہ ٹھنڈا ٹھنڈا ہے یا مثلاً آگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے اور جواب ملے گرم گرم ہے یا مثلاً آگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے تو یہ سارے جوابات ماہیت کی رو کے جواب نہیں ہیں کسی چیز کی معرفت جہی حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کی حقیقت و ماہیت معلوم ہو جائے نہ کہ صرف اسم مشتقات چنانچہ ہمارا ایک چیز کو گرم کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک مبہم شے

حرارت سے موصوف ہے اسی طرح ہمارے عالم وقادر کہنے کے یہ معنی ہیں کہ ایک مبہم شے کو علم و قدرت کا وصف حاصل ہے؟

سوال: تو ہمارے اس قول سے کہ وہ واجب الوجود ہے جس سے تمام ممکن وجودا شیاء ظاہر ہوئی ہیں اس کی حقیقت مراد ہے جو اب تو بہ تو بہ؟

جواب: واجب الوجود سے تو صرف یہ مراد ہے کہ وہ علت اور فاعل سے مستغنی ہے جس کا مطلب سلم سبب ہے اور ان تمام ممکن وجودا شیاء کے ساتھ ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ کیا ہے۔ اور ہم جواب دیں گے وہ ”فاعل“ ہے۔ یا وہ ہے جسکی کوئی علت نہیں ہے تو یہ جواب نہیں بن سکتا پھر یہ جواب کیونکہ کافی ہو سکتا ہے کہ جس کی کوئی بھی علت نہیں کیونکہ یہ ساری تعریفیں اس کی ذات سے خارج ہیں اور ان کا مدعا، صرف کسی خارج الذات اضافت کا اثبات یا نفی ہے اور یہی اسماء صفات اور اضافت ہیں۔

سوال: تو پھر اس کی معرفت کا کونسا ذریعہ ہے؟

جواب: یہ سوال ایسا ہی ہے جیسے کوئی بچہ یا پیدائشی نامرد پوچھے کہ جماع کی لذت معلوم کرنے کا کونسا ذریعہ ہے تو ہم اس کو یوں جواب دیں گے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ تم کو اس کا وصف سنا دیا جائے دوسرے یہ کہ تم صبر کے ساتھ اس وقت کا انتظار کرو جب تم میں قوت شہوت پیدا ہو جائے اور تم خود اپنی بیوی کے ساتھ شہرانہ برتاؤ کر کے جماع کی لذت کا اندازہ لگاؤ۔

یہ دوسرا طریقہ ہی ایسا ہے جو پوری معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے پہلے طریقے میں بجز اس کے اور کوئی فائدہ نہیں کہ اس سے ایک تو ہم اور کسی دوسری لذت کے ساتھ تشبیہ کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور جب شہوت پیدا ہو جاتی ہے اور اس لذت کے چکھنے کا موقع ملتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لذت شکر کی مٹھاس کے مشابہ نہیں ہے اور نہ وہ تو ہم جو اس کے متعلق تھا ٹھیک تھا ہاں اتنی بات مان لیتا ہے کہ اس کے متعلق جو یہ سنا کرتے تھے کہ وہ عجیب لذت اور بینظیر لطف ہے تو یہ تعریف شکر کی نسبت اس لذت کے حق میں زیادہ صادق اور صحیح تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دو طریق ہیں ایک تو قاصرے دوسرا مسدود ہے۔ قاصر یہ ہے کہ ہم اس کے اسماء و صفات کا ذکر کریں اور اپنے متعلق جو صفات ہم کو معلوم ہیں مثلاً ہم قادر ہیں عامل ہیں زندہ ہیں متکلم ہیں ان پر قیاس کر کے اسی نوع کی کامل

صفات سے اس کو موصوف سمجھیں جس طرح پیدائشی نامرد کو شکر کے ذائقہ کی مثال سے جماع کی لذت سمجھائی جائے گو ہماری قدرت عمل حیات کلام وغیرہ اوصاف خدا کی قدرت و عمل و حیات و کلام وغیرہ سے بالکل بعید ہیں اور دونوں میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے اور ان اوصاف کے ساتھ اللہ کی تعریف کرنے کا فائدہ ایہام اور تشبیہ اور اسمی مشارکت ہے کیونکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ نامرد کے سامنے لذت جماع کی مثال کے لئے کوئی ایسی لذت پیش کریں جس کو وہ محسوس کرتا ہو جیسے کسی کو بیٹھے کھانے کی لذت ہو اور اس کو کہیں کہ کیا تم جانتے ہو کہ شکر لذیز ہوتی ہے اور اس کو کھاتے وقت خاص مزہ آتا ہے اور پر لطیف حالت کا احساس ہوتا ہے اس کے جواب میں وہ کہے گا ہاں پھر ہم اس کو کہیں گے کہ جماع کی لذت بھی ویسی ہی ہے تو کیا آپ کے نزدیک اس کی تعریف سے اس کو جماع کی حقیقت اسی طرح معلوم ہو جائیگی جس طرح خود صاحب کیفیت کو معلوم ہوتی ہے حاشاء کلا بلکہ اس وصف سے مدعا صرف ایہام اور تشبیہ اور اسمی مشارکت سمجھانا ہے ایہام اس لحاظ سے ہے کہ اس سے یہ تو ہم ہو سکتا ہے کہ یہ امر علی الجملہ پر لطف ہے تشبیہ اس لحاظ سے کہ اس کو شکر کی مٹھاس سے تشبیہ دی جاتی ہے لیکن تشبیہ کو ہم اس طرح قطع کر سکتے ہیں لیس کمثلہ شیء اس جیسی کوئی چیز نہیں پس وہ حی زندہ ہے مگر دوسرے احواء زندوں کی طرح نہیں اور وہ قادر ہے مگر دوسرے قادروں کی مثل نہیں جیسے ہم کہتے ہیں کہ جماع شکر کی طرح لذیز ہے مگر اس کی لذت کو شکر کی لذت سے کچھ مشابہت نہیں ہے ہاں اسمی مشارکت ہے۔

چنانچہ جب ہم یہ معلوم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ حی قادر اور عالم ہے تو ابتداء ان معنوں کو اپنے قرب پر قیاس کر کے سمجھتے ہیں اسی لئے پیدائشی بہرہ خدا کے سمیع ہونے کا معنی معلوم کر سکتا ہے اور اسی لئے جب کوئی پوچھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا علم کیونکر ہو سکتا ہے تو ہم اس کو جواب دیتے ہیں کہ جس طرح تم کو اشیاء کا علم ہوتا ہے پھر اگر کوئی پوچھے کہ وہ قادر کیونکر ہے تو ہم جواب دیں گے جس طرح تجھ کو قدرت حاصل ہے۔

غرض جب کوئی شخص ایک نئی بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے جبکہ کوئی اس کے نفس میں اس کے مناسب کوئی بات موجود ہو پس پہلے وہ اپنے وصف کو معلوم کرتا ہے پھر اس پر قیاس کر کے دوسری چیز کے وصف کو سمجھ سکتا ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی ذات میں ایک ایسا وصف و خاصیت ہو جس کے ساتھ ہمارے وصف کو کوئی مناسبت اور مشارکت نہ ہو اگر ہو تو صرف اسمی مشارکت ہو خواہ ایسی ہی

مشارکت ہو جیسی شکر کی لذت اور جماع کی لذت میں ہے جس کا سمجھنا محال ہے۔
پس جو شخص اپنی صفات کے سوا اور کچھ نہیں جانتا اور انہیں پر خدا کی صفات کو قیاس کرتا
ہے جس کی صفات مشابہت سے پاک ہے تو اس کی یہ معارف بالکل قاصر ہے جس پر ایام
و تشبیہ غالب ہے پس اس کے ساتھ وہ معرفت شامل ہونی چاہیے جس میں مشابہت اصل
مناسبت اور مشارکت فی الاسم بالکل منافی ہوں۔

اللہ کی معرفت کا دوسرا مسدود طریقہ یہ ہے کہ بندہ اس امر کا منتظر رہے جس کو تمام
صفات ربوبیت حاصل ہو جائیں حتیٰ کہ وہ خود رب بن جائے جس طرح ایک بچہ منتظر ہوتا ہے کہ
وہ بالغ ہو کر خود شباب کی لذت چکھ لے اور یہ طریقہ مسدود اور محال ہے کیونکہ خدا کے سوا ایسی
حقیقت کا کسی کو حاصل ہونا محال ہے ورنہ پوری حقیقت دکھا دینے والا یہی طریقہ تھا اور وہ قطعاً
مسدود ہے۔

عرض خدا کی حقیقی معرفت خدا کے سوا کسی کو دوسرے کو حاصل ہونا محال ہے بلکہ میں تو
کہتا ہوں کہ نبی کی معرفت بھی نبی کے سوا اور حاصل نہیں ہو سکتی جو شخص نبی نہیں ہے نبی کا نام ہی
نام جانتا ہے اس کی حقیقت سے مطلع نہیں ہے اس خاصہ سے مطلع خاص نبی ہی ہو سکتا ہے بلکہ
میں اس پر بھی اضافہ کرتا ہوں کہ کوئی شخص موت کی حقیقت اور وحشت دوزخ کی حقیقت مرنے
یا وحشت دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہی معلوم کرے گا کیونکہ جنت سے مراد اسباب لذت
ہے اگر ہم ایک ایسا شخص فرض کریں جس نے کبھی بھی کوئی لذت نہ دیکھی ہو تو اس کو جنت کا
مضمون اسی طرح سمجھا دینا غیر ممکن ہے کہ اس کو اس کی خواہش ہو جائے اور دوزخ سے مراد
درد و رساں امور ہیں تو اگر ہم کوئی ایسا انسان فرض کریں جس نے کبھی کسی قسم کا درد محسوس نہ کیا ہو تو
اس کو دوزخ کا مضمون سمجھا دینا از حد مشکل ہے ہاں اگر اس نے کسی قسم کی تکلیف محسوس کی ہو تو
ہم اس کو تکلیف سے کئی گناہ تکلیف بتا کر دوزخ متصور کر سکتے ہیں اسی طرح اگر اس نے
کھانے عیش منانے اور نظارہ کرنے کی لذتیں چکھی ہوں تو اس کو سمجھا سکتے ہیں کہ ان تمام
لذتوں سے بڑی لذتوں کا نام جنت ہے اگر جنت کی لذت ان لذتوں کے مخالف ہو تو اس کے
سمجھانے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ لذت شکر کی مثال سے
لذت جماع کو ذہن نشین نہیں کر سکتے اور بہشت کی لذتیں تو ان تمام لذتوں سے جو دنیا میں
حاصل ہوتی ہیں بالاتر ہیں بلکہ وہ ایسی لذتیں ہیں جن کو کسی نے آنکھ سے نہیں دیکھا کسی نے
کان سے نہیں سنا اور کسی بشر کے دل میں ان کا خیال بھی تو نہیں گزرا اگر ہم ان کو مزید از

کھانوں سے تشبیہ دیتے ہیں تو بھی ساتھ ہی پڑتا ہے کہ ان لذتوں کو جنت کی لذت سے کوئی نسبت نہیں اگر ہم ان کو جماع کی لذت سے تشبیہ دیتے ہیں تو ساتھ ہی اقرار کرتے ہیں کہ وہ لذتیں کچھ اور ہیں اور یہ کچھ اور تو وہ لوگ ہمارے اس قول پر تعجب کیوں کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کی مخلوق نے اللہ کی صفات اور اسماء کے سوا اور کوئی معرفت اس کے متعلق حاصل نہیں کی حالانکہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں کو جنت کے نام اور سنی سنائی تعریفوں کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے اور ہر چیز کا یہی حال ہے جس کا انسان نے نام اور صفت ہی سنی ہو۔ اور اس کو چکھایا محسوس نہ کیا ہو۔

سوال: عارفین کی معرفت کی غایت کیا ہے۔

جواب: عارفین کی انتہائے معرفت یہ ہے کہ وہ معرفت سے عاجز آ جاتے ہیں اور ان کی حقیقی معرفت یہ ہے وہ اس کو پہچان نہیں سکتے کیونکہ یہ بات محال ہے کہ خدا کے سوا کوئی اور ذات خدا کو پوری معرفت کے ساتھ صفات ربوبیت کے حقیقی اسرار سمیت پہچان سکے پس جب یہ بات ان کو انکشاف برہانی کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے تو گویا انھوں نے خدا کو پہچان لیا یعنی وہ معرفت کی اس حد تک پہنچ گئے جو مخلوق کے لئے ممکن ہے۔ یہ وہ حد ہے جس کی طرف صدیق اکبرؑ نے ان الفاظوں میں اشارہ کیا ہے کہ اوراک کے ادراک سے عاجز آ جانا بھی ادراک ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے بھی یہی مراد ہے کہ لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك یعنی میں تیری پوری پوری تعریف نہیں کر سکتا جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کو خدا کے متعلق کوئی ایسی بات معلوم ہوئی اور میں وصیت الہیت کا احاطہ نہیں کر سکتا بلکہ ان کا احاطہ کرنے والا صرف تو ہی ہے اس لحاظ سے کسی مخلوق کو اس کی حقیقت ذات سے حصہ نہیں ملا اور اتساع معرفت صرف اس کی صفات اور اسماء کی معرفت میں ہے۔

سوال: تو پھر ملائکہ انبیاء اور اولیاء کے مدارج معرفت میں فرق کس بات کا ہے

جواب: ہم بتا چکے ہیں کہ معرفت کے دو ہی طریقے ہیں ایک طریقہ حقیقی ہے جو اللہ کے سوا اور سب کے حق میں مسدود ہے جو کوئی اس کو حاصل کرنے کی جرأت کرتا ہے جلن ایزدی اس کو حیران کر دیتا ہے اور ہیبت الہی اس کی آنکھیں بند کر دیتی ہے۔

دوسرا طریقہ جس سے مراد اسماء و صفات کی معرفت ہے۔

یہ مخلوق کے لئے عام ہے اور اس میں مخلوق کے مدارج متفاوت ہیں۔ پس جو شخص

صرف اتنا جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم وقادر ہے۔ وہ اس شخص کی حرص نہیں کر سکتا جو خدا کی ان صفتوں کو اپنی آنکھوں سے ان کے اپنے مظاہر میں ملاحظہ کرتا ہے۔ اور اس کے ملک کی یہ عجائبات اور اس کی حیرت انگیز صنعتوں پر نظر ڈالتا ہے۔

اس کی حکمت کی باریکیوں کو سمجھتا ہے۔ اور ان فرشتوں کے اوصاف اپنے اندر پیدا کرتا ہے جو خدا کے مقرب ہیں۔

بلکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے اس بات کو ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں ولله المثل الاعلیٰ "تم جانتے ہو کہ ایک عالم ومتقی کامل مثلاً امام شافعیؒ کو ان کا دربان بھی جانتا ہے اور ان کے شاگرد مزنیؒ بھی جانتے ہیں دربان تو صرف اس قدر جانتا ہے کہ وہ شرح کے عالم ہیں۔ اور لوگوں کو مسالک بتاتے ہیں اور مزنی اور تفصیلی صفات و معلومات کے ساتھ ان کو جانتے ہیں۔ بلکہ جو عالم دس قسم کے علوم بخوبی جانتا ہے۔ اس کو اس کا وہ شاگرد بھی اچھی طرح جاننے کا دعویٰ کر سکتا ہے جو صرف ایک علم میں اس کا شاگرد ہے اور اس کا وہ خادم جس نے اس سے کچھ بھی علم نہیں پڑھا اس کو جانتا ہی نہیں بلکہ جو شاگرد ایک علم میں اس کا شاگرد ہے اس کو گویا اس کے اوصاف میں سے صرف دسواں حصہ معلوم ہے۔ بشرطیکہ اس ایک علم میں بھی اس کے برابر ہو ورنہ اگر اس میں کچھ بھی اس سے کم ہو تو گویا وہ بھی اس کو بخوبی نہیں پہچانتا بلکہ صرف نام ہی نام جانتا ہے۔

اس طرح خدا کی معرفت میں مخلوق متفاوت ہے جس کو جس قدر زیادہ اس کی خدائی کے آثار اور کیفیات معلوم ہیں اس قدر زیادہ معرفت اس کو حاصل ہے اور اس کی معرفت اس قدر حقیقی معرفت کے قریب ہے۔

سوال: جب اس کی ذات کی حقیقی معرفت محال ہے تو کیا اسماء و صفات کی پوری پوری معرفت بھی حاصل ہے یا نہیں؟

جواب: یہ بھی نہایت بعید ہے، خدا کی صفات و اسماء کا حقیقی اور کامل علم بھی خود اسی کو ہے۔ اس لئے کہ جب کسی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مثلاً وہ ایک ذات عالم ہے تو ہم کو ایک مبہم شے کا علم ہو جاتا ہے جس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں لیکن اتنا جانتے ہیں کہ اس میں علم کی صفت موجود ہے اگر ہم اس کی صفت علم کی پوری حقیقت جانتے ہوتے تو پھر ہمیں اس بات کی نسبت کہ وہ عالم ہے پورا پورا علم حاصل ہوتا ورنہ نہیں۔ مگر اللہ کے علم کی حقیقت کو تو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا پس اس کے سوا کوئی بھی اس کی موصوفیت بالعلم کو نہیں سمجھ سکتا اور اگر کوئی سمجھتا ہے تو اپنے علم

پر قیاس کر کے سمجھتا ہے جیسے کہ ہم شکر کی مثال میں بیان کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے علم سے کوئی نسبت نہیں رکھتا پس مخلوق کی معرفت اس کی ذات و صفات کے متعلق حقیقی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہے تو تشبیہی اور الہامی ہو سکتی ہے۔

اوپر کے بیان سے تم کو متعجب نہ ہونا چاہیے دیکھو ایک جادوگر کو خود اس کا دل ہی جانتا ہے یا کوئی دوسرا اس سے بڑھ کر یا برابر کا جادوگر جان سکتا ہے۔ بخلاف اس کے جس شخص کو جادو کا علم نہیں ہے اور نہ وہ اس کی حقیقت و ماہیت سے واقف ہے وہ تو جادوگر کا نام ہی نام جانتا ہے یا زیادہ سے زیادہ اتنا جانتا ہے کہ اس کو جادو کا علم آتا ہے اس سے آگے اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ علم کیسا ہے۔ کیونکہ اس کو اس علم کا موضوع ہی معلوم نہیں ہے اور نہ اس کی خاصیت معلوم ہے ہاں اتنا جانتا ہے کہ یہ خاصیت کو مبہم ہے مگر علوم کی قسم سے اور اس کا ثمرہ تغیر قلوب اور تبدیل اوصاف اور ظن و شر میں تفرقہ اندازی ہے مگر یہ باتیں اس کی حقیقی شناخت سے بالکل جدا ہیں۔ اور جس کو جادو کی حقیقت معلوم نہیں ہے وہ جادوگر کی حقیقت کیا سمجھے گا۔ کیونکہ ساحر (جادوگر) وہ ہے جس کو سحر جادو کی خاصیت حاصل ہوتی ہے اور اسم ساحر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ایسا اسم ہے جو اس صفت سے مشتق ہے اگر یہ صفت نامعلوم ہے تو یہ اسم بھی نامعلوم ہوگا اور اگر وہ معلوم ہے تو یہ بھی معلوم ہوگا اور عام لوگوں کو سحر کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک وصف ہے مگر یہ بات ماہیت سے بعید ہے۔ اسی طرح ہم کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ایک وصف الہی ہے جس کا ثمرہ اور اثر اشیاء کا وجود ہے اور اسم قدرت اس پر منطبق ہے کیونکہ وہ ہماری قدرت کے ساتھ اسی طرح نسبت رکھتی ہے اور یہ بات اس قدرت کی حقیقت سے بالکل علیحدہ ہے ہاں بندہ جس قدر خدا کی مقدرات میں اپنی نظر وسیع کرتا جائے اسی قدر وہ صفت قدرت کے سمجھنے میں زیادہ بہر ایاب ہوگا۔

جس طرح شاگرد کو اپنے استاد کے علم کی جس قدر تفصیل اور تصانیف معلوم ہوں اسی قدر وہ اس کو زیادہ صحیح طور پر جانتا ہے اور یہی مطلب ہے عارفین کی معرفت کے تفاوت کا۔ کیونکہ بندہ کا زہن خدا کی جن معلومات تک پہنچ نہیں سکتا ان کی کوئی انتہاء نہیں ہے اور جن تک پہنچ سکتا ہے ان کی بھی کوئی انتہاء نہیں اگرچہ موجودات متناہی ہیں لیکن آدمی کے علم کی کوئی انتہاء نہیں ہاں یہ علم جس درجہ تک حاصل ہوتا ہے اس کو متناہی کہہ سکتے ہیں۔ اور ایسے مدارج قلت و کثرت کے لحاظ سے متفاوت ہیں۔ اور اسی تفاوت سے لوگوں کی معرفت متفاوت ہے اور یہ تفاوت ایسا ہی ہے جیسے مال کی کثرت و قلب کے باعث غنا میں تفاوت ہوتا ہے چنانچہ

ایک شخص کے پاس ایک پیسہ ہے اور دوسرے کے پاس ہزاروں روپے ہیں یہی حال علوم کا ہے بلکہ علوم کا تفاوت سب سے بڑا ہے کیونکہ معلومات کی انتہاء نہیں ہے اور اموال اجسام ہیں جن کی انتہاء مسلم ہے۔

اس بیان سے تم بخوبی سمجھ گئے ہو گے کہ مخلوق خدا کی معرفت میں کیونکر تفاوت ہے اور اس تفاوت کی کوئی انتہاء نہیں۔ اور یہ بھی سمجھ گئے ہونگے کہ یہ قول ”اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا“ بالکل درست ہے۔ اور یہ قول بھی صحیح ہے کہ ”میں اللہ کے سوا کسی کو نہیں جانتا“ کیونکہ اللہ اور اس کے افعال کے سوا کئی چیز موجود نہیں ہے پس جب اس کے افعال کو اس کے افعال کی حیثیت سے دیکھا جائے تو نظر اسی پر متصور رہے گی اور ان کو اس حیثیت سے دیکھے گی کہ وہ آسمان یا زمیں یا درخت یا پہاڑ ہے۔

بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ چیزیں اس کی صنعت کا نمونہ ہیں پس اس کی معرفت دربار خداوندی سے باہر نہیں جاتی اور وہ کہہ سکتا ہے کہ ”میں خدا کے سوا کسی کو نہیں جانتا“ اور ”میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا“۔

فرض کرو ایک شخص دنیا بھر میں صرف سورج کو اور اس کے نور کو جو دنیا بھر میں پھیل رہا ہے دیکھتا ہے تو اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ”میں سورج کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھتا“۔ کیونکہ نور جو اس سے پھیلتا ہے وہ بھی اسی میں سے ہے۔ اس سے خارج نہیں ہے پس تمام موجودات قدرت ازلی کے انوار میں سے ایک نور ہیں اور جس طرح سورج تمام عالم میں پھیلنے والے نور کا سرچشمہ ہے۔

اسی طرح وہ معانی جس کو ادا کرنے سے عبارت قاصر ہے ضرورتاً قدرت ازلیہ سے موسوم کیا گیا اور وہ اس وجود کا سرچشمہ ہے جو ہر موجود پر فائز ہوا ہے لہذا درحقیقت خدا کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

پس عارف کہہ سکتا ہے کہ میں خدا کے سوا کسی کو نہیں جانتا۔ اور عجیب تر یہ کہ اگر کہے کہ ”خدا کے سوا کوئی شے جانی نہیں جاتی“۔ تو بھی صحیح ہے۔

لیکن پہلا قول اور وجہ سے ہے دوسرا اور وجہ سے ہے۔ اگر اختلاف وجود کی صورت میں دو متناقض قول غیر صحیح ہوتے تو معاذ اللہ! اللہ کا یہ قول صحیح نہ ہوتا کہ ”وما ز میت اذرمیت ولکن اللہ رمی“ حالانکہ وہ صحیح ہے کیونکہ راہی (پھینکنے والے کے) دو لحاظ ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ فعل بندہ سے منسوب ہے دوسرے لحاظ سے رب سے منسوب ہے اور اس میں کوئی تناقض نہیں

ہے۔

اب ہم اپنے سمند بیان کی باگ روکتے ہیں۔ کیونکہ ہم ایسے میدان میں آپڑے جس کی انتہاء نہیں ہے۔ اور اب

آسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ

کے معانی کی تفصیل شروع کرتے ہیں۔

دوسرا فن

مقاصد خاص میں

پہلی فصل

اللہ کے نو دہ نام کی شرح

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ کہ اللہ تعالیٰ کے نناوے نام یعنی ایک کم سو ہیں کیونکہ وہ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے جو کوئی ان سارے اسماء کو پڑھے وہ جنت میں جائے گا۔

ﷺ

هو الله الذي لا اله الا هو

الرحمن الرحيم الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز
 الجبار المتكبر الخالق الباريء المصور الغفار القهار الوهاب
 الرزاق الفتاح العليم القابض الباسط الخافض الرافع المعز
 المذل السميع البصير الحكم العدل اللطيف الخبير الحلیم
 العظيم الغفور الشكور العلی الكبير الحفيظ المقيت الحسيب
 الجليل الكريم الرقيب المجيب الواسع الحكيم الودود المجيد
 الباعث الشهيد الحق الوكيل القوى المتين الولی الحميد
 المحصي المبدی المعيد المحيي الممیت الحي القيوم الواجد
 الماجد الاحد الصمد القادر المقدر المقدم المؤخر الاول
 الآخر الظاهر الباطن الوالی المتعالی البر التواب المنتقم
 العفو الرؤف مالک الملک العدل الامين المقسط الجامع الغنی المغنی
 المانع الضار النافع النور الهادی الباقي الوارث الرشيد
 الصبور

(۱) اللّٰه

(خدا، معبود)

یہ اس موجودہ حق کا نام ہے جو صفات الہیت کا جامع ہے اور صاف ربوبیت سے
 موصوف، اور وجود حقیقی سے ممتاز ہے۔ اس کے سوا کوئی موجود وجود بذاتہ کا مستحق نہیں ہے اور
 ہر موجود نے اسی سے وجود حاصل کیا ہے۔ لہذا وہ بذاتہ ہالک ہے اور دوسری جہت سے موجود
 ہے۔ ”فکل موجود ہالک الا وجہہ“ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر موجود خدا کی ذات کے سوا
 فانی ہے ٹھیک بات یہ ہے کہ یہ اسم اس معنی پر دلالت کرنے کے لئے اسماء اعلام کا کام دے

ربا ہے اور اس کے اشتقاق، اور تعریف کے متعلق جو بعض نے لکھا ہے وہ محض تکلف و تعسف ہے۔
نکتہ: یہ نام نناوے ناموں سے بڑا ہے کیونکہ وہ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو بلا
 استثناء تمام صفات الہیت کی جامع ہے۔ باقی تمام نام ایک ایک معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً
 علم، قدرت، اور فعل وغیرہ میں سے کسی ایک پر اور اس لئے وہ تمام اسماء کی بنسبت اس کے
 ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتا ہے کیونکہ وہ اس کے سوا اور کسی کے لئے حقیقتاً یا مجازاً استعمال نہیں کیا
 جاتا۔ باقی اسماء کے ساتھ اور کو بھی موسوم کر دیا جاتا ہے۔ جیسے قادر، علیم، رحیم، وغیرہ انھیں دو
 وجوہ سے ظن ہوتا ہے کہ یہ نام اسم اعظم ہے۔

نکتہ: تمام اسماء کی معنی کے نسبت خیال کیا جاسکتا ہے کہ بندہ ان کے ثبوت سے
 متصف ہو سکتا ہے یہاں تک کہ اس پر رحیم، علیم، صبور، اور شکور، کا اسم بولا جاسکے اگرچہ اس
 قسم کے اسماء کا اطلاق بندہ پر کسی اور وجہ سے ہو۔ اور اللہ پر ان کا اطلاق اور وجہ سے، مگر اللہ کا معنی
 اس قسم کا نہیں ہے، وہ خاص اللہ سے مخصوص ہے اس میں کوئی حقیقی یا مجازی شرکت نہیں پائی جاتی
 اور اسی خصوص کی وجہ سے تمام اسماء کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے نام ہیں، یوں نہیں کہتے کہ
 اللہ، صبور، یا شکور، کا نام ہے کیونکہ اسم اللہ من حیث ہو معانی الہیت پر سب سے زیادہ دلالت کرتا
 ہے اور سب کی بنسبت اللہ کے ساتھ زیادہ خاص ہے۔ لہذا سب سے زیادہ مشہورہ اور ظاہر
 بھی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس کی تعریف کے لئے دوسرے اسماء کی ضرورت نہیں اور دوسرے
 اسماء کی تعریف کے لئے اسکی نسبت لازم ہے۔

تنبیہ: بندہ کو اس اسم سے تسالہ، حاصل کرنا چاہئے۔ یعنی اس کا دل اور خیال اللہ
 تعالیٰ میں محو ہو۔ اسکے سوا وہ کسی طرف آنکھ نہ اٹھائے۔ نہ توجہ کرے۔ نہ کسی سے امیدوار ہو
 اور نہ کسی غیر سے ڈرے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ اس اسم کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ موجود حقیقی و برحق
 ہے، اور باقی سب اس کے سوا فانی اور ہالک اور باطل ہیں پس وہ اپنے آپ کو سب سے پہلے
 اس فقرہ میں امام اعظم کے مذہب پر جرح ہے جن کے ردیک اللہ اعظم کے الفاظ سے بھی افتتاح
 نماز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ امام غزالی شافعی المذہب ہیں۔ مترجم

اس میں علم جو محض کسی چیز کی ذات پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا جاتا ہے یہ ضرور نہیں کہ وہ کسی
 صفت کے معنی پر بھی دال ہو جیسے زید، عمر، بکر وغیرہ۔ اس لئے اسماء اعلام غیر مشتق بلکہ جامد الفاظ
 تے ہیں۔

ہالک و باطل سمجھے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سمجھایا۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا،
عرب کی شاعری میں سب سے زیادہ سچا شعر لبید کا ہے۔ ع

”الا کل شی ما خلا اللہ باطل“

یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے سوا تمام موجودات فانی ہیں۔

(۲) الرحمن

(نہایت رحم والا)

(۳) الرحیم

(بہت مہربان)

یہ دونوں اسم رحمت سے مشتق ہیں۔ اور رحمت مرحوم کی مستدعی ہے۔ اور جو مرحوم ہوگا وہ محتاج ہوگا اور اگر کسی سے کسی محتاج کی حاجت بلا ارادہ و قصد پوری ہو جائے تو اس کو رحیم نہ کہیں گے۔ اور جو کوئی اس کی حاجت پوری کرنے کا ارادہ تو کرے مگر پوری نہ کرے تو اگر وہ اس کے پورا کرنے پر قادر تھا۔ تو رحیم نہیں کہلائے گا کیونکہ اگر اس کا ارادہ کامل ہوتا تو اسے پورا کر دکھاتا اور اگر اس کو پورا کرنے سے عاجز ہو تو اس کو اس کی رقت قلب کے لحاظ سے رحیم کہیں گے لیکن وہ ناقص رحیم ہے۔

”رحمت تامہ“ یہ ہے کہ محتاجوں سے بھلائی کی جائے اور ان کے حال پر توجہ مبذول رکھتے ہوئے ان کے حق میں نیکی کا ارادہ کیا جائے۔

”رحمت عامہ“ یہ ہے کہ مستحق و غیر مستحق سب کو شامل ہو۔

اللہ کی رحمت نامہ بھی ہے اور عامہ بھی اس کی رحمت کا تامہ ہونا تو اس حیثیت سے ہے کہ وہ محتاجوں کی حاجت روائی کا ارادہ بھی کرتا ہے اور اس کو پورا بھی کر دیتا ہے۔ اور اس کا عامہ ہونا اس حیثیت سے ہے کہ وہ مستحق اور غیر مستحق سب کو شامل ہے۔ اور دنیا و آخرت میں عام ہے اور ضرورت و حاجات اور ان سے زائد امور پر مشتمل ہے غرض کہ وہ رحیم مطلق و برحق ہے۔

نکتہ: رحمت کے لئے ایک ایسی پر رقت لازم ہے جو رحیم کو محسوس ہو اور اسے محتاج

کی حاجت پورا کرنے پر اکساتی ہو اور اللہ تعالیٰ اس (تاثر و انفعال) سے پاک ہے شاید تم

خیال کرو کہ یہ رحمت کے معنی میں نقص ہے سو واضح ہو کہ یہ امر رحمت کے معنی کے لئے نقصان نہیں بلکہ کمال ہے۔

نقصان اس لئے نہیں ہے کہ کمال رحمت کمال ثمرہ پر موقوف ہے۔ اور جب کسی محتاج کی حاجت کو بکمال لہا پورا کر دیا جائے تو محتاج کو راحم کے درود سے کوئی خاص نفع نہیں ملتا۔ راحم کا درود اس کے ضعف قلب اور کمزوری نفس کے باعث ہوتا ہے اور یہ ضعف محتاج کے مدعا میں کوئی اضافہ نہیں کر دیتا جبکہ اس کی حاجت پوری طرح مہیا ہو چکی ہو۔

کمال اس لئے ہے کہ جو رحیم رقت اور درود کے باعث رحم کر رہا ہے ممکن ہے اس کا فعل اپنے نفس سے رقت دور کرنے کی غرض سے ہو۔

تو اس کا یہ معنی ہوگا کہ اپنے نفس کی رعایت کی اور نفس ہی کی غرض کے لئے سعی کی اور یہ امر کمال رحمت کے لئے نقص ہے کمال رحمت یہ ہے کہ راحم کی نظر مرحوم کی طرف مرحوم کی خاطر ہو۔ نہ کہ خود رقت کے درد سے آرام پانے کی غرض سے۔

فائدہ: الرحمن نسبت الرحیم کے خاص ہے اسی لئے اللہ کے سوا اور کسی کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ اور رحیم کا غیر اللہ پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے پس اس وجہ سے وہ اسم اللہ کے قریب ہے اور علم کا کام دے رہا ہے اگرچہ وہ رحمت سے مشتق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اسموں کو اس آیت میں جمع فرمایا ہے کہ ”قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایما تدعوا فله الاسماء الحسنی“ (یعنی کہہ دو اے محمد ﷺ کہ خواہ اللہ کو پکارو یا الرحمن کو جس کو پکارتے ہو (پکارو) بہر صورت یہ اسی کے نام اچھے ہیں)۔

پس اس وجہ سے بھی اور ہمارے اس بیان سے بھی کہ خدا کے شمار کردہ اسماء میں ترادف نہیں ہے لازم آتا ہے کہ ان دونوں اسموں کے معنوں میں فرق کیا جائے چنانچہ مناسب یہ ہے کہ رحمن سے ایک خاص رحمت مفہوم ہو۔ جو بندوں کی مقدمات سے بالکل بعید ہو۔ اور یہ وہ جو سعادت اخرویہ سے تعلق رکھتی ہے پس رحمن وہ ہے جو بندوں پر مہربانی کرتا ہے۔ اول تو ان کو پیدا کر کے، دوم ان کو ایمان اور اسباب سعادت کی طرف ہدایت کر کے۔ سوم آخرت میں انکی بہتری کے سامان کر کے۔ چہارم ان کو اپنے دیدار سے بہرہ ور کر کے۔

تنبیہ: اسم رحمن سے بندہ کا خاص حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے غافل بندوں پر رحم کر کے ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے نرمی کے ساتھ غفلت کے راستے سے پھیر کر خدا کی راہ دکھائے اور نافرمان لوگوں کو رحمت کی نظر سے دیکھے استحقاق کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ اور جو برائی دنیا

میں واقع ہو اس کو ایسا سمجھے کہ خود اسی کے نفس سے وقوع پذیر ہو رہی ہو۔

لہذا مقدور بھر اس کے ازالہ میں کوتاہی نہ کرے۔ محض اس عاصی کے حال پر ترس کھا کر کہ بیچارہ کہیں خدا کے غضب میں گرفتار نہ ہو جائے۔ اور اس کے قرب سے محروم نہ رہے۔

اسم رحیم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ حسب وسعت بھوکے کا پیٹ بھرے اپنے پڑوس یا شہر میں فقیر کی حاجت پوری کرے۔ اور اس کی محتاجی دور کرے خواہ اپنے مال سے یا اپنے رسوخ و وجاہت کے ذریعہ سے یا اس کے لئے دوسرے سے سفارش کر کے۔ اگر ان ساری باتوں سے عاجز ہو تو ایسی شفقت و عنایت کے ساتھ دعا اور اظہار ہمدردی سے اس کا ہاتھ بٹائے کہ گویا اس کی تکلیف و مصیبت میں شریک ہے۔

سوال: شاید تم پوچھو کہ جب وہ رحیم بلکہ ارحم الراحمین ہے اور رحیم جب کسی کو مبتلاء یا مصیبت زدہ یا سزا یاب، یا مریض پاتا ہے اور وہ اس کی حقیقت کو دور کرنے پر قادر ہوتا ہے تو فوراً دور کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ تو ہر بلا دور کرنے اور ہر محتاجی کے رفع کرنے اور ہر مرض کے شفا دینے اور ہر تکلیف کے نجات بخشنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور دنیا امراض، مصائب اور بلیات سے پرہو رہی ہے جن کو ہاتھ مہارفع کر دینے پر وہ قادر ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اس رحیم نے اپنے بندوں کو ان تکالیف و مصائب میں مبتلاء رہنے دیا ہے۔ اس کا:

جواب: یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی ماں اس کے چھپنے لگوانے سے گریز کرتی ہے مگر عقل مند باپ اس کو بزور چھپنے لگوانے پر مجبور کرتا ہے نادان آدمی گمان کرتا ہے کہ رحیم ماں ہے باپ نہیں مگر دانا سمجھتا ہے کہ باپ کا اپنے بچے کو چھپنوں کی تکلیف دینا پوری رحمت اور اعلیٰ درجہ کی شفقت و عنایت ہے ماں تو ایک دوست نمدشمن ہے اس میں شک نہیں کہ تھوڑی تکلیف جو بہت سے آرام کی موجب ہو، وہ بری نہیں بلکہ غنیمت ہوتی ہے رحیم اپنے مرحوم کے حق میں بحال بھلائی چاہتا ہے۔ ہر برائی کے ضمن میں کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور ہے اگر اس برائی کو رفع کر دیا جائے تو اس کے ضمن میں بھلائی بھی زائل ہو جائے گی جس سے وہ پہلے کی نسبت بڑی برائی بن جائے گی۔

چنانچہ گلے ہوئے ہاتھ کا کاٹنا جانا بظاہر ایک برائی ہے۔ مگر اس کے ضمن میں ایک بہت بڑی بھلائی ہے۔ وہ کیا؟ بدن کی سلامتی اگر ہاتھ کاٹنا نہ جائے تو سارے بدن کا ہلاک ہو جانا یقینی ہے۔ اس وقت یہ برائی بہت ہی بڑی ہوگی۔ غرض کہ ہاتھ کا کاٹنا جانا سلامتی بدن کی غرض سے ایک ایسا شر ہے جو اپنے پہلو میں خیر لئے ہوئے ہے۔ لیکن کاٹنے والے کی اصلی مراد

سلامتی بدن ہے جو ایک خالص بھلائی ہے پھر چونکہ یہ مراد ہاتھ کے کاٹنے ہی سے حاصل ہو سکتی تھی۔

لہذا اس نے ہاتھ کو کاٹنے کا ارادہ کیا تو چونکہ پہلے سلامتی مطلوب لذاتہا تھی اور پھر ہاتھ کاٹنا مطلوب بغیرہ لہذا یہ دونوں اس کے ارادہ کے تحت میں داخل ہیں مگر ایک مراد امر لذاتہ ہے اور دوسرا امر مراد بغیرہ۔

مراد لذاتہ کا درجہ، مراد بغیرہ سے مقدم ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے 'سبقت رحمتی غضبی' یعنی میری رحمت میرے غضب سے مقدم ہے۔ پس اس کا غضب شر کا ارادہ ہے اور اس کی رحمت خیر کا قصد ہے۔ لیکن خیر کا ارادہ محض خیر ہی کے لئے ہے اور شر کا ارادہ محض شر کے لئے نہیں ہے بلکہ اس خیر کی خاطر ہے جو اس کے ضمن میں ہے۔ الغرض خیر مقتضی بالذات ہے اور شر مقتضی بالعرض اور ہر امر مقدر ہو چکا ہے اور اس میں ہرگز کوئی بات منافی رحمت نہیں ہے۔

اب اگر تمہارے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ کیا کوئی ایسی شر ممکن نہیں ہے۔ جس کے تحت میں کوئی خیر نہ ہو یا تم خیال کرو کہ کیا اس خیر کا حاصل کرنا شر کے بغیر ممکن نہ تھا تو اپنی عقل کی کمزوری پر محمول کرو۔ یہ سمجھنا کہ فلاں شر کہ ضمن میں کوئی خیر نہیں عقل کے بس کا نہیں ممکن ہے کہ ایسی صورت میں تمہاری کیفیت اس بچے کی سی ہو جو چھپنے لگوانا محض شر سمجھتا ہے یا اس نادان شخص کی سی جو قتل قصاص کو شر محض خیال کرتا ہے کیونکہ وہ صرف مقتول کی خصوصیت کو مد نظر رکھتا ہے۔ جس کے حق میں بیشک وہ قتل شر محض ہے مگر وہ اس خیر عام کو نہیں دیکھتا کہ شر خاص کے ذریعہ سے خیر عام پر فائز ہونا خود خیر محض ہے خیر محض اور خیر محض کو کسی صورت میں ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔

دوسرے خیال کی نسبت بھی اب تم اپنی عقل کو ہی قاصر سمجھو اور وہ یہ کہ خیر کا حاصل کرنا شر کے بغیر بھی ممکن ہے کیونکہ یہ معنی بھی نہایت باریک و دقیق ہیں کسی مجال و ممکن کا استحالہ و امکان صاف طور پر یا معمولی غور سے سمجھ میں نہیں آ سکتا بلکہ اس کے لئے اعلیٰ درجہ کی موثر گاف قوت قوت فکر یہ درکار ہے پھر بھی اکثر اہل فکر اس کے سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں ان دونوں باتوں میں تم اپنے ذہنوں تعقل کا قصور سمجھو۔

خدا کے ارحم الراحمین ہونے میں مطلق شک نہ کرو اور یقین رکھو کہ اس کی رحمت اسکے غضب پر مقدم ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو کوئی محض شر کے لئے شر کا قصد کرے خیر کے لئے

نہ کرے وہ ہر گزر حیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

اس بیان کے ضمن میں ہم سربستہ راز کا پتہ بتا گئے ہیں جس کو صاف صاف بیان کرنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے ”فالکناية اولی من الصراحتہ“ صاحب نظر ہوگا تو خود سمجھ جائے گا۔

لقد اسمعت لونا دیت حیا

ولکن لا حیا لمن تنادی

یہ خطاب عام لوگوں سے تھا میرے دینی بھائی جن کی خاطر یہ کتاب لکھی گئی ہے ان لوگوں سے مستثنیٰ ہیں، وہ خدا کے راز سے آشاء اور اس قسم کی تنبیہات سے مستثنیٰ ہیں۔

(۴) الْمَلِکُ

(بادشاہ)

ملک وہ ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر موجود سے مستغنیٰ ہے اور ہر موجود اس کا محتاج ہے بلکہ کوئی چیز اپنی ذات میں صفات میں وجود میں بقا میں غرض کہ کسی بات میں اس سے مستغنیٰ نہیں موجود کا وجود اس سے ہے یا اس کے ساتھ منسوب ہونے والی کسی دوسری شے سے ہے اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات و صفات میں اس کی مملوک ہے اور وہ ہر چیز سے مستغنیٰ ہے الغرض ایسی ذات ملک مطلق ہے۔

تنبیہ: بندہ ملک مطلق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ہر چیز سے مستغنیٰ نہیں ہے اگر باقی موجودات سے مستغنیٰ ہے تو خدا کا ضرور ہمیشہ کے لئے محتاج ہے اور ہر چیز اس کی محتاج بھی نہیں بلکہ اکثر موجودات اس سے مستغنیٰ ہیں جس صورت میں کہ وہ بعض سے تو نہیں بعض دیگر سے مستغنیٰ ہو اس وقت وہ کسی نہ کسی حیثیت سے ملک کہلا سکتا ہے۔

الغرض بندوں میں سے ملک وہ ہے جس پر خدا کے سوا کسی کا تسلط نہ ہو بلکہ وہ خدا کے سوا سب سے مستغنیٰ ہو اور وہ بعینہ اپنی سلطنت پر ایسا قابض ہو کہ اس کی فوج اور رعایہ اس کی اطاعت کا دم بھرتی ہوں۔

سچ پوچھو تو بندے کی خاص سلطنت اور اس کا قالب ہیں اور فوج اس کی شہوت اور غضب اور خواہشات ہیں اور اس کی رعیت اس کی زبان آنکھیں ہاتھ اور تمام جوارح ہیں جب وہ ان پر قابض ہو جاتا ہے اور وہ اس کے مطیع ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے عالم وجود میں بادشاہ

بن جاتا ہے اگر اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں سے بھی مستغنی ہو جائے اور لوگ اپنی فانی اور باقی زندگی میں اس کے محتاج ہوں تو وہ روئے زمین کا بادشاہ ہے اور یہ رتبہ انبیاء علیہ السلام کا ہے وہ ابدی زندگی کی ہدایت پاگئے ہیں خدا کے سوا کسی دوسرے کے محتاج نہیں ہیں اب دوسرے تمام لوگ ان کے محتاج ہیں۔

اس شاہی سلسلہ میں انبیاء علیہ السلام کے بعد علماء کا درجہ ہے جو انبیاء علیہ السلام کے وارث ہیں ان کی بادشاہی اسی قدر ہوتی ہے جس قدر وہ بندوں کو ہدایت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور جس قدر طلب اور ہدایت میں لوگوں سے مستغنی ہوتے ہیں ان صفات کی بدولت بندہ فرشتوں سے جا ملتا ہے اور خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے یہ بادشاہی اس ملک برحق کی ہے جس کی بادشاہی میں مثل نظیر نہیں ہو سکتی بندے کے لئے بڑا عطیہ ہے کسی عارف کی یہ گفتگو کس قدر درست ہے جو اس نے ایک امیر کے ساتھ کی تھی۔

امیر مانگ جو چاہتا ہے۔

عارف تم کس برتے پر میرے معطی بننے کا دم مارتے ہو حالانکہ میرے دو غلام تمہارے آقا ہیں۔

امیر: "وہ کون"

عارف: حرص اور خواہش نفسانی، میں ان دونوں پر مسلط ہوں اور وہ دونوں تم پر مسلط ہوں، میں ان دونوں کا مالک و مختار ہوں، وہ دونوں تمہارے مالک ہیں۔
ایک شخص نے کسی بزرگ سے التماس کی کہ مجھے نصیحت کیجئے فرمایا "تم دنیا میں بادشاہ بنے رہو پھر آخرت میں بادشاہ ہو جاؤ گے" مطلب یہ تھا کہ تم دنیا کی حرص و خواہش چھوڑ دو کیونکہ آزادی اور استغنامی بادشاہی ہوتی ہے۔

(۵) الْقُدُّوسُ

(تمام عیبوں سے پاک)

قُدُّوس کے معنی وہ ذات جو ان تمام اوصاف سے پاک ہے جن کو حس یا قوت خیال یا وہم یا عقل یا فکر، ادراک کر سکیں۔

قُدُّوس کی تعریف میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ذات جو عیوب و نقائص سے پاک ہے، کیونکہ اس قسم کی تعریف ایک طرح سے ترک ادب ہے اس لئے اگر کہا جائے کہ حضور گو زردام

اقبالہ، قوم کے جلا ہے نہیں ہیں، نہ نائی ہیں تو خلاف ادب سمجھا جاتا ہے وجہ یہ کہ کسی صفت کی نفی سے اس کے امکان کا وہم ہوتا ہے اور اس ایہام ہی میں نقص ہے بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ قدوس کے معنی ہیں وہ ذات جو اوصاف کمال میں سے اس وصف سے بھی پاک ہے جو اکثر لوگوں کے ظن میں ہے کیونکہ وہ لوگ پہلے اپنے آپ میں غور کرتے ہیں۔ اپنی صفات کو پہچانتے ہیں اور ان کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں۔

ایکادہ جو ان کے حق میں کمال ہے۔ مثلاً ان کا اپنا علم، قدرت، سمع، بصر، کلام، ارادہ اختیار وغیرہ۔ اور ان کے معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں۔ اور ان ناموں کو اسمائے کمال کہتے ہیں۔

دوم وہ جو ان کے لیے نقص ہیں مثلاً ان کا جہل، عجز، کور چشمی، بہرا پن، گونگا پن، وغیرہ پس ان معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں وہ خدا کی زیادہ سے زیادہ تعریف یوں ہی کر سکتے ہیں کہ اس کو اپنے مذکورہ اوصاف کمال سے موصوف کریں اور اپنے مذکورہ نقص اس سے نفی کر دیں۔ حالانکہ وہ نہ صرف ان کے اوصاف نقص سے منزہ ہے بلکہ ان کے اوصاف کمال سے مبراء ہے۔ بلکہ جو بڑی سے بڑی صفت مخلوق کے تصور میں آ سکتی ہے۔ وہ اس سے اور اس میں مشابہ و مماثل صفات سے پاک ہے۔ اگر ان صفات کی اطلاق کی اجازت نہ ہوتی تو ان میں سے اکثر کا اطلاق نہ درست ہوتا مقدمہ کی چوتھی فصل میں ہم یہ بات بخوبی سمجھا آئے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تنبیہ: بندہ کا قدس یہ ہے کہ اپنے ارادہ اور علم کو منزہ کرے علم کو مختیلات محسوسات موہومات سے اور ان تمام ادراکات سے جن میں بہائم شریک ہیں پاک کرے۔ بلکہ اس کی جولانی نظر اور تگا پوئے علم ان ازلی والہی امور کے لئے ہو۔ جو نہ قریب ہیں کہ حس کے ساتھ محسوس ہوں نہ بعید ہیں کہ حس سے غائب ہوں۔ بلکہ وہ فی نفسہ محسوسات اور مختیلات سے پاک ہو جاتا ہے اور علوم سے اس طرح مستفید رہتا ہے کہ اگر اس کی حس و تخیل کا آلہ مفقود بھی ہو جائے تو پھر بھی وہ ان علوم شریفہ و کلیہ والہیہ سے سیراب ہوتا رہتا ہے جو ازلی وابدی معلومات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان شخصی حیثیات سے جدا ہیں جو سدا متغیر و مستحیل ہوتی رہتی ہیں۔

اپنے ارادہ کو انسانی لذات کے ساتھ تعلق رکھنے سے پاک کرے جو شہوت اور غضب کی مقتضیات اور خوراک، جماع، لباس، نظارہ، کی لذائذ کہلاتی ہیں۔ اور ان لذتوں سے بھی

پاک کرے جو صرف حس اور قلب کے واسطے سے حاصل ہوتی ہیں۔ غرضکہ خدا کے سوا کوئی اس کے ارادہ کا ^{مطرح} نظر نہ ہو۔ خدا کی ذات کے سوا کسی چیز میں اس کو لذت نہ ملتی ہو۔ خدا کے دیدار کے سوا کسی چیز کا اس کو شوق نہ ہو۔ خدا کے قرب کے سوا کسی چیز سے اس کو مسرت نہ ہوتی ہو اگر اس کی بجائے اس کو جنت اور اس کی تمام نعمتیں بھی دلائی جائیں، تو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اور گھر والے کو چھوڑ کر خالی گھر پر کبھی راضی نہ ہو۔

الغرض حسنی و خیالی ادراکات میں تو بہائم بھی اس کے شریک ہیں لہذا اس کو چاہیے کہ اس رتبہ کو چھوڑ کر اس درجہ پر ترقی کرے جو انسان سے مخصوص ہے بشری شہوانی لذات میں بھی بہائم مقابلہ کرتے ہیں لہذا ان کو ترک کر دینا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صاحب ارادہ کی عظمت اس کی مراد کی عظمت کے موافق ہے۔
 ”فمن ہمتہ ما یدخل فی بطنہ فقیہتہ ما یدخل فی منہ“ چنانچہ جس شخص کا منتہائے ہمت وہی ہے جو پیٹ میں ٹھوس لیا۔ تو اس کی قیمت بھی وہی ہوگی جو اس سے نکلتا ہے۔

اور جس شخص کا منتہائے ہمت خدا کے سوا کوئی نہ ہو تو اس کا درجہ بھی حسب ہمت ہے جس شخص کا علم محسوسات و تخیلات کے درجہ سے ترقی کر گیا اور ارادہ مقتضائے شہوات سے پاک ہو گیا وہ بارگاہ قدس میں باریاب ہوا۔

(۶) السَّلَامُ

(تمام نقصانات سے محفوظ)

سلام وہ ہے جس کی ذات عیب سے، اور صفات نقص سے، اور افعال شر سے، محفوظ ہے اور جب ایسا ہے تو جو کسی بھی سلامتی موجود ہے۔ وہ اس کے ساتھ منسوب یا اس سے صادر شدہ ہے۔ اور تم اوپر یہ بات بخوبی سمجھ آئے ہو کہ خدائے تعالیٰ کے افعال شر سے محفوظ ہیں یعنی اس شر مطلق سے لذات مراد ہو اور اس کے ضمن میں کوئی خیر اس سے بڑھ کر نہ ہو۔ اور کوئی شر اس قسم کی موجود نہیں ہے۔ ”کما سبق الایماء الیہ“۔

تنبیہ: جس بندہ کا دل بدظنی، کینہ، حسد، اور ارادہ شر سے محفوظ رہے اور اس کے اعضاء معصیات و منہیات سے سلامت ہیں اور اس کے صفات کچی اور برگشتگی سے بچے رہیں وہ صحیح و سالم دل کے ساتھ خدا کو ملے گا اور یہ وہ بندہ ہے جو السلام کے خطاب کا مستحق اور اپنی

صفات کے لحاظ سے اس السلام حقیقی کے اوصاف سے قریب ہے جس کی صفات کی مثل و نظیر نہیں ہو سکتی۔

صفات کی کجی سے ہماری یہ مراد تھی کہ عقل غضب و شہوت کے پنجہ میں گرفتار ہو۔ کیونکہ حق تو یہ تھا کہ اس کے برعکس ہوتا۔ یعنی شہوت و غضب دونوں عقل کے قابو میں ہوتے جب حالت اس کے برعکس ہوئی تو کجی و برگشتگی لازم تھی جب بادشاہ رعیت بن جائے اور مالک غلام ہو جائے تو سلامتی کیسی؟

سلام سے وہ شخص متصف ہو سکتا ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے لوگ سلامت ہوں اور جو شخص خود اپنے آپ سے سلامت نہیں ہے وہ اس خطاب کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے۔

(۷) الْمُؤْمِنِ

(اپنے وعدہ میں سچایا اپنے عذاب سے امن دینے والا)

مؤمن سے مراد وہ ذات ہے جو اسباب امن مہیا کرنے اور خوف و خطر کی راہیں بند کرنے والا ہو اور اسی لیے امن و امان اس سے منسوب کیا جائے۔

امن، خوف ہی کے مقام میں متصور ہو سکتا ہے اور خوف ہمیشہ ہلاکت یا نقصان کے احتمال سے ہوتا ہے اور مومن مطلق وہ ذات ہے کہ جس قدر امن و امان تصور میں آ سکتا ہے وہ اسی سے مستفاد ہو۔ وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ہے۔

اندھا، چونکہ کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے وہ ہلاکت کے پیش آ جانے سے ڈرتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اس کی آنکھیں ہلاکت سے امن دلاتی ہیں۔ کٹے ہوئے ہاتھوں والا بھی کسی ایسی آفت سے غیر مطمئن ہے جس کا دفعیہ ہاتھوں سے ہو سکتا ہے پس سالم ہاتھ بھی آفت سے امن دلانے والا ہوا۔ علیٰ ہذا تمام حواس اور اعضائے بدن اور المؤمن ان سب اعضاء کا خالق اور نقش بنانے والا مکمل کرنے والا اور طاقت بخشنے والا ہے۔

فرض کرو ایک کمزور آدمی دشمنوں سے بچنے کے لئے مارا مارا پھر رہا ہے۔ سخت مشکل میں گھر گیا ہے ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں رہی ہے اگر سکت ہے تو پاس کوئی ہتھیار نہیں اگر ہتھیار ہے تو اکیلا دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر اس کے پاس فوج ہے تو اس کے شکست پانے کا اندیشہ ہے، کوئی قلعہ بھی نہیں کہ اس میں پناہ گزیں ہو بیٹھے ایسی حالت میں اس کو ایک ایسا مددگار مل جاتا ہے۔ جو اس کی کمزور طاقت میں جان ڈال دیتا ہے اپنی غیبی فوج اور اسلحہ سے اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اس کے ارد گرد ایک قلعہ بنا کھڑا کرتا ہے۔ یہ مددگار جس نے اسکو پورا امن و امان

بخشتا ہے فی الواقع المؤمن کہلانے کا مستحق ہے۔

بندہ اپنی اصل فطرت میں کمزور ہے اور اس کے باطن کو دیکھو تو امراض اور بھوک پیاس وغیرہ آفات اس میں بھری پڑی ہیں ظاہر دیکھو تو وہ آگ میں جل جانے پانی میں ڈوب جانے اور زخم اور چوٹ وغیرہ آفات کا نشانہ بنا ہوا ہے اس کو ان تمام آفتوں سے بچانے والی وہی ذات پاک ہے جس نے مرض کو دور کرنے کے لئے دوائیں اور بھوک اور پیاس کو رفع کرنے کے لئے کھانے پینے کی چیزیں بنائی ہیں۔ اور اعضاء دیے ہیں تاکہ بدنی نقصان پہنچانے والی چیزوں کو دفع کریں۔

حواس عطا کیے ہیں، تاکہ کسی آنے والے خطرہ کی اطلاع دیتے رہیں سب سے بڑا خوف آفت کی ہلاکت کا ہے۔ اور اس سے صرف کلمہ توحید نجات دلاتا ہے۔ اس کی طرف بھی اللہ ہی ہدایت بخشتا ہے۔

چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ لا الہ الا اللہ حصنی فمن دخل حصنی فقد امن من عذابی، یعنی کلمہ توحید لا الہ الا اللہ۔ میرا قلعہ ہے۔ جو شخص میرے قلعہ میں آ جاتا ہے اس کو عذاب کا کوئی اندیشہ نہیں۔

غرض کہ دنیا میں ہر قسم کا امن اسباب سے وابستہ ہے جن کو خاص وہی مہیہ کرتا ہے وہی ان کو کام میں لانے کی توفیق دیتا ہے۔ ”فہو الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ہدی“ اس ذات پاک نے ہر چیز کو اس کی فطرت عطا کر کے اس پر چلنے کی ہدایت کی، پس وہی مومن مطلق و برحق ہے۔

تنبیہ: اس وصف سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ تمام مخلوق کو اسکی طرف سے امن ہو بلکہ ہر خوف زدہ شخص دینی و دنیوی خطرات کے دفعیہ میں اس کی امداد کا امیدوار ہو۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیامن جارہ بوائقہ، یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کا ہمسایہ اس کے ظلموں سے محفوظ ہونا چاہیے۔

مؤمن کے نام کا زیادہ مستحق شخص وہ ہے جو لوگوں کو راہ نجات دکھا کر۔ اور طریق خدا سمجھا کر عذاب الہی سے امن دلائے اور یہ انبیاء و اولیاء کا منصب ہے۔

اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”انکم تتهافتون فی النار تهافت الفراش وانا اخذکم بحجزکم“ یعنی تم دوزخ میں پروانوں کی طرح گرو گے اور میں تم کو تمہارے

اطراف بدن سے (پکڑ کر) تھا موزگا۔

سوال: شاید تم کہو کہ ہر خوف درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس خدا کے سوا کوئی چیز خوف دلانے والی نہیں ہے۔ وہی ہے جو بندوں کو ڈراتا ہے۔ وہی ہے جس نے ڈر کے اسباب بنائے ہیں۔

تو اس کی طرف امن کو کیونکر منسوب کیا جائے؟

جواب: یہ ہے کہ خوف بھی اسی کی طرف سے ہے امن بھی اسی کی طرف سے ہے۔ وہی خوف و امن کا سبب پیدا کرنے والا ہے اور اس کا خوف ہونا اس کے مؤمن ہونے کا معنی نہیں ہے جس طرح اس کا نڈل ہونا اس کے معزز ہونے کا مانع نہیں ہے بلکہ وہی معزز ہے وہی منزل بھی ہے اور اس کا خافض ہونا اس کے رافع ہونے کا مانع نہیں ہے۔ بلکہ وہی خافض بھی ہے رافع بھی۔ اسی طرح وہ مومن (امن دینے والا) بھی ہے۔ اور مخوف (ڈرانے والا) بھی لیکن مومن اس کا اسم مقرر ہے مخوف نہیں۔

(۸) الْمُہِیْمِنُ

(نگہبان یا گواہ)

اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے عملوں رزقوں اور عمروں کا انصرام کر رہا ہے اس کا انصران اپنی اطلاع اور غلبہ اور حفظ کے ساتھ ہے جو کوئی کسی امر کے تمام حالات سے واقف۔ اس پر قابض اور اس کا حافظ ہو۔ وہ اس کا مہیمن کہلاتا ہے۔ حالات کی واقفیت کا مطلب علم ہے قبضہ کمال قدرت کا نتیجہ ہے۔ اور حفظ عقل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جس میں یہ تینوں معنی جمع ہوں۔ وہ مہیمن ہے۔ یہ تینوں مطلقاً اور کامل طور پر صرف خداوند تعالیٰ میں جمع ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کو کتب قدیم میں خدا نام لکھا ہے۔

تنبیہ: جو شخص لگاتار اپنی اخلاقی حالت کے متعلق غور کرتا رہے یہاں تک کہ اس کے تمام نشیب و فراز اور اصرار سے واقف ہو جائے اور ساتھ ہی اپنے دل کے احوال و اوصاف کو درست رکھنے پر قادر ہو جائے۔ اور ہمیشہ اس کی درست حالت قائم رکھنے میں مصروف رہے۔ وہ اپنے دل کا مہیمن ہے اور اس کی واقفیت اور قدرت اور حفظ کا دائرہ وسیع ہو گیا یہاں تک کہ وہ دوسرے بندوں کے باطنی اسرار سے فراست استدلال کے ذریعہ سے

واقف ہو کر ان کو راہ راست پر قائم رکھنے کے لئے کمر بستہ ہو جائے تو اس معنی سے ان کا حصہ اس سے اور بھی زیادہ اور مکمل ہوگا۔

(۹) الْعَزِيزُ

(غالب، قوی، قاہر)

عزیز کے معنی وہ عالی قدر شے جس کی مثل شاز و نادر مل سکتی ہو جس کی از حد حاجت ہو۔ اور جس کا حاصل ہونا بھی مشکل ہو کسی شے میں جب تک یہ تینوں معانی جمع نہ ہوں۔ اس پر اسم عزیز کا اطلاق نہیں ہو سکتا بہت سی اشیاء ایسی ہیں کہ ان کی نظیر تو کم ملتی ہے۔ لیکن چونکہ نہ ان کی شان بڑی ہے اور نہ ان سے چنداں زیادہ نفع ملتا ہے اس لئے وہ عزیز نہیں کہلاتیں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ان کی شان بھی بڑی ہے فائدہ بھی ان سے بہت ہے اور ان کی نظیر بھی کوئی نہیں لیکن چونکہ ان کا حصول چنداں دشوار نہیں ہے۔ اس لئے ان کو عزیز نہیں کہا جاتا۔ مثلاً سورج اور زمین جن کی کوئی نظیر نہیں ہے، اور دونوں سے اپنی اپنی جگہ نفع بھی بہت ملتا ہے۔

اور ان کی حاجت بھی اشد ہے لیکن ان کو عزیز نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کو دیکھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے غرض عزیز ہونے کے لئے ان تینوں اوصاف کا جمع ہونا لازم ہے۔ ان تینوں معنوں میں کمال و نقصان کے مراتب بھی پائے جاتے ہیں۔ عزیز کی قلت وجود کا کمال یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہو۔ کیونکہ ایک سے کم عدد کوئی نہیں ہو سکتا اور اس کی مثل کا وجود محال ہو۔

ایسی ذات خدا ہی کی ہے کیونکہ مثلاً سورج اگر چہ وجود میں ایک ہی ہے لیکن امکان میں ایک نہیں ہے۔ اس کی مثل کا وجود بھی ممکن ہے۔

عزیز کی شدت حاجت کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز ہر بات میں اس کی محتاج ہو یہاں تک کہ اپنے وجود و بقا اور صفات میں بھی یہ کمال صرف خدائے تعالیٰ میں ہے۔ اور اس میں کوئی شے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

دشوار حصول ہونے کا کمال یہ ہے کہ تمام مخلوق اپنی استدلالی نظر اور قیاسی رائے کے ساتھ اس کی ذات و صفات کا پورا پورا پتہ لگانے سے بالکل عاجز ہو۔

یہ بات بھی خدا ہی سے خاص ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ ”خدا کی باتیں خدا ہی جانے“۔

الغرض وہ ایسا عزیز مطلق و برحق ہے کہ اس کی صفت میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا
تنبیہ: بندوں میں سے عزیز وہ ہے کہ بندگان خدا اپنی حیات اخروی اور سعادت ابدی کے لئے اس کے محتاج ہوں۔

ایسا رتبہ بلاشبہ بہت کم لوگوں کو میسر ہوتا ہے۔ یہ رتبہ انبیاء صلوٰۃ اللہ علیہم کا ہے پھر ان کے بعد عزت میں مشارک وہ لوگ ہیں جو ان کے قرب زمانہ سے ممتاز ہیں جیسے خلفائے راشدین اور انبیاء علیہ السلام کے وارث یعنی علمائے کرام۔

(۱۰) الْجَبَّارُ

(بڑے دباؤ والا)

جبار وہ ہے جو ہر شخص پر بطور جبر اپنا حکم جاری کرے۔ اور اس پر کسی کا حکم جاری نہ ہو سکتا ہو۔ اور جس کے قبضہ قدرت سے کوئی نہ نکل سکے اور اس کی بارگاہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے ساری ہمتیں پست ہوں تو جبار مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہ ہر ایک کو مجبور کر سکتا ہے اس کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا اور ان دونوں باتوں میں اس کی مثل کوئی نہیں ہے۔

تنبیہ: بندوں میں سے جبار وہ ہے کہ اتباع کے درجہ سے ترقی کر کے دوسروں کو اپنا تابع بنائے۔ اور سب سے بڑا رتبہ حاصل کرے۔ حتیٰ کہ لوگوں کو اپنی ہیئت و صورت سے اپنی عادت و سیرت کے مطابق چلنے پر مجبور کرے غرض وہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور خود چنداں فائدہ نہ اٹھائے لوگوں کا فائدہ مقدم سمجھے۔ اپنے فائدے کی حرص نہ کرے۔ لوگوں کو اپنا مطیع بنائے خود کسی کی اطاعت نہ کرے جو شخص اس کی زیارت کرے وہ اس کے دیدار میں ایسا محو ہو کہ اپنے آپ کو بھول جائے اس کا ایسا شوق ہو کہ خود اپنی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ اور کوئی شخص اس کو دھوکا دینے اور اپنا تابع بنانے کی جرأت نہ کر سکے، اس وصف سے خاص سید البشر ﷺ بہرہ ور ہوئے ہیں چنانچہ فرمایا ”لو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی وانا سید ولد ادم ولا فخر“ یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو میرے ہوئے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

اور میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور میرے لئے یہ بات باعث فخر نہیں۔

(۱۱) الْمُتَكَبِّرُ

(عظمت و بزرگی والا)

متکبر وہ ہے جو اپنے مقابلہ میں سب کو حقیر سمجھتا ہو اور بزرگی و عظمت کا حقدار صرف اپنے آپ کو جانتا ہو۔ اس لئے دوسروں کو غلاموں کی حیثیت سے دیکھتا ہو اگر یہ بات صحیح ہو تو وہ تکبر حق، اور اس کا فاعل متکبر برحق ہوگا۔ اور یہ بات علی الاطلاق خاص خدا کے لئے متصور ہے۔

اگر وہ تکبر اور استعظام باطل ہو اور اس متکبر کو فی الحقیقت امتیازی عظمت جو اس کے زعم میں ہے حاصل نہ ہو۔

تو اس کا تکبر بے جا اور مذموم ہوگا۔ خدا کے سوا جو شخص خاص اپنے آپ کو عظمت و بزرگی کا مستحق قرار دے اس کا قیاس غلط اور اس کی نظر باطل ہے۔

تنبیہ: بندوں میں سے متکبر وہ زاہد ہے جو عارف بھی ہو۔

عارف کے زاہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں سے جو چیز اس کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہو وہ اس سے کنارہ کش ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ہر چیز سے اپنے آپ کو بڑا سمجھے اس لئے وہ دنیا و آخرت سب کو حقیر سمجھے گا اور ان کو خدا کی یاد میں خلل انداز ہونے کے باعث اپنی نظروں سے گرا دے گا غیر عارف کا زہد ایک قسم کا معاملہ اور معارضہ ہے۔

کیونکہ وہ متاع دنیا کے عوض میں متاع آخرت کی خریدار کرتا ہے۔ ایک چند روزہ چیز سے اس لئے دست بردار ہوتا ہے کہ اس کے عوض میں دائمی نعمت کئی گناہ حاصل کرنے۔

یہ بیع سلم نہیں تو اور کیا ہے۔ جس شخص کو نعمتیں کھانے اور عیش منانے کی خواہش اپنا غلام بنائے ہوئے ہو وہ حقیر ہے۔

متکبر وہی شخص ہے جو ہر نفسانی خواہش کو اس خیال سے حقیر سمجھتا ہو کہ ان میں چھپائے بھی شریک ہیں۔

(۱۲) الْخَالِقُ

(ہر چیز کا پیدا کرنے والا)

(۱۳) الْبَارِئُ

(ہر چیز کا موجد)

(۱۴) الْمُصَوِّرُ

(مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانے والا)

لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ اسم مترادف ہیں اور اور ہر اسم کے معنی، اسم کے معنی ہیں پیدا کرنا اور اختراع کرنا ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہے وہ پہلے تقدیر کی محتاج ہے پھر تقدیر کے موافق ایجاد کی اس کے بعد تصویر کی اور اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ وہ ایک شے کی تقدیر کرتا ہے۔ اس کا خالق ہے اور اس حیثیت سے اس کا اختراع کرتا ہے اس کا باری اور اس حیثیت سے کہ وہ مخترعات کی صورتوں کو باہم عمدہ ترتیب دیتا ہے مصور ہے مثلاً ایک عمارت کا بنانا منظور ہو تو پہلے کام انجینئر کا ہوگا جو اس عمارت کی نوعیت و صورت تجویز کر کے ایک نقشہ تیار کرتا ہے اور اس پر اینٹ پتھر چونا لکڑی وغیرہ صرف ہونے والے مسالے کی مقدار کا اندازہ لگا کر اس کے اخراجات کا تخمینہ کرتا ہے۔

اس کے بعد تعمیر کا کام شروع ہوتا ہے جو اس نقشے کے موافق عمارت کی بنیاد ڈالتا ہے اور مسالے کی تجویز کردہ مقدار کے اندر اندر پوری عمارت بنا کھڑی کرتا ہے ابھی تک وہ عمارت غیر مکمل اور ناقابل سکونت ہوتی ہے کہ ایک تیسرے صنایع یعنی مصور کے ہاتھ سے وہ ایک شاندار قصر اور شاہی ایوان بن جاتی ہے۔

یہ تو انسانی کاموں کی مثال تھی خدا کا کام اس سے برتر ہے وہ خود ہی اندازہ قائم کرتا ہے خود ہی بناتا ہے، اور خود ہی اس کی ظاہری صورت کو آراستہ کرتا ہے، یا یوں کہو کہ وہی خالق ہے، وہی باری، اور وہی مصور ہے۔

مثال کے طور پر انسان کو جو اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اس وجود کے

لئے سب سے پہلے ایک مجسمہ ضروری تھا جس کو انسانی صفات سے متصف کیا یہ مجسمہ مٹی اور پانی دونوں کی ترکیب سے تیار ہونا ضروری تھا کیونکہ صرف مٹی ایک خشک اور ٹھوس چیز ہے۔ جس میں نرمی اور لچک نہیں ہے اور صرف پانی ایک تر اور سیال شے ہے جو قائم اور متماسک نہیں ہے، لہذا ان دونوں خشک اور تر چیزوں کا مرکب اور معتدل مادہ اس مجسمے کے لئے مناسب تھا اس کے بعد آگ کا جز بھی ان میں شامل ہونا تھا جس سے مٹی اور پانی کا قوام مستحکم ہو جائے اس کے بعد ضروری تھا کہ اس پانی مٹی کی خاص مقدار متعین ہو کیونکہ اگر تھوڑی سی مقدار ہو جائے تو اس مجسمہ سے انسانی افعال سرزد نہیں ہو سکتے اور ضعف و ہلاکت سے اس کا وہی حال ہو جو کیڑے مکوڑے کا ہوتا ہے اتنی بڑی مقدار بھی فضول تھی کی یہ مجسمہ پہاڑوں اور نیلوں کے برابر بن جاتا۔ کیونکہ اتنے بڑے قد اور جسامت کی کوئی حاجت نہ تھی۔ یہ ساری باتیں اندازہ اور تجویز ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں تقدیر کہتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ ان امور کی تقدیر اور تقدیر کے موافق ایجاد کرنے کے لحاظ سے خالق ہے اور محض ایجاد کرنے اور عدم سے وجود میں لانے کے لحاظ سے باری ہے محض ایجاد اور چیز ہے۔ ایجاد کرنے اور عدم سے وجود میں لانے کے لحاظ سے باری ہے۔ محض ایجاد اور چیز ہے۔ اور ایجاد بوقت تقدیر اور چیز۔

اسم مصور خدا پر اس حیثیت سے صادق آتا ہے کہ اس نے تمام اشیاء کی صورتوں کو نہایت خوبی سے مرتب کیا ہے۔ اور ان کو اچھی صورت پر بنایا ہے۔ اور یہ اوصاف فعل سے ہے اس کی حقیقت وہی شخص جان سکتا ہے۔ جو تمام عالم صورت کو پہلے بالا جمال اور پھر بالتفصیل جانتا ہو کیونکہ تمام عالم ایک شخص کا حکم رکھتا ہے جو باہم ایک دوسرے کو کسی غرض مطلوب پر مدد دینے والے اعضاء سے مرکب ہو اس کے اعضاء و اجزاء آسمان اور ستارے اور زمین اور ان کے مابین کی اشیاء مثلاً پانی ہو وغیرہ ہیں اس کے اجزاء ایسی محکم ترتیب سے مرتب ہیں کہ اگر اس ترتیب میں تغیر آجائے تو نظام میں خلل آجائے اس لئے جو جز اوپر رہنا چاہیے وہ بالائی سمت سے مخصوص ہے اور جو نیچے ہونا مناسب ہے وہ زیریں سمت سے خاص ہے جیسے کہ معمار دیواروں کی بنیاد میں پتھر اور ان کے بالائی حصے پر لکڑی رکھتا ہے نہ اتفاقاً بلکہ اس کے نزدیک یہ ترتیب مکان کی مضبوطی کے لئے ضروریات سے ہے اگر اس ترتیب کے خلاف پتھر کو اوپر اور لکڑی کو نیچے رکھا جائے تو عمارت ضرور منہدم ہو جاتی اور بنیاد ہرگز قائم نہ ہو سکتی اس پر ہم کرہ ارض و کرہ وغیرہ کا نیچے ہونا اور ستاروں کا اوپر ہونا قیاس کر سکتے ہیں۔

اگر تھوڑے سے جزء عالم کا ذکر اور ان کی ترتیب کی حکمت بیان کرنے لگیں تو ایک دفتر ہو جائے گا اس تفصیل کا جتنا کسی کو علم ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ مصور کے معنی سے واقف ہوگا یہ ترتیب و تصویر اجزائے عالم میں سے ہر جزء میں موجود ہے اگرچہ وہ چھوٹا ہی سا ہو یہاں تک کہ چیونٹی اور کیڑے میں بلکہ چیونٹی اور کیڑے کے ہر عضو میں موجود ہے ہر ایک جاندار کا ایک چھوٹا سا عضو آنکھ ہے اگر اس کی صورت کی تفصیل لکھیں کلام ختم نہ ہوگا، جو شخص آنکھ کے طبقات ان کی ہیئت شکل مقدار، رنگ اور ان کی وجہ حکمت سے واقف نہیں وہ ان کی صورت سے واقف نہیں اور نہ ان کے مصور سے واقف ہے صرف نام ہی نام جانتا ہے یہی حال ہر حیوان و نبات کی صورت بلکہ ان کے ہر جزء کی صورت کا کام ہے۔

تنبیہ: اسم مصور سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اس کے نفس میں تمام وجود کی صورت بہ ترتیب حاصل ہوتی کہ وہ تمام ہیئت عالم کو محیط ہو گیا کہ تمام عالم اس کے زیر نظر ہے پھر تمام پر تفصیلی غور کرے چنانچہ انسانی صورت کے بدن و اعضاء جسمانی کا حال معلوم کرے ان کے انواع و عدد ترکیب اور انسان کی آفرینش و ترکیب کی حکمت کو سمجھے پھر اس کی مصنوعی صفات اور معانی شریفہ کو معلوم کرے جن سے اس کے ادراکات اور ارادے وابستہ ہیں اور اسی طرح حیوانات اور نباتات کی صورتوں کو اپنے مقدور بھر ظاہر و باطن سے ملاحظہ کرے یہاں تک کہ تمام اشیاء کا نقش اور صورت اس کے ذہن میں منقش ہو جائے۔

یہ حال تو صور جسمانیہ کی معرفت کا تھا اور یہ سلسلہ روحانیت کی ترتیب کی بہ نسبت بہت مختصر ہے جن میں ملائکہ اور ان کے مراتب اور ان کے مقررہ تصرفات کی معرفت داخل ہے ملائکہ کے یہ تصرفات وہ ہیں جو وہ آسمانوں اور ستاروں میں کرتے ہیں پھر قلوب بشریہ میں ہدایت و ارشاد کا تصرف کرتے ہیں اور حیوانات میں ان کو اپنی حاجات کا احساس دلانے کا تصرف کرتے ہیں۔

غرض کہ اس اسم سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ وہ صور علمیہ کا جو صور وجودیہ کے مطابق ہوں اکتساب کرے کیونکہ علم اس صورت میں منقش فی النفس کا نام ہے جو صورت معلوم کے مطابق ہو اور صور کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم صور کے اعیان میں موجود ہونے کا سبب ہے اور وہ صور جو اعیان میں موجود ہو وہ انسان کے دل میں صور علمیہ کے حاصل ہونے کا سبب ہیں اور اس طرح بندہ خدا کے اسماء میں سے اسم مصور کے معنی سے علم حاصل کرتا ہے اور نیز وہ اپنے نفس میں صور حاصل کرنے کے باعث گویا کہ وہ مصور ہے اگرچہ بطور مجاز ہو کیونکہ یہ صورت اس میں بالتحقیق

اللہ تعالیٰ کی ایجاد و اختراع سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ بندہ کے فعل سے لیکن بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فیضان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا اما بانفسهم“ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی حالت کو متغیر نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ خود متغیر کریں۔ اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”ان لربكم في ايام دهر كم نفعات من رحمة الا فتعرضوا لها“ الخالق اور البارئ۔ میں بندہ کا کوئی حصہ نہیں ہے مگر بجا از بعید جس کی توحید یہ ہے کہ خلق اور ایجاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی قدرت کو اپنے علم کے مطابق کلام میں لایا جائے اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لئے علم اور قدرت پیدا کی ہے اور اس کو اپنی تقدیر اور علم کے موافق مقدرات کے حاصل کرنے کا موقع میسر ہے اور امور موجودہ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جن کا حصول ہرگز بندوں کی قدرت میں نہیں ہے جیسے آسمان ستارے زمین حیوانات اور نباتات وغیرہ دوسرے وہ جن کا حصول صرف بندوں کی قدرت سے وابستہ ہے اور یہ وہ ہیں جو اعمال عباد کہلاتے ہیں جیسے صناعات سیاسات عبادات اور مجاہدات چنانچہ جب بندہ ریاضتوں کے ساتھ اپنے نفس کے مجاہدہ میں اور اپنی مخلوق کی سیاست میں ایسے مدارج پر پہنچ جائے جن میں وہ ایسے امور کے استنباط کا امتیاز حاصل کر لے۔ جن کو پہلے کسی نے استنباط نہ کیا ہو۔ اور ساتھ ہی وہ ان کے کرنے اور ان کی ترغیب دینے پر قادر بھی ہو تو اس کو اس چیز کا مخترع کہا جائے گا جس کا پہلے وجود نہ ہو۔

چنانچہ شطرنج وضع کرنے واسلے کے حق میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس کا واضح اور مخترع ہے کیونکہ اس نے ایک ایسی چیز وضع کی ہے جو کسی نے پہلے نہ کی تھی ہاں اتنی بات ہے کہ اگر اس نے کوئی ایسی چیز وضع کی جس میں کوئی نیکی نہیں ہے تو وہ مداح و ستائش کا مستحق نہ ہوگا اسی طرح ریاضات مجاہدات سیاسات اور صناعات میں جو نیکیوں کا سرچشمہ ہیں صور اور ترتیبات ملحوظ ہیں جن کو لوگ ایک دوسرے سے سیکھ لیتے ہیں اور پہلے استنباط کرنے والی کی طرف ترقی کرتے ہیں گویا یہ واضح ان صور کا مخترع اور خالق ہے حتیٰ کہ اس پر یہ اسم مجازاً اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کے اسماء میں سے کئی اسماء ایسے ہیں جن کو بندہ کی طرف مجازاً نقل کیا جائے گا اس قسم کے اسماء بہت ہیں اور بعض ایسے اسماء ہیں جو زندہ کے حق میں حقیقتاً ہوتے ہیں اور اللہ کے حق میں مجازاً جیسے لصبور الشکور۔

یہ مناسب نہیں ہے کہ اسم کی مشارکت تو دیکھ لی جائے مگر مذکورہ تفاوت پر غور نہ کیا

جائے۔

(۱۵) الْغَفَّارُ

(بہت بخشنے والا)

یہ وہ ذات پاک ہے جو خوبی کو ظاہر کرتی ہے اور برائیوں اور گناہوں کو دنیا میں پردہ ڈال کر اور آخرت میں بخش کر رفت و گزشت کر دیتی ہے غفر کے معنی اللہ کا پہلا ستر اپنے بندے کے عیوب پر یہ ہے کہ اس کے بدن بدنما اور گھناؤنے حصے جو آنکھوں کو برے معلوم ہوتے ہیں اس کے باطن میں چھپا دیے جو اس کے جمال ظاہری رنگ روغن میں پنہاں ہیں سب جانتے ہیں کہ بندہ کے باطن اور ظاہر کی صفائی اور عدم صفائی اور خوبصورتی اور بدصورتی میں کس قدر فرق ہے غور کرنا چاہیے کہ خدا نے انسان کے جسم کا کونسا حصہ دکھایا ہے اور کونسا چھپایا ہے۔

دوسرا ستر یہ ہے کہ اس کے برے خیالوں مزموم ارادوں اور مکروہ عقیدوں کو اس کے دل کی اندھیری کوٹھڑی میں بند کیا جائے تاکہ کوئی شخص ان شرمناک بھیدوں سے واقف نہ ہو اگر خلقت کو اس کے دل کا حال معلوم ہو جاتا اور اس کے وسوسوں اور دل کے کھوٹ اور خیانت اور بدنظنی کا پتہ لگ جاتا تو لوگ اس کے دشمن بن جاتے بلکہ اس کو جان سے مار ڈالنے کی کوشش کرتے غور کرنا چاہیے کہ خدا نے اس کے اصرار اور مخفی امور کو کس طرح دوسرے لوگوں سے محفوظ رکھا ہے۔

تیسرا ستر یہ ہے کہ وہ بندہ کے ایسے گناہ بخش دیتا ہے جن سے وہ عام رسوا ہونے کا مستوجب ہوتا ہے اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر بندہ ایمان پر ثابت رہا تو اس کے چھوٹے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا تاکہ ان نیکیوں کے ثواب سے اس کے بڑے بڑے گناہ دب جائیں۔

تنبیہ: اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے متعلق جو بات مخفی رکھنی مناسب سمجھتا ہو وہ دوسرے کے متعلق بھی مخفی رکھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ 'من ستر علی مؤمن عورتہ ستر اللہ عورتہ یوم القیمة' یعنی جو شخص کسی مؤمن کی عیب پوشی کرے قیامت کے روز خدا اس کے عیب ڈھانکیگا۔

غیبت کرنے والا عیب جوئی کرنے والا دل میں کینہ رکھنے والا برائی کا بدلہ لینے والا یہ سب اس مبارک وصف سے محروم ہیں اس وصف سے متصف صرف وہی شخص ہے جو مخلوق خدا

کی خوبیوں کے سوا کوئی بات ظاہر نہ کرے مخلوق میں کمال بھی ہے، نقص بھی، خرابی بھی ہے، خوبی بھی، جو شخص برائیوں سے چشم پوشی اور خوبیوں کا اظہار کرے وہ اس اہم سے پورا بہرہ مند ہے جیسا کہ روایات ہے کہ ایک بار حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں سمیت ایک مردہ کتے کے پاس سے گزرے جس کی بدبو پھیل رہی تھی لوگوں نے کہا یہ مردار کس قدر سڑا ہوا ہے حضرت عیسیٰ نے تاپا اس کے دانتوں کی سفیدی کیسی چمکیلی ہے جس سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ ہر چیز کے اچھے حصے کا ذکر کرنا چاہیے۔

(۱۶) الْقَهَّارُ

(زبردست یا غالبہ رکھنے والا)

قہار وہ ہے جو اپنے بڑے بڑے طاقتور دشمنوں کی کمر توڑ ڈالے ان کو ہلاک کرنے یا ذلیل بنا کر قبر رسیدہ کرے بلکہ قہار وہ ذات ہے جس کے قہر قدرت کے نیچے ہر موجود مسخر اور اس کے قبضہ میں عاجز ہو۔

تنبیہ: بندوں میں سے قہار وہ ہے جو اپنے دشمنوں کو مورد قہر بنائے انسان کا سب سے زیادہ سرکش دشمن نفس ہے جو اس کے پہلو میں موجود ہے جو شیطان سے بھی بڑھ کر اس کی دشمنی پر آمادہ ہے جو اس کو دھوکا دیا کرتا ہے جب بندہ اپنے نفس کی خواہشوں کو قابو میں کر لیتا ہے تو شیطان بھی دب جاتا ہے کیونکہ شیطان انھیں خواہشات کے ذریعہ سے انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے شیطان کا ایک چال عورتیں ہیں جس شخص میں شہوت کی قوت نہ ہو وہ اس پھندے میں نہیں پھنستا اس طرح جو شخص دین کی اطاعت اور عقل کی تابعداری سے اس خواہش کو روکے وہ اس سے امن میں رہتا ہے چپ آدمی اپنے نفس کی شہوات پر قابض ہو جاتا ہے وہ تمام لوگوں کو قابو میں کر لیتا ہے پس اس پر کسی کا داؤ نہیں چل سکتا کیونکہ اس کے دشمنوں کا بڑے سے بڑا مدعا یہ ہوگا کہ اس کے جسم کو ہلاک کر دیں اور یہ گویا اس کی روح کو زندہ کرتا ہے کیونکہ جو شخص اپنی زندگی میں خواہشات کو مار لیتا ہے وہ موت کے بعد ابدی زندگی پاتا ہے خدا فرماتا ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ، یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں کام آئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے اللہ کے پاس سے رزق پاتے ہیں۔

(۱۷) الْوَهَّابُ

(بہت عطا کرنے والا)

ہبہ کے معنی عوض اور غرض کے بغیر بخشش، جب اس قسم کی بخششیں بکثرت ہوں تو ان کے فاعل کو جواد اور وہاب کہتے ہیں اور حقیقی جو دو عطا اور ہبہ صرف اللہ تعالیٰ سے متصور ہر سکتا ہے کیونکہ وہی ہر محتاج کی حاجت بلا معاوضہ اور بلا کسی فوری یا بہ دیر حاصل ہونے والی غرض سے پوری کرتا ہے جو کوئی کسی غریب کے لئے کچھ عطا کرے جو فی الفور یا بدیر حاصل ہونے والی ہو اور وہ غرض یا محض مدح و ستائش ہو یا باہمی دوستی یا رفع الزام، یا حصول رتبہ و شہرت ہو تو وہ اپنی عطا کا عوض پارہا ہے وہاب، یا جواد کے لقب کا کوئی حق دار نہیں کیونکہ عوض ہمیشہ عین ہی نہیں ہوتا بلکہ جو امر کہ ابھی حاصل نہیں اور عطا کرنے والے کا مدعا اس عطا سے وہی ہو وہ عوض ہے پس جس شخص نے اس لئے عطاء و بخشش کی کہ اس کی عزت ہو یا اس کی تعریف کی جائے یا اس لئے کہ اس کی بہ نسبت بدگوئی نہ کی جائے تو وہ شخص گویا ایک قسم کا لین دین کر رہا ہے حقیقی جواد وہ ہے جس سے طالب کو بلا معاوضہ فائدے حاصل ہوں بلکہ وہ جو کچھ کرتا ہے مخلوص نیت کرتا ہے اور وہ کام اس کی اصلی غرض اور وہی اس کا عوض ہے۔

تنبیہ: بندہ سے جو دو بخشش متصور ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ تا وقتیکہ وہ اس کام کے

کرنے کو اس کے ترک سے اولیٰ خیال نہیں کرتا اس وقت وہ اس کو ہاتھ نہیں لگاتا پس اس کا فعل کسی ذاتی غرض پر مبنی ہوگا لیکن جو شخص اپنا تمام مال حتیٰ کہ اپنی جان بھی خاص اللہ کے لئے دے ڈالے نہ بہشتی نعمتوں کے حصول کے لئے نہ عذاب دوزخ کے خوف سے اور کسی فوراً یا بدیر حاصل ہونے والے مطلب کے لئے جو بشری مطالب میں سے ہو، البتہ یہ شخص ایک طرح سے وہاب اور جواد کے خطابات کا مستحق ہے اس سے کم رتبہ وہ شخص ہے جو اس غرض سے بخشش کرے کہ بہشت کی نعمتیں حاصل ہوں اور اس سے نیچے اس شخص کا درجہ ہے جو اپنے ذکر خیر کی خاطر سخاوت کرے۔

جو شخص اپنے وجود عطا کے عوض میں ایسی چیز کا طالب ہو جس کا دست بدست لین دین نہیں ہو سکتا تو وہی لوگ اس کو جواد کے لقب کا حقدار سمجھتے ہیں جن کے نزدیک صرف مادی چیزیں عوض ہو سکتی ہیں۔

سوال: جو شخص اپنا نام مملوکہ مال بلا کسی حاصل و آجل غرض کہ خالصاً لوجہ اللہ دے

ذات ہے اس کو کیوں اجواد نہیں کہا جاتا، حالانکہ وہ کوئی حظ نہیں پاتا۔

جواب: یہ ہے کہ اس کا حصہ خاص خدا کی ذات اس کی رضا اور اس کا دیار اور اس کا یہ وصال ہے اور یہ حصہ وہ سعادت عظمیٰ ہے جس کو انسان اپنے افعال اختیار یہ کی بدولت حاصل کرتا ہے اور یہ وہ حصہ ہے جس کے آگے سارے حصے ناچیز ہیں۔

سوال: یہ جو کہا کرتے ہیں کہ خدا کا عارف جو اس کی عبادت کرتا ہے تو خدا کی ذات کے سوا اور کوئی غرض اس کو مد نظر نہیں ہوتی۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر بندہ کا فصل غرض سے خالی نہیں ہو سکتا تو خاص خدا کی طرف عبادت کرنے والے اور کسی دوسری غرض کے لئے عبادت کرنے والے میں کیا فرق ہے؟

جواب: جمہور کے نزدیک حظ (غرض) سے مراد لوگوں کے مشہور اغراض ہیں جو شخص ان سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اس کا مقصد خدا کی ذات کے سوا اور کوئی شے نہیں رہتی تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اغراض کو ترک کر دیا۔

یہ ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ غلام اپنے آقا کا لحاظ نہ خاص آقا کے لئے کرتا ہے بلکہ اس انعام و اکرام کے لئے کرتا ہے جو اس کو اپنے آقا سے حاصل ہوتا ہے اور آقا اپنے غلام کے ساتھ حسن سلوک کوئی خاص اس کی ذات کے لئے نہیں کرتا بلکہ اس خدمت گزاری کے خاطر کرتا ہے جو اپنے غلام سے مطلوب ہوتی ہے مگر باپ جو اپنے بیٹے کی پرورش اور اس کے ساتھ ہر طرح حسن سلوک کرتا ہے تو خاص اس کی ذات کے لئے کرتا ہے کسی غرض کے لئے نہیں جو بیٹے سے مطلوب ہو بلکہ اگر بالکل کوئی فائدہ بیٹے سے حاصل نہ بھی ہوتا ہو تو بھی اس کے مصالح میں برابر مدد دیتا رہے گا۔

اور جو شخص کوئی چیز طلب کرے جس سے خاص اس چیز کی ذات مطلوب نہ ہو بلکہ اس کے ذریعہ سے کوئی اور شے حاصل کرنا منظور ہو تو گویا وہ اس چیز کا طالب نہیں ہے کیونکہ اس کی طلب کا وہ اصلی مدعا نہیں ہے بلکہ اصلی مدعا اور شے ہے جیسے ایک شخص سونے کی جستجو میں ہے تو سونا اس کا مطلب لذت ہے ان سے آگے اور کوئی شے حاصل کرنا مقصود نہیں ہے غرض سونا

ایہ سوال مذکورہ تنبیہ پر عائد ہوتا ہے جس کے آغاز میں کہا تھا کہ بندہ سے جو دو بخشش متصور ہی نہیں ہوتی

پھر آگے جو کہا تھا کہ بندہ اپنا مال و جان خدا کی نظر دے ڈالے وہ جو ادکھلانے کا مستحق ہے تو یہ گویا

ایک تجوز کی صورت نکالی تھی۔ مترجم

طعام کا ذریعہ ہے اور طعام آرام کا وسیلہ ہے اور آرام ہی اصل مقصود ہے یہ آگے کسی اور چیز کا واسطہ نہیں ہے اسی طرح بیٹا والد کے حق میں واسطہ نہیں ہے، بلکہ باپ کو بیٹے کی سلامتی کا صلہ بیٹے کے خاطر مطلوب ہے کیونکہ بیٹے کی ذات ہی اس کی ملحوظ خاطر ہے اور اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی خاطر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس اس کی عبادت کو طلب جنت کا واسطہ بنایا ہے اس کا آخری مقصد نہیں بنایا واسطہ کی علامت یہ ہے کہ اگر مطلوب اس کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو اس سے واسطہ کو طلب نہیں کیا جاتا جیسا کہ اگر مذکورہ مقاصد سونے کے بغیر حاصل ہو جائیں تو کوئی سونے کا نام ہی نہ لے کیونکہ اصلی غرض کا حاصل کرنا منظور ہے سونے کا حاصل کرنا منظور نہیں۔

اگر اس شخص کو جو جنت کی خاطر عبادت کرتا ہے یونہی جنت حاصل ہو سکتی ہے تو وہ کبھی خدا کی عبادت نہ کرتا کیونکہ اس کی محبوب و مطلوب صرف جنت ہے نہ کوئی اور شے۔ لیکن جس کا اصل مطلوب محبوب خاص خدا کی ذات ہے اور کوئی نہیں بلکہ خدا کے دیدار اس کے قرب اور ملاء اعلیٰ کی مرافقت سے سرور ہنا اس کی غرض ہے اس کی نسبت جو کہا جائیگا کہ وہ خدا کی عبادت خاص خدا ہی کے لئے کرتا ہے تو اس کا یہ معنی نہیں ہوگا کہ وہ کسی مدعا کا طالب نہیں ہے بلکہ اسکی یہ معنی ہوگی کہ اس کا مدعا خاص خدا کی ذات ہے اس کے سوا اور کوئی غرض اس کو مد نظر نہیں ہے اور جو شخص دیدار الہی اور اس کی معرفت اور مشاہدہ اور قرب کے سرور کی لذت پر ایمان نہیں رکھتا وہ اس کا شائق نہیں ہو سکتا اور جو اس کا شائق نہیں اس کی نسبت یہ تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ ذات خداوند اس کی مقصود ہو لہذا اس کی عبادت وہی کیفیت ہوگی، جیسے کوئی مزدور اجرت کی طمع پر کام کرتا ہے اکثر لوگ اس لذت سے نا آشنا اور اس کے معنی سے ناواقف ہیں وہ نہیں سمجھتے کہ مشاہدہ ذات باری کی کیا لذت ہے وہ زبان ہی زبان سے اس پر ایمان رکھتے ہیں ان کے دلوں کو میلان صرف بڑی آنکھوں والی پیاری پیاری روحوں کی طرف ہے۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ اگر خدا کی لذت یعنی اس کے دیدار اور قرب کو غرض مدعا کہا جا سکتا ہے تو اغراض و مقاصد سے بری ہونا محال ہے اور اگر غرض و مقصد سے وہ معنی مراد ہو جو عموماً مشہور ہے اور لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں تو وہ اغراض نہیں ہے اور اگر اس سے مراد وہ شے ہو جس کا حصول بندہ کے حق میں عدم حصول ہے بہتر ہو تو اس کو غرض میں شمار کیا جائے گا۔

(۱۸) الرِّزَاقُ

(روزِ پہنچانے والا)

رِزَاق سے مراد وہ ذات پاک ہے جس نے روزی کی محتاج مخلوقات کو پیدا کر کے اس کو روزی پہنچائی اور اس کے لئے روزی سے فائدہ اٹھانے کے اسباب پیدا کیے۔
 رزق کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک ظاہری رزق جس سے مراد غذا و خوراک ہے جو اشیاء ظاہرہ کے لئے ہے اور یہ اشیاء بدن ہیں۔
 (۲) دوسرا رزق باطن ہے اس سے مراد معرفت اور کشف ہے یہ قلب اور روح کے لئے ہے۔

دوسرا رزق زیادہ قابل عزت ہے کیونکہ اس کا ثمرہ ابدی زندگی ہے اور رزق ظاہری کا ثمرہ یہ کہ ایک خاص محدود مدت تک جسم کی قوت قائم رہتی ہے اللہ تعالیٰ یہ دونوں رزق پیدا کرتا ہے اور دونوں فریقوں کو ان سے بہرہ ور بناتا ہے "وَلٰكِنهٖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ"

تنبیہ: اس وصف سے بندہ کا اصلی حصہ وہ امر ہیں (۱) ایک تو یہ کہ اس وصف کی حقیقت سمجھے۔ اور یقین کرے کہ خدا کے سوا اور کوئی اس وصف کا مستحق نہیں ہے لہذا ہمیشہ خدا ہی کو روزی رسال سمجھے اور اس کے متعلق خدا ہی پر توکل کرے۔
 جیسے کہ (حائِمِ اصْمِ) کی نسبت روایت ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو؟

حائِم: اس کے خزانے سے۔

سائل: کیا وہ آسمان سے تمہاری طرف روٹی پھینک دیتا ہے؟

حائِم: اگر زمین اس کی اپنی نہ ہوتی تو بیشک اس کو آسمان ہی سے روٹی پھینکنی پڑتی۔

سائل: تم کلام کی تاویل کر لیتے ہو؟

حائِم: اس لئے کہ اس نے آسمان سے کلام ہی نازل فرمایا ہے۔

سائل: معاف کیجئے میں آپ سے بحث کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔

حائِم: اس لئے کہ حق کے آگے باطل ٹھیس نہیں سکتا۔

اخدا جس کے لئے چاہتا ہے رزق کی فراخی کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔

بندہ کے حصے میں دوسرا امر یہ ہے کہ خدا اس کو نیک ہدایت کرنے والا علم، اور نیکی کا راستہ دکھانے والی زبان اور صدقہ و خیرات دینے والا ہاتھ عطا کرے اور وہ اپنے نیک اقوال و اعمال کی بدولت لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ قابل عزت رزق پہنچنے کا موجب ہو اور خدا جب اپنے بندے پر محبت کی نظر کرتا ہے تو اس کی طرف لوگوں کی حاجات بڑھا دیتا ہے اور جب وہ اللہ اور اللہ کے بندوں کے مابین وصول رزق کا ذریعہ بن جاتا ہے تو اس وصف سے بخوبی بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: الخازن الامین الذی يعطى ما امر به طيبة به نفسه احد المتصدقين، یعنی دیانت دار خزانچی کہ جو کچھ اس کے مالک نے فرمایا ہو دل کی خوشی سے دیتا ہے وہ خیرات اور صدقہ دینے والا ہے۔

بندوں کے ہاتھ خدا کے خزانے ہیں پس خدا نے جس شخص کے ہاتھوں کو بندوں کے رزق کا خزانہ اور اس کی زبان کو دلوں کے رزق کا خزانہ بنایا ہو اس نے اس وصف سے بہت بڑا حصہ حاصل کیا ہے۔

(۱۹) الْفَتْاحُ

(مشکل کشا، یا بندوں میں حکم کرنے والا)

فتاح وہ ہے جس کی عنایت سے ہر مغلقت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جس کی ہدایت سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے کبھی وہ اپنے انبیاء کے ہاتھ پر ممالک فتح کرتا ہے اور دشمنوں کے ہاتھ سے چھین لیتا ہے اور فرماتا ہے: "انا فتحنا لك فتحاً مبيناً، ليغفر لك الله" (تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر، تاکہ بخشے واسطے تیرے خدا) اور کبھی اپنے اولیاء کے دلوں سے حجاب اٹھا کر ان کے لئے عالم ملکوت اور جمال کبریائی کی طرف دروازے کھول دیتا ہے اور فرماتا ہے "ما يفتح الله للناس من رحمة فلا ممسك لها" یعنی اللہ جو لوگوں پر رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے کوئی ان کو بند نہیں کر سکتا" اور جس کے ہاتھ میں غیب کی کنجیاں اور رزق کی کنجیاں ہوں وہ فاتح کہلانے کا سب سے بڑا حق دار ہے۔

تنبیہ: بندے کو یہ درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی زبان کے ساتھ مشکلات الہیہ کے نکات حل ہوں اور اس کی معرفت سے وہ دینی و دنیوی امور آسان ہو جائیں جو لوگوں کے لئے مشکل ہو رہے ہیں تاکہ اس کو اسم الفتح سے پورا حاصل سکے۔

(۲۰) اَلْعَلِيمُ

(بہت جاننے والا)

اس کے معنی ظاہر ہیں، اور اس کا کمال یہ ہے کہ وہ ظاہر و باطن اور دقیق و جلیل چیز کا علم اول سے آخر تک رکھتا ہو، اور یہ علم وضوح و کشف کے سب سے زیادہ مکمل طریقے سے ہو جس سے زیادہ ظاہر کوئی بھی مشاہدہ اور کشف تصور میں نہیں آ سکتا پھر یہ کہ وہ معلومات کے ذریعہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو بلکہ تمام معلومات اس کے ذریعہ سے کیے گئے ہوں۔

تنبیہ: بندہ کا علیم کے اسم سے جو حصہ ہے وہ مخفی نہیں لیکن اس کا علم خدا کے علم سے

تین باتوں میں جدا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ بندہ کی معلومات گو کتنی ہی زیادہ ہوں، مگر وہ ایک محدود مقدار رکھتی

ہیں، پس ان معلومات کے ساتھ ان کو کیا نسبت جو بے انتہاء ہیں۔

(۲) دوم یہ کہ بندہ کا کشف اگرچہ خوب روشن ہو مگر اس حد تک نہیں پہنچ سکتا جس کے

بعض وضوح اور روشنی کا درجہ ممکن نہ ہو بلکہ اس کا مشاہدہ ایسا ہوگا جیسے ایک باریک پردہ سے دیکھ رہا ہو اور پھر درجات مشاہدہ میں جو فرق ہے اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ باطنی بصیرت کا حال ظاہری بصارت کا سا ہے اور طلوع فجر کے وقت کسی چیز کے دکھائی دینے اور سورج نکلنے کے بعد دکھائی دینے میں بڑا فرق ہے۔

(۳) سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم اشیاء کے علم سے حاصل نہیں ہے بلکہ اشیاء اس کے علم

سے مستفاد ہیں اور بندہ کو جو اشیاء کا علم ہے وہ اشیاء کے تابع اور اشیاء ہی سے حاصل ہے۔

اگر اس کے فرق کے سمجھنے سے ابھی تمہارا ذہن قاصر ہو تو شطرنج کی بازی سیکھنے والے

کے علم کو واضح شطرنج کے علم سے ملا کر دیکھو اور غور کرو کہ واضح کا علم شطرنج کے وجود کا سبب ہے

اور شطرنج کا وجود شطرنج سیکھنے والے کے علم کا سبب ہے اور واضح کا علم شطرنج کے وجود سے مقدم

ہے، اور سیکھنے والے کا علم مؤخر ہے اسی طرح اشیاء کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم سب سے مقدم اور

ان سب کا سبب ہے اور ہمارا علم اس کے خلاف ہے۔

علم کی بدولت بندے کا شرف اس لئے ہے کہ وہ اللہ کی صفات سے ہے لیکن سب

سے زیادہ شریف علم وہ ہے جس کا موضوع زیادہ شریف ہو اور سب سے زیادہ شریف اللہ تعالیٰ

ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت سب معرفتوں سے زیادہ افضل ہے بلکہ تمام اشیاء کی معرفت کو جو شرف حاصل ہے وہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی معرفت ہے یا اس طریق کی معرفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اسکے قرب کا حصول آسان ہو جاتا ہے جو معرفت اس سے خارج ہو اس میں زیادہ بھلائی نہیں ہے۔

(۲۱) القابض

(بندوں کی روزی محدود کرنے والا)

(۲۲) الباسط

(بندوں کی روزی فراخ کرنے والا)

یہ اس معبود برحق کے نام ہیں جو موت کے وقت جانوں کو جسموں سے قبض کرتا ہے۔ زندگی کے وقت جسموں میں جانیں ڈالتا ہے اور وہ اغنیاء سے خیراتیں بند کر لیتا ہے محتاج لوگوں کے لئے رزق وافر کر دیتا ہے اور اغنیاء کے لئے رزق کشادہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ ان کو کبھی فاقہ کرنے کا موقع نہیں پڑتا فقیروں کو تنگ دست بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بیچارے عاجز آجاتے ہیں۔ وہ دلوں کو قبض کرتا ہے۔ اور اپنی بے پرواہی۔ بزرگی اور جلال کا پورا پورا احساس دلا کر ضیق میں ڈال دیتا ہے۔ اور پھر اپنے لطف و احسان اور جمال کے فیضان سے ان پر بسط کی حالت طاری کر دیتا ہے۔

تنبیہ: بندوں میں قابض و باسط وہ جس کو خدا کی طرف سے عجیب عجیب حکمتیں اور جامع کلمات عطا ہوئے ہوں۔ پس کبھی تو وہ خدا کی نعمتوں اور عنایتوں کا حال سنا کر لوگوں کے دل باغ باغ بنا دیتا ہے۔ اور کبھی اس کے جلال اور کبریا اور اس کے عذاب و بلا کے اقسام اور اپنے دشمنوں سے اس کے انتقام کا حال سنا کر ڈرائے اور ان کے دل میں سنسنی ڈال دے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا کہ ایک بار تو یہ بات سنا کر صحابہؓ کے دل عبادت سے تنگ کر دیئے کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو قیامت کے دن فرمائے گا (بعث بعث النار) دوزخی جماعت روانہ ہو حضرت آدم پوچھیں گے کہ کتنے دوزخی! تو خدا فرمائے گا ہزار میں سے نو سو نناوے۔ جس سے صحابہ کے دل ٹوٹ گئے اور وہ عبادت سے مست ہوئے۔

جب صبح ہوئی اور آپ نے ان کی سستی اور قبض کی حالت ملاحظہ فرمائی تو ان کے دلوں کو تسلی دی۔ اطمینان دلایا اور یہ فرمایا کہ ان پر بسط کی حالت طاری کر دی کہ وہ قیامت کے دن تمام سابقہ امتوں میں سے اس طرح ممتاز نظر آئے گی جس طرح ایک سفید رنگ کے بیل کے بدن پر سیاہ بال۔

(۲۳) الْخَافِضُ

(نافرمانوں کو پست کرنے والا)

(۲۴) الرَّافِعُ

(فرمانبرداروں کو بلند کرنے والا)

ان ناموں سے مراد وہ موجود برحق ہے جو کفار کو بدبختی میں مبتلا کر کے پست کر دیتا ہے اور مومنوں کو کامیابی بخش کر بلند کر دیتا ہے۔ اپنے اولیاء کو قرب کی بلندی بخش دیتا ہے۔ اور اپنے دشمنوں کو دوری کے گڑھے میں ڈالتا ہے جو شخص محسوسات اور مختیلات سے اپنا مشاہدہ اور بری خواہشات سے اپنا ارادہ بلند کر لیتا ہے اس کو وہ موجود برحق ملائکہ مقربین کے مقام تک ترقی عطا کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنا مشاہدہ محسوسات پر اور اپنی ہمت کو ان خواہشات نفسانی پر جن میں چوپائے بھی اس کے شریک ہیں مائل رکھتا ہے۔ تو اس کو وہ ”اغل السافلین“ میں کرا دیتا ہے۔ اور یہ کام خاص خداوند تعالیٰ کے لئے ہیں لہذا وہ خافض اور رافع ہے۔

تنبیہ: ان اسموں سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ حق کو بلند اور باطل کو پست کرے۔ اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے حق بات کہنے والے کی تائید کرے اور غلط بات بیان کرنے والے کو دھمکائے خدا کے دشمنوں سے دشمنی کرے تاکہ ان کو پست کرے اور خدا کے دوستوں سے دوستی رکھے تاکہ ان کو عالی رتبہ ہونے میں مدد دے اسی لئے اللہ نے اپنے کسی ولی سے فرمایا ہے کہ:

”تم نے دنیا میں زہد کیا تھا اس کے عوض میں تم کو راحت مل گئی اور مجھ کو جو یاد کیا تو میرا دیدار بھی حاصل ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے کسی میرے دوست سے دوستی اور کسی دشمن سے دشمنی بھی کی؟“

(۲۵) الْمُعِزُّ

(عزت دینے والا)

(۲۶) الْمُذِلُّ

(ذلیل کرنے والا)

یہ وہ ذات ہے جو جس کو چاہے بادشاہی دے جس سے چاہے چھینے چکی بادشاہی یہ ہے کہ محتاجی کی ذلت اور شمولیت کی مجبوری اور نادانی کے عیب سے نجات حاصل ہو پس اس نے جس کے دل سے پردہ اٹھا دیا یہاں تک کہ اس نے اس ذات صفات کے جمال کا نظارہ کر لیا اور اس کو قناعت کی توفیق بخشی یہاں تک کہ وہ اس کی بدولت مخلوق سے بے پرواہ ہو گیا۔ اور اس کو قوت و طاقت بخشی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کی صفات پر غالب آ گیا۔ تو اس کو اس جہاں میں بھی عزت اور بادشاہی عطا کی۔ اور پھر آخرت میں بھی تقرب کی عزت بخشے گا اور قرآنے گا ”یا ایاتھا النفس المطمئنة ارجعی الاربک“ یعنی اے نفس مطمئن ہو اپنے رب کی طرف جا۔

اور جو شخص مخلوق پر نظر رکھتا ہے حتیٰ کہ اس کا محتاج بن جاتا ہے اور اس پر اس قدر حرص غالب ہو جاتی ہے کہ وہ کسی حد تک قناعت نہیں کرتا اور جہالت کے اندھیرے میں پڑا رہتا ہے اس کو خدا نے بالکل ذلیل کر دیا۔ اور اس سے ملک چھین لیا۔ یہ خدا کے کام ہیں۔ جس طرح چاہے کرے۔ وہی عزت دینے والا ہے اور وہی ذلت دینے والا۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اور یہ ذلیل وہ ہے جس کو خدا ان الفاظ سے مخاطب کرتا ہے کہ:-

ولکنکم فتنتم انفسکم وتربصتم وار تبتم وغرتکم

الامانی حتی جاء امر الله و غرکم بالله الغرور فالیوم لایؤخذ منکم فدیة“

(الآیة) یعنی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالا اور گھات میں بیٹھے اور شک کیا۔ اور تم کو آرزوں نے دھوکا دیا یہاں تک کہ خدا کا حکم آیا۔ اور غرور نے تم کو خدا کی نسبت غلط فہمی میں ڈال رکھا پس آج تم سے فدیہ منظور نہیں کیا جائے گا۔

(۲۷) السَّمِيعُ

(بہت سننے والا)

سمیع وہ ذات ہے جس کے ادراک سے کوئی سننے کی بات مخفی نہیں رہتی خواہ باریک سے باریک ہو وہ کالی رات کے وقت کالے پتھر پر چلنے والی کالی چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ بھی سنتا ہے۔ حمد کہنے والوں کی حمد سن کر جزائے خیر دیتا ہے۔ دعا کرنے والوں کی دعا سن کر قبول کر ہے۔ اسکی شنوائی کانوں اور کان کے پردوں کے بغیر ہی ہے۔ جس طرح کے اس کے دوسرے افعال بلا اعضاء کے اور کلام بے زبان کے ہے اور اس کی شنوائی حدوث و تجدد سے پاک ہے۔

جب تم کو یہ معلوم ہو چکا کہ اس کی شنوائی ایسے تغیرات سے پاک ہے۔ جو سموعات کے تازہ وقوع کے وقت عارض ہو سکتے ہیں۔ اور تم نے اس کو اس امر سے منزہ سمجھ لیا ہے۔ کہ وہ کان یا کسی دوسرے آلے سے سنتا ہو تو تم خود بخود نتیجہ نکال سکتے ہو کہ اس کی شنوائی کیا ہے؟ ایک صفت ہے جس سے اشیاء کی صفات کی پوری کی پوری ماہیت اس پر منکشف ہو جاتی ہیں جو شخص اس امر پر غور نہیں کرتا وہ تشبیہ کے خیال میں مبتلاء ہو جاتا ہے تم اس سے بچو اور ذرا غور و فکر سے کام لو۔

تنبیہ: بندہ کو حس کی حیثیت سے شنوائی کا جو حصہ حاصل ہے وہ ناقص ہے کیونکہ وہ تمام مصنوعات کو ادراک نہیں کر سکتا بلکہ صرف انھیں آوازوں کو محسوس کر سکتا ہے جو اس کے قریب ہوں پھر یہ کہ اس کا ادراک ایک عضو کے ذریعے سے ہے اور وہ ایک ایسا آلہ ہے جو مختلف آفات میں گھرا ہوا ہے اگر آواز دھیمی ہو تو وہ ادراک نہیں کر سکتا اگر دور ہو تو بھی سن نہیں سکتا اگر آواز بڑی ہو تو شنوائی کا پردہ ہی پھٹ جاتا ہے اور شنوائی باطل ہو جاتی ہے۔

یعنی خدا کی شنوائی کو حیوانات کی شنوائی جیسی سمجھنے لگتا ہے۔

شنوائی سے بندہ کا دینی حصہ دو امر ہیں (۱) تو یہ کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے لہذا اپنی زبان کو برے کلام اور بیہودہ گوئی سے محفوظ رکھے۔

(۲) یاد رکھے کہ اس کو سننے کی طاقت اس لئے دی گئی ہے کہ خدا کا کلام سنے جو اس نے نازل فرمایا ہے اور اس کے ذریعہ سے خدا کی راہ پر چلنے کی ہدایت حاصل کرے غرض اس کے سوا اور کسی بات میں اپنی شنوائی استعمال نہ کرے۔

(۲۸) البصیر

(بہت دیکھنے والا)

یہ وہ ذات پاک ہے جو ہر چیز کو صاف صاف دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ مٹی میں چھپی ہوئی چیزیں بھی اس کی نظر سے مخفی نہیں ہیں اس کا دیکھنا بھی پتلی ڈھیلے اور پوٹے وغیرہ سے پاک ہے اور اس معنی سے بری ہے کہ اس کی ذات میں اشیاء کی صورتیں اور رنگ منطبع ہوتے ہوں جیسے انسان کی آنکھ میں منطبع ہوتے ہیں کیونکہ یہ امور تاثرات و تغیرات کی قبیل سے ہیں جو تجدد و حدوث کے مقتضی ہیں جب وہ ان امور سے پاک ہے تو اس کا دیکھنا ایک ایسی صفت ہے جس سے دیدنی اشیاء کی ٹھیک ٹھیک صفات منکشف ہو جاتی ہیں اور یہ بینائی اس بینائی سے زیادہ روشن اور تیز ہے جو آنکھوں کو حاصل ہے اور جو اکثر صاف اور ظاہر چیزوں کو محسوس کرنے سے بھی قاصر رہتی ہے۔

تنبیہ: وصف بصر میں حس کی حیثیت سے جو حصہ بندہ کو حاصل ہے وہ ظاہر ہے لیکن وہ ضعیف اور قاصر ہے کیونکہ اس کی طاقت دور تک کام نہیں کرتی اور نہ اشیاء میں جاتی ہے بلکہ صرف ظاہری اشیاء کو محسوس کرتی ہے یہ چھپی ڈھکی باتوں سے قاصر ہے۔

دینی حصہ دو چیزیں ہیں (۱) ایک تو یہ کہ وہ یقین رکھے کہ اس کو بینائی اس لئے دی گئی

اے شاید تم اعتراض کرو کہ کیونکر ممکن ہے کہ سارا دن قرآن ہی سنتے رہیں اور دنیا کی کوئی بات درمیان نہ آئے نہیں نہیں تم اس کا مطلب نہیں سمجھے مصنف علیہ الرحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو شہار و روزی کاروبار میں جو مختلف معاملات میں پیش آتے ہیں ان کے متعلق ہر وقت قرآنی احکام کا پابند رہے جو بات قرآن کے مطابق ہو اس کو ضرور قبول کر لے خود احکام الہی کے لباس میں اس کو سنائی گئی ہو یا سرکاری قانون کی صورت میں پیش کی گئی ہو یا دوستانہ مشورے کے رنگ میں جو بات اس کے خلاف ہو اس کو قبول کرنا جدار ہا سننا بھی گوارا نہ کرے۔

ہے کہ وہ خدا کی نشانیوں اور عجائب ملکوت اور آسمانوں پر نظر کرے تاکہ اس کو عبرت حاصل ہو۔ کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مخلوق میں سے کوئی شخص آپ جیسا ہوگا؟ فرمایا ہاں جس شخص کی نظر عبرت کے لئے ہو اور خاموشی غور و فکر کے لئے اور کلام خدا کے ذکر کے لئے وہ مجھ جیسا ہے۔

دوم یاد رکھے کہ وہ ہر وقت خدا کی نظر میں ہے لہذا اس کی نظر سے بے پروائی نہ کرے جو شخص لوگوں سے ایسی باتیں چھپاتا ہے جو اللہ سے نہیں چھپاتا وہ گویا خدا کی نظر سے بے پروائی کر رہا ہے۔

اس صفت پر ایمان لانے کا ایک ثمرہ مراقبہ ہے پس جو شخص جانتا ہے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے اور پھر کسی گناہ کے قریب جاتا ہے وہ کیسا دلیر اور گستاخ ہے! اور اگر یہ گمان رکھتا ہے کہ خدا نہیں دیکھتا، تو وہ کتنا بڑا کافر ہے!!!

(۲۹) الْحَكْمُ

(مخلوقات کا حاکم)

حکم وہ حاکم ہے جو لوگوں کے فیصلے کرتا ہے اور جس کے آگے سب مخلوق سر تسلیم خم کرتی ہے جس کے حکم کو کوئی نا منظور نہیں کرتا اور نہ کوئی اس کے فیصلے کو واپس کر سکتا ہے جس کا بندوں کے حق میں یہ حکم ہے ”لیس للانسان الا ما سعی، وان سعیہ سوف یرى“ یعنی انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کمایا اور اس کی کمائی عنقریب دکھائی جائے گی ”ان الابرار لفسی نعیم وان الفجار لفسی جحیم“ یعنی بھلے لوگ نعمتوں میں ہونگے اور برے لوگ دوزخ میں۔

بھلے اور برے لوگوں کے متعلق خوش قسمتی اور بدبختی کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے بھلائی اور برائی کو بھلے اور برے لوگوں کی سعادت و شقاوت کا سبب بنا دیا ہے جیسے کہ دواؤں اور زہروں کو ان کے کھانے والوں کے لئے شفا اور موت کا باعث بنا دیا ہے چونکہ حکمت کا معنی اسباب پر مسببات کو مترتب کرتا ہے لہذا خداوند تعالیٰ حکم مطلق ہے کیونکہ وہی تمام اسباب مہیا کرتا ہے۔

حکم سے قضا و قدر کے معنی پیدا ہوتے ہیں دیکھو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اسباب وضع کرتا ہے تاکہ وہ مسببات تک منتہی ہوں پھر ان کی کلی و اصلی اور ثابت و مستقر اسباب کو جو زائل ہوتے

ہیں اور نہ متغیر ہوتے ہیں نصب کرنا قضا ہے جیسا کہ زمین آسمان ستارے اور ان کی حرکات جو متناسب اور دائم ہیں نہ ان میں تغیر آتا ہے اور نہ وہ آگے پیچھے ہوتی ہیں یہاں تک کہ اس کا تحریری حکم اپنی میعاد کو پہنچ جائے گا چنانچہ فرمایا: "فقضهن سبع سموت فی یومین و اوحی فی کل سماء امرها"

یعنی پس کر دیا انھیں دو دن میں سات آسمان اور ہر آسمان کو اس کا امر وحی کیا پھر ان متناسب و محدود اور مقدر محسوب اسباب کو ان مسببات کی طرف متوجہ کرنا قدر ہے جو ان اسباب سے لحظہ بہ لحظہ حادث ہوتے ہیں۔

غرض حکم وہ پہلی اور کلی تدبیر اور چوٹی کا امر ہے جو آنکھ کے جھپکے سے بھی جلد وقوع پا جاتا ہے اور قضا اسباب کلیہ کا اصولی طور پر وضع کرنے کا نام ہے۔

اور قدر سے مراد ان اسباب کلیہ کو ایک متناسب و محسوب رفتار کے ساتھ محدود و محدود مسببات کی طرف ایسے اندازہ کے ساتھ تحریک دینا ہے جو کم و بیش نہ ہو اس لئے کوئی چیز اس کی قضا و قدر سے باہر نہیں نکل سکتی اور یہ بات ذیل کی مثال سے بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہے۔
تم نے کبھی نہ کبھی گھڑی کا صندوق دیکھا ہوگا جس سے اوقات نماز کا پتہ لگتا ہے اگر نہیں دیکھا تو ہم اس کی کیفیت بتا سکتے ہیں۔

ایک آلہ بشکل ستون ہوتا ہے جس میں معین اور خاص مقدار کا پانی ہوتا ہے اس کے اندر اور پانی کے اوپر ایک اور مجوس آلہ ہوتا ہے۔ جو ایک طرف سے دھاگے کے ساتھ بندھا ہونا ہے اور دوسری طرف سے پانی پر تیرتا رہتا ہے اس دھاگے کا دوسرا سر ایک چھوٹے سے ظرف کے نیچے پہنچا ہوا ہوتا ہے جو مذکورہ ستون نما آلہ کے اوپر دھرا رہتا ہے اس ظرف میں ایک گیند اور اس کے نیچے ایک طشتری اس طرح رکھی ہوتی ہے کہ اگر گیند طشتری میں آگرے تو اس کی آواز سنائی دے ستون نما آلہ کے نیچے ایک خاص مقدار کا سراخ ہوتا ہے۔ جس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی نیچے بہتا رہتا ہے۔ جب سارا پانی نیچے بھر جاتا ہے۔ تو پانی پر تیرنے والا نیچے لٹک جاتا ہے۔

ادھر اس کے لٹکنے سے دھاگے کی جو کشش ہوتی ہے تو اس کے دوسرے سرے کی تحریک سے گیند طشتری میں آگرتا ہے اور اس کے گرنے کی آواز سن کر آس پاس کے لوگ خبر دار ہو جاتے ہیں۔

ایک گھنٹے کے ختم ہونے پر یہ گیند ایک بار گرتا ہے۔ گیند کے دوبارہ گرنے کا درمیانی

عرصہ پانی کے نکلنے اور بہ جانے کی مقدار سے ہوتا ہے۔ اور یہ بات سوراخ کے مقدار پر موقوف ہے جس سے پانی نکلتا ہے۔ اور یہ امر حساب کے طریقے سے معلوم کیا جاتا ہے۔

غرضکہ پانی کے مقدار معلوم نکلنے پر سوراخ کی کشادگی کا اندازہ موقوف ہے اور اس اندازے پر پانی کی بالائی سطح نیچے اترتی ہے جس پر مجوف آلہ کا معین عرصہ میں نیچے لٹک جانا اور دھاگے کا کچھ جانا اور گیند کا نیچے گر کر آواز پیدا کرنا منحصر ہے اور یہ تمام امور اپنے اپنے سبب کے مقدار اندازہ پر مقرر کیے جاتے ہیں۔ جو نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔ اور ممکن ہے گیند کا طشتری میں گرنا ایک دوسری حرکت کا سبب بنا دیا جائے اور یہ حرکت ایک تیسری حرکت کا سبب ہو۔ اسی طرح بہت سے مراتب تک یہ سلسلہ چلا جائے جس سے عجیب عجیب حرکات وقوع پائیں جو محدود مقرر ہوں اور جن کا سبب پانی کا بہنا ہو۔

جب تم اس صورت کو سمجھ گئے تو اب اس امر پر غور کرو کہ اس اعلیٰ کے واضع کو تین امور کی ضرورت ہوگی۔

(۱) تدبیر، وہ اس بات کا حکم ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کون کون سے آلات و اسباب درکار ہونگے اور کس کس قسم کی حرکات سے کام لینا پڑے گا اسی کو حکم کہتے ہیں۔

(۲) ان آلات کو مہیا کرنا جو اس کام کے اصول پر ہیں۔ یعنی:

(۱) ستون نما آلہ۔ جو پانی پر کیا جائے۔

(ب) مجوف آلہ جو پانی پر رکھا جائے۔

(ج) دھاگا، جو اس کے ساتھ باندھا جائے۔

(د) جس میں گیند رکھا جائے۔

(ہ) طشتری میں گیند گر کر آواز پیدا کرے۔ یہ قضا ہے۔

(۳) وہ سبب قائم کرنا جو اس محدود و مقدر حرکت کے جاری ہونے کا موجب ہو اور

وہ ستون نما آلہ کے نیچے کا سوراخ ہے۔ جو ایک خاص معین مقدار سے بنایا جائے جس میں پانی نکلنے سے پانی کی بالائی سطح نیچے اترے۔ اور اس پر تیرنے والا مجوف آلہ لٹک جائے پھر دھاگا تن جائے اور گیند والے لے صرف کو حرکت ہو اس کے ساتھ ہی گیند طشتری میں آگرے جس سے ایک آواز پیدا ہو۔

حاضرین کے کان کھڑے ہو جائیں اور وہ گھنٹا ختم ہوتا معلوم کر کے کوئی نماز کو

دوڑے کوئی کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور یہ تمام امور ایک خاص مقدار پر قائم کیے جاتے ہیں۔ جو پہلی حرکت کے تابع ہوتی ہے اور یہ حرکت پانی کی ہوتی ہے۔

اب بخوبی سمجھ گئے ہونگے کہ یہ تمام آلات اصول ہیں جن کا ہونا مطلوبہ حرکت کے لئے لازمی ہے۔ اور حرکت کا خاص اندازہ ہونا چاہیے تاکہ اس سے پیدا ہونے والا نتیجہ خاص انداز سے اور مقدار پر ہو۔

اسی پر قیاس کر کے تم حوادث کے واقع ہونے کا حال سمجھ سکتے ہو جو اپنی میعاد کے تجانے پر یعنی اپنے سبب کے موجود ہونے پر اپنے وقت سے مقدم و مؤخر نہیں ہوتے اور یہ تمام حوادث اور ان کی میعاد ایک معین و محدود مقدار پر ہوتی ہے "ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لكل نشیء قدرًا" (بیشک جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ اس کو پورا کر کے رہتا ہے اور اللہ نے تو ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھیرا ہی رکھا ہے) چنانچہ آسمان ستارے، زمین، سمندر، دریا، اور ہوا وغیرہ تمام بڑے بڑے اجسام جو عالم میں موجود ہیں وہ مذکورہ آلات کی مثل ہیں اور آسمان اور چاند وغیرہ کی حرکت کو زمین میں حوادث واقع ہونے کا موجب بنانا ایسا ہے جیسے پانی کی حرکت کو ان حرکات کا موجب بنایا جاتا ہے جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گیند گر پڑتا ہے جو انقضائے ساعت کی خبر دیتا ہے۔

آسمان کی مختلف حرکات زمین میں تغیرات اس طرح واقع کرتی ہیں کہ مثلاً سورج جب اپنی رفتار کے ساتھ مشرق میں پہنچتا ہے تو عالم میں روشنی پھیل جاتی ہے اور لوگوں کو اشیائے عالم کا دیکھنا اور محسوس کرنا میسر ہوتا ہے جس سے ان کو مختلف مشاغل میں مصروف ہونے اور کاروبار کرنے کا موقع ملتا ہے اور جب سورج مغرب میں جا چھپتا ہے تو لوگ کاروبار چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں جب سورج خاص موسم میں آسمان کے عین بیچ میں ہوتا ہے تو ہوا گرم ہو جاتی ہے۔

تپش بڑھ جاتی ہے۔ اور میوے پک جاتے ہیں۔ جب سورج دوسری فصل میں آسمان کے کنارے پر جا رہتا ہے تو سردی کا موسم آ جاتا ہے اور جاڑا پڑنے لگتا ہے جب سورج اوسط درجہ پر ہوتا ہے تو موسم معتدل ہو جاتا ہے۔ اور بہار کا موسم آ جاتا ہے۔

نباتات پیدا ہوتی ہیں۔ سبزیاں اگتی ہیں غرض ان مشہور باتوں سے جو تم کو پہلے ہی معلوم ہیں بہت سے غیر معلوم باتیں دریافت کر سکتے ہو۔

فصلوں کا تمام اختلاف خاص تناسب پر قائم ہے کیونکہ وہ چاند سورج کی حرکات سے وابستہ ہے۔ خدا نے فرمایا ہے ”والشمس والقمر بحسبان“ یعنی سورج اور چاند کی حرکتیں حساب کے موافق ہیں۔ پس اس تناسب کا قائم کرنا اور اسباب کلیہ کا بنانا قضا ہے اور پہلی تدبیر جو چشمے زون میں انجام پاتی ہے حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان امور کے لحاظ سے بالانصاف حکم ہے۔

جس طرح آلہ اور دھاگے اور گیند کی حرکت آلہ بنانے والے کے ارادہ سے خارج نہیں ہے بلکہ اس کی مقصود وہی ہے۔ اسی طرح دنیا میں جو اچھے یا برے مفید یا مضر حوادث واقع ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے خارج نہیں ہوتے وہ اللہ کی خواہش اور مرضی سے ہوتے ہیں۔

اور اسی لئے اس نے یہ اسباب مہیا کیے ہیں اور یہی معنی ہے اس کے قول کا کہ ”ولذالك خلقهم“ عام مثالوں کے ذریعہ سے امور الہیہ کا سمجھنا مشکل ہے لیکن اس قسم کی مثالوں سے مراد صرف تشبیہ ہوتی ہے۔

لہذا مثال کے زیادہ پیچھے نہ پڑو مطلب کی بات کا لحاظ رکھو اور تمثیل و تشبیہ سے بچو۔

تنبیہ: بندہ کے حصہ میں جو حکمت و تدبیر اور قضا و تقدیر ہے وہ تم مذکورہ مثال سے سمجھ گئے ہو گے۔ اور یہ ایک معمولی بات ہے بڑی بات جو بندہ کے حصہ میں ہے۔

وہ ریاضات و مجاہدات کی تدبیر اور سیاسیات کی تقدیر ہے۔ جس سے دین و دنیا کی عام بہبودی وابستہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا نے ہمیں دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا اور آباد کیا تاکہ وہ دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں۔

دینی حصہ جو خدا کے اس وصف کے مشاہدہ سے بندہ کو حاصل ہوتا ہے، یہ ہے کہ وہ یقین رکھے کہ ہر امر پہلے ہی سرانجام ہو چکا ہے اور اس سے گریز کی صورت نہیں ”وقد جف القلم بما هو کائن“، یعنی قلم (قدرت) ہونے والی بات کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ اور یہ سمجھے کہ اسباب اپنے مسببات کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں اور ان اسباب کا مسببات کو زندگی بخشنا اور میعاد مقررہ تک قائم و دائم رکھنا واجب اور اٹل ہے۔

پس جو چیز وجود میں داخل ہوتی ہے وہ وجوب میں داخل ہو جاتی ہے یعنی اس کا موجود ہونا واجب ہو جاتا ہے اگرچہ وہ واجب لذاتہ نہیں ہوتی لیکن قضائے ازلی کی روح سے

جو پھر نہیں سکتی واجب ہے اس سے بندہ سمجھ جاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا گیا ہے وہ ضرور ہی ہونے والا ہے غم و الم محض زائد ہے اور وہ طلب رزق میں مطمئن تسلی یافتہ اور غیر مضطرب ہوگا۔

سوال: اس بیان پر دو اعتراض لازم آتے ہیں:-

(۱) ایک تو یہ کہ غم و الم زائد کیونکر ہو سکتا ہے کیا وہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا نہیں ہے؟

اس کا بھی تو سبب ہے جب یہ سبب جاری ہوتا ہے تو غم و الم کا عارض ہونا واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) یہ کہ جب ہر امر پہلے ہی سرانجام کو پہنچ چکا ہے تو پھر فعل و عمل کس لئے کیا جاتا

ہے۔ وہ سعادت یا شقاوت کے سبب سے فارغ ہو چکا ہے؟

جواب: پہلے اعتراض کا یہ ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ ضرور ہو

گا۔ اب غم زائد ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تقدیر پر زائد اور اس سے خارج ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ فضول اور لغو ہے۔ کچھ فائدہ نہیں دیتا کیونکہ وہ تقدیر کو دفع نہیں کر سکتا جو امر ہونے والا ہے اس کا غم کرنا خالص جہل پر مبنی ہے کیونکہ اگر اس امر کا ہونا تقدیر میں لکھا ہے تو اس سے ڈرنا اور غم کرنا اس کو دفع نہیں کر سکتا۔ اور وہ ایک طرح مصیبت کے خوف سے قبل از وقت اپنے آپ پر مصیبت لازم کر لیتا ہے۔ اور اگر اس امر کا ہونا مقدر نہیں ہے تو غم کے کیا معنی غرض ان دونوں صورتوں سے غم زائد ہے۔

عمل و فعل، کے متعلق خود آنحضرت ﷺ کا یہ قول جواب ہے کہ ”اعملوا فکل

میسر لما خلق لہ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے لیے سعادت مقدر ہے وہ کسی سبب کے ساتھ مقدر ہے تو اس کا سبب اس کو میسر ہو جاتا ہے اور وہ طاعت ہے۔ اور جس شخص کے لئے بدبختی مقدر ہے، وہ بھی کسی نہ کسی سبب سے مقدر ہے اور وہ یہ کہ وہ اسباب سعادت پر کار بند ہونے میں سستی کرتا ہے اور کبھی اس سستی کا باعث یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ اگر میں خوش قسمت ہوں تو عمل کی ضرورت نہیں۔ اور اگر بدبخت ہوں تو عمل سے کوئی فائدہ نہیں اور یہ جہل ہے۔ کیونکہ وہ اتنا نہیں سمجھتا کہ اگر خوش قسمت ہو تو اسی لئے خوش قسمت ہوگا کہ وہ خوش قسمتی کے اسباب یعنی علم و عمل پر چلتا ہے۔ اگر یہ اسباب اس کو میسر نہ ہوئے اور وہ ان پر نہ چلا تو یہ اس کی بدبختی کی نشانی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص فقیہ بننے کی تمنا کرتا ہے جو امامت کے درجہ کو پہنچا

ہوا ہو۔ تو یہ مشورہ دیا جائے گا کہ علم پڑھو۔ خوب کوشش اور لگاتار محنت کیے جاؤ اور وہ کہے کہ خدا نے ازل میں میری امامت کا درجہ لکھ دیا ہے۔ تو میں اس کوشش کا محتاج نہیں ہوں اگر اللہ تعالیٰ

نے میرے لئے جہل کا فیصلہ کر دیا ہے تو میری کوشش سے کیا ہو سکتا ہے تو اس کو یہی کہنا پڑے گا کہ اگر تیرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا ہے تو یقیناً تیرے لئے ازل ہی سے جہل کا فیصلہ ہو چکا ہے کیونکہ جو ازل سے امام لکھا گیا ہے اس کے لئے اسباب بھی مہیا ہوتے ہیں۔ اور وہ ان اسباب کو کام میں لاتا ہے۔ اور وہ ایسے بیہودہ خیالات اور وساوس کو دور کرتا رہتا ہے جو اس کو سستی اور ناکارہ پن پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ جو شخص کوشش نہیں کرتا، وہ نسا امامت کا درجہ نہیں پاتا۔ اور جو شخص کوشش کرتا ہے اور اس کے لئے کامیابی کے اسباب میسر ہو جاتے ہیں، اس کی حصول غرض کی امید چھی ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ برابر اپنی کوشش پر قائم رہے۔ اور کوئی مانع ایسا پیش نہ آئے۔ جو اس کی رفتار کو روک دے۔

اس لحاظ سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سعادت اس شخص کا حصہ ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے قلب سلیم عطا کیا ہے۔ اور سلامت قلب ایک ایسی صفت ہے۔ جو کوشش سے حاصل کی جاتی ہے۔ جس طرح فقہ نفس اور فقہ امامت کوشش سے حاصل کی جاتی ہے کچھ بھی فرق نہیں۔ ہاں مشاہدہ حکم میں بندوں کے مختلف درجے ہیں۔ بعض خاتمہ کو دیکھتے ہیں۔ کہ ان کا انجام کس حالت پر ہوتا ہے۔ اور بعض ابتداء کا لحاظ کرتے ہیں۔ کہ خدا نے ازل میں کیا لکھ دیا ہے۔ اور یہ لوگ اعلیٰ درجہ پر ہیں۔ کیونکہ خاتمہ ابتداء کے تابع ہے۔ بعض ماضی و مستقبل دونوں سے دست بردار ہوں وہ ابن الوقت ہیں یہ لوگ موجودہ حالت کا لحاظ کرتے ہیں اور خدا کی تقدیر کے مواقع پر راضی ہیں وہ پہلے سارے لوگوں سے افضل ہیں۔ بعض حال وہ ماضی و استقبال سب سے کنارہ کش ہیں ان کا دل حکم میں مستغرق اور شہود میں مصروف ہے۔ یہ درجہ سب سے بالاتر ہے۔

(۲۰) الْعَدْلُ

(منصف یعنی فیصلہ میں ظلم نہ کرنے والا)

عدل کے معنی عادل۔ اور یہ وہ ذات ہے جس سے عدل کا فعل صادر ہو جو ظلم و ستم کے خلاف ہے۔ وہ شخص عادل کو نہیں پہچان سکتا، اس کے عدل کو نہیں پہچانتا۔ لہذا جو شخص اس وصف کو معلوم کرنا چاہے اسکو چاہیے کہ حق المقدور اللہ تعالیٰ کے تمام افعال کا (جو بالائے آسمان سے لے کر زمین تک تعلق رکھتے ہیں) علم حاصل کرے۔ جسے کہ جب وہ خدا کی

آفرینش میں باوجود اپنے مکرر اور سہ کر غور و فکر کے کسی قسم کی کجی اور قصور نہ پائیگا۔ تو بارگاہ رب العزت کی شان و عظمت اسکو دم بخود بنادینگے اور اس کے کاموں کا اعتدال و انتظام اس کو حیران کر دے گا۔ اس وقت عدل خداوندی کے معنی کا کوئی حصہ اس کے ذہن میں آسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی جسمانی و روحانی اور کامل و ناقص موجودات بنائی ہیں۔ اور ہر شے کو اسکی آفرینش عطا کی ہے اس لحاظ سے وہ جواد (عالی حوصلہ) ہے اور اس نے ہر چیز کو مناسب ترتیب میں رکھا ہے۔ اس لحاظ سے وہ عدل ہے۔

چنانچہ عالم کے بڑے بڑے اجسام زمین، پانی، ہوا، آسمان اور ستارے ہیں۔ خدا نے ان کو پیدا کر کے ایک مناسب ترتیب دی ہے۔

زمین کو سب سے نیچے رکھا ہے اس پر پانی کو جگہ دی ہے پھر پانی پر ہوا کا مقام بنایا ہے اور ہوا پر آسمان قائم کیے ہیں۔ اگر اس ترتیب کو الٹ دیا جائے تو سارا نظام باطل ہو جائے شاید یہ عدل و نظام کے لئے اس ترتیب کے مناسب ہونے کی شرح اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے لہذا ہم عام لوگوں کی کے فہم و ادراک کا لحاظ رکھتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے بدن کے متعلق غور کرے۔ جو مختلف اعضاء سے مرکب ہے جیسے کہ عالم کا بدن مختلف اجسام سے مرکب ہے انسانی بدن کو پہلے تو خدا نے ہڈی گوشت اور چمڑے سے مرکب کیا ہے ہڈیوں کو کھوکھلے ستون بنایا ہے اور گوشت کو ان کا غلاف بنایا ہے اور چمڑے کو گوشت کا غلاف قرار دیا ہے۔ اگر یہ ترتیب بالعکس ہو جائے اور اندر کی چیز باہر رکھی جائے تو سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔

اگر یہ بات بھی تمہارے نزدیک باریک ہے تو ایک اور مثل سنو اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، ناک، اور کان، پیدا کیے ہیں تو وہ ان اعضاء کے پیدا کرنے میں تو وہ جواد ہے۔ اور ان کو خاص مقامات پر رکھنے میں عادل ہے مثلاً آنکھ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے لئے بدن میں تمام مقامات کی بنسبت زیادہ مناسب ہے کیونکہ اگر اس کو گدی پر یا پاؤں پر، یا ہاتھ پر، کھوپڑی پر بنایا ہوتا تو جس قدر اس کے نقصانات کا اندیشہ تھا وہ مخفی نہیں اور اسی طرح اس نے ہاتھوں کو کندھوں سے متعلق کیا ہے۔ اگر ان کو سر کے بہا تھ یا کوکھوں میں یا گھٹنوں پر لگا دیتا تو اس سے جو خلل آتا وہ محتاج دلیل نہیں۔ اسی طرح اس نے تمام حواس سر میں جمع کیے ہیں کیونکہ وہ جاسوس ہیں۔ ان کو تمام بدن سے بلند مقام پر ہونا ضروری تھا۔ اگر ان کو پاؤں پر رکھا ہوتا تو قطعاً ان کا نظام خلل پذیر ہو جاتا۔ اس امر کی تفصیل ہر عضو کے متعلق کی جائے تو یہ بیان بہت لمبا ہو جائے گا۔ بالا جمال اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے

جو چیز جس مقام پر پیدا کی ہے وہ اسی جگہ کے لئے مناسب ہے۔ اگر اس جگہ سے دائیں طرف یا بائیں طرف یا اوپر یا نیچے بنائی جاتی تو ناقص یا باطل یا خراب یا بد نما اور غیر متناسب ہوتی ناک کو چہرہ کے وسط نے پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو ماتھے میں یا ایک رخسار میں بنایا ہوتا تو اس کے موجودہ فوائد میں ضرور کمی آ جاتی اور تجھے اس کی حکمت کا بخوبی پتہ لگ جاتا۔

واضح ہو کہ سورج کو جو خدا نے چوتھے آسمان پر بنایا ہے تو یہ کوئی لغوبات نہیں ہے بلکہ اس نے بجا کیا ہے۔ اور اس کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے مقاصد حاصل ہونے کے لئے مناسب ہے۔

مگر تم اس کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہو کیونکہ تم کو عالم بالا اور عالم سفلی میں غور فکر کرنے کی کم استعداد ہے اگر تم ان میں نظر کرو تو ایسے عجائبات ملاحظہ کرو جن کے آگے تمہارے بدن کے عجائبات ہیچ ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں جب کہ آسمان وزمین کی آفرینش لوگوں کی آفرینش سے بڑی ہے۔ کاش کہ تم کو اتنی توفیق ہوتی کہ اپنے نفس کی عجائبات کو سمجھتے اور اس میں اور اس کے ارد گرد کے اجسام میں غور کرنے سے فراغت پاتے۔ تاکہ اس زمرہ میں شریک ہو جاتے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”سنریہم ایتنا فی الافاق و فی انفسہم“ یعنی عنقریب ہم ان کو اپنے نشان زمانے میں اور خود ان کے نفسوں میں دکھائیں گے۔

یہ مرتبہ تو تم کو کہاں نصیب ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں شامل ہو جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے کہ ”و کذلک نری ابراہیم ملکوت السموت والارض ولیکون من المؤمنین“ یعنی اس طرح ہم ابراہیم کو آسمان اور زمین کے عجائبات دکھاتے ہیں تاکہ وہ ارباب یقین میں شامل ہو جائیں۔ اور اس شخص کے لئے آسمانوں کے دروازے کیونکر کھولے جائیں گے جس کو دنیا کے فکر و تردد نے اپنے دھندوں میں غرق کر رکھا ہو اور جس وہوانے اپنا غلام بنا لیا ہو۔

الغرض یہ بیان اس اکیلے اسم کی راہ معرفت کی پہلی منزل دکھانے کے لئے ایک اشارہ تھا اس کی پوری پوری شرح کے لئے کئی بڑے دفتر درکار ہونگے اور اسی طرح ہر اسم کے معنی کی شرح کیونکہ تمام اسماء افعال سے مشتق ہیں جن کا سمجھنا افعال اور ان اشیاء کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے افعال سے موجود ہے۔ اور جو شخص ان کا مجمل مفصل علم نہیں رکھتا۔ پس اس کے پاس ان کے متعلق محض تفسیر و لغت کے سوا اور کچھ نہیں۔ ان کا مفصل علم تو حاصل

ہو نہیں سکتا، کیونکہ اس کی کوئی انتہاء نہیں رہا بالا جمال علم سو وہ مقدور بھر حاصل ہو سکتا ہے اور اسی پیمانہ پر بندہ کوئی اسماء کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اتنی معرفت بھی تمام علوم کو حاوی ہے۔ اس قسم کی کتاب سے مدعا یہ ہے کہ اس کی ابتدائی موٹی موٹی باتوں کی طرف اشارہ کیا جائے بس۔

تنبیہ: عدل سے بندہ کا جو حصہ ہے وہ مخفی نہیں اپنی صفات کو اعتدال پر لانے کا پہلا حق یہ ہے کہ شہوت اور غضب کو عقل و دین کے ارشاد کا پابند بنانے اور اگر اس نے عقل کو شہوت اور غضب کا خادم بنا دیا تو وہ ظلم کا مرتکب ہو گا یہ تو اپنے نفس کے متعلق عدل کا خلاصہ تھا اور اس کی تفصیل تمام حدود شرع کی رعایت ہے اور ہر عضو کے متعلق عدل یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں میں استعمال کرے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے اور اپنے عیال و اولاد کے متعلق اور اگر رئیس ہے تو اپنی رعیت کے متعلق جو عدل چاہیے وہ ظاہر ہے۔

لوگ خیال کرتے ہیں کہ ظلم ایذا ہے اور عدل لوگوں کے حق میں نفع رسانی ہے لیکن حقیقت میں یہ درست نہیں بلکہ اگر کوئی بادشاہ ہتھیاروں کتابوں اور اموال سے بھرا ہوا خزانہ کھولے اور اموال تو غنی لوگوں کو دے ڈالے اسلحہ اہل علم کے حوالہ کرے اور ان کو قلعوں کی کنجیاں دیدے کتابیں فوجی لوگوں کو بخش دے اور ساتھ ہی مسجدیں ان کے حوالے کر دے تو اس نے نفع تو پہنچایا لیکن اس نے ظلم بھی کیا اور عدل سے کنارہ کشی کی کیونکہ ہر ایک چیز کو اس کے غیر مناسب مقام میں استعمال کیا اور اگر مریض کو دوائیں پلانے پچھنے لگانے فیض کھولنے میں ایذا دی اور جبر کیا اور مجرموں کو مارنے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنے اور قتل کر ڈالنے کی سزا دی تو وہ عادل سمجھا جائے گا کیونکہ ہر امر کو اس کے مناسب مقام میں رکھا ہے۔

دین کی جہت سے اس وصف کے مشابہ میں بندہ کا حصہ اس بات کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اس کی تدبیر اور حکم اور تمام افعال کے متعلق اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا خواہ وہ بندہ کی مراد کے موافق ہوں یا نہ ہوں کیونکہ یہ ساری باتیں انصاف ہیں اور ویسی ہی ہیں جیسی چاہئیں اگر وہ اس کام نہ کرتا جو اس نے کیا ہے تو اس سے کوئی اور خرابی پیدا ہو جاتی جو اس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوتی جیسے کہ اگر مریض کو پچھنے نہ لگوائے جائیں تو ایسا نقصان پہنچے جو پچھنوں کی رو سے زیادہ تکلیف دہ ہو اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ عادل ہے اور اس بات پر ایمان لانا تمام ظاہری و باطنی انکار و اعتراض کی جڑ کاٹ ڈالتا ہے۔

زمانہ کو برا بھلا نہ کہنا چاہیے اور نہ اشیاء کو فلک سے منسوب کرنا چاہیے اور نہ اس پر

اعتراض کرنا چاہیے جیسے عام لوگوں کی عادت ہے بلکہ یہ سمجھے کہ یہ تمام اسباب خدا کے حکم کے تابع ہیں اور سب کے سب ایک مناسب ترتیب سے اپنے مسببات کے ساتھ مرتب ہیں اور ان کی ترتیب اعلیٰ درجہ کے عدل و لطف پر مبنی ہے۔

(۳۱) اللَّطِيفُ

(باریک بین)

اس اسم کی مستحق ذات وہ ہے جو مصلحتوں کی باریک باریک باتیں جانیں۔ اور ان کو ان کے مستحق کی طرف سختی سے نہیں بلکہ نرمی سے پہنچائے۔ جب فعل میں نرمی اور علم میں باریک بینی ہو جائے۔ تو لطف کے معنی پورے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا کمال علم و عمل میں خاص خدا کے لئے متصور ہے۔

خدا کا باریک اور دقیق باتوں پر جس قدر احاطہ ہے اس کی تفصیل ہو نہیں سکتی بلکہ ہر مخفی بات اس کے علم میں ویسی ہی ظاہر ہے۔ جیسے کھلی بات۔ کچھ بھی فرق نہیں افعال میں اس کی نرمی اور مہربانی بھی شمار میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ فعل کی مہربانی کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کے تمام افعال کی تفصیل بھی جانتا ہو۔ اور اس میں مہربانی کے نکتے سمجھتا ہو جس قدر وہ ان کو جانتا ہو گا۔ اسی قدر وہ اسم لطیف کے معنی سمجھتا ہوگا۔ اس بات کی شرح بڑا طول چاہتی ہے۔ اور نہیں کہ کئی دفتر اس کے دسویں حصے کو بھی کافی ہو سکیں۔ ہاں اس کی بعض باتوں کا اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ خدا کے بے انتہا لطفوں میں سے ایک لطف یہ ہے کہ وہ جنین کو ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے۔ اور اس کی حفاظت کرتا ہے اور ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے یہاں تک کہ وہ متولد ہوتا ہے۔ تو منہ سے کھانے لگتا ہے۔ تولد کے وقت خدا اس کو سکھا دیتا ہے۔ کہ پستان کو منہ میں پکڑے اور چوسے خواہ رات کا اندھیرا ہونہ اور کوئی اس کو سکھاتا ہے اور نہ وہ کسی کو اس طرح کرتے دیکھتا ہے بلکہ وہ انڈے کو توڑ کر چوزہ نکالتا ہے۔ اور اس کو دانے چگنے سکھاتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ اس کے پیدا ہونے کے دانت نہیں بناتا۔ کیونکہ ابھی دودھ پینے کی عمر دانتوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پھر جب اس کے بعد طعام چبانے کے لئے دانتوں کی ضرورت پڑتی ہے تو دانت اگاتا ہے وہ یہ کہ وہ کسی طرح کے دانت بناتا ہے۔ ایک ڈاڑھیں ہیں جو طعام کو پینے کے لئے ہیں۔ اور ایک کچلیاں ہیں جو توڑنے کی غرض سے ہیں۔ اور ایک سامنے کے دانت ہیں۔ جو کاٹنے کی خاطر ہیں۔ پھر یہ کہ وہ زبان کو جس سے ظاہری غرض کلام ہے طعام کو دانتوں کی چکی

میں ڈالنے کے کام پر مامور کرتا ہے۔

ایک لقمہ کے میسر ہونے کے متعلق خدا کی مہربانی کا مفصل ذکر کیا جائے۔ جو بندہ کو بلا مشقت ہاتھ آتا ہے۔ اور جس کی اصلاح اور تکمیل ہیں ایک مخلوق نے جس کا شمار نہیں ہو سکتا مدوی ہے۔ کسی نے زمین کو درست کیا کسی نے بیج بویا کسی نے سینچا کسی نے فصل کو کاٹا کسی نے کھلیان سے غلہ نکالا کسی نے اس کو پیسا کسی نے گوندھا کسی نے پکایا وغیرہ وغیرہ، تو اس کی تفصیل اختتام کو پہنچی۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اس حیثیت سے کہ اس نے امور کی تدبیر کی ہے حکم ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو وایجاد کیا جو ادا ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو ترتیب دی مصور ہے اور اس حیثیت سے کہ ہر چیز کو اس کے مقام مناسب میں رکھا عدل ہے اور اس حیثیت سے کہ اس میں نرمی کے وجوہ کی کوئی بار کی نہیں چھوڑی لطیف ہے اور جو شخص ان افعال کی حقیقت نہیں سمجھتا وہ ان اسماء کی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتا۔

بندوں کا اس پر ایک لطف یہ ہے کہ اس نے ان کو کفایت سے زیادہ توفیق دی ہے اور طاقت سے کم مجبور کیا ہے۔

ایک لطف یہ ہے کہ تھوڑی بہت یعنی دنیوی عمر میں خفیف کوشش کرنے پر ان کو ابدی سعادت حاصل کرنے کی توفیق دی ہے کیونکہ اس عمر کو اید کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں۔

ایک لطف یہ ہے کہ وہ لید اور خون میں صاف دودھ اور سخت پتھروں سے نفیس جواہر اور مکھی سے شہد اور کیڑے سے ریشم اور ”پسی“ سے موتی پیدا کرتا ہے ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ انسان کو گندے نطفے سے پیدا کر کے اس کو اپنی معرفت کا خزانہ اپنی امانت کا حامل اور آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ دیکھنے والا بناتا ہے اور یہ بھی وہ لطف ہے جو شمار میں نہیں آ سکتا۔

تنبیہ: اس وصف سے بندے کا خاص حصہ یہ کہ وہ اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے خدا کی طرف بلانے اور سعادت آخرت کی ہدایت کرنے میں ان کے ساتھ ملامت کرے بلا اس کے کہ تحقیر سختی لڑائی اور تعصب کرے۔

سب سے اچھا لطف جس میں قبول حق کی ایک کشش موجود ہوتی ہے وہ پاک عادات اچھے خصائل اور نیک اعمال ہیں۔ کیونکہ چکنی چڑی باتوں کی نسبت یہ امور زیادہ مؤثر اور پر لطف ہوتے ہیں۔

(۳۲) الْخَبِيرُ

(آگاہ، دانائے عالم، عارف)

خبیر وہ ہے جس سے کوئی باطنی خبر مخفی نہیں عالم سفلی اور عالم بالا میں کوئی بات ہو کوئی ذرہ حرکت کرے یا ساکن ہو کوئی جان بیقرار ہو یا مطمئن ہو اس کو ہر بات کی خبر ہوتی ہے اور معنی کے رو سے علیم ہے لیکن علم کو جب باطنی بھیدوں سے منسوب کیا جائے تو وہ خبرۃ کہلاتا ہے خبرۃ والے کو خبیر کہتے ہیں۔

تنبیہ: اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ ہر بات سے جو اس کے اپنے بدن اور قلب کے عالم میں جاری ہوتی ہو خبر رکھتا ہو قلب جن چھپی ڈھکی برائیوں سے متصف ہو جاتا ہے مثلاً بد باطنی خیانت دنیائے دون کے لئے ہر وقت مارے مارے پھرنا برائی کی نیت رکھنا اور بھلائی ظاہر کرنا اخلاص ظاہر کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دینا اور اندر کچھ بھی نہ ہونا ان کو پوری خبر والا آدمی ہی معلوم کرتا ہے جو اپنے نفس کا خوب امتحان لیتا رہا ہو اور اس کے مکرو تلبیس اور غریب کو اچھی طرح تاڑتا رہا ہو اور اس کے مقابلہ اور مخالفت کے لئے کمر بستہ ہو جائے اور اس کے بچنے لگے ایسا بندہ **خبیر** کہلانے کا پورا مستحق ہے۔

(۳۳) الْحَلِيمُ

(بردبار)

حلیم وہ ذات ہے جو نافرمان لوگوں کی نافرمانی اور اپنے حکم کی مخالفت ہوتے دیکھے پھر بھی وہ غضب میں بیقرار نہ ہونہ اس کو غصہ عارض ہو اور باوجود پورے اقتدار کے وہ بے حوصلگی کے ساتھ انتقام لینے میں جلدی نہ کرے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَلَوْ يَأْخُذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرهَا مِنْ دَابَّةٍ“ یعنی اگر خدا لوگوں کی بد اعمالیوں پر گرفت کرنے لگے تو روئے زمین پر کسی جان دار کو زندہ نہ چھوڑے۔

تنبیہ: حلیم کے وصف سے بندہ کا حصہ ظاہری ہے اتنا سمجھ لو کہ بندوں کے اچھے فضائل میں سے ہے جو شرح و تفصیل کا محتاج نہیں۔

(۳۴) الْعَظِيمُ

(بزرگ، بڑا)

واضح ہو کہ عظیم کا اسم اپنی وضع اول میں اجسام پر بولا جاتا ہے چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ یہ جسم عظیم ہے اور جب ایک جسم دوسرے جسم سے طول عرض اور عمق میں زیادہ بڑا ہو تو کہتے ہیں یہ جسم اس جسم سے اعظم ہے۔

یہ اسم عظیم دو قسم کی اشیاء پر بولا جاتا ہے ایک تو وہ شے جو ساری کی ساری نظر آ جاتی ہے دوسری وہ جس پر پورے طور سے نگاہ کا محیط اور حاوی ہونا متصور نہ ہو سکے جیسے زمین آسمان وغیرہ دیکھو ہاتھی ایک عظیم مخلوق ہے پہاڑ بھی ایک عظیم شے ہے لیکن یہ چیز نگاہ میں پوری کی پوری سما سکتی ہے لہذا وہ اپنے نیچے کی اشیاء کے مقابلہ میں عظیم ہیں اور زمین کی نسبت یہ امر متصور ہی نہیں ہو سکتا کہ نگاہ ہر سمت سے اس پر حاوی ہو سکے یہی حال آسمان کا ہے پس یہ چیزیں مدرکات بصر میں مطلقاً عظیم ہے۔

مدرکات بصیرت (جو باتیں عقل میں آ سکتی ہیں بڑا التفاوت ہے) بعض کی کنہ و حقیقت پر عقل محیط ہو سکتی ہے اور بعض پر محیط ہونے سے قاصر ہے جن اشیاء کی کنہ و حقیقت پر محیط ہونے سے عقل قاصر ہے ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن پر بعض عقول کا حاوی ہونا متصور ہو سکے اگرچہ اکثر عقول ان سے قاصر ہوں۔

دوم وہ جن کا عقل کے احاطہ میں آنا حقیقتاً کسی طرح متصور ہی نہ ہو سکے اور یہ وہ عظیم مطلق ہے جو تمام عقل کی حدود سے بڑھا ہوا ہے یہاں تک کہ اس کی حقیقت اور بھید کو پانا تصور میں آ ہی نہیں سکتا اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اس کا بیان فن اول میں گزر چکا ہے۔

تنبیہ: بندوں میں سے عظیم انبیاء علماء ہیں جن کی تھوڑی سی صفات کا بھی اگر کوئی عقل مند تصور کرتا ہے تو ہیبت و رعب سے اس کا سینہ بھر جاتا ہے اور دل میں ان کی عظمت کے خیال کے سوا اور کسی بات کی گنجائش نہیں رہتی اس لحاظ سے ہر نبی اپنی امت کے حق میں اور شیخ اپنے مرید کے حق میں اور استاد اپنے شاگرد کے حق میں عظیم ہے کیونکہ عقل اس کی صفات کے احاطہ سے قاصر ہے تو اگر وہ اس کے برابر ہو جائے یا اس سے بڑھ جائے تو بھی اس کی طرف اضافت کرنے سے عظیم نہیں کہلایگا۔

جو عظیم خدا کے سوا کسی اور چیز کے لئے فرض کیا جائے وہ ناقص ہے ایسا عظیم، عظیم مطلق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی عظمت ایک شے چھوڑ کر دوسری شے کی طرف اضافت کرنے سے ظاہر ہوتی ہے بخلاف خدا کی عظمت کے کیونکہ عظیم مطلق ہے بطریق اضافت عظیم نہیں۔

(۳۵) الْغَفُورُ

(بہت بخشنے والا)

یہ اسم غفار کا ہم معنی ہے لیکن اس میں ایک قسم کا مبالغہ پایا جاتا ہے جو غفار میں نہیں کیونکہ غفار کا مبالغہ منکر مغفرت کے لحاظ سے ہے چنانچہ فعال کا صیغہ کثرت فعل پر دال ہے اور فاعل کا صیغہ فعل کی عمدگی اور کمال اور وسعت پر دلالت کرتا ہے پس وہ غفور ہے بایں معنی کہ وہ پوری اور مکمل غفران والا ہے حتیٰ کہ وہ مغفرت کے انتہائی درجوں کو پہنچا ہوا ہے اس کے متعلق بھی پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔

(۳۶) الشَّكُورُ

شکور وہ ہے جو تھوڑی سے طاعات کے عوض میں بہت سے درجے عطا فرماتا ہے اور چند روزہ عملوں کے بدلے آخرت میں غیر محدود نعمتیں دیتا ہے اور جو کوئی نیکی کا کئی گنا عوض دے اس کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس نیکی کا شکر کیا اور جو کوئی محسن کی تعریف کرے اس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے محسن کا شکر یہ ادا کیا۔

اگر عوض و جزا کی زیادتی کے معنی کا لحاظ کرو تو اللہ تعالیٰ کے سوا شکور مطلق کوئی نہیں کیونکہ وہ عوض میں جس قدر زیادہ دیتا ہے اس کا شمار و حصر نہیں ہے دیکھو بہشت کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”کلوا و شربوا ہنیئاً بما اسفلتم فی الايام الخالیة“ یعنی خوب مزے کے ساتھ کھاؤ پیو بعض ان عملوں کے جو تم نے گزشتہ دنوں میں کیے اور اگر تم تعریف کے معنی کا لحاظ کرو تو خدا کے سوا کسی چیز کی تعریف کرنے والے کی تعریف خدا ہی کی تعریف بن جاتی ہے اور پروردگار جب اپنے بندوں کے عملوں کی تعریف کرتا ہے تو اپنی ہی فصل کی تعریف کرتا ہے کیونکہ ان کے اعمال اسی کے پیدا کردہ ہیں اگر وہ شخص شکور کہلا سکتا ہے جس کو کچھ ملے اور شکر کرے تو وہ ذات جو بندہ کو عطا بھی کرے اور بندہ ہی کا شکر زیادہ عطا کرے تو وہ شکور کہلانے کا نہایت ہی حقدار ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جو تعریف کرتا ہے وہ اس قسم کی ہے جیسے ”والذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات“ (اور یاد کرنے والے اللہ کو بہت اور یاد کرنے والیاں) اور جیسے ”نعم العبد انہ او اب“ کیا اچھے بندے تھے (کہ بات بات میں خدا کی طرف رجوع کرتے تھے) وغیرہ اور یہ تمام خدا کا عطیہ ہے۔ ا

تنبیہ: بندہ دوسرے بندے کے حق میں شاکریوں ہو سکتا ہے کہ کبھی اس کے احسان پر اس کی تعریف کرے اور کبھی اس کی نیکی کا کئی گنا عوض دے اور یہ بات اچھی خصلتوں میں سے ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ”من لم يشكر الناس لم يشكر الله“ (جو بندوں کا شکر یہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر کب ادا کرے گا)

خدا کے حق میں اس کا شکر بہر صورت مجاز اور توسع کی قسم سے ہو گا کیونکہ اگر وہ تعریف کرے گا تو اس کی پوری تعریف نہ ہو سکے گی اگر اس کی اطاعت کرے گا تو اس کی اطاعت خود اللہ کی ایک دوسری نعمت ہے بلکہ قابل شکر نعمت کے علاوہ عین اس کا شکر بھی ایک دوسری نعمت ہے۔

اللہ کی نعمتوں کے شکر کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ان کو اس کی نافرمانیوں میں استعمال نہ کرے بلکہ اس کی اطاعت کے کام میں لائے اور یہ بھی خدا کی توفیق اور رہنمائی کے ساتھ ہے۔

بندہ کے شاکر ہونے میں اور اس بات کے تصور میں ایک باریک نقطہ ہے جس کو ہم نے کتاب ”احیاء العلوم الدین“ کی ”کتاب الشکر“ میں بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ کرو یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں۔

(۳۷) الْعَلِيُّ

(بہت اونچا)

علی وہ ہے جس کے رتبہ سے بڑا کوئی رتبہ نہیں اور اس کے مرتبہ سے تمام مراتب نیچے ہوں اور یہ اس لیے ہے کہ علی، عاؤ سے مشتق ہے۔ اور یہ اس علو (بلندی) سے ماخوذ ہے جو سفل (پستی) قابل ہے اور وہ یا تو محسوس درجوں میں ہوتا ہے سیڑیوں اور زینوں میں اور ان تمام اجسام میں جو ایک دوسرے سے نیچے اوپر ہوں اور یا موجودات کے عقلی مراتب میں ہوں جو ایک قسم کی عقلی ترتیب سے مرتب ہوں پس جس چیز کو مکان کی فوقیت ہو اس کو علو مکانی ہے اور جس کو رتبہ فوقیت ہے اس کو رتبہ کا علو ہے۔ اور عقلی درجات، حسی درجات، درجات عقلیہ، کی مثال وہ تفاوت ہے جو سبب و مسبب اور علت و معلول اور فاعل و مفعول اور قابل و مقبول اور کامل و ناقص، کے مابین ہوتا ہے۔

چنانچہ تم ایک سبب فرض کرو تو وہ دوسری شے کا سبب ہو اور دوسری شے تیسری کی

سبب ہو۔ اور تیسری چوتھی کی۔ اور مثلاً یہ سلسلہ دس درجوں تک چلا جائے۔ تو دسویں شے آخری رتبہ میں واقع ہوگی۔ لہذا وہ سب سے اسفل ہے اور پہلا سبب پہلے درجہ میں واقع ہے لہذا وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اور پہلا جو دوسرے سے اوپر ہوگا تو یہ فوقیت معنوی ہے مکانی نہیں۔ اور علو سے مراد فوقیت ہے۔

عقلی کی تقسیم کی مثال یہ ہے کہ موجودات سبب اور مسبب پر منقسم ہیں سبب مسبب

سے ایک درجہ اوپر ہے۔

پس مطلق فوقیت صرف مسبب الاسباب کا حصہ ہے اسی طرح موجودات مردہ اور زندہ میں منقسم ہے اور زندہ مخلوقات کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن کو صرف حسی ادراک حاصل ہے اور وہ حیوان ہیں۔ دوسرے وہ جن کو حسی ادراک کے ساتھ عقلی ادراک بھی حاصل ہے اور ادراک عقلی والی موجودات کی پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے معلومات میں شہوت اور غضب رکاوٹ ڈالیں اور وہ انسان ہے دوسرے وہ جن کا ادراک مقدر اک کے معارضہ سے پاک ہے اس آخری قسم کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا ان مکدرات میں بتلاء ہونا ممکن ہے لیکن ہمیشہ سلامتی ہی حاصل رہی ہو جیسے کہ ملائکہ دوسری قسم میں وہ ذات ہے جس کے حق میں ایسی باتیں محال ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اس تقسیم میں تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ فرشتہ انسان سے اوپر ہے۔ اور انسان حیوان سے اوپر۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے اوپر۔ پس وہ علی مطلق ہے کیونکہ وہ خود زندہ اور جہان کو زندہ کرنے والا ہے اور علماء کے علوم کو پیدا کرنے والا، اور پاک اور ہر قسم کے عیوب سے منزہ ہے ادھر بے جان چیز درجات کمال میں سب سے نیچے کے درجہ میں واقع ہوئی ہے انتہائی رتبہ میں خدا کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے غرض اس طرح اس کی فوقیت اور علو کو سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ نام پہلے ادراک بصر کے لحاظ سے مقرر کیے گئے ہیں۔ اور عوام کا درجہ ہے پھر جب خواص لوگ عقلی ادراکات سے بہرہ ور ہوئے۔ اور انکو آنکھ کے ادراک اور عقل کے ادراک میں موازنہ محسوس ہوا تو اس سے مطلق الفاظ بطور استعارہ اخذ کر لیے جن کو خواص نے سمجھ لیا۔ اور عوام نے نہیں سمجھا جن کا ادراک حواس ظاہری سے آگے ترقی نہیں کر سکتا جو جانوروں کا درجہ ہے چنانچہ وہ کسی عظمت کا تصور محض طول و عرض کی رو سے اور علو کا تصور ظرف مکانی کی رو سے اسی طرح فوقیت کا تصور بھی ظرف مکانی کی رو سے سمجھتے ہیں۔

اس بیان سے تم خدا کے عرش کے اوپر ہونے کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے کیونکہ وہ

تمام اجسام سے بڑا ہے گویا وہ تمام اجسام کے اوپر ہے اور وہ ذات موجود جو اجسام کی حدود سے محدود ہونے اور مقادیر کے ساتھ متقدر ہونے سے منزہ ہے وہ رتبہ میں مسبب کے سبب اجسام کے اوپر ہے لیکن اس فوقیت کو عرش کے ساتھ جو ذکر کیا ہے تو اس کی وجہ یہ کہ عرش تمام اجسام سے بالا ہے۔ پس جو عرش سے بھی بالا ہوگا۔ وہ سب سے بالا ہوگا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ خلیفہ سلطان کے اوپر ہے جس سے بتانا مقصود ہو کہ جب وہ سلطان سے بالا ہے تو ان تمام لوگوں سے بھی بالا ہوگا جو سلطان سے نیچے میں یا وہ گواہی آدمی جو فوق کے معنی صرف ظرف مکان سمجھتا ہے واقعہ ہنسی کے لائق ہے اور با اینہم اگر اس سے پوچھا جائے کہ فلاں دو معزز شخص مجلس میں کس کس درجہ پر بیٹھتے ہیں تو اس کو کہنا پڑے گا کہ یہ شخص اس شخص کے اوپر بیٹھتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اس کے دائیں جانب بیٹھتا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس شخص کا اس شخص کے اوپر بیٹھنا یوں ہو سکتا تھا کہ اس کے سر پر بیٹھتا یا اس جگہ پر بیٹھتا جو اس کے سر پر بنی ہوئی ہوتی پھر اگر اس کو کہا جائے کہ تم جھوٹ بولتے ہو وہ نہ اس کے اوپر بیٹھتا ہے نہ اس کے نیچے بلکہ اس کے پہلو پر بیٹھتا ہوگا تو وہ اس اعتراض سے آگ بگولہ ہو کر کہے گا کہ تم بھی کیا آدمی ہو کہ کچھ کا کچھ سمجھ جاتے ہو جی اس فوقیت سے مراد رتبہ کی فوقیت اور صدر کا قرب تھا نہ کہ سر پر یا سر سے اونچے بیٹھنا دیکھو صدر مدارج مجلس کا منتہی ہوتا ہے جو شخص صدر سے قریب ہے وہ اس شخص کے اوپر ہے جو اس صدر سے دور ہے۔

اس بیان سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ جس ترتیب کی طرفیں ہوں اس میں بلا تعین ایک طرف کو فوق اور علو سے اور دوسری کو اس کے مقابل کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔

تنبیہ: بندہ کا علی ہونا ممکن نہیں کیونکہ وہ جو درجہ حاصل ہو سکتا ہے اس سے اوپر کوئی نہ کوئی درجہ ضرور ہوتا ہے اور یہ انبیاء ملائکہ کے درجے ہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بندہ کوئی ایسا درجہ حاصل کرے جو انسان کی جنس سے سب سے اونچا ہو اس کے اوپر کوئی درجہ نہ ہو یہ درجہ ہمارے نبی ﷺ کا ہے لیکن علو مطلق کے مقابلہ میں قاصر ہے کیونکہ ایک تو وہ صرف بعض موجودات کے لحاظ سے علو ہے نہ کہ کل کے لحاظ سے دوسرے وہ وجود اور واقعہ کے لحاظ سے علو ہے نہ کہ بطریق وجوب بلکہ یہ امکان اس کے مکارن ہے کہ کوئی ایسا انسان پایا جاسکے جو اس سے بھی بالا ہو۔ پس علی مطلق وہ ہے جس کو بحسب وجوب فوقیت حاصل ہونا کہ بالا ضافت اور نہ کہ بحسب وجود جس کے ساتھ نقیض کا امکان مکارن ہو۔

(۳۸) الْكَبِيرُ

کبیر سے مراد صاحب کبریا اور کبریا سے مراد ذات کمال ہے اور کمال ذات کے معنی کمال وجود اور کمال وجود میں دو باتیں شامل ہیں۔

پہلی بات اس کا ازلی وابدی دام ہے پس جس وجود کے شروع میں عدم ہو یا آخر میں وہ ناقص ہے اور اسی لئے جب کسی انسان کی عمر دراز ہو جاتی ہے تو اس کو کبیر کہتے ہیں جس سے مراد کبیر السن یا لمبی عمر والا ہوتا ہے بخلاف اس کے اس کو عظیم السن نہیں کہتے کبیر اس مقام میں استعمال ہوتا ہے جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا پس جب وہ شخص کبیر کہلاتا ہے جس کے وجود کی مدت ایک محدود درجہ تک لمبی ہوتی ہے تو وہ ذات جوازل سے ابد تک قائم و دائم ہے اور جس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے وہ تو بطریق والا کبیر ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس کا وجود وہ ہے جس سے ہر موجود کا وجود ہے پس جس شے کا وجود فی نفسہ مکمل ہو جب وہ کامل اور کبیر ہو تو وہ ذات جس سے تمام موجودات کا وجود ہو سب سے پہلے کامل اور کبیر ہے۔

تنبیہ: بندوں میں کبیرہ کامل شخص وہ ہے جس کی صفات کمال صرف اس میں بند نہ ہوں بلکہ دوسروں پر بھی اثر کریں پس جس شخص کو اس کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے اس کو کچھ نہ کچھ اس کے کمال کا فیض پہنچے۔

بندہ کا کمال اس کی عقل پر ہیز گاری اور علم میں ہوتا ہے پس کبیر وہ عالم اور پرہیز گار شخص ہے جو لوگوں کو ہدایت کرے اور اس قابل ہو کہ لوگوں کو پیشوا ہے جس کے نور اور علم سے لوگ روشنی حاصل کریں اسی لئے حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صاحب علم ہو کر عمل بھی کرے تو عالم بالا میں عظیم کہلاتا ہے۔

(۳۹) الْحَفِيظُ

(نگہبان)

حفیظ بہت بڑی نگہبانی کرنے والے کو کہتے ہیں یہ معنی حفظ کے معنی کو سمجھنے ہی سے سمجھ میں آسکتے ہیں اور حفظ دو طرح پر ہے۔

ایک تو موجودات کے وجود کو ہمیشہ قائم رکھنا اس کے مقابلہ میں اعدام ہے اور اللہ

تعالیٰ آسمان زمین ملائکہ وغیرہ لمبی زندگی والی موجودات اور حیوانات و نباتات وغیرہ چھوٹی عمر والی موجودات کا حافظ ہے۔

دوم جو حفظ کے زیادہ ظاہر معنی ہے وہ متعدی اور متضاد چیزوں کو ایک دوسری سے پہچانا ہے اور اس متعدی سے وہ متعدی مراد ہے جو پانی اور آگ کے درمیان ہے کیونکہ وہ دونوں طبعاً ایک دوسرے کے مخالف اور ایک دوسرے پر تعدی کرنے والے ہیں یا تو پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور یا آگ پانی کو بخار کی صورت میں بدل کر ہوا بنا دیتی ہے۔

اور حرارت و برودت کا باہمی تضاد اور معاندت ظاہر ہے جو ایک دوسرے کو دباتی رہتی ہے اس طرح رطوبت اور پیوست میں جو مخالفت ہے ظاہر ہے اور تمام اجسام ارضی انہیں مخالف ارکان سے مرکب ہیں کیونکہ جاندار کے لئے حرارت غریزی کا ہونا ضروری ہے اگر وہ نہ رہے تو زندگی نہ رہے اور رطوبت بھی ضروری ہے جو اس کے بدن کی غذا ہوتی ہے جیسے خون وغیرہ اور پیوست لازم ہے جس کے ساتھ اس کے اعضاء منضبط اور باہم پیوستہ و چسپاں رہتے ہیں خصوصاً وہ اجزاء جو سخت ہیں جیسے ہڈی اور برودت بھی ضروری ہے جو حرارت کی تیزی کو کم کرے تاکہ وہ معتدل رہے اور باطنی رطوبتوں کو فوراً جلانے اور تحلیل کرنے نہ پائے۔

یہ چاروں ارکان باہم متعدی اور متنازع ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان کے چمڑے اور جاندار کے بدن اور نباتات کے جسم میں اور تمام مرقات میں جمع کر دیا ہے اگر وہ ان کی حفاظت نہ کرتا تو وہ باہم بگاڑ پیدا کر کے ایک دوسرے سے پھٹ جاتے اور ان کی باہمی ترتیب امتزاج باطل ہو جاتا اور وہ معنی باطل ہو جاتا جس کو ترکیب و مزاج کے ساتھ قبول کرنے کے لئے وہ مستعد ہوا تھا اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت پہلے تو تعدیل قوی سے اور پھر امداد مغلوب سے کرتا ہے۔

تعدیل یہ ہے کہ مثلاً قوت بار کا درجہ قوت حار کے برابر ہوتا کہ جب وہ دونوں جمع ہوں تو ایک دوسری پر غالب نہ ہو سکیں بلکہ ایک دوسری کے مدافعت کریں کیونکہ جب ان میں سے کوئی غالب نہیں ہوتی مغلوب کون ہو پس وہ ایک دوسری کا مقابلہ کریں اور ان کے مقابلے اور برابری کے ساتھ ساتھ بدن کا قوام باقی رہے اسی سے مراد اعتدال مزاج ہے۔

دوم مغلوب کو اس چیز کے ساتھ امداد دینا جس سے وہ اپنی طاقت تازہ کر کے غالب کا مقابلہ کرے مثلاً حرارت برودت کو فنا کرتی اور سکھاتی ہے پس جب وہ غالب آتی ہے تو برودت اور رطوبت کمزور ہو جاتی ہے اور حرارت اور پیوست غالب آتی ہیں اور ضعیف کی امداد

سردتر جسم کے ساتھ ہو سکتی ہے اور وہ پانی ہے پیاس کا مطلب یہی ہے کہ سردتر چیز کی ضرورت پیش آتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے سردتر اشیاء برودت اور رطوبت کی مدد کے لئے بنائی ہیں کہ جب ایک ان میں سے غالب ہو تو اس کی مخالف چیز کو مقابلہ میں کھڑا کر دیا جائے جس سے وہ دب جائے اور یہ امداد ہے اور یہ غزا و دوا کے بنانے سے اور ایسے آلات و اوزار پیدا کرنے سے جو اس میں کام دیتے ہیں اور ان کو استعمال کی توفیق عطا فرمانے سے یہ امداد تکمیل کو پہنچی ہے اور یہ تمام امور حیوانات اور متضاد اجزاء کے مرکبات کے بدنوں کی حفاظت کے لئے ہیں اور یہی اسباب ہیں جن کی بدولت انسان اپنے جسم کی داخلی آفتوں سے محفوظ رہتا ہے اور وہ بعض خارجی اسباب سے بھی ہلاکت کا نشانہ بنا رہتا ہے جیسے خونخوار درندے اور جانی دشمن پس ان سے محفوظ رکھنے کے لئے چند ایسے جاسوس پیدا کیے ہیں جو دشمن کے قریب آنے کی اطلاع دیتے ہیں اور وہ اس کے مقدمہ تکمیل میں جیسے آنکھ کان وغیرہ پھر اس کے لیے طاقت ور ہاتھ اور اسلحہ عطا کیئے ہیں جن میں سے بعض مدافعانہ کام دیتے ہیں جیسے ذرہ اور ڈھال اور بعض خارجہ جیسی تلوار چھری بندوق وغیرہ پھر بسا اوقات انسان دفع آفت سے عاجز آجاتا ہے اس کو اعلیٰ گریز سے مدد دی ہے اور پاؤں سے چلنے والے جانداروں کے لئے پاؤں ہیں اور پرندے کے لئے بازو ہیں۔

اسی طرح خدا جلّت قدرۃ کی حفاظت عالم علوی و عالم سفلی کے ذرے ذرے اور پتے پتے پر حاوی ہے یہاں تک کہ میوے کے گودے کو سخت چھلکے اور پودے کی طراوت کو رطوبت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے اور جو میوہ صرف چھلکے سے محفوظ نہر ہے اس کی حفاظت کانٹوں کے ساتھ کرتا ہے جو اسی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں تاکہ ان سے بعض پلف کرنے والے جانداروں کا دفعیہ ہوتا رہے پس کانٹے نباتات کے ہتھیار ہیں جیسے حیوانات کے ہتھیار سینگ پنچے اور کچلیاں ہیں بلکہ پانی کے قطرہ قطرہ کے ساتھ حفاظت کے اسباب ہیں جو ان کو مخالف ہوا سے بچاتے ہیں۔

دیکھو اگر پانی کو کسی برتن میں مدت تک پڑا رہنے دیا جائے تو وہ بن جاتا ہے اور ہوا اس سے تری کی صفت دور کر دیتی ہے۔

اگر تم پانی کے کسی برتن میں انگلی ڈبو دو اور پھر اس کو نکال کر الٹی کرو تو اس سے ایک قطرہ نیچے کو ڈھلک آئے گا لیکن انگلی کے سرے پر آکر رہ جائے گا انگلی سے جدا نہ ہوگا حالانکہ پستی کی طرف بہنا اس کا طبیعی خاصہ ہے اگر وہ بہہ جائے تو چھوٹا ہونے کے باعث ہوا کے غلبہ

سے فنا ہو جائے گا اس لئے وہ برابر جھکا رہتا ہے حتیٰ کے اس کے ساتھ باقی تری بھی شامل ہو جاتی ہے جس سے وہ ایک بڑا قطرہ بن جاتا ہے اور فوراً ہوا کو چیرتا ہوا نیچے گر جاتا ہے ہوا اس کو اپنی جنس میں ملا لینے پر قادر نہیں ہو سکتی اور یہ اس کی حفاظت کی ایک صورت ہے جب کہ وہ کمزور اور اس کا مخالف (یعنی ہوا) طاقت ور ہوتا ہے اور اس کو باقی تری کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے یہ حفاظت ایک فرشتے کی طرف سے ہوتی ہے جو اس پر امور ہے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ مینہ کی ہر بوند کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بوند زمین میں اپنی قرار گاہ پر جا پہنچتی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ اباب بصائر کا باطنی مشاہدہ اس پر دلالت کرتا ہے غرض اس حدیث پر نہ صرف تقلید کی روح سے یقین کرنا چاہیے بلکہ از روئے عقل بھی اس کو درست ماننا چاہیے۔

خدا کا آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی اشیاء کو پیدا کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق بحث کا سلسلہ بڑا طویل ہے جیسے کہ باقی تمام افعال کے متعلق ہے اور اسی سے اس اسم کے معنی معلوم کیے جاسکتے ہیں نا صرف لغوی اشتقاق کے سمجھنے سے۔ اور مجمل طور پر حفظ کے معنی معلوم ہو چکے۔

تنبیہ: بندوں میں سے حفیظ وہ ہے جو اپنے اعضاء اور دل کی حفاظت کرتا ہے اور اپنے دین کو غضب کے حملے۔ شہوت کے فریب، نفس کے مکر اور شیطان کے دھوکے سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ وہ تباہی کے گڑھے کے قریب ہے اور ان بربادی بخش مہلکات نے اس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔

(۴۰) الْمُقِیْتُ

(مخلوق کو قوت یا روزی پہنچانے والا)

اسکے معنی ہیں غزاؤں کا پیدا کرنے والا، اور بدنوں کی غذا یعنی کھانے کی چیزیں بدنوں تک پہنچانے والا اور دلوں کی غذا یعنی معرفت دلوں تک پہنچانے والا۔ پس مقیط رازق کا ہم معنی ہے لیکن اس کی نسبت خاص ہے۔ کیونکہ رزق غذا اور غذا کے سوا دوسری چیزوں کو شامل ہے۔ اور غذا وہ چیز ہے جو صرف قوا میں بدن کو کافی ہو سکے۔

مقیط، مستولی (غالب) اور قادر کے معنوں میں بھی آتا ہے، استیلائے قدرت اور علم کے ساتھ پورا ہوتا ہے ان معنوں پر خداوند تعالیٰ کا یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ: "وکان اللہ

علیٰ کل شیءٍ مقیتاً“ یعنی اور اللہ ہر چیز پر مطلع اور قادر ہے۔
غرض اس لحاظ سے مقیت کے معنی میں قدرت اور علم کا مفہوم داخل ہے علم کا بیان تو
گزر چکا قدرت کا بیان آگے آئے گا۔

اس معنی کی روح سے خدا کی صفت مقیت صرف صفت قادر کی نسبت اور صرف
صفت عالم کی نسبت زیادہ مکمل ہے۔ کیونکہ وہ اکٹھے ان دونوں معنوں پر دال ہے اور اس جہت
سے یہ اسم تراویف سے نکل گیا۔

(۴۱) الْحَسِيبُ

(کافی)

حسب سے مراد ہے کافی۔ اور یہ وہ ہے کہ جو کوئی اس کا ہو جائے وہ اس کے لئے
کافی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کے لئے حسب اور کافی ہے اس وصف کی حقیقت خدا کے سوا اور کسی
کے لئے متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ کفایت کے محتاج کو جو اس کی حاجت ہوگی تو اپنے وجود اور دوام
وجود اور کمال وجود کے لئے ہوگی اور خدا کے سوا ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جو تنہا کسی چیز کے
لئے کافی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے لئے کافی ہے نہ کہ صرف اشیاء کے لئے یعنی وہ اکیلا ہی کافی
ہے کہ اس کے ساتھ اشیاء کا وجود متحصل ہو اور اس کے ساتھ ان کا وجود ہمیشہ رہے اور اس کے
ساتھ ان کا وجود مکمل ہو اور تم کو یہ ظن بھی نہیں کرنا چاہیے کہ جب تم کو کھانے، پینے کی، اور زمین،
اور آسمان اور سورج وغیرہ کی ضرورت ہوئی تو تم اس کے سوا کسی اور کے محتاج ہوئے اور وہ تمہارے
لئے کافی نہ تھا کیونکہ اسی نے کھانے پینے کی چیزیں اور زمینوں آسمان اور سورج وغیرہ
چیزیں بنائی ہیں وہی تمہارے لئے کافی ہے اور یہ بھی خیال تک نہ کرو کہ جو بچہ ماں تک کا محتاج
ہے جو اس کو دودھ پلاتی ہے۔ اور پرورش کرتی ہے۔ اللہ اس کا حسب اور کافی ہے بلکہ اللہ ہی
اس کے لئے کافی ہے جس نے اس کی ماں کو پیدا کیا اور اس کے پستانوں میں دودھ بنایا اور بچے
کو دودھ پینے کی ہدایت کی اور ماں کے دل میں شفقت اور محبت ڈال دی یہاں تک کہ اس نے
بچے کو دودھ پینے دیا۔ پس انھیں اسباب سے کفایت حاصل ہوئی ہے اور اللہ اکیلا بچے کے لئے
ماں کو پیدا کرنے والا ہے۔

اگر تم سے کہا جائے کہ اکیلی ماں بچے کے لئے کافی ہے تو تم فوراً ہاں میں ہاں ملا دو
گے اتنا کہنے کی توفیق نہ ہوگی کہ ماں اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دودھ کا محتاج ہے۔

اور جب دودھ نہ ہو تو ماں کہاں کافی ہوگی اگر یہ کہو گے کہ ہاں بچہ دودھ کا محتاج تو ہے مگر دودھ بھی تو ماں ہی سے پیدا ہوتا ہے پس وہ ماں کے سوا اور کسی کا محتاج نہ ہو مگر تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ دودھ ماں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ کیا ماں اور کیا دودھ دونوں خدا کی طرف سے ہیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے ہیں پس وہ اکیلا ہر شخص کے لئے کافی ہے اور اس کے سوا کوئی ایسی شے نہیں ہے جو تنہا کسی چیز کے لئے کافی ہو بلکہ اشیاء ایک دوسری سے متعلق ہوتی ہیں۔ اور سب کی سب خدا کی قدرت سے تعلق رکھتی ہیں۔

تنبیہ: بندہ کو اس وصف میں کوئی دخل نہیں ہے مگر بطریق مجاز بعید اور بلحاظ سرسری نظر اور ظن عام کے مجاز ہونا اس لحاظ سے ہے کہ گو وہ اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کے لئے ہے لیکن وہ فی الحقیقت کافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی فی الحقیقت کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بنفسہ تو خود اس کا اپنا وجود بھی قائم نہیں ہے اور نہ بنفسہ اپنے آپ کے لئے کافی ہے تو غیر کے لئے کب کافی ہو سکتا ہے۔

بندہ کا کافی ہونا خلق عام کا عام کے لحاظ سے اس لئے ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ مستقل بالکفایت ہے۔ تو بھی وہ اکیلا کافی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ایسے محل کا محتاج ہے جو اس کے فعل اور کفایت کو قبول کر سکتا ہو کم از کم ایک کا محتاج ہوگا جو محل علم ہے۔ تاکہ وہ تعلیم میں کافی بن سکے اور ایک معدہ چاہیے۔ جو کھانا پہنچنے کی جگہ ہوتا ہے تاکہ وہ بدن میں کھانا پہنچانے کے لئے کافی ہو سکے علاوہ ان کے وہ اور اور بہت سے اشیاء کا محتاج ہوگا۔ جس کا کوئی شمار نہیں ہے اور ان میں سے کوئی شے بھی اس کے اختیار نہیں میں نہیں ہے اور خدا کا کافی ہونا اس لئے صحیح ہے کہ وہ خالق فعل ہے اور خالق محل ہے، اور شرائط قبول کا خالق ہے۔

بندہ کا کافی کہلانا سرسری نظر سے اس لئے ہے کہ بسا اوقات ایک فاعل پر نظر پڑتی ہے اور اس کے سوا اور کسی کا خیال بھی دل میں نہیں گزرتا پس وہ دیکھتا ہے یہ فاعل ہی کافی ہے حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔

ہاں بندہ کا حصہ جو اس اسم سے ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی ہمت و ارادہ میں خاص اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کافی ہو، یعنی اللہ کے سوا کسی کا ارادہ نہ کرے نہ جنت کی خواہش رکھے نہ اس کا دل دوزخ سے بچنے کی تدبیر کرنے میں مصروف رہے بلکہ خاص خدا کے خیال میں ڈوبا رہے اور جب اس کے جلال کا پر تو اس پر پڑے تو کہے بس یہی مجھے کافی ہے اس کے سوا مجھے اور کچھ درکار نہیں باقی اشیاء خواہ ہاتھ سے جائیں یا رہیں۔

(۴۲) الْجَلِيلُ

(بزرگ قدر)

جلیل کے معنی جلال کی صفتوں سے موصوف اور جلال کی صفتیں ہیں غنی ملک تقدس علم، قدرت، وغیرہ جو پیچھے مذکور ہو چکیں۔

پس ان سب صفات کا جامع جلیل مطلق ہے اور جو ان میں سے بعض کے ساتھ موصوف ہو اس کی جلالت اسی قدر ہے جتنی صفتوں سے وہ موصوف ہو۔

جلیل مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے گویا کبیر کا مطلب کمال ذات ہے اور جلیل کا کمال صفات ہے اور صفات سب کی سب ادراک بصیرت کی طرف منسوب ہیں بائیں ہیئت کہ وہ بصیرت پر حاوی ہو جاتی ہیں اور بصیرت ان پر حاوی نہیں ہوتی صفات جلال جب اس بصیرت کی طرف منسوب کی جائیں جو اس کو ادراک کرتی ہے تو ان کو جمال کہتے ہیں اور ان سے متصف ہونے والا جمیل کہلاتا ہے۔

اسم جمیل اصل میں صورت ظاہری کے لئے موضوع ہے جو نظر سے محسوس ہوتی ہے جب کہ وہ اس طرز کی ہو کہ نگاہ پسند کرے پھر وہ صورت باطنی کے لئے منقول کیا گیا جو بصیرت (عقلی نگاہ) سے ادراک کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے فلاں شخص سیرت جمیلہ رکھتا ہے اس میں خلق جمیل ہے اور یہ صورت نظر عقلی سے ادراک کی جاتی ہے نہ کہ ظاہری نظر سے غرض کہ باطنی صورت جبکہ کامل متناسب اور ان تمام کمالات کی جامع ہو جو اس کے لائق ہوں اور جیسی چاہیں وہ صورت بصیرت باطنہ کے لئے جو ادراک کرتی ہیں پسندیدہ اور دلکش ہے جس کے نظارے سے ایک ایسی لذت لطف اور سرور حاصل ہوتا ہے جو بصارت ظاہری کے ذریعہ سے ظاہری صبح و صبح شگلوں کا نظارہ کرنے والے کو حاصل نہیں ہوتا۔

جمیل مطلق خاص اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ دنیا میں جو جمال و کمال اور حسن و دل ربانی ہے وہ اسی ذات کے انوار اور صفات کے آثار سے ہے اور ایسا موجود اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے جس کو کمال مطلق حاصل ہو اور اس کا کوئی ثانی وجود آیا امکاناً نہ ہو اس لئے اس کا عارف اور اس کے جمال کا مشاہدہ کرنے والا اس قسم کی لذت اور سرور محسوس کرتا ہے جس کے آگے جنت کی نعمتیں اور ظاہری صورتوں کی خوش نمایاں ہیچ ہیں بلکہ صورت ظاہری کے جمال کو معانی باطنہ کے جمال سے جو کہ بصیرت کے ذریعہ سے ادراک میں آسکتا ہے کوئی مناسبت نہیں ہے اس

امر کو احیاء العلوم الدین کی کتاب الحجہ میں بیان کیا گیا ہے۔
پس ثابت ہوا کہ وہ جلیل اور جمیل ہے۔ اور ہر جمیل دیدار کرنے والے کے لئے
محبوب و معشوق ہوتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ محبوب ہو مگر ان لوگوں کے نزدیک جو اس کی
معرفت سے بہرہ رکھتے ہیں جیسے ظاہری دل پسند صورتیں محبوب ہوتی ہیں مگر ان لوگوں کے
نزدیک جو آنکھیں رکھتے ہیں نہ کہ اندھوں کے نزدیک۔

تنبیہ: بندوں میں سے جلیل اور جمیل وہ ہے جس کی باطنی صفات اچھی ہوں جن
سے ارباب بصیرت کے دل لذت پائیں۔ رہا جمال ظاہری، سو وہ ایک کم قدر چیز ہے۔

(۴۳) الْكَرِيمُ

(بزرگ)

کریم، وہ ہے کہ جب قدرت پائے تو معاف کرے اور جب وعدہ کرے تو اس کو
پورا کر دکھائے اور جب دینے لگے تو توقع سے بڑھ کر دے یہ نہ دیکھے کہ کس کو دیتا ہے اور کتنا
دیتا ہے جب اس کو چھوڑ کر کسی اور کے سامنے حاجت پیش کی جائے تو اس کو منظور نہ کرے جو
شخص اس سے التجا کرے اس کو یوں ہی نہ ٹالے بلکہ اس کو وسیلوں اور سفارشوں کا بھی محتاج نہ
رکھے پس جس میں یہ تمام صفات سچ مچ جمع ہوں بناوٹی نہ ہوں، وہ کریم ہے اور وہ صرف اللہ
تعالیٰ ہے۔

تنبیہ: ان صفات سے مزین ہونے کا فخر کبھی کبھی بندہ بھی حاصل کر لیتا ہے لیکن
صرف بعض امور میں اور ایک قسم کی تکلیف سے حاصل کرتا ہے اسی لیے کبھی کبھی وہ کریم کی
صفت سے موصوف کیا جاتا ہے لیکن کریم مطلق کی نسبت سے وہ ناقص ہے اور بندہ اس صفت
سے کیوں نہ موصوف ہو۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”انگور کی بیل کو کرم نہ کہو کیونکہ
کرم مسلمان آدمی ہو سکتا ہے“

کہتے ہیں کہ انگور کی بیل کو کرم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک پاکیزہ اور اچھے پھل والا
درخت ہے جس کا پھل قریب ہی سے باسانی ہاتھ آ جاتا ہے، نہ کانٹے ہیں اور نہ کوئی اور آزار
ساں چیز ہے بخلاف کھجور کے۔

(۴۴) الرَّقِيبُ

(نگہبان)

رقیب کے معنی علیم و حفیظ یعنی ہر شے کی حالت سے بخوبی واقف اور اس کا نگہبان پس جو ذات کسی شے کی ایسی نگہبان ہو کہ اس سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو اور اس پر لازمی طور سے ہمیشہ نظر رکھے اس کو رقیب کہتے ہیں گویا اس صفت کے مفہوم میں علم اور حفظ داخل ہیں لیکن اس اعتبار سے کہ وہ لازم اور دائم ہیں اور اس شے سے نسبت رکھتے ہیں، جس سے خدا آفات کو دفع کرتا ہے۔

تنبیہ: بندہ کے لئے مراقبہ کا وصف اس وقت محمود ہے جبکہ وہ خدا کے لئے اور اپنے دل کے لئے ہو اور یہ اس طرح ہے کہ مراقبہ کرنے والا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہر امر میں اس کا رقیب اور شاہد ہے۔

اور یہ یقین رکھے کہ نفس بھی میرا دشمن ہے اور شیطان بھی۔ اور یہ دونوں موقع کے انتظار میں ہیں کہ اس کو غفلت اور دین کی مخالفت پر آمادہ کریں لہذا وہ ان سے بچنے کی تدبیر کرے کہ ان کی گھاتوں مکروں اور جست کرنے کے موقعوں کو تاڑتا رہے حتیٰ کے ان کے تمام راستے اور سوراخ بند کر دے یہ مراقبہ ہے۔

(۴۵) الْمُجِيبُ

(دعا قبول کرنے والا)

مجیب وہ ہے جو سائل کے سوال کو پورا کرے دعا کرنے والے کی دعا کو قبول فرمائے لاچار لوگوں کی ضرورت مہیا کرے۔ بلکہ التجا سے پہلے انعام دے اور دعا سے پیشتر بخشش کرے اور وہ صرف خداوند تعالیٰ ہے کیونکہ وہی حاجتمندوں کی حاجت کو ان کے سوال سے پہلے جانتا ہے بلکہ ازل ہی سے اس کو اس کا علم ہے مخلوق کی حاجت روائی کے لئے کھانے اور غزائیں بنائی ہیں اور تمام کے تہیا کے لئے اسباب و آلات میسر کر دیے ہیں۔

تنبیہ: بندہ کو چاہیے کہ سب سے پہلے خدا کے امر و نہی کے لئے مجیب بنے پھر بندوں کے لئے مجیب بنے یعنی خدا نے جو اس کو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سے سائل کا سوال پورا کرے اپنے مقدور بھر سائل کی مدد کرے۔ یا اگر کچھ بھی مقدور نہ ہو تو نرمی سے جواب دے **اللہ تعالیٰ** فرماتا ہے ”واما السائل فلا تنهر“ (اور سائل کو نہ جھڑکنا) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”لو دعیت الی کراع لاجبت ولو اهدی الی ذراع“

لقبالت، یعنی اگر بکری کے پائے پکا کر بھی مجھے دعوت دی جائے تو میں قبول کر لوں اور اگر ایک ذراع (جانور کی پنڈلی) بھی مجھے ہدیہ میں دی جائے تو میں بخوشی لے لوں۔

آنحضرت ﷺ کا دعوتوں میں تشریف لے جانا اور ہدیے قبول فرمانا محض دلداری کی غرض سے تھا بعض کمینے اور متکبر لوگ جو ہر قسم کے ہدیے کے قبول کرنے اور دعوت کے منظور کرنے سے اپنی شان کو برتر سمجھتے ہیں اور اپنی شان و عظمت کو اس سے بچانا چاہتے ہیں اور التجاء کرنے والے کے دل کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ خواہ اس کو سخت صدمہ پہنچے ایسے لوگوں کا اس اسم کے معنی میں کوئی حصہ نہیں ہے

دل بدست آور کے حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک ول بہتر است

(۴۶) الْوَاسِعُ

(وسیع المعلومات یا وسیع الغنا)

واسع، سعة (وسعت) سے مشتق ہے۔ اور وسعت کبھی علم میں ملحوظ ہوتی ہے۔ جب کہ علم وسیع ہو، اور صاحب علم معلومات کثیرہ پر حاوی ہو اور کبھی احسان اور عطاءے نعمت سے منسوب کی جاتی ہے۔ خواہ کوئی لحاظ کرو، اور کسی تقدیر کو لو، بہر حال واسع مطلق اللہ تعالیٰ ہے، کیونکہ اگر اس کے علم کو لو۔ تو اسکی معلومات کے سمندر کا کوئی کنارہ ہی نہیں بلکہ اس کے کلمات لکھنے کے لئے سمندروں کو سیاہی کی جگہ استعمال کیا جائے تو سمندر ختم ہو جائینگے۔ اگر اس کے احسان اور نعمت کو دیکھا جائے۔ تو اس کی مقدرات کی کوئی انتہا نہیں ہر وسعت گو کیسی ہی بڑی ہو وہ ایک نہ ایک طرف تک ضرور اختتام کو پہنچے گی۔ اور جو ذات کسی طرف بھی اختتام پذیر نہیں ہے۔ وہ وسعت کے اسم کی زیادہ حقدار ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ ہی واسع مطلق ہے، کیونکہ ہر واسع اپنے سے زیادہ وہ واسع کے مقابلے میں غیر واسع یعنی تنگ ہے۔ اور جو وسعت نہ کسی طرف پر مٹتی ہو جائے۔ ممکن ہے کوئی اور وسعت اس سے بھی زیادہ بڑی ہو۔ لیکن جس ذات کی نہ کوئی نہایت ہو۔ اور نہ کوئی طرف ہو،

اس سے زیادہ وسعت تصور ہی میں نہیں آسکتی۔

تنبیہ: بندہ کی وسعت علوم اور اخلاق میں ہوتی ہے پس اگر اس کے علوم بکثرت ہوئے تو اپنے وسعت علم کے موافق وہ واسع ہے اور اگر اس کے اخلاق وسیع ہو گئے حتیٰ کے نہ محتاجی محتاجی کا خوف اس کو تنگ دل کر سکے نہ حاسد کا غصہ اور نہ حس کا غلبہ تو وہ بھی واسع ہے مگر یہ سب وسعتیں کسی نہ کسی حد پر ختم ہو جاتی ہیں حقیقی واسع اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۴۷) الْحَكِيمُ

(حقائق اشیاء کا عالم)

حکیم کے معنی صاحب حکمت اور حکمت سے مراد ہے افضل چیز کو افضل علم سے جانتا اور تمام اشیاء سے بزرگ اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ:-

”خدا کی باتیں خدا ہی جانتے“

لہذا وہ حقیقی حکیم ہے کیونکہ وہ سب سے بڑی شے کو افضل علم کے ساتھ جانتا ہے یعنی سب سے بڑی ذات خدا کی ہے اور افضل علم وہی ہے جو ازلی اور دائم ہو اس کا زوال متصور نہ ہو واقع کے ایسا مطابق ہو کہ اس میں کسی قسم کے خفاء اور شبہ کا دخل نہ ہو ایسے علم کے ساتھ خاص خداوند تعالیٰ متصف ہے۔

اس شخص کو بھی حکیم کہہ دیا کرتے ہیں جو عجیب عجیب صنعتی اشیاء بنائے اور ان کی بناوٹ میں خوبیاں اور استحکام پیدا کرے اس صنعت کا کمال بھی خاص خدا کے لئے ہے لہذا وہ حکیم مطلق ہے۔

تنبیہ: جو شخص علم اشیاء کو جانتا ہو مگر خدا کو نہ جانتا ہو وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے کیونکہ وہ سب سے بڑی اور سب سے زیادہ افضل شے کو نہیں جانتا اور حکمت کے تمام علوم سے زیادہ افضل علم ہے اور علم کی بزرگی اس چیز کی بزرگی پر موقوف ہے جس کی نسبت علم ہو اور خدا سے بڑھ کر کوئی شے بزرگ نہیں ہے۔ لہذا جو شخص خدا کو پہچانتا ہے وہ حکیم ہے گو باقی تمام مروجہ علوم سے بے بہرہ ہو اور ان کے متعلق کچھ بیان کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

یاد رکھو کہ خدا کی حکمت اور بندے کی حکمت میں فرق ہے جو خدا کی نسبت بندے کے علم اور خود خدا کے علم میں فرق ہے خیال کرو ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہے اور اس

سے سمجھ سکتے ہو کہ ان دونوں حکمتوں میں کس قدر فرق ہے تاہم یہ علم تمام علوم سے زیادہ نفیس اور زیادہ معجب خیر ہے۔ ”ومن اوتی الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً“ یعنی جس شخص کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔

جو شخص خدا کو پہچان لیتا ہے تو اس کا طرز کلام دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ وہ جزیات اور گھٹیا باتوں میں بہت کم حوصلہ کرتا ہے۔ بلکہ اس کا ہر کلام اور مجمل اور کلی اور معنی خیز ہوتا ہے وہ دنیوی فوائد کا کم خیال کرتا ہے جو کچھ کہتا ہے عاقبت میں فائدہ دینے والی بات کہتا ہے اور چونکہ اس کی یہ حالت لوگوں کے نزدیک اس کی معرفت الہی کی نسبت زیادہ ظاہر ہوتی ہے لہذا لوگ اس کے کلمات کلیہ کو اکثر حکمت کہا کرتے ہیں اور ان کے قائل کو حکیم کا خطاب دیتے ہیں۔ اس کی مثال آنحضرت ﷺ کے یہ اقوال ہیں۔

(۱) رأس الحکمة مخافة الله

(۱) سب سے بڑی حکمت خدا کا خوف ہے۔

(۲) الكيس من دان نفسه وعمل لما

بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه

هو اها وتمنى على الله الامانى .

(۲) دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو میں رکھا

اور آخرت کے لئے نیک کام کیے۔ عاجز وہ ہے

جو اپنے نفس کے تابع ہوا۔ اور اللہ سے بیہودہ

التجائیں کرتا رہا۔

(۳) ما قل و کفی خیر مما کثر والہی

(۳) تھوڑی اور کافی چیز اس چیز سے اچھی ہے جو

زیادہ ہو اور بیہودگی میں ڈالے۔

(۴) من اصبغ معافاً فی بدنہ امنافی

سربہ عنده قوت یومہ فکانما حیزت له

الدنیا بحذا فیرھا .

(۴) جو شخص تندرست رہے اور اپنے گھر میں امن

سے بے اس کے پاس دن بھر کی خوراک ہو گویا

دنیا ساری کی ساری اس کے کام آرہی ہے۔

(۵) کن ورعاً تکن اعبد الناس ، و کن

قنعا تکن اشکر الناس .

(۵) پرہیزگار بنو تا کہ سب سے بڑے عابد قرار

پاؤ قناعت کرو تا کہ سب سے زیادہ شاکر بنو۔

(۶) البلاء مؤکل بالمنطق

(۶) مصیبت زبان کھولنے پر منحصر ہے۔

(۷) من حسن اسلام المرء ترکہ مالا

یعینہ

(۷) بندہ کی اچھی مسلمانی یہ ہے کہ جو امر ممد اس کا

نہ ہو اس کو چھوڑ دے۔

(۸) السعید من وعظ بغيره

(۸) نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت

پکڑے۔

(۹) الصمت حکمة وقلیل فاعله .

(۹) خاموشی حکمت ہے جس پر چلنے والے کم ہیں

(۱۰) القناعة مالا ینفد

(۱۰) قناعت وہ مال ہے جو کم نہیں ہوتا۔

(۱۱) الصبر نصف الايمان والیقین

الايمان کله

(۱۱) صبر نصف ایمان ہے اور یقین پورا ایمان

ہے۔

غرض اس قسم کے کلمات کو حکمت اور ان کو قائل کو حکیم کہتے ہیں۔

(۴۸) الْوَدُودُ

(نیک بندوں کو دوست رکھنے والا)

ودود، وہ ہے جو تمام مخلوق کے لیے بہتری چاہتا ہو لہذا ان کے ساتھ بھلائی کرے اور ان کی تعریف بھی کر دیا کرے۔ یہ اسم رحیم کے معنی کے قریب قریب ہے لیکن رحمت کی نسبت مرحوم کی طرف ہوتی ہے اور مرحوم وہ ہوتا ہے جو محتاج اور لاچار ہو رحیم کے افعال تو مرحوم کو ضعیف چاہتے ہیں وود کے افعال نہیں چاہتے بلکہ ود (دوستی) کا نتیجہ یہ ہے کہ بلا تخریک آپ سے آپ نعمت بخشی جائے پس جس طرح خدا کی رحمت کے معنی یہ ہیں کہ وہ مرحوم کے لئے بھلائی اور حاجت روائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اور رحم کے باعث درد دل عارض ہونے سے وہ منزہ ہے اس طرح اس کی مودت (دوستی) یہ ہے کہ وہ بخشش، نعمت، احسان، اور انعام کا ارادہ کرتا ہے اور وہ دوستی کے بے اختیاری سیلان سے مبرا ہے اس کی رحمت و مودت جو مرحوم و مودود کے حق میں صادر ہوتی ہے تو رقت یا دوستی کے میلان کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس کے ثمرہ اور فائدہ کے لئے ہوتی ہے پس فائدہ ہی رحمت و مودت کا نچوڑ ہے اور یہ خاص خدا کا حق ہے مرحوم و مودود کا نہیں۔

خدا فائدہ رسائی کا ذمہ دار نہیں ہے۔

تنبیہ: اللہ کے بندوں میں سے وود وہ ہے جو مخلوق کے لئے وہی چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے اور اس سے بھی اعلیٰ وہ شخص ہے جو ان کو اپنے پر مقدم سمجھے چنانچہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ کاش میں دوزخ کا پل بن جاتا تا کہ لوگ مجھ پر سے صحیح و سلامت گزر جاتے اس صفت کا کمال یہ ہے کہ غصہ کینا اور جو تکلیف پہنچی ہو وہ اس ایثار و احسان کا مانع نہ ہو جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنگ میں جب کہ کسی کو رو باطن کافر کے پتھر مارنے سے آپ کا اگلا دانت ٹوٹ گیا تھا اور چہرہ مبارک خون آلودہ ہو گیا تھا۔ فرمایا تھا کہ ”اللہم اهد قومی فانہم لایعلمون“ یعنی الہی میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ کچھ جانتے نہیں۔ پس ان لوگوں کی بدسلوکی آپ کو اس ارادہ سے بعض نہ رکھ سکی جو آپ ان کی فائدہ رسائی کے متعلق رکھتے تھے اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کو ارشاد فرمایا تھا کہ ”اگر تم چاہو کہ مقربین سے بھی سبقت لے جاؤ تو بدسلوکی کرنے والے سے نیک سلوک کرو“ نہ دینے والے کو دے ظلم کرنے والے کو معاف کر۔

(۴۹) الْمَجِيدُ

(شریف، بزرگ)

مجید، وہ ہے جس کی ذات شریف، جس کے افعال پسندیدہ، اور جس کی عطا گراں قدر ہو غرض جس کے شرف ذات کے ساتھ حسن افعال شامل ہو، اس کو مجید کہتے ہیں، اور ماجد بھی اسی کو کہتے ہیں۔ مگر مقدم الذکر اسم مبالغہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور گویا وہ الجلیل اور الوہاب اور الکریم کے معنوں کا جامع ہے۔ ان دونوں کے متعلق پیچھے ذکر گذر چکا ہے۔

(۵۰) الباعث

(مردوں کو مرے پیچھے اٹھا کھڑا کرنے والا)

باعث، وہ ہے جو قیامت کے دن خلقت کو زندہ کرے گا۔ اور اہل قبور کو کھڑا کریگا۔ آخرت میں اٹھائے جانے کو کہتے ہیں۔ اور اس اسم کو سمجھنا باعث کی حقیقت کو سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور یہ علمی باتوں میں سب سے زیادہ باریک بات ہے۔ اکثر لوگ اس کے متعلق مجمل توہمات اور مبہم تخیلات میں مبتلا ہیں۔ بڑا شک ان کو یہ ہے کہ موت تو ایک عدم ہے۔ اور باعث اور نوا ایجاد ہے جو عدم کے بعد ہوتی ہے۔ اور ایجاد ویسے ہی ہے جیسے پہلی ایجاد تھی۔ مگر ان کا یہ خیال کہ موت عدم ہے، غلط ہے۔ اور اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ دوسری ایجاد پہلی ایجاد جیسی ہے۔ موت عدم محض نہیں ہے۔ بلکہ موت کی قبر تو آگ کا گڑھا ہوتی ہے یا گلستان چمن کا ایک گڑھا ہوتی ہے۔ یا گلستان جنت کا ایک چمن ہوتی ہے۔ اور موت یا تو خوش قسمت اور نجات یافتہ ہوتے ہیں۔ یا بد نصیب اور زریع عذاب ہوتے ہیں۔

پہلا گروہ مرنے والا نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ "ولا تحسبن الذین قتلوا فی

سبیل اللہ امواتاً بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين بما اتاهم اللہ من فضلہ" یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں، ان کو موتیٰ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس عزت پاتے ہیں۔ خدا نے جو اپنا فضل ان پر کیا ہے اس سے خوش ہیں۔

دوسرا گروہ بھی زندہ ہے، اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے جنگ بدر میں کافر مقتولوں کو

پکار کر فرمایا تھا "خدا نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا، میں نے اس کو درست پایا، تم سے جو وعدہ خدا نے کیا تھا، کیا تم نے بھی اس کو درست پایا۔"

آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ ان لوگوں کو کیونکر پکار رہے ہیں جو

مرچکے ہیں فرمایا تم میری بات کو ان کی نسبت کچھ زیادہ سننے والے نہیں ہوں، یہ بھی سنتے ہیں مگر جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے،

باطنی مشاہدہ ارباب بصائر کو مبتلا رہا ہے کہ انسان کو ہمیشہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے عدم اس پر طاری نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایک بار اس کا تصرف جسم سے بند ہو جاتا ہے، تو دیکھنے والے کہتے ہیں مر گیا جب وہی تصرف پھر جاری ہو جاتا ہے، تو کہا جاتا ہے کہ زندہ ہو گیا اور اس بھید کی پوری تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

ان لوگوں کا یہ خیال بھی بے سرو پا ہے کہ مردے کو زندہ کرنا دوسری ایجاد ہے جو پہلی ایجاد جیسی ہے۔ بلکہ مردہ کا زندہ ہونا ایک دوسری پیدائش ہے، جو پہلی پیدائش سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی۔ انسان کی صرف دو پیدائش نہیں ہیں، بلکہ بہت سی پیدائشیں ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وَنَنْشُكُم فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ“ یعنی ہم تم کو ایسی حالت میں پیدا کریں گے کہ تمہیں معلوم نہیں ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی پیدائش میں خون بستہ اور مضغہ وغیرہ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے ”ثُمَّ انشأناه خَلْقًا آخَرَ، فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ“ (پھر آخر کار) ہم ہی نے اس کو (گویا بالکل) دوسری ہی مخلوق (کی صورت میں) بنا کھڑا کیا تو (سبحان اللہ) خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو (سب) بنانے والوں میں (بہتر بنانے والا ہے) اور فرمایا: ”وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي“ یعنی تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ روح میرے پروردگار کا ایک امر ہے“ پھر اصلی روح کو پیدا کرنے کے بعد ادراکات حسینہ کا پیدا کرنا ایک علیحدہ پیدائش ہے پھر تمیز کا پیدا ہونا جو ساتویں سال کی عمر میں ظاہر ہوتی ہے ایک پیدائش ہے پھر پندرہ سال کی عمر یا اس سے کموبیش کی عمر میں عقل کا پیدا ہونا ایک اور پیدائش ہے یہ ہر پیدائش ایک طور ہے ”وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا“ اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی طرز و طور میں بنایا ہے۔

پھر کسی شخص میں ولایت کی خاصیت کا ظاہر ہونا بھی ایک جدا پیدائش ہے اس کے بعد نبوت کی خاصیت کا ظاہر ہونا ایک اور جدا گانہ پیدائش ہے اور وہ ایک طرح کا بعثت ہے اللہ تعالیٰ باعث الرسل ہے جیسے کہ باعث یوم النشور بھی ہے اور جس طرح شیر خوار بچے کو تمیز حاصل کرنے سے پیشتر اس کی حقیقت کا سمجھنا مشکل ہے اسی طرح تمیز والے کو عقل حاصل کرنے سے پہلے اس کی حقیقت اور اس کے عجائبات کا جاننا دشوار ہے اسی طرح عقل کی منزل میں ولایت اور نبوت کا سمجھنا مشکل ہے کیونکہ ولایت پیدائش عقل کے اوپر ایک خاص طور پر کمال ہے جس طرح عقل، پیدائش تمیز سے اوپر ایک جدا طور کمال ہے اور تمیز پیدائش جو اس سے اوپر ہی ایک علیحدہ طور کمال ہے۔

چونکہ لوگوں کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ جو مرتبہ خود ان کو حاصل نہ ہو جائے وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے حتیٰ کہ ہر شخص کسی امر کو ماننے یا سچ سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تا وقتیکہ اس کو دیکھ نہ لے اور خود حاصل نہ کر لے اور کبھی چھپی اور غائب بات پر یقین نہیں کرتا اس لئے لوگ طبعاً ولایت و نبوت اور ان کے عجائبات بلکہ ان کی اصلیت سے منکر ہوتے ہیں اور دوسری پیدائش اور آخرت کی پیدائش کو نہیں مانتے کیونکہ انہوں نے اب تک ان امور کو دیکھا اور برتا نہیں ہے اگر صرف تمیز کے درجہ تک پہنچنے والے کے سامنے عالم عقل اور اس کے عجائبات کا نقشہ پیش کریں تو وہ اس کو ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوگا پس جو شخص غیر حاصل شے پر ایمان لائے وہ گویا غیب پر ایمان لایا اور یہی تمام سعادتوں کی کنجی ہے۔

جب طور عقل اور اس کے ادراکات اور اس کی پیدائش سابقہ اور ادراکات سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے تو آخرت کی پیدائش تو نہایت ہی بعید ہے لہذا دوسری پیدائش کو پہلی پیدائش پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔

یہ تمام پیدائشیں ایک ہی ذات کے مختلف اطوار اور اس کے لئے مراتب کمال طے کرنے کے زینے ہیں حتیٰ کہ وہ اس بارگاہ احدیث کا قرب حاصل کرتا ہے جہاں تمام کمالات کی انتہاء ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قبول اور حجاب وصول میں متردور ہتا ہے اگر مقبول ہو جائے تو اعلیٰ علیین پر ترقی کر جاتا ہے ورنہ اسفل السافلین میں گر جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ ان دونوں پیدائشوں میں لفظی مناسبت کے سوا اور کوئی تعلق نہیں ہے اور جو شخص نشأۃ (پیدائش) اور بعثت کے معنی نہیں جانتا وہ اسم الباعث کے معنی نہیں سمجھ سکتا اور ان کی شرح طویل ہے جانے دیتے ہیں۔

تنبیہ: بعثت کی حقیقت کا مطلب ہے مردوں کی دوسری پیدائش میں پیدا کر کے زندہ کرنا اور جہل سب سے بڑی موت ہے اور علم سب سے پاکیزہ زندگی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں علم و جہل کا ذکر کیا ہے اور ان کو حیات و موت سے موسوم کیا ہے۔

جو شخص کسی دوسرے انسان کو جہل سے علم تک ترقی دیتا ہے گویا وہ اس کو موت سے نئی پیدائش میں لاتا ہے اور ایک پاکیزہ زندگی بخشتا ہے پس اگر بندہ لوگوں کو علم پڑھائے اور سیدھی راہ دکھائے تو ان کو گویا ایک طرح سے زندہ کرتا ہے اور یہ انبیاء اور ان کے وارث علماء کا کام ہے۔

(۵۱) الشَّهِيدُ

(حاضر)

اس اسم کے معنی علیم کے معنوں سے ملتے ہیں اور ساتھ ہی اضافت کی خصوصیت بھی ملحوظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ: ”عالم الغیب والشہادۃ“ ہے یعنی غیب اور شہادت کو جانتا ہے غیب سے مراد چھپی ہوئی باتیں ہیں۔ اور شہادت سے مراد ظاہر باتیں ہیں پس اگر مطلق علم کا لحاظ کیا جائے تو وہ علیم ہے اور اگر غیب اور چھپی باتوں سے نسبت دی جائے تو وہ خبیر ہے۔ اور اگر امور ظاہرہ سے نسبت دی جائے تو وہ شہید ہے۔

کبھی اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کے کاموں کے متعلق شہادت دے گا جن کو وہ جانتا اور دیکھتا ہے اس اسم کی بحث علیم اور خبیر کی بحث کے قریب قریب ہے۔ اس کو ہم دوبارہ لکھنا نہیں چاہتے۔

(۵۲) الْحَقُّ

(ثابت)

یہ باطل کے مقابلہ میں ہے وہ تمام اشیاء اپنی اضداد کے مقابلے میں ظاہر ہوتی ہیں جس چیز کی نسبت خبر دی جاتی ہے وہ یا تو مطلقاً باطل ہوگی یا مطلقاً حق ہوگی۔ یا ایک وجہ سے حق اور ایک وجہ سے باطل ہوگی پس بذاتہ ممتنع وہی ہے جو مطلقاً باطل ہو۔ اور واجب بذاتہ وہی ہے جو مطلقاً حق ہو اور ممکن بذاتہ مگر واجب بغیرہ وہ ہے جو ایک وجہ سے باطل اور ایک وجہ سے حق ہو پس چونکہ اپنی ذات کی حیثیت سے اس کا وجود نہیں ہے اس لئے وہ باطل ہے اور غیر کی جہت سے وجود کا استفادہ کرتا ہے اس لئے وہ اس وجہ سے جو وجود افادہ کرنے والے سے متصل ہے، موجود ہے لہذا وہ اس وجہ سے حق ہے اور اپنے نفس و ذات کی جہت سے باطل ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”کل شیءٍ ہالک الا وجہہ“ یعنی اس کی ذات کے سوا باقی ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔ اور وہ اسی طرح ازلا وابداً ایک ہی حال پر قائم ہے مختلف حالات قبول نہیں کرتا کیونکہ اس کے سوا ہر شے ازل سے ابد تک من حیث الذات وجود کی مستحق

نہیں ہے اور اپنے غیر کی جہت سے مستحق ہے لہذا وہ بذاتہ باطل ہے اور بغیرہ حق ہے اب صاف ظاہر ہے کہ حق مطلق وہ ہے جو موجود حقیقی بذاتہ ہے اور جس سے ہر حق اپنی حقیقت اخذ کرتا ہے۔

حق کے ایک اور معنی بھی ہیں یعنی وہ امر معقول جس کی عقل تصدیق کرے اور وہ موجود ذہنی ہے جس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ وہ حق ہے پس وہ اپنی ذاتی حیثیت سے امر موجود کہلاتا ہے اور جب عقل سے اس کو نسبت دی جائے جس نے اس کی حالت معلوم کی ہے تو اس کو حق کہتے ہیں اس لحاظ سے بھی تمام موجودات میں سے حق کہلانے کا زیادہ حق دار اللہ تعالیٰ ہے اور معلومات میں سے حق کہلانے کی زیادہ حقدار خدا کی معرفت ہے کیونکہ وہ فی نفسہ حق ہے یعنی عدلاً وابدلاً معلوم کے مطابق ہے اور اس کی مطابقت لذاتہی ہے بغیرہ نہیں ہے اس کا علم ایسا نہیں ہے جیسے اس کے غیر کے وجود کا علم کیونکہ غیر کے وجود کا علم اسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ غیر موجود رہتا ہے جب وہ معلوم ہو گیا تو اس کے وجود کا اعتقاد بھی باطل ہو گیا۔

اقوال کو بھی حق کہہ دیتے ہیں چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں قول حق ہے اور فلاں قول باطل ہے اس لحاظ سے تمام اقوال سے زیادہ حق ﴿لا الہ الا اللہ﴾ ہے کیونکہ وہ ازلاً اور ابداً لذاتہ صادق ہے نہ کہ بغیرہ۔

غرض کہ خارجی موجودات کو حق کہیں یا ذہنی موجودات کو جن کو معرفت کہتے ہیں خواہ زبانی موجود کو حق کہیں جس کو نطق کہتے ہیں بہر حال حق کہلانے کی زیادہ حقدار وہی شے ہے جس کا وجود ازلاً وابدلاً ثابت ہو اور اس کی معرفت ازلاً وابدلاً ذاتہ حق ہو اور اس کی شہادت ازلاً وابدلاً ذاتہ حق ہو اور تمام امور موجود حقیقی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، اور کسی سے نہیں۔

تنبیہ: اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو باطل سمجھے خدا کے سوا اور کسی کو حق نہ جانے بندہ اگر چہ حق ہے مگر بنفسہ حق نہیں ہے بلکہ خدا کے ساتھ حق ہے کیونکہ وہ اسی کے ساتھ موجود ہے بذاتہ موجود نہیں ہے بلکہ بذاتہ باطل ہے اگر حق تعالیٰ نے اس کو نہ بنایا ہوتا تو اس کو خود بخود بن جانے کا کوئی حق نہ تھا۔

اس لحاظ سے ان دو تاویلوں کے سوا جو شخص انا الحق (میں حق ہوں) کا دعویٰ کرتا ہے

وہ سخت خطا پر ہے۔

پہلی تاویل یہ ہے کہ انا الحق سے مراد انا بالحق، یعنی میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہوں۔ یہ تاویل بعید ہے۔ اس لئے کہ لفظوں میں اس معنی کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور اس لئے یہ امر

صرف اس قائل سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ حق کے سوا جو شے ہے وہ بالحق ہے۔
 دوسری تاویل یہ کہ وہ حق تعالیٰ میں مستغرق ہے حتیٰ کے اس کے دل میں خدا کے سوا
 اور کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ اور جو چیز کسی چیز کی کلیت کو حاوی ہو اور اس میں مستغرق ہو۔
 تو کہا جاتا ہے یہ چیز وہ ہے، جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے

انامن اھوی ومن اھوی انا
 تو تن شدی تو شدم من تن شدم تو جاں شدی
 تا کس نگوید بعد ازیں من دیگر م تو دیگری

اس سے مراد استغراق ہے۔

چونکہ اہل تصوف پر من حیث الذات اپنے نفس کی فنا کا مشاہدہ غالب ہوتا ہے اس
 لئے ان کی زبان پر غالب احوال اسمائے باری تعالیٰ میں سے ہوا لائق جاری رہتا ہے کیونکہ وہ حقیقی
 ذات کو ملحوظ رکھتے ہیں نہ کہ اس ذات کو جو فی نفسہ ہلاک ہونے والی ہے۔

اور اہل کلام چونکہ افعال کے ساتھ دلیل پکڑنے کے عادی ہیں اس لئے ان کے منہ
 پر اکثر اسم الباری جاری رہتا ہے جس کے معنی (خالق کے ہیں)۔ اور اکثر لوگ خدا کے سوا ہر
 چیز کو دیکھتے ہیں پس اپنے مشاہدات سے اس کے متعلق شہادت قائم کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ
 کے اس قول سے مخاطب ہیں۔ ”اولم یبظروافی ملکوت السموت والارض
 وما خلق اللہ من شیء“ (کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام اور خدا کی
 پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی) صدیقین اس کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھتے لہذا وہ اس
 کے متعلق اسی سے دلیل قائم کرتے ہیں، اور وہ خدا کے اس قول سے مخاطب ہیں کہ ”اولم
 یکف بربک انه علی کل شیء شہید“ (کیا تمہاری تسلی کو یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا
 پروردگار شاہد (حال) ہے)۔

(۵۳) الْوَكِيلُ

(کارساز)

وکیل وہ ہے جس کے سپرد امور کیے جائیں۔ لیکن اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جس

۱پ (۹) اعراف۔

۲پ (۳۵) حم السجدہ۔

کے سپرد بعض امور ہوں۔ اور وہ ناقص ہے۔ دوم جس کے سپرد تمام امور ہوں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔

ایک اور طریق سے بھی اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو بذاتہ موکول الیہ (جس کے سپرد کیا جائے) ہونے کا مستحق نہ ہو۔ بلکہ وہ موکول الیہ بنانے سے بنا ہو، اور یہ ناقص ہے۔ کیونکہ وہ اس بات کا محتاج ہے کہ امور اس کے سپرد کیے جائیں اور اس کو مختار بنایا جائے۔

دوم وہ جو بذاتہ اس بات کا مستحق ہے کہ امور اس کے سپرد ہوں اور دل اس پر آسرا رکھتے ہوں کسی دوسرے کے اختیار دینے اور سپرد کرنے سے نہیں بلکہ وہ خود بخود اور بذاتہ وکیل ہو وہ وکیل مطلق ہے۔

ایک اور لحاظ سے وکیل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ وکیل جو سپرد شدہ امور کو بلا کسی قسم کی کمی کے پورا کر دے۔

دوم وہ جو پورا نہ کرے۔

وکیل مطلق وہ ہے جس کے سپرد تمام اشیائیں اور وہ تمام کے اہتمام میں لگا ہوا ہے۔ اور سب کو اپنی اپنی جگہ پورا کر رہا ہے۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس سے تم خود سمجھ سکتے ہو کہ بندہ کو اس اسم کے معنی میں کس قدر دخل حاصل ہے۔

(۵۴) الْقَوِيُّ

(توانا)

(۵۵) الْمَتِينُ

(استوار)

قوت پوری قدرت پر مشانت سخت قوت پر دلالت کرتی ہے پس اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ حاوی اور پوری قدرت والا ہے قوی ہے، اور اس حیثیت سے کہ وہ سخت قوت والا ہے متین ہے اور یہ بیان قدرت کے معنی سمجھنے پر موقوف ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

(۵۶) الْوَلِيُّ

(محب، مددگار)

ولی محبت مددگار ہے اس کی محبت و دوستی کے معنی بیان ہو چکے اس کی مددگاری کے معنی ظاہر ہیں وہ دین کے دشمنوں کو پامال کرتا ہے اور دین کے خیر و خواہ کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”اللہ ولی الذین امنو“ یعنی اللہ مومنوں کا محبت مددگار ہے اور فرمایا: ”کذلک بانّ اللہ مو لى الذین امنو وان الکافرین لامولی لهم“، یعنی ایسا اس لئے ہے کہ اللہ کے مومنوں کا مولیٰ یعنی ناصر مددگار ہے۔ اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے۔ اور فرمایا ”کتب اللہ لا غلبنّ انا ورسلی“، یعنی اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالباً آئیں گے۔

تنبیہ: بندوں میں سے ولی وہ ہے جو اللہ اور اس کے دوستوں سے پیار کرنے اور ان کو مدد دے۔ اور اللہ کے دشمنوں سے بعض رکھے اللہ کے دشمن نفس اور شیطان ہیں۔ پس جو شخص ان دونوں سے تعلق توڑ دے اور اللہ کے کام میں مدد دے اور اس کے اولیا کو دوست رکھے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے وہی بندوں میں سے ولی ہے۔

(۵۷) الْحَمِيدُ

(مستحق)

حمید، وہ ہے جو تعریف کے لائق ہو۔ اور جس کی ثنا کی جائے اللہ تعالیٰ ازل سے خود اپنی تعریف کے ساتھ حمید ہے وہ اب تک اپنے بندوں کی تعریف کے ساتھ حمید رہے گا۔ اور یہ معنی جلال و کمال کی صفتوں سے ذکر کرنے والوں کے ذکر کے لحاظ سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ حمد اسی کو کہتے ہیں کہ اوصاف کمال کا اس حیثیت سے کہ وہ کمال ہیں ذکر کیا جائے۔

تنبیہ: بندوں میں سے حمید وہ ہے جس کے عقائد و اخلاق اور اعمال و اقوال سن کے سب بلا شائبہ قابل تعریف ہوں اور حضرت محمد ﷺ اور ان سے قریب کے انبیاء اور ان کے سوا اولیاء علماء ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے عقائد و اخلاق اور اعمال و اقوال کی خوبی کے موافق حمید ہے کیونکہ کوئی شخص کہ اس کے مجاہد کتنے ہی بکثرت ہوں مذمت اور نقص سے خالی نہیں ہے لہذا حمید مطلق خاص اللہ تعالیٰ ہے۔

(۵۸) الْمُحْصِي

(ہر چیز کو احاطہ علم میں کرنے والا)

محصی کے معنی عالم کے ہیں لیکن جب علم کو معلومات کے ساتھ اس لحاظ سے منسوب کیا جائے کہ وہ معلومات کو محیط ہوتا ہے اور انکو گنتی اور شمار میں لاتا ہے تو اس کو احصا کہا جاتا ہے اور محصی مطلق وہ ہے جس کے علم میں ہر معلوم کی حد اور اس کی تعداد اور مبلغ ظاہر ہو بندہ اگرچہ ایسے علم سے بعض معلومات کا احصار کر سکتا ہے مگر وہ اکثر حصر سے عاجز آ جاتا ہے پس اس اسم میں اس کا دخل اسی طرح کم ہے۔ جس طرح علم کی اصل صفت میں کم ہے۔

(۵۹) الْمُبْدِئُ

(ابتداء پیدا کرنے والا)

(۶۰) الْمُعِيدُ

(دوبارہ پیدا کرنے والا)

ان اسموں کا معنی ہے موجد لیکن اگر اس ایجاد سے پہلے ویسی ایجاد نہ گزر چکی ہو تو اس کو ابتدا کہتے ہیں۔ اور اگر اس سے پہلے بھی ویسی ایجاد گزر چکی ہو تو اس کو اعادہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی نے ان لوگوں کو پیدا کیا ہے اور وہی ان کو دوبارہ پیدا کرے گا اور تمام اشیاء کا اسی سے آغاز ہوا اور اسی تک انجام ہوگا۔

(۶۱) الْمُحْيِي

(مخلوق کو زندہ کرنے والا)

(۶۲) الْمُمِيتُ

(مارنے والا)

ان دونوں اسموں کا مطلب بھی ایجاد ہے لیکن موجود اگر حیات ہو تو اس کے فعل کو احیاء (زندہ رکھنا) کہتے ہیں۔ اور اگر موت ہو تو اس کے فعل کو اماتة، (مار ڈالنا) کہتے ہیں۔ اور موت و حیات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لئے سوائے اس کے اور کوئی محی اور ممیت نہیں ہے۔ اسم الباعث کے بیان میں حیات کے معنی کی طرف اشارہ گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(۶۳) الْحَيُّ

(زندہ)

حی وہ ہے جو فعل کی اعلیٰ طاقت رکھنے والا اور اعلیٰ درجہ کا صاحب ادراک ہو حتیٰ کہ جس میں بالکل فعل و ادراک نہیں ہے۔ وہ میت (مردہ) ہے اور ادراک کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صاحب ادراک اپنے آپ کو جانتا ہو پس جو شے اپنے آپ کو نہ جانتی ہو وہ جماد اور میت ہے حی کامل و مطلق وہ ہے جس کے ادراک کے تحت میں تمام مدرکات اور اس کے فعل کے تحت میں تمام موجودات درج ہوں یہاں تک کہ کوئی قابل ادراک شے اس کے علم سے اور کوئی مفعول اس کے فعل سے نہ رہے۔ اور یہ ساری باتیں خاص اللہ کے لئے ہیں لہذا وہ حی مطلق ہے اور اس کے سوا جو شے حی ہے اس کی حبات اس کے ادراک اور فعل کے موافق ہے اور ایسی تمام اشیاء قلت میں محصور ہیں واضح ہو کہ احياء (زندہ چیزیں) متفاوت ہیں۔ پس ان کے مراتب ان کے تفاوت کے موافق ہیں۔ جیسے کہ ملائکہ، انسان اور چوپاؤں کے مراتب میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

(۶۴) الْقَيُّومُ

(کارخانہ عالم کا سنبھالنے والا)

واضح ہو کہ تمام اشیاء کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو کسی محل کی محتاج ہیں جیسے اعراض اور اوصاف پس ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ نفسہ قائم نہیں ہیں۔ دوم وہ جو کسی محل کی محتاج نہیں ہے۔ پس کہا جاتا ہے کہ وہ نفسہ قائم ہیں جیسے جوہر۔ لیکن جوہر گو قائم بنفسہ اور اپنے قیام کے محل سے مستغنی ہے تاہم ایسے امور سے مستغنی نہیں ہے جو اس کے وجود کے لئے لازم ہیں پس وہ قائم بنفسہ نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے قیام میں گو محل کی محتاج نہیں ہیں مگر کسی اور شے کے وجود کی محتاج ہیں پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جاتا ہے جس کی ذات بذاتہ ^{مکلفی} ہے اور اس کا قیام کسی اور شے کے ساتھ نہیں ہے اور نہ اس کے سوا کسی اور چیز کا وجود اس کے وجود کے دوام کے لئے شرط ہے وہ مطلقاً قائم بنفسہ ہے۔ اگر اس کے ساتھ ہی تمام موجودات اس کے ساتھ قائم ہوں یہاں تک کہ تمام اشیاء کا وجود اور دوام وجود اسی کے ساتھ ہو تو قیوم ہے کیونکہ اس کا اپنا قیام بذاتہ ہے اور ہر شے کا قیام اس کے ساتھ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے بندہ کا دخل اس وصف میں اتنا ہوتا ہے جتنا وہ غیر اللہ سے مستغنی ہے۔

(۶۵) الْوَاَجِدُ

(غنی)

واجدوہ ہے جس کے لئے کوئی شے نایاب نہ ہو اور وہ فاقد لتنگ دست کا مقابل ہے۔
اغلب یہ ہے کہ جس کو وہ شے ہاتھ نہ آئی ہو جو اس کے وجود کے لئے ضروری نہیں اس کو فاقد
نہیں کہا جاتا۔ اور جس کو وہ شے حاصل ہو سکتی ہے جو اس کی ذات سے اور اس کی ذات کے
کمال سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اس کو واجد (غنی) نہیں کہتے بلکہ واجدوہ ہے جس کے لئے کوئی
بھی ضروری شے نایاب نہ ہو۔ اور جو امر صفات الہیہ اور ان کے کمال کے لئے لازمی ہے وہ اللہ
تعالیٰ کے لئے موجود ہے۔ پس وہ اس لحاظ سے واجد ہے۔ اور واجد مطلق ہے اور اس کے سوا
دوسری موجودات اگر صفات کمال اور ان کے اسباب میں سے کسی شے کے لحاظ سے واجد ہیں تو
بہت سے اشیاء کے لحاظ سے فاقد ہیں۔ اس لئے وہ صرف اضافی طور پر واجد کہلا سکتی ہیں۔

(۶۶) الْمَاجِدُ

(بزرگی والا)

یہ اسم مجید کا ہم معنی ہے جیسے عالم، علیم کے معنی میں آتا ہے لیکن فعیل کے صیغے میں
مبالغہ پایا جاتا ہے اور مجید کے معنی بیان ہو چکے۔

(۶۷) الْوَاحِدُ

(تنہا، یگانہ، ایک)

یہ وہ ہے جو نہ تقسیم ہو نہ دو ہو سکے تقسیم نہ ہونے والی چیز کی مثال جیسے جو ہر واحد (جزو
لا یتجزی) اور جو تقسیم نہ ہو اس کو واحد کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی جزو نہیں اسی
طرح نقطہ کا کوئی جزو نہیں اور اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی ذات کا انقسام
محال ہے اور جو چیز دو نہ ہو سکے یہ وہ ہے جس کی نظیر نہیں ہے مثلاً سورج کیونکہ وہ اگرچہ جسم کی
قبیل سے ہونے کے باعث وہ ہما منقسم ہو سکتا ہے لیکن اس کی نظیر نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ اس کی
نظیر ہو پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جائے جو اپنے وجود کی خصوصیت میں اس طرح منفرد ہو کہ کسی
اور کا اس میں شریک ہونا متصور ہی نہ ہو سکے وہ ازلا وابد اواحد متعلق ہے۔

بندہ اس وقت واحد سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ابنائے جنس میں کسی خاص پسندیدہ

خصلت کے اندر کوئی اس کی نظیر ہو۔ اور یہ یکتائی بھٹی صرف اس کے ابنائے جنس کے لحاظ سے ہو گی اور نیز خاص زمانہ کے لحاظ سے کیونکہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے زمانہ میں اس کی نظیر پیدا ہو جائے۔ نیز یہ یکتائی بعض خصائل کی رو سے ہوگی۔ تمام کی رو سے نہیں پس پوری وحدت یکتائی خاص خدا کے لئے ہے۔

(۶۸) الصَّمَدُ

(بے نیاز)

صمد وہ ہے جسکی طرف حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے اور ضروریات کے لئے جس کی درگاہ کا قصد کیا جاتا ہے کیونکہ پیشوائی کے مراتب اس پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو دینی و دنیوی مہمات میں اپنے بندوں کا مرجع بنا دیتا ہے اور اس کی زبان اور ہاتھوں سے اپنے بندوں کی حاجتیں پوری کراتا ہے تو اس کو اسم کے معنی سے اس نے حصہ بخشا ہے لیکن صمد مطلق وہ ہے کہ تمام حوائج میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور وہ خاص اللہ تعالیٰ ہے۔

(۶۹) الْقَادِرُ

(قدرت والا)

(۷۰) الْمُقْتَدِرُ

(صاحب مقدرت)

ان دونوں اسموں کے معنی ہیں ”صاحب قدرت“ لیکن مقتدر میں زیادہ مبالغہ ہے قدرت سے مراد وہ معنی ہے جس سے کوئی چیز ارادہ اور علم کی تقدیر سے اور دونوں کے اقتضا کے موافق موجود کی جاسکے اور قادر وہ ہے جو اگر چاہے کرے اگر چاہے نہ کرے اور اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ ضرور کرنا ہی چاہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اسی وقت قیامت برپا کرنے پر قادر ہے اگر وہ چاہے ابھی برپا کر دے اگر برپا نہیں کرتا تو اس لئے کہ وہ برپا کرنا نہیں چاہتا کیونکہ پہلے ہی اس کے علم میں اس کی میعاد اور وقت مقدر ہو چکے ہیں پس اس سے قدرت میں کوئی نقص نہیں آتا

اور قادر مطلق وہ ہے جو ہر موجود کو از سر نو بناتا ہے اور اس میں کسی دوسرے کی امداد سے مستغنی ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

بندہ کو بھی کچھ نہ کچھ قدرت ہے لیکن وہ ناقص ہے کیونکہ وہ صرف بعض ممکنات کو حاوی ہوتی ہے اور کسی چیز کو پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے بلکہ بندہ کے مقدور میں جو امور ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے جبکہ اسکے مقدور کے تمام اسباب وجود مہیا ہو جاتے ہیں یہ مقام ایک باریک بحث چاہتا ہے جس کی گنجائش اس کتاب میں نہیں ہے۔

(۷۱) الْمُقَدَّمُ

(اپنے دوستوں کو بارگاہ عزت کی طرف بڑھانیوالا)

(۷۲) الْمُوَخَّرُ

(اپنے دشمنوں کو اپنے لطف سے پیچھے ہٹانیوالا)

مقدم و مؤخر وہ ہے جو قریب و بعید کرتا ہے جس کو قریب کرتا ہے اس کو مقدم کرتا ہے جس کو دور کرتا ہے اس کو مؤخر کرتا ہے وہ انبیاء و اولیاء کو قریب بخشنے اور راہ راست پر چلانے کے لئے مقدم کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو دور ہٹا کر اور اپنے اور ان کے درمیان پردہ ڈال کر مؤخر کر دیتا ہے۔

مثلاً جب ایک بادشاہ جب دو شخصوں کو اپنا قریب بخشنے لیکن ان میں سے ایک کو اپنی طرف زیادہ قریب کرے تو کہا جاتا ہے اس کو مقدم کیا یعنی اس کو دوسرے شخص کے آگے رکھا۔

یہ تقدیم کبھی مکان میں ہوتی ہے اور کبھی رتبہ میں اور بہر حال پیچھے رہنے والے کے لحاظ سے ہوتی ہے اور ایک ایسے مقصد کا ہونا بھی لابدی ہے جو اصلی غرض و غایت ہو جو مقدم ہوتا ہے اس کے لحاظ سے اور جو متاخر ہوتا ہے اس کی طرف سے۔

مقصد اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کی طرف اس کے مقرب ہیں چنانچہ اس نے پہلے ملائکہ کو تقدیم بخشی ہے پھر انبیاء کو پھر اولیاء کو پھر علماء کو اور ہر متاخر اپنے ما قبل کے لحاظ سے مؤخر ہوتا ہے اور اپنے مابعد کی نسبت سے مقدم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی یہ تقدیم و تاخیر دینے والا ہے کیونکہ اگر

آپ ان کے تقدم و تاخر کو ان کے فضائل کی کثرت و قلت اور ان کی صفات کے کمال و نقصان پر موقوف سمجھو تو آخر وہ ذات بھی کوئی ہے جس نے ان کو علم و عبادت کی ترقی کے لئے اکسایا ہے یا جس نے صراط مستقیم کے برخلاف چلنے پر ان کو آمادہ کیا ہے اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے بس کی ہیں لہذا وہ مقدم اور مؤخر ہے اور اس میں رتبہ کی تقدیم و تاخیر مراد ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص علم و عمل میں سبقت کر جائے وہ صرف اس سے مقدم نہیں ہو سکتا بلکہ خدا اس کو تقدیم بخشتے تو وہ مقدم ہو سکتا ہے یہی حال متاخر کا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہ دو قول اس امر کی کافی تصدیق کرتے ہیں۔

(۱) ”ان الذین سبقت لهم منا الحسنی اولئک عنها مبعدون“
یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری خیر خواہی نے قدم بڑھایا وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔

(۲) ”ولو شئنا لآتینا کل نفس ہدایا و لکن حق القول منی لا ملثنّ جہنّم“
یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت پر چلاتے مگر ان کی نسبت میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ضرور دوزخ کو پر کرونگا۔

تنبیہ: صفات افعال سے بندہ کا حصہ ظاہر ہے اس لئے ہم بخوف تطویل ہر اسم کے بیان میں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے کیونکہ بیانات سابقہ سے اس بات کا بخوبی پتہ مل سکتا ہے۔

(۷۳) الْأَوَّلُ

(سب سے پہلا)

(۷۴) الْآخِرُ

(سب سے پچھلا)

واضح ہو کہ اول کسی شے کی نسبت سے اول ہوتا ہے۔ اور آخر بھی کسی شے کی نسبت سے آخر ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے متناقص ہیں۔ پس ایک ہی چیز ایک ہی جہت سے ایک ہی چیز کی نسبت سے اول اور آخر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جب تم وجود کی ترتیب پر نظر کرو

اور موجودات کے با ترتیب سلسلہ کو غور سے دیکھو۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے لحاظ سے اول ہے کیونکہ تمام موجودات نے اس سے وجود حاصل کیا ہے۔ اور وہ خود موجود بذاتہ ہے۔ اور اس نے کسی سے وجود حاصل نہیں کیا۔ اور جب ترتیب سلوک پر نظر کیا جائے۔ اور خدا کی طرف سے کرنے والوں کی منزلوں کو دکھایا جائے۔ تو وہ آخر ہے کیونکہ اس کی درگاہ عارفین کے مدارج ترقی کی سب سے آخری منزل ہے۔ اور اس کی معرفت سے جو معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اس کی معرفت کا زینہ ہے۔ اور آخری منزل اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اس لئے وہ اولیا کے سیر و سلوک کے لحاظ سے آخر موجودات کے وجود کے لحاظ سے اول ہے۔ پس اول اسی کی طرف سے آغاز ہے۔ اور آخر اسی کی طرف انجام اور انتہا ہے۔

(۷۵) الظَّاهِرُ

(آشکارا بلحاظ قدرت)

(۷۶) الْبَاطِنُ

(پوشیدہ بلحاظ فراست)

یہ دونوں وصف بھی اضافی ہیں کیونکہ ظاہر ایک شے کے لئے ظاہر اور دوسری شے کے لئے باطن ہوتا ہے اور ایک ہی جہت سے ظاہر و باطن نہیں ہوتا بلکہ ادراک کی طرف نسبت کرنے سے ایک جہت سے ظاہر اور دوسری جہت سے باطن ہوتا ہے وجہ یہ کہ ظاہر و باطن ہونا اور اوقات کی طرف نسبت کرنے سے ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اگر ہو اس کے ادراک سے طلب کیا جائے تو وہ باطن ہے اور اگر عقل سے بطریق استدلال معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ ظاہر ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا ادراک جو اس کی نسبت سے باطن ہونا تو ظاہر ہے لیکن عقل کی جہت سے ظاہر ہونا ذرا باریک بات ہے کیونکہ ظاہر تو وہ بات ہوتی ہے جس کے ادراک میں لوگ اختلاف نہ کرتے ہوں بخلاف اس کے خدا کی ذات کو معلوم کرنے میں بہت سے لوگ شک میں گرفتار ہیں پس اس کو کیونکر ظاہر کہا جاتا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کا مخفی ہونا اس کے شدت کے ظہور کے باعث ہے اس کا ظہور اس کے باطن ہونے کا موجب ہے گویا اس کا نور ہی اس کے نور کا حجاب ہے شاید تم اس کلام سے

تعجب ظاہر کرو لہذا ایک مثال سے تم کو سمجھاتے ہیں دیکھو اگر تم کسی حرف پر نظر ڈالو جو کسی کاتب نے لکھا ہو تو اس سے تم کو ایک ایسے کاتب کے وجود کا پتہ ملے گا جو عالم قادر سمیع اور بصیر ہے اور اس سے تم کو کاتب کی ان صفات کا یقین کامل ہو جائیگا اور جس طرح اس ایک حرف نے کاتب کے اوصاف کی فیصلہ کی شہادت دی ہے اسی طرح آسمان وزمین کی جو چیز سارے سورج چاند حیوان نباتات اور صفت و موصوف وغیرہ ہے وہ خود بخود اپنے ایک ایسے مدبر کا پتہ دے رہی ہے جس نے اس کا اہتمام کیا ہے اور اس کو خاص اندازے پر اور خاص صفات کے ساتھ بنایا ہے بلکہ انسان اپنے جس عضو اور جس ظاہر یہ باطن جز و بلکہ جس اختیاری یا جبری صفت و حالت کو دیکھتا ہے وہ چلا چلا کر اپنے خالق اپنے مالک مختار اور اپنے مدبر کا پتہ بتا رہی ہے اسی طرح ہر چیز اس کی شہادت دیتی ہے جس کو انسان اپنی ذات سے خارج دیکھتا ہے اگرچہ ان اشیاء کی شہادتوں میں اختلاف ہو بعض شہادت دے رہی ہوں اور بعض نہ دیتی ہوں تاہم سب کو ان شہادتوں سے یقین حاصل ہو سکتا ہے لیکن چونکہ یہ شہادتیں بکثرت ہیں جن کی کوئی انتہاء نہیں اس لئے وہ امر شدت ظہور کے باعث خفی اور باریک بن گیا ہے جس کی مثال یہ ہے کہ جو اشیاء جو اس کے ذریعہ سے محسوس کی جاتی ہے ان میں سے زیادہ ظاہر وہ چیزیں ہیں جو آنکھ سے محسوس ہوں اور آنکھ کی محسوسات میں سے بھی زیادہ روشن اور ظاہر سورج کا نور ہو جو تمام اشیاء پر منعکس ہو کر ان کو روشن کر رہا ہے اور جو شے دوسری اشیاء کو روشن کر رہی ہے وہ خود کیوں نہ روشن ہوگی مگر اس کا روشن ہونا بہت سے لوگوں پر مخفی ہے حتیٰ کے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ رنگ دار اشیاء میں صرف سرخ و سیاہ رنگ ہے اور کچھ نہیں وہ اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ رنگ کے ساتھ روشنی اور نور بھی شامل ہے اور یہ لوگ رنگین اشیاء کے ساتھ روشنی کا قائم ہونا اس وقت تسلیم کرتے ہیں جب ان کو سایہ اور اندھیرے اور روشنی میں اشیاء کی مختلف حالتوں کا فرق دکھا دیا جاتا ہے چنانچہ رات کے وقت جب سورج چھپ جاتا ہے اور اس کی روشنی رنگین چیزوں سے منقطع ہو جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت ان چیزوں کی کیا صورت ہے اور دن میں کیا تھی گویا نور کی غیر موجودگی میں نور کے وجود کا پتہ لگتا ہے اور نور کے وجود عدم میں صاف فرق معلوم ہو جاتا ہے۔

فرض کرو کہ ایک شخص سورج کی روشنی تمام اشیائے عالم پر پڑتی دیکھتا ہے اور سورج اس کی زندگی کے اندر اندر کبھی غروب نہیں ہوتا حتیٰ کے کبھی اس کو یہ موقع نہیں ملا کہ ان اشیاء کو اندھیرے میں دیکھے اور روشنی اور اندھیرے میں فرق سمجھے اس شخص کے لئے محال ہے کہ نور کو

کوئی خاص چیز سمجھے جو موجودہ اشیاء کی رنگت سے زائد ہے تمام اشیاء سے زیادہ ظاہر وہی چیز ہے بلکہ وہی تمام اشیاء کو ظاہر کرتی ہے اور اگر خدا کا بعض امور کے لئے (معاذ اللہ) معدوم یا غائب ہونا فرض کیا جائے تو آسمان وزمین اور ہر چیز جس سے وہ بے تعلق ہے منہدم ہو جائے گی اور پھر ان دونوں حالتوں کا فرق نجومی معلوم ہو جائے گا اور اس کا وجود قطعی طور پر معلوم ہو جائے گا لیکن چونکہ تمام اشیاء شہادت اور حالات میں متفق ہیں اور سب ایک ہی نظم و نسق پر اپنی آواز اٹھا رہی ہیں اس لئے وہ عام نظروں سے مخفی ہے۔

قربان جائیے اس ذات پاک کے جو اپنے نور ہی کے باعث مخلوق کی تطروں سے نہا اور اپنے شدت ظہور کے سبب سے مخفی ہے اور ایسا ظاہر ہے جس سے بڑھ کر کوئی شے ظاہر نہیں وہ ایسا باطن ہے جس سے زیادہ کوئی چیز باطن نہیں ہو سکتی۔

تنبیہ: اوپر کی باتوں سے تم کو خدا کی صفات کے متعلق تعجب میں مبتلاء نہ ہو جانا چاہیے کیونکہ خود انسان جس امر کی بدولت انسان کہلاتا ہے وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی اگر اس کو انسان مناسب و مرتب افعال کے ذریعہ سے سمجھا جائے تو وہ ظاہر ہے اور اگر حس کے ادراک کے ذریعہ سے طلب سے کیا جائے تو وہ باطن ہے کیونکہ حس صرف اس کے ظاہری بشریٰ کو محسوس کر سکتی ہے اور انسان صرف ظاہری بشرہ سے انسان نہیں کہلاتا بلکہ اگر یہ بشرہ بلکہ اس کے تمام اجزاء بدل جائیں تو بھی وہ وہی انسان رہے گا جو پہلے تھا اور تعجب نہیں کہ انسان کے بدنی اجزاء بچپن میں اور ہوتے ہوں اور پھر بڑھاپے میں اور ہوتے ہوں کیونکہ وہ طول زمان سے گھٹتے مٹتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے اجزاء جو غذا کے ذریعے سے پیدا کیے جاتے ہیں شامل ہوتے جاتے ہیں تاہم انسان کی سابقہ ہویت نہیں بدلتی پس یہ ہویت حواس سے باطن ہے اور عقل کے لئے ظاہر ہے جو اس کو اس کے آثار و افعال سے سمجھ لیتی ہے۔

(۷۷) الْبِرُّ

(اپنے لطف سے بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا)

بر کے معنی محسن اور بر متعلق وہی ہے جس کی طرف سے تمام نیکیاں اور احسانات ظہور میں آتے ہیں اور بندہ اسی قدر بر ہے جس قدر کہ نیکی کرتا ہے خصوصاً اپنے والدین استاذ اور اپنے شیوخ کے ساتھ۔

روایت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام سے پروردگار نے بات چیت کی تو انھوں نے

پایا عرش کے سامنے ایک شخص کو کھڑے ہوئے پایا موسیٰ علیہ السلام اس شخص کی بلندی منزلت سے تعجب ہوئے اور عرض کیا الہی یہ بندہ کون سے عمل کی بدولت اس درجہ تک ترقی کر گیا فرمایا یہ شخص میرے کسی بندے کے حق میں میری دی ہوئی نعمتوں پر حسد نہیں کرتا تھا اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا تھا۔

یہ تو بندہ کے نیکی تفصیل ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو احسان بے پایہ کرتا ہے اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیے اگر غور کرو تو ہمارے بعض گزشتہ بیانات میں اس کے متعلق اشارات پاؤ گے۔

(۷۸) التَّوَابُ

(گناہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والا)

تو اب وہ ہے جو بندوں کے لئے ایسے اسباب مہیا کرتا ہے کہ وہ نیکی نشانیاں دیکھ کر بار بار اس کی طرف رجوع اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور جو ان کو طرح طرح کی تنبیہات سے خبردار کرتا اور ڈرا ڈھمکا کر اپنے راہ پر لاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کو پہچان کر اپنی تقصیرات اور گناہوں کا احساس کرتے ہیں تو دھمکی سے خوف کھاتے ہیں اور توبہ کرنے لگتے ہیں اور خدا اپنے فضل سے ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

تنبیہ: جو حاکم اپنے مجرم رعایا کی درخواست رحم کو منظور کرتا ہے اور جو دوست اپنی خطا کا رفیق کا ازرقبول کر لیتا ہے وہ اس اسم سے بہرہ یاب ہے۔

(۷۹) الْمُنْتَقِمُ

(نافرمانوں سے بدلہ لینے والا)

منتقم وہ ہے جو سرکشوں کی گردنیں توڑتا اور باغیوں کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور اسکی یہ سخت گیری اس وقت ہوتی ہے جب وہ اتمام حجت کر چکا ہوتا ہے اور نافرمانوں کے بعض آنے کے لئے مہلت و قدرت دے لیتا ہے ایسا انتقام فوری عذاب کی بنسبت زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ اگر فی الفور عذاب نازل کیا جائے تو نافرمان پورے طور پر گناہ میں غرق نہ ہوگا اور اس سے وہ انتہائی عذاب کا مستوجب قرار نہ پائے گا بندہ کا مبارک انتقام یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے انتقام لے اور تمام دشمنوں میں سے زیادہ سخت دشمن نفس ہے پس جب وہ کسی گناہ

کے قریب جائے یا کسی عبادت کے کام میں سستی کرے تو اس کو سزا دینی چاہیے جیسے کہ ابو زید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ۔

ایک رات میرے نفس نے بعض اپنے مقررہ اور عدد وظائف میں سستی کی تو میں نے اس کو یہ سزا دی کہ سال بھر اس کو پانی نہ پینے دیا اور پیاس سے مارا۔

(۸۰) الْعَفْوُ

(گناہوں کو مٹانے والا)

عفو وہ ہے جو گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور تقصیرات سے درگزر کرتا ہے اور غفور کے قریب قریب ہے لیکن عفو میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ غفران میں پردہ ڈالنے کے معنی شامل ہیں اور عفو میں مٹا دینے کے معنی داخل ہیں اور مٹا دینا پر ڈالنے کی بنسبت ابلغ ہے۔

تنبیہ: اس اسم سے بندہ کا حصہ مخفی نہیں ہے اور وہ یہ کہ جو شخص اس پر ظلم کرے وہ اس کو معاف کرے بلکہ اس کے ساتھ احسان کرے جس طرح اللہ تعالیٰ دنیا میں سرکشوں اور قافروں کے ساتھ احسان کر رہا ہے اور ان پر فی الفور عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ کبھی ان کو توبہ پر اکساتا ہے اور جب وہ لوگ توبہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ مٹا دیتا ہے کیونکہ "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا اس نے گناہ کیا ہی نہیں اور گناہ معاف کرنے کا یہ انتہائی درجہ ہے۔

(۸۱) الرَّؤْفُ

(بہت شفقت کرنے والا)

رؤف کے معنی صاحب رافت اور رافت حد درجہ کی رحمت کو کہتے ہیں پس وہ رحیم کا ہم معنی ہیں مگر اس میں کسی قدر مبالغہ بھی شامل ہے اور رحیم کا ذکر گزر چکا۔

(۸۲) مَالِكُ الْمَلِكِ

(ملک کا مالک)

مالک الملک وہ ہے، جو اپنے ملک میں جس طرح چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے جسے اغالبہ مطلب ہوگا طعام کے بعد معمولی چند گھونٹ پانی پینے کے علاوہ دوسرے وقتوں میں پانی نہ پیتے تھے۔ اور شدت کی پیاس جھیلنے رہے تھے۔ مترجم۔

چاہتا ہے جلاتا ہے جسے چاہتا ہے مارتا ہے۔

اس اسم میں ملک کے معنی مملکت کے ہیں اور مالک کے معنی پوری قدرت والا اور تمام موجودات ایک مملکت ہیں جن کا وہ مالک اور سب پر قادر ہے موجودات سب کی سب ایک مملکت ہے کیونکہ وہ ایک دوسری کے ساتھ وابستہ ہیں گویا ایک جہت سے وہ اشیاء بکثرت ہیں مگر دوسری جہت سے ان میں وحدت پائی جاتی ہے اور اس کی مثال بدن انسانی ہے جو انسان کی ایک مملکت ہے اور اس میں بہت سے اعضاء اور اجزاء پائے جاتے ہیں لیکن وہ سب کے سب صرف اپنے ایک مدبر کی غرض پوری کرنے میں ایک دوسرے کی مدد و اعانت میں مصروف ہیں لہذا ان سب کا مجموعاً گویا ایک مملکت ہے اسی طرح تمام عالم گویا ایک ہی وجود ہے اور عالم کے اجزاء اس کے اعضاء ہیں جو ایک ہی مقصود پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ وجود الہی کے موافق جس خیر کا حاصل ہونا ممکن ہو وہ حاصل ہو جائے اور وہ ایک ہی مملکت اس لیے ہے کہ اس کے تمام کاروبار ایک ہی نظم و نسق کے سلسلے میں مرتبط رہیں اور صرف اللہ اس مملکت کا مالک ہے اور ہر بندہ کی مملکت اس کا وجود ہے اور چونکہ صفات قلب اور جوارح میں اس کا حکم جاری رہتا ہے اس لئے وہ اپنی قدرت حاصلہ کے موافق اس اپنی مملکت کا مالک ہے۔

(۸۳) ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

(بزرگی اور عزت والا)

یہ وہ ذات ہے جو تمام جلال و کمال کی واحد سزاوار ہو اور تمام کرامت و کمزرت اسی سے صادر ہو پس وہ جلال کی سزاوار فی ذاتہ ہے اور کرامت اس کی طرف سے خلقت کو پہنچتی ہے خلقت کے حق میں اس کی جو کرامت ہے وہ شمار نہیں کی جاسکتی اس کا یہ ارشاد اس کرامت پر دلالت کرتا ہے "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" یعنی اور ہم نے بنی آدم کو معزز کیا۔

(۸۴) الْوَالِي

(تمام امور کا متولی)

یہ وہ ہے جو تمام خلقت کے ہر قسم کے امور کا مدبر اور متولی ہے اور ولایت تدبیر اور قدرت اور فعل چاہتی ہے۔ اور جب تک اس کے لئے یہ تمام اوصاف جمع نہ ہوں اس پر اسم والی صادق نہیں آسکتا۔ اور تمام امور کا والی خاص اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ پہلے وہ اکیلا تدبیر کرتا

ہے اور پھر اکیلا ہی اس تدبیر کو جاری کرتا ہے اس کے بعد خود ہی اس کو جاری رکھتا ہے۔

(۸۵) الْمُتَعَالَى

(مخلوقات کی صفات سے منزہ)

یہ اسم علی کا ہم معنی ہے مگر اس میں ساتھ ہی کسی قدر مبالغہ شامل ہے۔

(۸۶) الْمُقْسِطُ

(عادل و منصف)

مقسط وہ ہے جو مظلوم کو ظالم سے داد دلاتا ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی خوشنودی کے ساتھ ظالم کی خوشنودی بھی شامل کر دے اور یہ اعلیٰ درجہ کا عادل انصاف ہے جس پر خدا کے سوا اور کوئی قادر نہیں مثال اس کی یہ روایت ہے کہ:-

ایک بار رسول اللہ ﷺ بیٹھے بیٹھے ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے پس حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ کے قربان ہوں آپ کس بات سے ہنسے فرمایا میری امت میں سے دو آدمی خدا کے سامنے دو زانو بیٹھے ہونگے ایک کہے گا یا رب اس شخص سے میرا بدلہ دلا دے (اللہ دوسرے) کو فرمایگا اپنے بھائی کو بدلہ دے وہ عرض کرے گا اے رب العزت میری کوئی بھی نیکی نہ رہی خدا مدعی کو فرمایگا اب تو اپنے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے اب تو اس کے پاس کوئی بھی نیکی نہ رہی وہ عرض کریگا یا رب میرے گناہ اس پر لا دے۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ آہ دیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ دن بڑا خطرناک ہو گا جب کہ لوگ یہ بھی چاہنے لگیں کہ کوئی ان کے گناہ اٹھالے۔

آپ نے فرمایا پھر خدا کہیگا یعنی مدعی سے آنکھ اٹھا کر دیکھ وہ کہیگا اور اے پروردگار میں چاندی کے شہر اور سونے کی عمارتیں دیکھ رہا ہوں جن پر موتیوں کے ہار پڑے ہیں۔ یہ کس ولی یا کس نبی یا کس شہید کے لئے ہے اللہ فرمایگا جو اس کی قیمت ادا کرے وہ عرض کریگا اے پروردگار اتنی قیمت کس کے پاس ہوگی اللہ فرمایگا تیرے پاس ہے وہ عرض کریگا اے پروردگار میں کس چیز کے عوض میں اس کو خرید سکتا ہوں اللہ فرمایگا اپنے بھائی کو عفو کرنے کے عوض

میں وہ عرض کریگا اے پروردگار میں نے معاف کیا اللہ کہیرگا! اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اس کو جنت میں لیجا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خدا سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنوں کے درمیان صلح کر دیگا انصاف و انصاف کا اصلی راستہ یہی ہے جس پر رب الارباب کے سوا کوئی قادر نہیں۔

اس اسم میں سے بندہ کا اعلیٰ حصہ یہ ہے کہ پہلے اپنے نفس سے انصاف دلائے پھر کسی دوسرے شخص سے کسی اور شخص کو انصاف دلائے اور اپنے نفس کو کسی ذات سے انصاف نہ دلائے۔

(۸۷) الْجَامِعُ

(تمام مخلوقات کو جمع کرنے والا)

جامع وہ ہے جو ملتی جلتی چیزوں جدا جدا چیزوں اور ایک دوسرے کی مخالف چیزوں کو باہم ملا دے۔

ملتی جلتی چیزوں کو جمع کرنے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انسان زمین پر جمع کیے ہیں اور پھر سب کو حشر کے میدان میں جمع کرے گا۔

جدا جدا چیزوں کو جمع کرنے کی مثال جیسے کہ اس نے آسمانوں ستاروں ہوا زمین دریا، حیوانات، نباتات اور مختلف معاون کو جمع کیا ہے اور یہ تمام اشیاء شکل میں رنگ میں ذائقہ میں اور دیگر تمام اوصاف میں ایک دوسرے سے متباہن ہیں اس طرح اس نے ہڈی پٹھے رگ عضلہ مغز جلد خون اور تمام اخلاط کو حیوان کے بدن میں جمع کیا ہے یہ چیزیں سب کی سب باہم متباہن ہیں۔

ایک دوسرے کے مخالف اشیاء کو باہم ملانے کی مثال جیسے اس نے حرارت برودت رطوبت اور یبوست کو حیوانات کے مزاج میں جمع کیا ہے حالانکہ یہ اشیاء باہم متنافر اور ایک دوسری پر غلبہ کرنے والی ہیں، اور جمع کرنے کی صورتوں میں سے یہ اعلیٰ درجہ کی صورت ہے خدا کے جمع کرنے کی تفصیل وہی شخص معلوم کر سکتا ہے جو اس کی پیدا کردہ اشیاء کی تفصیل جانتا ہو اور اس بات کی شرح طویل ہے۔

تنبیہ: بندوں میں سے جامع وہ ہے جو نشست و برخاست وغیرہ کے ظاہری

آداب کے ساتھ قلب کے باطنی حقائق کو جمع کرے پس جس شخص کی معرفت کامل اور سیرت پسندیدہ ہو وہ جامع ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ کامل وہ ہے جس کا نور معرفت اس کے تقویٰ کے نور کو بچھانے دے۔

صبر اور بصیرت کو جمع کرنا تقریباً محال ہے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو زہد و تقویٰ پر صبر حاصل ہے اس میں باطنی روشنی نہیں ہے اور جس میں باطنی روشنی ہے اس میں صبر نہیں جامع وہ ہے جو اپنے آپ میں صبر اور بصیرت دونوں جمع کر لے۔

(۸۸) الْغَنِيُّ

(بے پرواہ)

(۸۹) الْمُغْنِي

(لوگوں کے بے پروا کرنے والا)

یہ وہ ہے جس کو اپنی ذات و صفات میں کسی غیر سے تعلق نہیں ہے بلکہ اغیار کے ساتھ علاقہ رکھنے وہ پاک ہے پس جس شے کی ذات یا صفات کسی ایسے امر سے متعلق ہوں جو اس کی ذات سے خارج ہو اس شے کا وجود یا کمال اس خارجی امر پر موقوف ہے پس وہ محتاج اور فقیر ہے جس کو طلب و کسب کی ضرورت ہے ایسی بے تعلقی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لئے ممکن نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی مغنی بھی ہے۔ یعنی غنی بھی کر دیتا ہے مگر جس کو وہ غنی بناتا ہے اس کا مطلق غنی بن جانا متصور نہیں ہو سکتا کم از کم وہ مغنی کا تو محتاج ہوا، پس غنی مطلق کہاں رہا بلکہ غیر اللہ سے بھی مستغنی ہوتا ہے تو اس لحاظ سے کہ اس کی تمام ضروریات خدا مہیا کر دیتا ہے نہ بایں معنی کہ اس کو کوئی حاجت ہی نہیں رہتی اور غنی حقیقی تو وہ ہوتا ہے جس کو کسی کی حاجت قطعاً نہیں ہوتی۔ اور جو شے محتاج ہے اور اپنی حاجت کی چیزیں حاصل کر رہی ہے وہ مجازاً غنی ہے غیر اللہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ جو صورت تسلیم کی جاسکتی ہے وہ صرف یہی ہے تاہم جب اس کو خدا کے سوا اور کسی کی حاجت نہیں رہتی تو اس کو غنی کہا جاتا ہے اگر یہ ہو سکتا کہ اصلی حاجت بھی اس کے ساتھ لگی نہ رہے تو خدا کا یہ فرمان (معاذ اللہ) صحیح نہ ہوتا کہ اللہ غنی وانتم فقراء اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو اور اگر یہ تصور کرنا صحیح نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام اشیاء مستغنی ہو سکتے ہیں تو خدا کے لئے مغنی کا وصف (معاذ اللہ) درست نہ ہوتا۔

(۹۰) الْمَانِعُ

(اپنے دوستوں کو تکلیف سے روکنے والا)

مانع وہ ہے جو حفاظت کے خاص خاص اسباب مہیا کر کے ادیان و ابدان سے نقصان و ہلاکت کے اسباب دور کرتا ہے اور حفیظ کے معنی بیان ہو چکے۔

حفظ کے لئے منع اور دفع ضروری ہے پس جو شخص حفیظ کے معنی سمجھتا ہے وہ معنی کے معنی بھی سمجھ سکتا ہے فرق اتنا آتا ہے کہ منع سبب مہلک کی طرف نسبت کرنے سے مستفاد ہے اور حفظ اس چیز کی طرف نسبت کرنے سے جو ہلاک سے محفوظ ہے اور وہ منع سے مقصود ہے۔

خلاصہ یہ کہ چونکہ منع کا فعل حفظ کے لئے کیا جاتا ہے اور حفظ کا فعل منع کے لئے نہیں کیا جاتا لہذا ہر حافظ دفع و مانع ہے لیکن ہر مانع کا حافظ ہونا ضروری نہیں مگر اس وقت جب کہ وہ تمام اسباب ہلاک و نقص کا مانع مطلق ہو جس سے حفظ کا حاصل ہونا لازم ہو جاتا ہے۔

(۹۱) الضارُ

(قدر و شر کا خالق)

(۹۲) النافعُ

(نفع و خیر کا پیدا کرنے والا)

یہ وہ ہے جس سے خیر و شر اور نفع و ضرر صادر ہوتے ہیں اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں یا تو وہ ان امور کا اجراء ملائکہ انسان اور جمادات کے ذریعے سے کرتا ہے یا بلا واسطہ خود کرتا ہے پس یہ نہ سمجھنا کہ زہر خود بخود مار ڈالتا ہے اور طعام خود بخود سیر کر دیتا ہے اور نہ یہ خیال کرنا کہ فرشتے انسان شیطان یا کوئی اور مخلوق مثلاً فلک ستارہ یا دوسری چیز خود بخود نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے بلکہ یہ تمام اشیاء اسباب مسخر ہیں جو صرف وہی کام کر سکتے ہیں جن پر وہ مامور ہیں اور یہ تمام امور قدرت ازلیہ کے تعلق سے ہیں جیسے عام لوگوں کے اعتقاد میں قلم کاتب کے ساتھ تعلق رکھنے کی حیثیت سے ہے مثلاً سلطان جب کسی انعام یا سزا کے حکم نامہ پر دستخط کرتا ہے تو اس کا ضرر یا نفع قلم کی طرف سے نہیں سمجھا جاتا بلکہ ان لوگوں کی طرف سے سمجھا جاتا ہے جن کے قبضہ میں قلم ہے اس طرح تمام وسائط و اسباب کا حال ہے ہم نے عام لوگوں کے خیال میں اس لئے کہا کہ جاہل آدمی ہی قلم کو کاتب کا مسخر سمجھتا ہے اور عارف جانتا ہے کہ قلم

ہدایت دیتا ہے حتیٰ کے وہ مخلوقات سے اس کی ذات پر دلیل ٹھہراتے ہیں اور ہر مخلوق کو اپنی ضروری حاجتوں کے پوری کرنے کی سمجھ دیتا ہے چنانچہ بچے کو پیدا ہوتے ہی پستان کو منہ میں لینے کا ڈھنگ بتا دیتا ہے اور پھر چوزے کو اس کے انڈے سے نکلنے ہی دانہ چگنے کا طریقہ سکھا دیتا ہے شہد کی مکھی کو ایسے شہ پہلو خانوں کے گھر بنانے کا طریقہ سکھاتا ہے جو اس کے جسم کے اس طرح سما جانے کے لئے کہ ارڈ گرد کچھ خالی جگہ نہ رہے تمام صورتوں سے زیادہ مناسب ہے یہ تفصیل بڑی لمبی ہے خدا کے ارشاد کا یہی مطلب ہے ”الذی اعطیٰ کل شیء خلقہ ثم ہدیٰ“ یعنی وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی بناوٹ عطا فرمائی پھر اس کی راہ دکھائی اور ”والذی قدر فہدیٰ“ یعنی اور جس نے ہر چیز کا اندازہ کیا پھر ہدایت کی۔

بندوں میں ہادی انبیاء اور علماء ہیں جو مخلوقات کو سعادت اخرویہ کی طرف لے جاتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر چلاتے ہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کی زبانی ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کی قدرت و تدبیر کی تحت میں کام کرتے ہیں۔

(۹۵) الْبَدِيعُ

(موجد)

بدیع وہ ہے جس کی کوئی مثال نہ گزری ہو پس اگر ذات صفات اور افعال میں اور اس کے متعلقہ ہر امر میں اس کی کوئی مثل نہ گزری ہو تو وہ بدیع مطلق ہے اور اگر کوئی اس قسم کی شے گزر چکی ہو تو وہ بدیع مطلق نہیں رہیگا اسم مطلقاً خدا سے خاص ہے کیونکہ اس کے ساتھ قبل (پہلے) کا معنی کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا پس کوئی اس جیسی شے اس سے پہلے کیونکر ہو سکتی ہے اور اس کے بعد جو چیز موجود ہوتی ہے وہ اس کی ایجاد سے بنی ہے اور وہ اپنے موجود سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی پس وہ ازلا وابد بدیع ہے۔

بندوں میں سے جو شخص نبوت یا ولایت یا علم میں ایسی فوقیت حاصل کرے کہ اس کی نظر سابق میں نہ گزری ہو یا اس کے زمانہ میں کوئی اس کی نظیر موجود نہ ہو، تو اپنے مخصوص اوصاف زمانہ کے اندر بدیع ہے۔

(۹۶) الْبَاقِي

(باقی رہنے والا)

یہ وہ موجود ہے جو لذاتہ واجب الوجود ہے لیکن جب اس کو ذہن میں زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کیا جائے تو وہ باقی کہلائیگا اور جب زمانہ ماضی سے نسبت دی جائے تو اس کو قدیم کہا جائے گا۔

باقی مطلق وہ ہے جس کے وجود کی تقدیر زمانہ مستقبل میں کسی آخری حد تک منتہی نہ ہو جس کے لئے یہ لفظ مقرر ہیں کہ وہ ابدی ہے اور قدیم مطلق وہ ہے جس کے زمانہ میں وجود کی درازی کا ماضی میں کوئی آغاز نہیں اور اس کے لئے یہ لفظ مقرر ہیں کہ وہ ازلی ہے۔

جب تم تسلیم کرتے ہو کہ وہ لذاتہ واجب الوجود ہے تو یہ تمام معنی اس میں آجاتے ہیں یہ اسماء جو مقرر کیے گئے ہیں تو ذہن میں اس وجود کو ماضی و مستقبل کی طرف منسوب کرنے سے پیدا ہوئے ہیں ماضی و مستقبل کے مفہوم میں متغیرات کا معنی شامل ہے اس لئے کہ وہ دونوں زمانے ہیں اور زمانہ میں حرکت و تغیر ہی داخل ہیں کیونکہ حرکت بذاتہا ماضی اور مستقبل کا مجموعہ ہے اور متغیر تغیر کے واسطے سے زمانہ میں داخل ہوتا ہے پس جو ذات تغیر اور حرکت سے بالاتر ہے وہ زمانہ سے نہیں ہے اور نہ اس میں ماضی و استقبال ہے یہ امور تو ہمارے ہی لئے ہیں جن پر زمانہ گزرتا ہے اب کچھ اور حالت ہے پھر کچھ اور ہوگی اس کے بعد کچھ اور ہو جائیگی یہاں تک کہ جو حالت گزر چکی ہے وہ ماضی جو موجود ہے وہ حال اور جو آنے والی ہے مستقبل کہلاتی ہے اور جہاں نہ آغاز ہے نہ انجام وہاں زمانہ ہی نہیں اور کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ ہی نے تو زمانہ کو پیدا کیا ہے پس وہ زمانہ سے پیشتر ہے اور زمانہ سے بعد جوں کا توں رہے گا۔

کسی کا یہ خیال بالکل دراز عقل ہے کہ بقا کی صفت باقی کی ذات سے زائد ہے اور اس سے بھی زیادہ بعید خیال یہ ہے کہ قدامت کی صفت قدیم کی ذات سے زائد ہے ان خیالوں کی بیہودگی اس سے ظاہر ہے کہ اس بنا پر بقاء کی بقاء اور صفات کی بقاء اور قدامت کی قدامت اور صفات کی قدامت کا خط لازم آتا ہے۔

(۹۷) الْوَارِثُ

(فنائے موجودات کے بعد باقی رہنے والا)

وارث وہ ہے جو مالکوں کے فنا ہونے کے بعد مملوکات کا مالک قرار پاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جو خلقت کے فنا ہو جانے کے بعد باقی ہے اور آخر ہر شے کا مرجع وہی ہے اس وقت وہ یوں فرمایا گیا لَمِنَ الْمَلِكِ الْيَوْمِ (آج کس کی بادشاہی ہے) پھر خود ہی یوں جواب دے گا

”لله الواجد القهار“ (اللہ واحد وقہار کے بادشاہی ہے) یہ سائنلانہ ندا ان اکثر لوگوں کے غلط زعم کو دور کرنے کی غرض سے کی جائیگی جو خود بادشاہ اور صاحب ملک ہونے کا گھمنڈ رکھتے ہیں اس وقت اصل معاملہ ان پر آئینہ ہو جائے گا لیکن جو لوگ صاحب بصیرت ہیں وہ ہمیشہ سے خود بخود اس ندا کا معنی سمجھے ہوئے ہیں بلکہ یہی ندا بلا حرف و آواز ہر وقت سن رہے ہیں اور دل سے یقین رکھتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر لمحہ میں اللہ واحد قہار کی بادشاہی ہے۔ اس لئے وہ ازلی وابدی ہے اس بات کو کچھ وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو توحید فی الفعل کی حقیقت جانتا ہے اور بخوبی سمجھتا ہے کہ زمین و آسمان کی قلمرد میں فاعل واحد وہی واحد یکتا ہے۔

اس بات کو ہم نے احیاء العلوم کے باب توکل کے آغاز میں بیان کیا ہے شوق ہو تو اس میں مطالعہ کرو کیونکہ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

(۹۸) الرَّشِيدُ

(صاحب رشد)

یہ وہ ذات پاک ہے جس کی تدبیر ٹھیک ٹھیک اپنے مقاصد پر قائم ہوں بلا اس کے کہ کوئی معاون ان کی اعانت کرے یا کوئی راہنما ان کا راہ پر قائم رکھے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو جتنی جتنی دینی و دنیوی تدبیرات کی ہدایت بخشی ہے اتنی ہی تدبیرات کی ٹھیک راہ پر چلنے اور ان سے صحیح مقصد حاصل کرنے کی توفیق بھی دی ہے۔

(۹۹) الصَّبُورُ

(بڑا صبر کرنے والا)

یہ وہ ہے جس کو کوئی تیزی اور تندگی کسی کام کو جلد از وقت کرنے پر مجبور نہیں کرتی بلکہ وہ تمام امور کو خاص اندازے پر قائم کر کے محدود راہ پر چلاتا ہے اور ان کو نہ کسی سست کارندے کی طرح مقرر وقت سے پیچھے ڈالتا ہے اور کسی جلد باز کی طرح قبل از وقت کرنے لگتا ہے بلکہ وہ ہر کام کو اسکے مقررہ وقت پر مناسب طریقے سے کرتا ہے یہ تمام امور بلا کسی مخالف کی مخالف کے انجام پاتے ہیں۔

بخلاف اس کے بندے کا صبر مخالف کے مقابلے سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس کے

صبر کے معنی ہی یہ ہیں کہ عقل و دین کی خواہش شہوت و غضب کی خواہش کے مقابلے میں ثابت قدم رہے جب وہ مخالف خواہشیں باہم کھینچا تانی کرتی ہیں اور جلد بازی کی خواہش دھیمی ہو کر تاخیر اختیار کرتی ہے تو اس خواہش والا صبور کہلاتا ہے کیونکہ اس نے جلد بازی کی خواہش کو پست کر لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میں جلد بازی کا کوئی باعث ہی نہیں ہے پس جب وہ شخص جس میں عجلت کا باعث موجود ہے (گو وہ کمزور ہی ہو گیا) ہے **صبور** کہلاتا ہے تو وہ ذات اس سے بھی زیادہ اس اسم کی حقدار ہے جس میں اس قسم کا کوئی بھی باعث موجود نہیں ہے۔

خاتمہ

فصل اول

واضح ہو کہ مذکورہ اسما و صفات میں سے ہر اسم کے بعد تنبیہات لکھنے کا خیال مجھے رسول اللہ ﷺ کے ان دو قولوں کی بناء پر سوجھا۔

(۱) "تخلقوا باخلاق اللہ" یعنی خدا کے اخلاق کی پیروی کرو۔

(۲) "ان اللہ تعالیٰ کذا و کذا خلقاً من تخلق بواحد منها

دخل الجنة" یعنی اللہ تعالیٰ کے فلاں فلاں اخلاق ہیں جو شخص ان میں سے ایک خلق بھی

پیدا کر لے وہ جنت میں جائے گا۔

صوفیہ کے کلام کا حاصل وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں لیکن اس کا سیاق و سباق کچھ اس قسم کا ہے جس سے حلول اور اتحاد کا وہم پیدا ہوتا ہے مگر عقلمند آدمی ایسا گمان بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ وہ حضرات جو مکاشفات کے فضائل سے ممتاز ہیں۔

میں نے شیخ ابوعلی فارمدی سے سنا ہے جو اپنے شیخ ابوالقاسم کزکائی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا نو دو نہ نام بندہ مالک کے اوصاف بن سکتے ہیں۔

اگر اس سے کوئی ایسی صورت مراد ہے جو ہماری مذکورہ تنبیہات سے مناسبت رکھتی ہو تو صحیح ہے اور اس کے سوا اور کوئی صورت خیال میں نہیں آ سکتی اور پھر کہا جائے گا کہ مذکورہ الفاظ میں ایک قسم کا توسع اور استعارہ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اسمائے حسنیٰ کے معنی باری تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اور اس کی صفات کسی غیر کی صفت نہیں بن سکتی ہاں۔

اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ غیر خدا ایسی صفات سے موصوف ہو سکتا ہے جو خدا کی صفات سے مناسبت رکھتی ہو جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے استاد کا علم حاصل کیا ہے حالانکہ استاد کا علم شاگرد کو حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ ایک اور علم اس کے علم کی مثل حاصل ہوتا ہے۔

اگر کسی کا یہ گمان ہو کہ اس سے مراد مذکورہ صورت نہیں ہے۔ تو یہ قطعاً باطل ہے کیونکہ کامل کے اس قول میں کہ اسمائے باری تعالیٰ کے معانی غیر اللہ کے اوصاف بن سکتے ہیں یا تو ان اوصاف سے عین خدا کے اوصاف مراد ہیں یا ان کی مثل اگر مثل مراد ہیں تو ضرور یا تو مطلقاً اور

من کل الوجودان کی مثل مراد ہونگے یا ان کی مثل من حیث الاسم ہونگے اور عموم صفات میں مشارکت ہوگی نہ کہ خواص معنی میں پس یہ دو قسمیں ہوئیں اور اگر عین صفات باری تعالیٰ مراد ہیں تو

ضرور یا تو صفات باری تعالیٰ کی صفات میں سے بندے کی طرف منتقل ہو کر آئی ہونگی یا نہیں۔ اگر منتقل ہو کر نہیں آئی ہوں تو پھر ضرور یا تو بندے اور باری تعالیٰ کی ذات متحد ہو گئی ہوگی لہذا جو صفت اس کی ہے وہی اسکی ہے یا ان میں حلول ہوگا پس یہ پانچ احتمال ہوئے یعنی:-

(۱) بندے کی صفات کا خدا کی صفات کے مثل مطلق ہونا۔

(۲) بندے کی صفات کا خدا کی صفات کے مثل من حیث الاسم ہونا۔

اصوفیہ میں ہے جو حضرات وحدت الوجود کے قائل ہیں ان پر بعض علماء شریعت کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ خالق اور مخلوق کو وجود میں

متحد مانتے ہیں یا خالق کا مخلوق میں حلول تسلیم کرتے ہیں اور یہ دونوں خیال لحدانہ ہیں۔ صوفیہ اپنے خیال کی توضیح میں کہتے ہیں کہ اتحاد و طول کا

قول بیشک لحدانہ ہے مگر ہم اس خیال سے بری ہیں ہمارے قول وحدت الوجود کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ ۱۳ عرشی

(۳) خدا کی صفات کا بندے میں منتقل ہو جانا۔

(۴) خدا کی ذات اور بندے کی ذات کا متحد ہو جانا

(۵) حلول۔

ان پانچوں صورتوں میں سے صرف دوسری صورت صحیح ہے کہ بندے کی صفات خدا کی صفات کی من حیث الاسم ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان صفات میں سے بندے کے لئے وہ امور ثابت ہوتے ہیں جو ان صفات کے مناسب ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ صرف نام کی شرکت رکھتے ہیں پوری پوری مماثلت نہیں رکھتے جیسے کہ ہم تنبیہات میں بیان کرتے آئے ہیں پہلی صورت یعنی بندے کی صفات خدا کی صفات کی مثل مطلق ہیں محال ہے کیونکہ ان میں سے ایک یہ صفت بھی لازم ہے کہ بندے کا علم تمام معلوماً پر محیط ہو یہاں تک کہ آسمان و زمین میں کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے خارج نہ رہے اور یہ کہ اس کو ایک ایسی قدرت حاصل ہو جو تمام مخلوقات پر شامل ہو یہاں تک کہ وہ اس کے ذریعہ سے آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا خالق کہلاتا ہو یہ بات غیر اللہ کے لئے بھلا کیونکر ثابت ہو سکتی ہیں۔ اور بندہ کیونکر زمین و آسمان اور ان کی درمیان کی چیزوں کا خالق ہو سکتا ہے حالانکہ وہ خود ان اشیاء میں سے ہے تو اپنے آپ کا خالق وہ کیونکر ہو سکتا ہے اگر یہ صفات دو بندوں کے لئے ثابت ہوں جو ایک دوسرے کے خالق ہوں تو گویا ہر ایک اپنے خالق کو پیدا کرنے والا ہے اور یہ سب واہیات اور محال باتیں ہیں۔

تیسری صورت یعنی عین صفات ربوبیت منتقل ہو کر بندہ میں آ جاتی ہیں یہ بھی محال ہے کیونکہ اول تو صفات کا اپنے موصوف سے جدا ہونا محال ہے اور یہ محال ذات قدیمہ سے خاص نہیں بلکہ اشیائے حادثہ میں بھی ایسا ہونا محال ہے چنانچہ یہ امر ممکن نہیں کہ زید کا علم بعدیہ عمرو میں منتقل ہو جائے بلکہ صفات کا قیام صرف موصوف کے ساتھ ہوتا ہے دوسرے اگر یہ صفات منتقل ہوتی ہوں تو لازم ہے کہ جس میں سے منتقل ہوں وہ ان سے خالی رہ جائے۔ پس ذات باری تعالیٰ ربوبیت اور صفات ربوبیت سے خالی رہ جائے گی اور یہ بھی صاف طور پر محال ہے۔

چوتھی صورت یعنی اتحاد بھی بالکل محال ہے کیونکہ قائل کا یہ قول کہ بندہ رب بن گیا فی نفسہ متناقض ہے بلکہ اس قسم کے محال احتمالوں کو خدا کے حق میں کرنا تو خلاف ادب ہے ہم ایک عام قول پیش کرتے ہیں کہ قائل کا یہ قول کہ فلاں شے بن گئی مطلقاً محال ہے کیونکہ مثلاً جب زید

کو علیحدہ اور عمر کو علیحدہ عقل تسلیم کرتی ہے پھر جب کہا جائے کہ زید عمر و بن گیا اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا تو پھر یا تو دونوں موجود ہوں گے یا دونوں معدوم ہونگے یا زید موجود اور عمر معدوم ہو گا یا عمر موجود اور زید معدوم ہو گا اور یہ چاروں صورتیں غیر ممکن ہیں کیونکہ اگر دونوں موجود ہوں گے تو ایک دوسرے کا عین نہ ہوئے ہوں گے بلکہ ان میں سے ہر ایک کا عین موجود ہے اور مقصود صرف یہ ہے کہ اگر دونوں کا مقام متحد ہو جائے مگر یہ بھی صفات کے اتحاد کا موجب نہیں ہوتا چنانچہ علم، ارادہ قدرت وغیرہ مختلف اوصاف ایک ذات میں جمع ہوتے ہیں اور ان کا محل بھی متباین نہیں ہوتا تاہم قدرت علم نہیں بن جاتی۔ اور نہ علم ارادہ ہو جاتا ہے۔ اگر دونوں معدوم ہونگے تو دونوں متحد کہاں ہوئے بلکہ دونوں کا وجود ہی نہ رہا ایک معدوم اور دوسرا موجود ہو تو بھی اتحاد نہیں کیونکہ موجود معدوم کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کا مطلقاً متحد ہونا محال ہے اور یہ حکم نہ صرف ان اشیاء میں جاری ہے جو ایک دوسری سے مختلف ہیں بلکہ ان اشیاء میں بھی جو ایک دوسری کی مثل ہیں چنانچہ اس سیاہی کا وہ سیاہی بن جانا ویسے ہی محال ہے جیسے اس سیاہی کا وہ سفیدی بن جانا یا وہ علم بن جانا محال ہے۔

بندے اور رب کے درمیان جو تباہن ہے وہ سیاہی اور علم کے تباہن سے زیادہ ہے پس سرے سے اتحاد ہی باطل ہے اور اتحاد جو عموماً مشہور ہے اور کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ چیز وہ بن گئی یہ محض بطور توسع اور مجاز کہ کہا کرتے ہیں جو صوفیوں اور شاعروں کی عادت ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی بات کو دلچسپ بنانے اور خوب صورتی کے ساتھ سمجھانے کے لئے استعارہ کا طریقہ اختیار کرتے ہیں جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے

تو من شدی من تو شدم

من تن شدم تو جاں شدی

اور یہ قول خود شاعر کے خیال میں قابل تاویل ہے کیونکہ اس کا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ عاشق مطلقاً معشوق بنے گا بلکہ یہ مراد ہے کہ عاشق کی حالت معشوق کی سی حالت عاشق کی سی ہے کیونکہ وہ معشوق کے خاطر اس طرح مصروف فکر غم ہے جس طرح اپنی جان کے خاطر ہوتا ہے اور معشوق اس کو ویسے ہی محبوب ہے پس اس حالت کو مجازاً اتحاد قرار دیا۔

انہیں معنوں پر ابو یزید کا یہ قول حمل کیا جاسکتا ہے کہ میں اپنی ہستی سے اس طرح نکل گیا جس طرح سانپ کیچلی سے نکالا جاتا ہے اب جو دیکھتا ہوں تو میں وہ (یعنی حق) ہوں مطلب اس کا یہ ہے کہ جو شخص اپنی نفسانی خواہشات اور ارادوں سے قطع تعلق کر لیتا ہے تو

اس کے دل میں خدا کے سوا اور کسی کا خیال نہیں رہتا اور اس کے دل میں اللہ کا جلال و جمال اس قدر سما جاتا ہے کہ وہ اسی میں مستغرق ہو جاتا ہے بعینہ وہی نہیں بنتا اور اس سے مشابہ ہونے اور بالکل وہی بنجانے میں بڑا فرق ہے لیکن بعض اوقات کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں شے بالکل فلاں شے ہے لیکن مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شے فلاں شے جیسی ہے جیسے کہ شاعر کبھی تو کہتا ہے تو من شدی تو شدم اور کبھی کہتا ہے ع

تو مثال من شدی و من مثال تو شدم

اس مقام پر عقائد کا قدم مستحکم رہنا مشکل ہے کیونکہ جس شخص کو معقولات میں پوری مہارت نہیں ہے وہ ان دونوں صورتوں میں تمیز نہیں کر سکتا چنانچہ وہ اپنے کمال ذات پر نظر کرتا ہے جس میں حقانیت کے جوہر چمکتے ہوئے ہوتے ہیں تو اس کو گمان ہوتا ہے کہ میں حق ہوں اور انا الحق حق کی سدا بلند کرنے لگتا ہے یہ شخص درحقیقت نصارے کی سی غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے جو یہی خیال حضرت عیسیٰ کے متعلق رکھتے ہیں اور ان کو خدا سمجھتے ہیں بلکہ اس شخص کی سی غلطی کر رہا ہے جو آئینے میں کوئی رنگ دار صورت دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ صورت اور رنگ آئینہ کا ہے حالانکہ خود آئینہ کی نہ صورت ہے اور نہ رنگ ہے بلکہ اس کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں رنگین صورتیں اس طرح منکشف ہوتی ہیں کہ ظاہری امور کی طرف دیکھنے والے کو خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت آئینہ کی ہے حتیٰ کہ بچہ جب انسان کی صورت آئینہ میں دیکھتا ہے تو اس کو شک ہوتا ہے کہ آئینہ میں انسان موجود ہے اسی طرح قلب فی نفسہ صورت اور ہیئت سے خالی ہے اور اس کی بیانات صرف یہ ہے کہ وہ بیانات اور صورت کے معنوں اور حقائق کو قبول کرتا ہے پس جو چیز اس میں حلول کرتی ہے وہ اس کے ساتھ متحد ہو جانی والی چیز کے مثل ہوتی ہے تحقیقا متحد نہیں ہوتی اور جو شخص بوتل میں شراب دیکھے اور وہ بوتل شراب کی جدا جدا حقیقتوں کا علم نہ رکھتا ہو تو وہ کبھی تو کہے گا بوتل کوئی چیز نہیں جو کچھ ہے شراب ہے اور کبھی کہے گا شراب کوئی شے نہیں جو کچھ ہے بوتل ہے چنانچہ اس خیال کو ایک شاعر نے یوں باندھا ہے

رق النزجاج وراقت الخمر

فتشابها کل الامر فکانما خمرو

لا قدح وکانما قدح ولا خمر۔

کانچ کا پیالہ صاف ہے اور شراب شفاف دونوں

یکساں نظر آتے ہیں کچھ (فرق) معلوم نہیں ہوتا

گویا (پیالہ) اور شراب (مجموعہ) شراب ہی ہے
اور پیالہ نہیں اور گویا یہ (مجموعہ پیالہ ہی ہے اور
شراب نہیں۔

جو شخص انا الحق کا دعویٰ دار ہے یا تو اس کا وہی مطلب ہے جو تو من شدی من تو شدم کا
ہے یا اس بارہ میں اس غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے جس میں نصار گرفتار ہیں کہ لاہوت اور ناسوت
باہم متحد ہیں۔

ابو یزید کا قول سبحانی ما اعظم شانی اگر ان سے ثابت ہے تو یا انہوں نے اللہ کی طرف
سے بطور حکایت کہا ہوگا چنانچہ اگر ان کو یہ کہتے سنا جاتا کہ لا الہ الا ان فاعبدنی
،، نہیں کوئی معبود میرے سوا پس میری عبادت کر تو لا محالہ کہا جاتا ہے کہ وہ ان کلمات کو جو قرآن
مجید میں سے ہیں بطور حکایت ادا کرتے ہیں اور یا انہوں نے صفت قدس میں سے اپنے حصہ کا
مشاہدہ کیا ہوگا اس لئے اپنے نفس کی تقدس کی خبر دینے کے لئے سبحانی کہد یا اور عامہ خلق کے
مقابلہ میں اپنی شان کی عظمت کا اندازہ لگا کر ما اعظم شانی کہد یا اور ساتھ ہی وہ جانتے ہوں گے
کہ میرا تقدس اور عظمت مخلوق کے مقابلہ میں ہے ورنہ اس تقدس اور عظمت کو خدا کے تقدس اور
عظمت سے کوئی نسبت نہیں اور یہ الفاظ بھی شکر اور غلبہ کے حال میں ان کی زبان پر جاری ہوئے
ہوں گے کیونکہ ہوشیاری اور اعتدال حال میں ایسے تو ہم خیز اور مشتبہ الفاظ سے اپنی زبان کو بچانا
لازم ہے سکر کی حالت میں یہ خیال نہیں رہتا۔

ان دونوں تاویلوں کی حد سے گزر کر تم اتحاد کو اور دل میں لاؤ گے وہ قطعی محال ہے
بزرگان دین کے منصب عالی سے دھکا کر کہیں امر محال کے قائل نہ ہو جانا بلکہ چاہیے کہ لوگوں کو
خدا کے ذریعہ سے شناخت کرو نہ کہ خدا کو لوگوں کی نظروں سے پانچویں صورت یعنی حلول ہی
محال ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کہا جائے کہ رب نے بندے میں حلول کیا ہے یا بندے
نے رب میں حلول کیا ہے تعالیٰ اللہ رب الارباب عن قول الظالمین
بغرض محال اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے بندہ اور رب کا اتحاد لازم
نہیں آتا اور نہ بندے کا رب کی صفات سے متصف ہونا لازم آتا ہے کیونکہ حال (حلول
کنندہ) کی صفات محل (جائے حلول) کی صفت نہیں بن سکتی بلکہ حال کی صفات جوں کی توں
رہتی ہیں۔

حلول کا محال ہونا اس وقت سمجھ میں آئے گا جب کہ حلول کے معنی روشن کر دیے

جائیں کیونکہ معانی مفردہ جب تک بطریق تصور ذہن میں حاضر نہ ہوں ان کی نفی و اثبات کا حکم نہیں لگایا جاسکتا پس جو شخص حلول کے معنی نہیں سمجھتا وہ اس بات کو کیونکر سمجھ سکتا ہے کہ حلول ثابت ہے یا محال ہے۔

واضح ہو کہ حلول سے دو نسبتیں سمجھ میں آتی ہیں ایک تو وہ نسبت جو جسم اور اس کے مکان میں ہوتی ہے جس میں وہ موجود ہوتا ہے یہ نسبت ہمیشہ دو جسموں کے مابین ہوتی ہے تو جو ذات جسمیت سے بری ہے اس کے حق میں اس قسم کی نسبت محال ہے۔

دوسری وہ نسبت جو عرض اور جوہر کے مابین ہوتی ہے کیونکہ عرض کا مقام جوہر کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جوہر میں حلول کیے ہوئے ہے اور یہ امر اس ذات کے حق میں محال ہے جو بنفسہ قائم ہے۔

اس بحث میں خدا کا ذکر تو سوادب ہے خدا کے سوا جو چیز قائم بالذات ہے اسے کسی دوسری چیز قائم بالذات میں حلول کرنا محال ہے پس دو بندوں میں بھی حلول کا پایا جانا محال ہے تو بندہ اور رب کے مابین حلول کیونکر پایا جاسکتا ہے۔

جب حلول انتقال اتحاد اور اتصاف بمثال صفات اللہ محال قرار پایا تو اہل تصوف کے مذکورہ قول کا وہی مطلب ہوگا جو ہم تنبیہات میں بیان کر چکے ہیں اور اس سے صاف سمجھ سکتے ہیں کہ متعالقاً یہ کہنا کہ اسمائے باری تعالیٰ کے معنی بندے کے اوصاف ہو سکتے ہیں جائز نہیں ہاں کسی ایسی تاکید اور شرط کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے جو تو ہم اور اشتہ سے خالی ہو ورنہ یہ مطلق الفاظ تو ہم پیدا کرتے ہیں۔

سوال: اس قول کا کیا مطلب ہے کہ بندہ ان تمام اوصاف سے متصف ہونے کے باعث سالک ہے وہ اصل نہیں سلوک اور وصول کے کیا معنی ہیں؟

جواب: واضح ہو کہ سلوک سے مراد اخلاق اعمال اور علوم کی درستی ہے اور یہ ظاہری اور باطنی حالت کی اصلاح اور آرتگی سے ہے بندہ جب اس حالت میں مشغول ہوتا ہے تو گویا خدا کو چھوڑ کر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، مگر وہ اس لئے اپنے باطن کا تصفیہ کر رہا ہے کہ وصول کی استعداد پیدا ہو جائے اور وصول یہ ہے کہ نور حق اس کے سامنے جلوہ گر ہو اور وہ اس نور میں مستغرق ہو جائے اور اپنی پہچان کو دیکھے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہ پہچانے اور اگر اپنے قصد کو دیکھے تو اللہ کے سوا اور کوئی اس کا مقصود نہ ہو پس وہ بالکل خدا ہے کے مشاہدہ اور اس قصد میں مشغول ہو جائے اور اس بارے میں اپنے آپ پر نظر نہ کرے تاکہ اس کا ظاہر عبادت کے

ساتھ اور باطن تہذیب اخلاق کے ساتھ آباد و آراستہ ہو جائے اس تمام کیفیت کا نام طہارت ہے اور یہ آغاز ہے سرانجام اس کا یہ ہے کہ وہ بالکل اپنے نفس سے تعلق قطع کر لے اور خاص خدا کا ہو جائے اس وقت وہ گویا وہی بن جائے گا یہ اصول ہے۔

سوال: صوفیہ کے کلمات سے ایسے مشاہدات کا مطلب مفہوم ہوتا ہے۔ جو ان کو طریق ولایت میں، میسر ہوتے ہیں اور عقل ولایت کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہے اور جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے وہ محض عقلی بحث ہے؟

جواب: واضح ہو کہ طریق ولایت میں کسی ایسے امر کا واقع ہونا جائز نہیں جو عقل کے نزدیک محال ہو ہاں ایسی بات کا ظہور پذیر ہونا جائز ہے جس سے عقل قاصر ہو مثلاً ولی کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہو جانا جائز ہے کہ کل کوفلاں شخص مر جائے گا اور کوئی دوسرا شخص عقل کے ذریعہ سے یہ بات معلوم نہیں کر سکتا بلکہ عقل ایسی بات کے معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ اور یہ معلوم ہو جانا جائز نہیں کہ اللہ کل اپنا ایک شریک پیدا کرے گا کیونکہ عقل اسکو محال قرار دیتی ہے۔ صرف یہ کہ اس کے ادراک سے قاصر ہے۔

اس سے زیادہ بعید یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ مجھ کو اپنی مثل بنالے گا پھر اس سے زیادہ دور از امکان یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ مجھ کو اپنا آپ بنالے گا یعنی میں وہی بن جاؤں گا کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں حادث ہوں اور اللہ مجھ کو قدیم بنادے گا میں آسمان و زمین کا خالق نہیں ہوں اللہ مجھ کو ان اشیاء کا خالق بنالے گا اور یہ قول مشہور ہے کہ ”نظرة فاذا اناہو“ یعنی میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں خدا ہوں۔

اگر اس کی تاویل نہ کی جائے اور ظاہری معنوں پر اس کو حمل کیا جائے تو اس کا یہی مطلب ہوگا اور جو شخص اس قسم کی محال بات کی تصدیق کرے اس کو عقل کا ادنیٰ سا ادنیٰ حصہ بھی نہیں ملا اور وہ معلوم اور غیر معلوم میں تمیز نہیں کر سکتا تعجب نہیں کہ وہ اس بات کی بھی تصدیق کرے کہ ولی کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہو جانا جائز ہے کہ شریعت باطل ہے اور اگر وہ حق ہے تو خدا اس کو باطل کر دے گا اس نے انبیاء کی تمام باتوں کو جھوٹی بنا دیا۔

جو شخص یہ کہے کہ سچ کا جھوٹ بن جانا محال ہے وہ صرف عقل کے بھروسہ پر ایسا کہتا ہے کیونکہ سچ کا جھوٹ بن جانا حادث کے قدیم بن جانے اور بندے کے رب بن جانے سے زیادہ بعید نہیں ہے اور جو شخص ایسی بات میں عقلاً محال ہو اور ایسی بات میں جس سے عقل قاصر ہو فرق نہیں سمجھتا وہ مخاطب ہونے کے بھی قابل نہیں ہے وہ جانے اور اس کا جہل جانے۔

فصل دوم

مقاصد اور غایات میں

اس فصل میں بیان کیا جائے گا کہ اہل سنت کے مذہب پر یہ اسماء کثیرہ ایک ذات اور سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہوتے ہیں غالباً تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ یہ اسماء بکثرت ہیں جن میں ترادف نہیں ہے اور ہر اسم کے معنی دوسرے اسم کے معنی میں شامل ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہیں کہ تمام اسماء سات صفتوں میں منقسم ہو جاتے ہیں سو واضح ہو کہ صفات گویا سات ہیں مگر افعال اور اضافتیں اور سلب بہت ہیں جو حصر سے زائد ہیں پھر ان تینوں قسموں میں سے دو دو قسموں کی ترکیب ہو سکتی ہے یعنی صفت اور اضافت کی صفت اور سلب کی سلب اور اضافت کی اور ہر ایک مجموعہ کے مقابلہ میں اسم واضح ہو سکتا ہے اور اس طرح بہت سے نام پیدا ہو سکتے ہیں جن میں سے بعض ذات پر دلالت کرتے ہیں بعض ذات مع سلب بعض ذات مع اضافت پر بعض ذات مع سلب و اضافت پر بعض سات صفتوں میں سے ایک صفت پر بعض صفت اور سلب پر بعض صفت اور اضافت پر بعض صفت اور فعال پر بعض صفت فعال اور اضافت پر بعض سلب پر یہ دس قسمیں ہوتیں۔

(۱) جو اسم ذات پر دلالت کرتا ہے وہ اللہ ہے اور اس کے قریب قریب اسم الحق ہے جب کہ اس سے ذات واجب الوجود ہونے کی حیثیت سے مراد ہو۔

(۲) جو اسمائے ذات مع سلب پر دلالت کرتا ہے ان کی مثال القدوس اور السلام اور الغنی، اور الاحد، وغیرہ ہیں چنانچہ القدوس وہ ہے جو تمام خیالات اور توہمات کی نسبت سے پاک اور مسلوب عنہ ہے السلام وہ ہے جس سے عیوب مسلوب ہیں الغنی وہ ہے جس سے حاجت مسلوب ہے الاحد، وہ ہے جس سے نظر اور تقسیم مسلوب ہے،

(۳) جو اسمائے ذات مع اضافت پر دلالت کرتے ہیں ان کی مثال العلیٰ اور العظیم اور الاول، اور الآخر، اور الظاہر، اور الباطن، وغیرہ ہیں علیٰ وہ ذات ہے جو تمام ذاتوں سے رتبہ میں برتر ہے اس کو اضافت کہتے ہیں عظیم خدا کی ذات پر اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ ادراکات کی حدود سے متجاوز ہے اول وہ ہے جو موجودات سے سابق ہے آخر وہ ہے جس کی

طرف موجودات کا انجام ہے ظاہر خدا کی ذات دلالت عقل کی نسبت سے ہے باطن خدا کی ذات حس وہم کے ادراک کی نسبت سے ہے ورس علیٰ ہذا غیرہ۔

(۴) جو اسمائے ذات مع سلب و اضافت کے معنی رکھتے ہیں ان کی مثال الملائک اور العزیز ہے کیونکہ ملک اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو اور اس کی محتاج ہر چیز ہو اور عزیز وہ ہے جس کی نظیر نہ ہو، اور اس کا حاصل کرنا اور اس تک پہنچنا دشوار ہو۔

(۵) جو اسماء کسی صفت کے معنی میں ہیں ان کی مثال العظیم اور القادر اور المحی، اور السميع، اور البصیر ہے۔

(۶) جن اسماء کا مطلب علم مع اضافت ہو ان کی مثال الخبیر الحکیم، اور الشہید، اور المحصى، ہے خبیر کی دلالت علم پر باطنی امور کے لحاظ سے ہے۔ اور شہید کی دلالت علم پر مشاہدات کے لحاظ سے ہے اور حکیم کی دلالت اشرف المعلومات کے لحاظ سے ہے محصى کی دلالت اس حیثیت سے ہے کہ وہ معلومات محصورہ و محدودہ پر محیط ہے۔

(۷) جو اسماء قدرت مع اضافت کا مفہوم رکھتے ہیں ان کی مثال القہار اور القوی اور المقتدر، اور المتین ہیں کیونکہ قوت کمال قدرت ہے اور متانت شدت قدرت ہے اور قہر تاشیر، قدرت ہے۔

(۸) جن اسماء کا مفہوم ارادہ مع اضافت یا مع فعل ہے ان کی مثال الرحمن اور الرحیم اور الرؤف اور الودود ہے کیونکہ رحمت کا مفہوم وہ ارادہ ہے جو کسی محتاج ضعیف کی حاجت روائی سے مضاف ہو رافت سے مراد شدت رحمت ہے اور یہ لفظ رحمت کا مفہوم مبالغہ کے ساتھ ادا کرتا ہے وہ کے معنی وہ ارادہ جو احسان انعام سے مضاف ہو رحیم کا فعال محتاج کا مستدعی ہے وود کا فعال اس کا مستدعی نہیں بلکہ وہ انعام بطریق ابتداء کا مستدعی ہے اور یہ اس ارادہ کی طرف راجع ہوتا ہے جو انسان اور ضعیف کی قضائے حاجت سے مضاف ہے اور اس کی وجہ تم اوپر پڑھ آئے ہو۔

(۹) جو اسمائے صفات فعال کا مفہوم رکھتے ہیں ان کی مثال الخالق اور الباری اور المصور، اور الوہاب، اور الرزاق، اور الفتاح، اور القابض، اور الباسط، اور الخافض، اور الرافع، اور المعز، اور المذل، اور العدل، اور المقیم، اور الممیت، اور المقدم، اور المؤخر، اور الوالی، اور البر، اور التواب، اور المنتقم، اور المقسط، اور الجامع، اور المانع، اور المغنی، اور الہادی وغیرہ۔

(۱۰) جو اسمائے فعل پر کسی زیادتی کے ساتھ دلالت کرتے ہیں ان کی مثال المجید اور

الکریم ہے کیونکہ مجید وسعت اکرام پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ شرف ذات بھی کامل ہو یہی معنی کریم کے ہیں اور لطیف فعل کی نرمی پر دل ہے۔

پس یہ اور ان کے سوا باقی تمام اسماء جس قدر ہیں وہ ان دس قسموں سے خارج نہیں ہیں مذکورہ اسماء پر غیر مذکورہ اسماء کو بھی قیاس کر لو۔ کیونکہ اس سے اسماء کا غیر مترادف ہونا اور صفات محصورہ و مشہورہ میں منقسم ہونا بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے۔

فصل سوم

فلاسفہ معتزلیین کے مذہب پر ان تمام

صفات کے ایک ذات کی طرف رجوع

کرنے کا بیان

اگرچہ یہ فصل اس کتاب کے لائق نہیں ہے لیکن بحکم التماس مجھے اس کو درج کتاب کرنا پڑا جو صاحب اس کو کتاب میں نہ رکھنا چاہیں ان کو اس کے نکال ڈالنے کا اختیار ہے کیونکہ وہ غیر ضروری ہے۔

واضح ہو کہ فلاسفہ معتزلیین اگرچہ صفات کے منکر ہیں اور ذات واحد کے سوا کسی شے کے اثبات نہیں کرتے تاہم وہ افعال کثرت حطب اور کثرت اضافات کا انکار نہیں کرتے چنانچہ ہم جو ان اسماء کو ان اقسام میں ضبط کرتے ہیں تو وہ بھی اس میں معاون ہیں۔

ہفت صفات یعنی حیات، علم قدرت، ارادہ، سمع، بصر، اور کلام ان کے نزدیک سب کی سب علم میں جمع ہو جاتی ہیں پھر علم ذات کی طرف راجع ہوتا ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ سمع سے ان کے نزدیک خدا کا وہ علم تام مراد ہے جو آوازوں سے تعلق رکھتا ہے اور بصر سے وہ علم جو رنگوں سے اور تمام اشیاء دیدنی سے متعلق ہے اور کلام معجزانہ کے نزدیک اس کے فعل کی طرف راجع ہے اور یہ وہ کلام ہے جو وہ جمادات میں سے کسی جسم کے اندر پیدا کر دیتا ہے اور فلاسفہ کے نزدیک اسماع (سانہ) کی طرف راجع ہے۔

جس کو وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں پیدا کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک معجز کلام لوگوں کو سناتا ہے اور وہ کلام خدا سے منسوب ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلام اس نبی ﷺ کو

انسانی فعل اور انسانی آواز کے ساتھ حاصل نہیں ہے حیات سے مراد اس کا علم بذاتہ ہے کیونکہ جس چیز کو اپنی ذات کا شعور حاصل ہو اس کو حی کہا جاتا ہے۔ اور جس کو اپنی ذات کا شعور نہ ہو اس کو حی نہیں کہہ سکتے۔

باقی رہے ارادہ اور قدرت ارادہ کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ خیر کی وجہ اور اس کے نظام کا علم رکھتا ہے پس اپنے علم کے موافق ایجاد کرتا ہے اور اس کو کسی چیز کا علم ہونا اس چیز کے وجود کا سبب ہوتا ہے اور جب اس کو کسی چیز میں وجہ معلوم ہوتی ہے تو اس کو حاصل کرتا ہے اور اس میں سے کسی قسم کی کراہیت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس پر راضی ہوتا ہے اور راضی کو بھی ارادہ کرنے والا بھی کہا کرتے ہیں پس اس لحاظ سے ارادہ کا مفہوم علم ہے جس کے ساتھ عدم کراہیت شامل ہو۔

قدرت کے یہ معنی ہیں کہ وہ جب چاہتا ہے کرتا ہے اور جب نہیں چاہتا نہیں کرتا اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس کا علم رکھتا ہے اور اس کی مشیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو وجہ خیر کا علم ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جس کے وجود میں خیر جانتا ہے اس کے موجود کرتا ہے اور جس چیز کے موجود نہ ہونے میں خیر جانتا ہے اس کو موجود نہیں کرتا اور نظام خیر کا وجود صرف اس بات کا محتاج ہے کہ خدا کو اس کا علم ہو اور غیر موجود چیز اپنی غیر موجودگی میں صرف اس امر کی محتاج ہے کہ اس میں کسی خیر کے پائے جانے کا علم نہ ہو پس نظام معقول نظام موجود کا سبب ہے اور نظام موجود نظام معقول کے تابع ہے۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارا علم معلوم کے تحقق میں قدرت کا محتاج ہے کیونکہ ہمارا فعل ضرور کسی مؤثر آلہ کے ذریعہ سے ہوگا اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہوگا کہ وہ مؤثر آلہ صحیح و سالم اور پوری طاقت والا ہو مگر خدا کسی آلہ کے ذریعہ سے فعل نہیں کرتا بلکہ اس کا علم ہی معلوم کے وجود کے لئے مکنفی ہے پس قدرت بھی علم کی طرف راجع ہے۔

اس کے آگے فلاسفہ معتزلیں کا یہ عقیدہ ہے کہ علم بھی اس کی ذات کی طرف راجع ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کو بذاتہ جانتا ہے پس وہ خود ہی علم بھی ہے عالم بھی اور معلوم بھی۔ اور غیر کو بھی اپنی ہی ذات سے جانتا ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کو جانتا ہے جو کل موجودات کی مبدر ہے لہذا وہ تمام موجودات کو علی سبیل البتعیات اپنی ذات ہی سے جانتا ہے پس یہ امر اس کی ذات میں کثرت پائے جانے کا موجب نہیں ہے ان لوگوں کا زعم ہے کہ ذات واحد کے علم کی نسبت کثرت معلومات کے ساتھ ویسی ہی ہے جیسے کہ محاسب کے علم کی نسبت ہے جب کہ اس سے

سوال کیا جائے ۲×۲ کتنے ہوئے اور $۲ \times ۲ \times ۲$ کتنے اور $۲ \times ۲ \times ۲ \times ۲$ کتنے اسی طرح مثلاً دس درجہ تک سوال کیا جائے تو قبل اس کے کہ وہ اس سوال کا جواب دینے کے لئے عمل خوب کا سلسلہ پھیلائے اس کو یقین ہے کہ میں اس کے جواب کا علم رکھتا ہوں اور یقین ہی اس کے عمل کی پہلی کڑی ہے یہ یقین گویا سب سے پہلا ایک حسابی خط ہے جس کو حساب کی تمام تفصیل بلکہ ان کے غیر متناہی سلسلے کے ساتھ بلا تفصیل خاص نسبت ہے اور جس طرح ۲×۲ کا سلسلہ تبدل کج کثرت کی طرف چلا جاتا ہے اس طرح ان کے نزدیک موجودات میں بھی ترتیب ہے اور ان کے ابتداء میں کثرت نہیں ہے پھر تبدل کج کثرت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور اس دعویٰ کی شرح اور اس کی تردید بڑا طول چاہتی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے کیونکہ وہ گویا مقصد کتاب سے خارج ہے اگر اس کا شوق ہی ہے تو ہم نے کتاب ”تہافتہ الفلاسفہ“ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے تم کو بڑی مدد ملے گی۔

تیسرا فن لواحق اور تمة جات میں

پہلی فصل

اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نام صرف نناوے نہیں ہیں واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک صرف نناوے کی تعداد میں محصور نہیں ہیں بلکہ ان کے سوا بھی اسماء آئے ہیں چنانچہ ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ان میں سے بعض اسماء کی بجائے ایسے اسماء مروی ہیں جو ان کے قریب قریب ہیں اور ایسے اسماء بھی ہیں جو ان سے قریب المعنی نہیں۔

پہلے اسماء کی مثال ”الاحد بجائے الواحد کے اور القاہر، کے بجائے القہار کے اور الشاکر، کے بجائے الشکور کے۔

دوسرے اسماء جو قریب المعنی نہیں ہیں ان کی مثال الہادی اور الکافی الدائم، اور البصیر اور المنور، اور المبین اور الجلیل، اور الصادق، اور المحیط، القریب، اور القدیم، اور الوتر، اور الفاطر اور العلّام، اور الملک، اور الاکرم، اور المدبر، اور الرفیع، ذوالطول اور ذوالمعارج، اور ذوالفضل اور الخلاق +

قرآن مجید میں بھی ایسے اسماء ہیں جو روایات میں متفق علیہ نہیں ہیں جیسے المولیٰ اور النصیر، اور الغالب، اور القریب، اور الرب، اور الناصر، اور نہ اضافت اسماء بھی آئے ہیں جیسے شدید العقاب اور قابل التوب اور غافر الذنب موج الیل فی النہار و موج النہار فی الیل اور مخرج الحی من لمیت و مخرج لمیت من الحی۔۔

حدیث شریف میں ایک اسم السید بھی آیا ہے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یا سید تو آپ نے فرمایا سید اللہ تعالیٰ ہے غالباً آپ کا مقصود یہ ہوگا کہ روح بروح کرنے سے منع فرمائیں ورنہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے انا سید ولد آدم ولا فخر، یعنی میں بنی آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں۔

احادیث میں اسم الدیان بھی وارد ہوا ہے اسی طرح الحنان اور المنان بھی آئے ہیں

اور بھی ایسے اسماء ہیں جو احادیث کی تلاش سے مل سکتے ہیں۔

اگر افعال سے اسماء کا اشتقاق جائز قرار دیا جائے تو ایسے افعال بہت سے ہیں جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سے منسوب ہیں جیسے یکشف الشوء وہ مصیبت دور کرتا ہے ویقذف بالحق، اور وہ حق کو ظاہر کرتا ہے، ویفصل بینہم، اور ان کے مابین فیصلہ کرتا ہے وقضینا الی بنی اسرائیل، اور ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ میں فیصلہ کر دیا۔

پس ان افعال سے جو اسماء مشتق ہو سکتے ہیں وہ الکاشف اور القاذف بالحق اور الفاصل اور القاضی ہیں ایسے اسماء کا حصر و شمار نہیں یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا بیان آئے گا۔

الغرض یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اسمائے باری تعالیٰ صرف یہی نناوے نہیں ہیں جن کی ہم نے شرح لکھی ہے بلکہ ہم نے شرح اسمائے باری تعالیٰ کے متعلق عام عادت کو ملحوظ رکھ کر ان پر اقتصار کیا ہے کیونکہ ایک مشہور روایت میں اسی قدر تعداد مروی ہے یہ شمار شدہ اسماء اور تفصیلات جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں صحیحین میں نہیں ہے۔

صحیح حدیثوں میں آنحضرت ﷺ کا صرف یہ قول آیا ہے کہ ”اللہ کے نناوے نام ہیں“ جو شخص ان سب کو پڑھے وہ جنت میں جائیگا رہا ان اسماء کا بیان اور تفصیل سوان، میں مذکور نہیں۔

فقہاء اور علماء کا جن اسماء پر اتفاق ہوا ہے ان میں المرید اور المستحکم اور الموجود اور الشیء اور الذات، اور الازلی اور الابدی بھی شامل ہیں ان پر خدا کا اطلاق کرنا جائز ہے۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ یوں نہ کہو کہ رمضان آیا کیونکہ رمضان اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے ہاں یوں کہو کہ ماہ رمضان آیا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا آپ نے جو شخص کسی رنج یا غم میں مبتلا ہو۔ اور پڑھے:-

الھم انی عبدک وابن عبدک

وابن امتک ناصیتی بیدک ماضی فی

حکمک عدل فی قضاوک اسئلک

بکلی اسم سمیت بہ نفسک او انزلتہ

! صحیحین سے مراد حدیث کی وہ سب سے زیادہ معتبر اور صحیح کتابیں ہیں جن کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کہتے ہیں مترجم

فی کتابک او علمتہ احداً من خلقک
 او استأثرت به فی علم الغیب عندک
 ان نجعل البقران ربیع قلبی ونور
 صدری وجلاء حزنی وذهاب همی

یعنی الہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں
 میری پریشانی تیرے ہاتھ میں ہے تیرا حکم مجھ پر جاری ہے تیری قضا مجھ
 پر عادلانہ ہے میں تجھ سے اس ہر اسم کے ساتھ جس کو تو نے اپنا نام مقرر
 کیا ہے یا تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے یا
 اپنے علم غیب میں جو تیرے نزدیک ہے اس کو پسند کیا ہے یہ سوال کرتا
 ہوں کہ قرآن کو میرے دل کی بہار میرے سینہ کا نور میرے غم کی جلا
 میری فکر کا دور کرنے والا کر دے۔

تو اللہ اس کا غم ورنج دور کر دیگا اور بجائے ان کے خوشی اور فراغ باری عطا کریگا۔
 ”استأثرت به فی علم الغیب عندک“ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اسمائے
 باری صرف وہی نہیں جو مشہور روایت میں آئے ہیں۔

اب تمہارے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ پھر نناویں کی تعداد میں اسمائے باری تعالیٰ کو
 محصور کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور اس نکتہ کا بیان کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ آئندہ فصل میں اس
 کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دوسری فصل

اسمائے باری تعالیٰ میں سے نناویں کی تخصیص کا فائدہ

اس فصل میں چند غور فکر کی باتیں درج ہیں، جن کو ہم سوال و جواب کے طور پر بیان
 کرتے ہیں۔

سوال: کیا اسمائے باری تعالیٰ نناوے سے زائد ہیں یا نہیں؟ اگر زائد ہیں تو نناویں

کی تخصیص کا کیا مطلب ہے مثلاً جو شخص ایک ہزار درہم کا مالک ہے تو اس کے حق میں یہ کہنا کب جائز ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس صرف نناوے درہم ہیں گو ہزار میں نناویں بھی آجاتے ہیں لیکن ایک خاص تعداد کے ذکر سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ماسوا کی نفی کی گئی ہے اگر اسماء نناوے سے زائد نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ اسئلک بکل اسم

سمیت بن نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او ستأثرت بہ علم الغیب عندک۔

اس سے تو صریحاً یہ پایا جاتا ہے کہ بعض اسماء خاص اسی کے علم میں ہیں اور اسی طرح بزرگان سلف کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو اسم اعظم معلوم ہے اور یہ امر انبیاء اور اولیاء کی طرف منسوب کیا جاتا تھا جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ اسم نناویں اسماء سے خارج ہے؟

جواب: قرین قیاس تو یہ بات ہے کہ مذکورہ احادیث و اخبار کی رو سے اسمائے باری نناوے سے زائد ہیں، اور جس حدیث میں ان اسماء کا حصر مذکور ہے وہ ایک قضیہ پر نہیں بلکہ دو قضیوں پر شامل ہے اس کی مثال یہ کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک ہزار نوکر ہیں اب کوئی شخص کہتا ہے کہ حضور اعلیٰ کے نناویں نوکر ہیں جو شخص ان سے مدد حاصل کر لے دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہاں یہ تخصیص ان نوکروں کی مدد حاصل کرنے کے لحاظ سے ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ نناویں نوکر زیادہ طاقت ور ہیں اور یا اس لئے کہ نناویں کی تعداد دفع اعدا کے لئے کافی ہے جس میں کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں یہ تخصیص اس لحاظ سے نہیں کہ صرف وہی نوکر موجود ہیں۔

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسماء اس تعداد سے زائد ہوں اور حدیث کے الفاظ دو قضیوں پر مشتمل ہوں۔

ایک قضیہ یہ کہ ”اللہ کے نناویں نام ہیں“

دوسرا قضیہ یہ کہ ”جو کوئی ان سب کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا“ حتیٰ کہ اگر صرف ایک پہلے قضیہ پر بس کریں تو وہ مکمل کلام ہوگا بخلاف اس کے پہلی صورت میں صرف ایک پہلے قضیہ پر بس نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ دوسرا احتمال اس حصر کے ظاہری مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے جلد سمجھ میں آ جانے والا ہے لیکن دو وجہ سے بعید از قیاس ہے۔

ایک تو یہ کہ اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ بعض اسماء ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب میں اپنے لئے اختیار کیا ہے حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

وہ یہ کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سب کے سب اسماء کو یاد کرنے کی فضیلت صرف نبی یا کسی ولی کو حاصل ہوتی ہے جس کو اسم اعظم آتا ہوتا کہ اسماء کی تعداد پوری ہو سکے ورنہ اس کے بغیر تعداد ناقص رہے گی اور وصول جنت کے لئے سب کے سب اسماء یعنی ان کی مکمل تعداد و شرط ہے پس حصر باطل ہے ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عام لوگوں کو سارے اسماء کے پڑھنے کی ترغیب دینے کے لئے یہ حصر بیان کیا ہے اور اسم اعظم کو عام لوگ نہیں جانتے۔

سوال: جب زیادہ قرین قیاس یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء نناویں سے زائد ہیں تو اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ اسماء مثلاً ہزار ہوں گے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں سے نناویں اسماء کے یاد کرنے سے آدمی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے تو یہ نناوے خاص خاص اسماء ہیں یا جو نئے نناویں اسماء گن لیں وہی کافی ہو سکتے ہیں حتیٰ کہ ان کو پڑھنے والا بھی بہشت میں داخل ہونے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ابو ہریرہؓ کی ایک روایت والے تمام اسماء کو پڑھے جو دوسری روایت میں آئے ہیں تو بھی بہشت کا مستحق ہو جاتا ہے جب کہ ہم دونوں روایتوں کے اسماء کو اسمائے باری تعالیٰ سمجھیں۔

جواب: بظاہر تو بات درست ہے کہ اس سے مراد ۹۹ معین اسماء ہیں۔ کیونکہ جب وہ متعین نہ ہوں گے تو حصر و تخصیص کا فائدہ ظاہر ہو گا چنانچہ اگر کوئی کہے کہ بادشاہ کے ایک سونو کر ایسے ہیں جو شخص ان کی مدد حاصل کرتا ہے دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہ کہنا بھی درست ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کے بہت سے نوکر ہیں اور ان میں سے خاص نوکر ہوں، اور ان میں سے خاص نوکر جن کی تعداد ایک سو ہو قوت و شوکت میں ممتاز ہوں اور اگر تمام شاہی نوکروں میں سے خواہ کوئی نوکر ایک سو لے لیں اور ان سے یہ بات حاصل ہو سکتی تو کہنے والے کا مذکورہ قول اپنے طریق ادا کے لحاظ سے پورا نہیں اترے گا۔

سوال: صرف ۱۹۹ اسماء کی اس قضیہ سے کیا خصوصیت ہے باقی اسماء بھی تو خدا ہی کے ہیں؟

جواب: چونکہ اسماء معنوی جلالت کے لحاظ سے باہم متفاوت ہیں اس لئے ممکن ہے کہ فضیلت میں بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہوں اور ہو سکتا ہے کہ ۱۹۹ اسماء کے جلال معنوں پر مشتمل ہوں جن پر دوسرے اسماء نہ ہوں اس لئے وہ سب سے برتر ہوں۔

سوال: کیا اسم اعظم میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل نہیں تو پھر اسم کیونکر اسم اعظم کہلا سکتا ہے جو ان اسمائے عظمیٰ سے خارج ہے اور اگر داخل ہے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اسم

عظیم صرف نبیوں اور ولیوں کو معلوم ہوتا ہے اور ۹۹ عام مشہور ہیں سنتے ہیں کہ اصف بن برخیا بلیقہ کے تخت کو لمحہ بھر میں لائے تھے تو وہ اسم اعظم جانتے تھے اور جو شخص اس کو جانتا ہے وہ بڑی بڑی کرامات رکھتا ہے۔

جواب: یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم اس تعداد سے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے خارج ہو، اور ان اسماء کی عظمت تمام مشہور و معروف اسماء کے مقابلہ میں ہونہ کہ اسماء کے مقابلہ میں جو انبیاء اولیاء کو معلوم ہیں اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم انہیں اسماء میں شامل ہو لیکن عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کونسا اسم ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے فرمایا نبی ﷺ نے کہ اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔

وَالْهَکْمُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (پ ۲، ع ۳۶)

اور لوگو تمہارا معبود تو وہی خدائے واحد ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں بڑا رحم کرنے والا

مہربان ہے۔

دوسری آیت یہ سورہ آل عمران کی شروع کی آیت ہے:-

اَلَمْ يَلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ اَللّٰهُ ذَاتٌ پَاکٌ ہے کہ اس کے سوا

کوئی معبود نہیں زندہ کارخانہ عالم کا سنبھالنے والا * پ ۳

اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو یوں دعا مانگتے سنا:-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاِنِّیْ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ

یَلِدْ وَّلَمْ یُولَدْ وَّلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ

خداوند میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس طرح کہ میں باضرور اس امر کی گواہی دیتا

ہوں تو اکیلا بے پرواہ ہے۔ جو نہ جنتا ہے۔ نہ جنا گیا ہے۔ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس

شخص نے خدا سے اس کے اسم اعظم کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے یہ وہ اسم ہے جس کے واسطہ

سے سوال کیا جائے تو وہ پورا کر دیتا ہے اور دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔

سوال: تمام اعداد میں سے صرف ۹۹ کی تخصیص کیوں ہے اور پھر اس کو بھی پورا

کیوں نہ کر دیا گیا جس میں صرف ایک کی کسر ہے؟

جواب: اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ سکتے ہیں کہ معانی شریفہ اس حد تک پہنچ

گئے نہ اس لئے کہ ان کی تعداد بس ہو گئی بلکہ وہ اس عدد کے موافق آ پڑے جیسے کہ صفات باری

تعالیٰ اہل سنت کے نزدیک سات ہیں یعنی حیات علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، نہ اس لئے کہ وہ سات ہیں بلکہ ربوبیت ان کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔

دوسرا احتمال جو ذرا زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ اس کا سبب یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”مائة الا واحد والله وتر يحب الوتر“ یعنی ایک کم سوا اور اللہ طاق ہے طاق ہی کو دوست رکھتا ہے۔

مگر اس احتمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسماء ارادہ اور اختیار سے رکھے گئے ہیں نہ اس حیثیت سے کہ صفات شرف صرف انہیں میں منحصر ہیں ہو گا نہ کہ بالارادہ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی صفات اس لئے سات ہیں کہ وہ طاق ہے اور طاق ہی کو دوست رکھتا ہے بلکہ یہ اس کی ذات والہیت کے تقاضے سے ہے۔ نہ کے طاق ہونے کی وجہ سے اور اس میں عدد غیر متصور ہے بلکہ وہ کسی قصد کرنے والے کے قصد پر موقوف نہیں جو جفت کو چھوڑ کر طاق کا قصد کرے یہ بات اس احتمال کی تائید کر سکتی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے وہ صرف ۹۹ ہیں زیادہ نہیں اور اس نے ان کو سو اس لئے نہیں بنایا کہ وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے آئندہ ہم اس احتمال کی تائید کرنے والے امر کی طرف اشارہ کریں گے۔

سوال: یہ ۱۹۹ اسماء سب کے سب رسول اللہ ﷺ نے جمع کرانے کی غرض سے بیان کر دیے ہیں یا یہ کام اس شخص کے لئے چھوڑ دیا ہے جو قرآن و حدیث اور آثار سے ان کو جمع کر سکتا ہو؟

جواب: ظاہر بات جو مشہور تر بھی ہے یہ ہے کہ ان تمام اسماء کو رسول اللہ ﷺ نے جمع کرنے کی غرض سے بیان کر دیا ہے چنانچہ ان کو حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے کیونکہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے ان تمام کو پڑھنے کی ترغیب ثابت ہوتی ہے اور اگر ان تمام کو رسول اللہ ﷺ بطور جمع بیان نہ کر دیتے تو لوگوں کو ان کا معلوم کرنا مشکل تھا۔

مذکورہ دلیل سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے اور جمہور نے ان کی اس مشہور روایت کو تسلیم کیا ہے جس کے مطابق ہم نے اسماء کی یہ شرح لکھی ہے۔
امام احمد اور بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کے متعلق خوب بحث کی ہے اور کہا ہے کہ اس روایت میں ضعف ہے۔

اور ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں اس کے متعلق ایسی روایت ظاہر کی

ہے جس سے اس روایت کے ضعف کا اشارہ پایا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں، محدثین نے اس کے متعلق تین خاص امور کا ذکر کیا ہے۔

(۱) اول تو یہ کہ ابو ہریرہؓ سے یہ روایت مضطرب ہے کیونکہ ان سے دور روایتیں مروی

ہیں اور دونوں کے مابین ابدال و تعبیر میں بڑا فرق ہے۔

(۲) دوم اس روایت میں حنان اور منان اور رمضان وغیرہ ان اسماء الہیہ کا ذکر نہیں

جو احادیث سے ثابت ہیں۔

(۳) سوم صحیح حدیث میں صرف تعداد کا ذکر ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا قبول صرف اتنا

ہے کہ اللہ کے نناویں نام ہیں جو شخص ان سب کو یاد کرتا ہے وہ جنت میں جائیگا۔

وہاں اسماء کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان کا ذکر ایک دوسری غریب روایت میں ہے جس کے

اسناد میں ضعف ہے اور اس عدد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ اسماء نہیں ہیں مگر

ہم یہ احتمال دکھا چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں بعض اسماء چھوٹ گئے ہیں۔

جس روایت میں اسماء کا شمار درج ہے اگر ہم اس کا ضعیف قرار دیں تو تمام

اعتراضات رفع ہو سکتے ہیں چنانچہ ہم کہیں گے کہ اسمائے باری تعالیٰ صرف نناویں ہیں۔ جن کو

خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مقرر فرمایا ہے ان کو پورے ۱۰۰ اسواں لیے نہیں بنایا کہ وہ طاق ہیں

اور طاق ہی کو پسند کرتا ہے۔

ان اسماء میں حنان اور منان وغیرہ بھی داخل ہیں یہ تمام اسماء قرآن و حدیث میں

غور و خوض کیے بدوں معلوم نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں سے کچھ اسماء تو قرآن مجید میں مذکور ہیں

اور کچھ حدیث میں۔

میں نے بلاد مغرب کے ایک حافظ کے سوا اور کوئی عالم نہیں دیکھا جس نے ان اسماء کو

جمع کرنے کی کوشش کی ہو اس شخص کا نام ابن حزم ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے اسی ۱۸۰ اسماء باری تعالیٰ

معلوم ہوئے ہیں جو قرآن حدیث اور صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں باقی اسماء بھی حدیثوں میں

اجتہادی غور فکر کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں میرے خیال میں ان کو وہ حدیث نہیں پہنچی جس میں

اسمائے باری تعالیٰ کا شمار درج ہے اور اگر پہنچی ہے تو اس کی اسناد کو ضعیف سمجھا ہو گا یا ان کو چھوڑ کر

ان روایات کی طرف رجوع کیا ہو گا جو صحیح احادیث میں آئے ہیں پس جو شخص اس طریق سے

ان اسماء کو جمع کر کے یاد کرے اس کو اس اجتہاد میں سخت تکلیف اٹھانی پڑے گی ایسا شخص فی

الواقع جنت میں جانے کے لائق ہے بخلاف اس کے ان اسماء کو یکبارگی زبانی یاد کر لینا سہل ہے

جو مشہور روایت میں آئے ہیں ہاں صحیح احادیث کے بعض الفاظ میں یوں بھی وارد ہوا ہے کہ
 من حفظہا دخل الجنة، جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائیگا، اور حفظ کے
 لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔

یہ وہ احتمالات ہیں جو اس حدیث کے متعلق سوچھے ہیں جن میں سے بعض باتیں
 ایسی ہیں جو پہلے کسی کو نہیں سوجھیں۔ اور وہ اجتہادی امور ہیں۔ جو ذوق سلیم کے ذریعہ معلوم کیے
 جاتے ہیں کیونکہ درجہ عقل سے بالاتر ہیں۔ واللہ اعلم

تیسری فصل

اس امر کا بیان کہ اسمائے باری تعالیٰ توقیف

پر موقوف ہیں یا بطریق عقل جائز ہیں

قاضی ابو بکر فرماتے ہیں کہ یہ بطریق عقل جائز ہے مگر ایسا نام جائز نہیں جس سے
 شرع نے منع کیا ہو یا اس کے معنی خدا کی نسبت محال ہوں اور جس نام میں کوئی مانع نہیں وہ جائز
 ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری کا یہ مذہب ہے یہ توقیف پر موقوف ہے پس خدا کے حق میں ایسے
 ہر اسم کا اطلاق جائز نہیں ہو سکتا جس کے معنی سے وہ موصوف ہے مگر جب کہ اس کی اجازت
 آئی ہو۔

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس کی تفصیل کی جائے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو لفظ اسم
 بن سکتا ہے وہ اذان شرع پر موقوف ہے اور جو وصف بن سکتا ہے وہ اذن پر موقوف نہیں بلکہ اگر
 صادق آتا ہے تو مباح ہے اگر کاذب (غیر صادق) ہے تو نہیں اس نکتہ کے سمجھنے کے لئے اسم
 اور وصف کا فرق معلوم کرنا ضروری ہے۔

واضح ہو کہ اسم وہ لفظ ہے جو کسی کی دلالت کے لئے موضوع ہو چنانچہ زید کا اسم

زید ہے اور وہ شخص فی نفسہ سفید اور لمبا بھی ہے اور کوئی شخص اس کو یوں پکارے کہ ”ارے او سفید“ ”ارے اولبے“ تو گویا اس نے اس کو وصف کے ساتھ پکارا اور اس کو پکارنا درست تھا لیکن اس نے ہم کے ساتھ پکارنے سے پہلو تہی کی کیونکہ اس کا اسم زید تھا سفید اور لمبا نہیں تھا اور اس کا فی نفسہ سفید اور لمبا ہونا اس امر پر دال نہیں ہے کہ یہ اس کے اسم ہیں بلکہ ہم اپنے بیٹے کا نام جو قاسم اور جامع رکھ دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان اسماء کے معنوں سے موصوف ہے بلکہ ان اسماء کی دلالت گو معنوی ہی ہے ایسی ہے جیسے زید اور عیسیٰ کی دلالت ہے بلکہ جب ہم کسی کا نام عبد الملک رکھتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بادشاہ کا غلام ہے اور اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ عبد الملک عیسیٰ اور زید کی طرح ایک مفرد ہم ہے اور جب اس کو وصف کے ذیل میں ذکر کریں تو وہ مرکب کہلائے گا یہی حال عبد اللہ کے اسم کا ہے اس لئے اسم عبد اللہ کی جمع عبادلہ آتی ہے نہ کہ عباد اللہ۔

جب اسم کے معنی تم سمجھ چکے تو اب واضح ہو کہ ہر شے کا اسم وہ ہے جس کے ساتھ وہ خود اپنے آپ کو موسوم کرے یا اسے ”ولی“ یا ”والدین“ ”مالک“ موسوم کرے اور تسمیہ یعنی اسم مقرر کرنا مسمیٰ کے حق میں تصرف ہے اور یہ تصرف ولایت کا مستدعی ہے اور انسان کی ولایت یا تو اپنے آپ پر ہوتی ہے یا اپنے غلام پر، یا اپنے بیٹے پر اس لئے انہیں کا نام رکھنے کا حق ہو سکتا ہے اور اسی لئے اگر ان کے سوا کسی اور شخص کا نام رکھ دیا جائے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور خفا ہوتا ہے جب ہم انسانوں کے نام رکھنے کا حق نہیں رکھتے تو اللہ کا نام رکھنے کا ہمیں کیا حق حاصل ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک شمار میں آئے ہوئے ہیں جن کو خود آنحضرت ﷺ نے شمار کیا ہے اور فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں، احمد، اور محمد، اور المقتدی، اور الماحی، اور العاقب، اور بنی التوبۃ اور بنی الرحمۃ اور بنی الملحمہ ہمیں اختیار نہیں ہے کہ تسمیہ کے طور پر ان ناموں میں کوئی اضافہ کریں ہاں آپ کے وصف کا ذکر کرنے کے طور پر کوئی اسم بول سکتے ہیں پس یہ کہنا جائز ہے کہ آنحضرت ﷺ عالم ہیں مرشد ہیں رشید ہیں ہدیٰ ہیں وغیرہ جیسے کہ ہم زید کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ سفید ہے لمبا ہے اور یہ بطور تسمیہ نہیں کہتے بلکہ اس کے اوصاف کی اطلاع دینے کی غرض سے کہتے ہیں۔

بالجملہ یہ ایک فقہ کا مسئلہ ہے کیونکہ وہ ایک لفظ کی اباحت یا حرمت کا سوال ہے ہم کہتے ہیں کہ خدا کا نام رکھنے کی ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کا نام رکھنا جائز ہے

اور رسول بلکہ عام اشخاص کا نام رکھنا جائز ہو تو خدا کا نام رکھنا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہیے یہ ایک فقہی قیاس ہے اور اس قسم کے قیاس پر بہت سے شرعی احکام مبنی ہیں۔

وصف کے مباح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک امر کی خبر ہے اور خبر صدق و کذب پر منقسم ہوتی ہے شرع نے اصولاً کذب کی حرمت کا حکم دیا ہے اور وہ باستثنائے خاص صورتوں کے حلال ہے اور جس طرح زید کے حق میں یہ کہنا جائز ہے کہ وہ موجود ہے اس لئے کہ وہ فی الواقع موجود ہے۔

اسی طرح ہم اللہ کے حق میں بھی کہہ سکتے ہیں خواہ اس کے متعلق شرع کا حکم آیا ہو یا نہ آیا ہو اور ہم کہتے ہیں کہ وہ قدیم ہے گو ہم جانتے ہیں کہ شرع میں یہ نہیں آیا اور جس طرح ہم زید کے حق میں یہ نہیں کہتے کہ وہ لمبا اور سفید ہے تاکہ مبادا زید سن لے اور اس کو اظہار عجیب سمجھ کر رنجیدہ ہو جائے اس طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں ہم ایسا لفظ ہرگز نہیں بول سکتے جس میں کچھ شائبہ نقص کا پایا جاتا ہو ہاں جن لفظوں میں نقص کا شائبہ نہ ہو یا وہ مدح پر دال ہوں ان کا اطلاق کرنا مباح ہے اور یہ اسی دلیل سے مباح ہے جس سے ایسے صدق کا مباح ہونا ثابت کیا گیا ہے جو حرمت کے عوارض سے پاک ہو اس لئے بعض الفاظ کا اطلاق ممنوع ہے، مگر جب ان کے ساتھ کوئی قرینہ شامل ہو جاتا ہے تو جائز ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ کے حق میں یہ کہنا جائز نہیں کہ یا زارع (اے زراعت کرنے والے) یا حارث (اے عورت کے شکم میں بیج بونے والے) ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ عورت سے صحبت کرنے والا حارث نہیں حقیقی حارث خدا ہے تخم ریزی کرنے والا زارع نہیں حقیقی خدا زارع ہے۔

تیر انداز تیر نہیں مارتا، خدا مارتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں بھی یہ نازل ہوا ہے؟

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَكَانَ اللَّهُ رَمِيًّا﴾ یعنی جب تم نے کنکر یوں کی مٹھی پھینکی تو خود تم نے نہیں پھینکی بلکہ خدا نے پھینکی تھی۔

اور ہم اللہ کے حق میں صرف یوں بھی نہیں کہہ سکتے کہ یا مُدِّك ہاں یوں کہینگے کہ

یا معز یا ندل کیونکہ جب یہ دونوں اسم جمع کیے جائیں گے تو وصف مدح بن جائینگے اس لئے کہ وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تمام امور کی دونوں طرفیں اس کے قبضہ میں ہیں۔

اس طرح دعا میں اللہ کو اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکار سکتے ہیں جیسے اس نے حکم دیا

ہے اور جب اسماء سے آگے بڑھیں تو صرف جلال و مدح کی صفات سے اس کو پکاریں گے پس یوں نہیں کہہ سکتے کہ یا موجود یا محرک، یا مسکن، یا یوں کہیں گے کہ، یا مقیل العترات، یا منزل

البرکات، یا میسر کل عمیر جیسے ہم کسی انسان کو بلانا چاہیں تو یا تو اس کو اس کے نام سے پکاریں گے یا اس کی صفات مدح سے پکاریں گے مثلاً یا شریف یا فقیہ یوں نہ کہیں گے کہ ”ارے اولیٰ“ ارے او سفید رنگ والے“ ہاں جب اس کی تحقیر منظور ہو تو ایسا کہہ سکتے ہیں اور جب ہم اس کی صفات کا ذکر کرنا چاہیں تو یوں کریں گے کہ وہ سفید رنگ والا اور سیاہ بالوں والا ہے“ اور اس کی ایسی صفت کا ذکر نہ کریں گے جس کو شکر وہ ناپسند کرے اور وہ کسی ایسی ہی صفت کو ناپسند کرے گا جس میں نقص کے معنی پائے جائیں اور جب ہم سے پوچھا جائے کہ اشیاء کو حرکت دینے اور ساکن کرنے والا سیاہ و سفید بنانے والا کون ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی طرف افعال و اوصاف کو منسوب کرنے کے لئے ہم کسی شرعی اذن کے منتظر نہ ہونگے بلکہ ہر صادق آجانے والی صفت کے متعلق اذکار ہو چکا ہے سوائے ان اوصاف کے جو کسی خاص وجہ سے مستثنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ موجود ہے موجد ہے مظهر ہے مخفی ہے مسعد ہے مشقی ہے منبہی ہے معنی ہے اور ان سب کا اطلاق جائز ہے گو ان کے متعلق توقیف وارد نہیں ہوئی۔

سوال: تو پھر ہم خدا کو عارف، عاقل، فطن، (داتا) ذکی وغیرہ کیوں نہیں کہہ سکتے؟

جواب: ان اسماء اور جیسے دیگر اسماء کے اطلاق میں مانع صرف یہ ہے کہ ایہام پایا جاتا ہے اور جن اسماء میں ایہام پایا جاتا ہو ان کا اطلاق شرعی اذن کے بغیر جائز نہیں جیسے۔ اصبور الرحیم الحلیم، وغیرہ میں موجود ہے مگر ان کے متعلق اذکار وارد ہو چکا ہے مگر مذکورہ اسماء کے متعلق اذکار وارد نہیں ہوا یہاں ایہام یہ ہے کہ مثلاً عاقل سے مراد وہ شخص ہے جس کی سمجھ اس کو غلطی سے باز رکھتی ہو کیونکہ عقل کے معنی ہیں باز رکھنا چنانچہ کہا جاتا ہے عقلہ عقلہ یعنی اس کی عقل نے اس کو باز رکھا اور فطنت و ذکاء سے مراد سرعت ادراک ہے جبکہ مدرک غائب ہو علیٰ ہذا القیاس باقی اسماء پس اس قسم کے اسماء کے اطلاق کا مانع صرف وہی ہے ہو چکا اگر کوئی لفظ تحقیق کو پہنچ جائے تو پھر دونوں مفہوموں میں کوئی ایہام واقع نہیں ہوتا اور نہ شرع اس کی مانع ہے اور ہم بھی اس کا اطلاق قطعاً جائز سمجھتے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع المآب

الحمد للہ والمنة کہ دریں ایام فرخندہ فرجام کتاب مستطاب ہادئے شیخ و شباب

از تصنیف زبدۃ العارفین پیشواے سالکین حجۃ الاسلام امام عالی مقام

ابو حامد امام محمد الغزالی علیہ الرحمۃ

بوقت سعید باختتام رسید



مشکوٰۃ الانوار

امام غزالیؒ

مترجمہ

(حافظ) حبیب الرحمن صدیقی کا تہلوی

(فارغ درس نظامی، مولوی فاضل، منشی فاضل)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو انوار برسانے والا، نگاہیں کشادہ کرنے والا، اسرار ظاہر کرنے والا اور ہر حجابات دور کرنے والا ہے اور ان محمد رسول اللہ ﷺ جو کہ سراپا نور الانوار صفات حسنیٰ کے مالک زبردست اور غالب خدا کے پیارے اس خدا کی جانب سے خوشخبری سنانے والے جو سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا اور اس ذات سے ڈرانے والے جو سب سے بڑا قہار ہے پر درود نازل ہو جو کفار کوتاہ بالا اور فساق فجار کو ذلیل و خوار کرنے والے ہیں اور ان کی پسندیدہ آل و اصحاب پر بھی درود نازل ہو۔

لاہادیک :۔ اے مکرم بھائی خدا تعالیٰ تجھے طلب سعادت کی توفیق عطا فرمائے اور سعادت و نیک بختی کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے تیری رفتار تیز فرمائے تیری بینائی کو حقیقی نور سے سرگین کرنے اور تیرے دل کو ماسوا اللہ سے پاک کرے۔

تم نے مجھ سے جو سوال کیا ہے کہ میں تمہیں انوار ربانی کے وہ راز بتا دوں کہ جن کی صرف ظاہر آیات قرآنیہ اور احادیث مرویہ اشارہ کرتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ”اللہ نور السموات والارض“ یعنی (اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے) آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ نور خداوند کو شیشہ و چراغ اور زیتون کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ خدا کے نور و ظلمت کے ستر پردے ہیں اگر وہ انھیں کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس شخص کو جلا دیں جو ان انوار کو آنکھوں سے دیکھے۔

تم نے مجھے اپنے سوال سے اتنی سخت اور دشوار گزار گھائی پر چڑھایا ہے کہ جس کی بلندی کی جانب دیکھنے والوں کی نگاہیں بھی جھک جاتی ہیں تم نے اپنے سوال سے اس در کو کھولنے کی کوشش کی ہے کہ جسے فاضل علماء اور راہنما فی العلم کے علاوہ کوئی کھول نہیں سکتا نیز یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر راز کھولنے اور بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور ہر حقیقت نہ لوگوں

کے سامنے کھولی جاسکتی ہے اور نہ بیان کی جاسکتی ہے صرف شرفاء کے قلوب ایسے ہیں جو رازوں کو مخفی رکھ سکتے ہیں۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ ربوبیت کے اسرار ظاہر کرنا کفر ہے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا بعض اہل علم ایسے ہوتے ہیں جیسے مخفی خزانہ نہیں علمائے ربانی ہی جانتے ہیں ان کی بات کا وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو معرفت خداوندی سے بے بہرہ ہو اور جب ایسے ناواقفوں کی کثرت ہو جائے تو اس وقت ایسے شریروں سے اسرار کو مخفی رکھنا ضروری ہے لیکن۔

میرا خیال یہ ہے کہ تیرا سینہ نور سے معمور اور تیرا دل غرور اور ظلمات سے پاک ہے اس لئے میں صرف انوار کے پر تو کی جانب اشارہ کر کے سمجھاؤں گا، اور تمام قسم کے حقائق و دقائق رمز و کنایہ ہی میں ظاہر کروں گا کیونکہ اہل علم سے علم کو روکنا اتنا ہی بڑا ظلم ہے جتنا کہنا اہل کے سامنے علم کے اسرار ظاہر کرنا۔ شاعر کا قول ہے

فمن منح الجہان علماً اضاعہ

ومن منع المستوجبین فقد ظلم

جس نے جہلاء کے سامنے علم ظاہر کیا

اور جس نے مستحقین سے علم روکا اس نے ظلم کیا

اب تم مختصر کنایات و اشایات ہی پر اکتفا کرو کیونکہ اس کی تحقیق ایک اصول کی تمہید اور بہت سی فضول کی شرح کی متقاضی ہے جس کے لئے یہ وقت قطعاً کافی ہوگا اور نہ اس وقت اس جانب میرا ذہن متوجہ ہے کیونکہ دلوں کی چابیاں تو خدا کے ہاتھ میں ہے جب وہ چاہتا ہے اور جس کے ذریعہ چاہتا ہے انھیں کھول دیتا ہے۔ اس وقت میں صرف تین ابواب پر اکتفا کروں گا۔

باب اول

اقسام انوار

فی الواقع تو اصل نور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوسروں کی جانب جو اس کی نسبت کی جاتی ہے وہ محض مجازہ ہے ورنہ فی الواقع اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اول تم اس نور کے معنی سمجھو جو عوام کے نزدیک ہیں دوسرے معنی وہ ہیں جو خواص کے

نزدیک ہیں اور تیسرے معنی وہ ہے جس کے اخص الخواص قائل ہیں اس کے بعد خواص جس نور کے قائل ہیں اس کے درجات و حقائق بھی ذہن نشین کر لو تا کہ درجات کے اظہار کے وقت ہم یہ وضاحت کر سکیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی نور اعلیٰ ہے اور اظہار حقائق کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیں کہ وہی سچا اور حقیقی نور ہے جس میں یکتا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

نور عامی

عوام کے نزدیک نور کی حقیقت یہ ہے کہ نور ظہور کا اشارہ ہے اور ظہور بھی ایک نسبتی امر ہے کیونکہ ہر شے اپنے غیر کے لئے ظاہر بھی ہوتی اور اس سے چھپتی بھی ہے اس لحاظ سے وہ نسبتاً ظاہر ہوتی اور نسبتاً باطن، اس کے ظہور کو ادراکات سے منسوب کرنا ضروری ہے اور عوام کے نزدیک تمام ادراکات میں سب سے زیادہ قوی حواس خمیسہ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ قوی حواسہ بصر ہے۔

بلحاظ حسن اشیاء

بلحاظ حسن اشیاء کی تین قسمیں ہیں اول وہ اشیاء جو بالذات دیکھی نہ جاسکتی ہوں جیسے سیاہ جسم، ثانیاً وہ اشیاء جو بالذات تو دیکھی جاسکتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ اور کوئی شے نہیں دیکھی جاسکتی مثلاً روشن جسم، تارے، غیر روشن شدہ آگ، اور تیسری قسم کی وہ اشیاء ہیں جو خود بالذات دیکھی جاسکتی ہیں اور ان کے ذریعہ دیگر اشیاء کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً چاند، سورج، شعلہ زن آگ، اور چراغ وغیرہ نور اسی تیسری قسم کا نام ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان شعاعوں پر بھی ہوتا ہے جو روشن اجسام پر گزرتی ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ زمین روشن ہوگئی یا جیسا کہ آفتاب کا نور زمین کو روشن کرتا یا چراغ کا نور درود یوار کو روشن کرتا ہے ان سب کو نور کہا جاتا ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان اشیاء پر بھی ہوتا ہے جو فی نفسہ روشن ہیں خلاصہ یہ کہ نور سے مراد وہ شے ہے جو خود بھی دیکھی جاسکے اور اس کے ذریعہ دوسری چیز کو بھی دیکھ سکیں جیسا کہ آفتاب نور کی یہ تعریف وضع اول کے لحاظ سے ہے۔

نکتہ: نور کی اصل ظہور و ادراک ہے اور وجود نور کا ادراک دیکھنے والی آنکھ پر موقوف ہے۔ کیونکہ نور کا فعل ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا ہے۔ لیکن نابینا کے حق میں نہ کوئی نور ظاہر

ہے اور نہ کسی شے کو ظاہر کرنے والا جس سے ثابت ہوا کہ دیکھنے والی روح روح ظاہری کے مساوی ہے۔ جو کہ نور کو معلوم کرنے کے لئے ایک لازمی رکن ہے۔ پھر روح باصرہ یعنی قوت اور حاسہ بصر کو اس طرح فوقیت حاصل ہے کہ اسی قوت کے ذریعہ نور کا ادراک کیا جاتا ہے اور یہی نور کو محسوس کرتی ہے ورنہ بالذات نہ تو نور دریافت کرنے والا ہے اور نہ اس کے باعث کسی شے کا ادراک ہوتا ہے بلکہ وہ ادراکات کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ اور نور کا نام نور رکھنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس نور کے دیکھنے والے کو نور کہا جائے اسی لئے محققین نے دیکھنے والی آنکھ کے نور پر نور کا نام نور رکھ دیا ہے۔

چمگاڈ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھ کا نور ضعیف ہے۔ چونڈے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی بینائی کا نور ضعیف ہے اندھے کے بارے میں بولا جاتا ہے کہ اس کا نور مفقود ہے سیاہی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نور بصر کو جمع اور قوی کرتی ہے حکمت خداوندی نے اس لئے خاص طور پر پلکوں کو سیاہ بنایا اور اس سے نگاہ کو اسی لئے ڈھانپا تا کہ آنکھوں کی روشنی جمع رہے۔

سپیدی آنکھ کے نور کو پھاڑ دیتی ہے اور اس سے آنکھ کا نور ضعیف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ تیز سپیدی اور آفتاب کے نور کی جانب دیکھنے سے آنکھ کا نور جاتا رہتا ہے (خواہ وہ عارضی طور پر ہو) کیونکہ قوی کے سامنے ضعیف ناپید ہو جاتا ہے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ روح باصرہ کو نور کہا جاتا ہے اس کا نام نور کیوں رکھا گیا اور اس نام کی وہ زیادہ مستحق کیوں ہے یہ دوسری وضع ہے جو خواص کی وضع ہے۔

حقیقت

یہ بھی جان لو کہ آنکھ کا نور کئی قسم کے نقصانات سے متصف ہے مثلاً وہ غیر کود دیکھتا ہے لیکن خود کود دیکھنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح وہ نہ اس شے کو دیکھ سکتا ہے جو اس سے زیادہ دور ہو اور نہ اس شے کو جو اس سے زیادہ قریب ہو۔ اور نہ اس شے کو جو پس پردہ ہو یعنی یہ نور صرف ظاہری اشیاء کے حصہ کو دیکھتا ہے۔ لیکن باطن کو دیکھنے میں یہ قادر نہیں موجودہ حالت میں سے بعض کود دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا اشیاء متناہیہ کود دیکھتا ہے لیکن غیر متناہی اشیاء کو نہیں دیکھ سکتا پھر دیکھنے میں اکثر غلطی بھی کھاتا ہے بڑی کی چھوٹی، بعید کو قریب، ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن دیکھتا ہے۔ یہ سات نقائص ہیں۔ جو نگاہ سے جدا نہیں کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی ان

اور بھی ایسے اسماء ہیں جو احادیث کی تلاش سے مل سکتے ہیں۔

اگر افعال سے اسماء کا اشتقاق جائز قرار دیا جائے تو ایسے افعال بہت سے ہیں جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سے منسوب ہیں جیسے یكشف الشوء وہ مصیبت دور کرتا ہے ویقذف بالحق، اور وہ حق کو ظاہر کرتا ہے، ویفصل بینہم، اور ان کے مابین فیصلہ کرتا ہے وقصینا الی بنی اسرائیل اور ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ میں فیصلہ کر دیا۔

پس ان افعال سے جو اسماء مشتق ہو سکتے ہیں وہ الکاشف اور القاذف بالحق اور الفاصل اور القاضی ہیں ایسے اسماء کا حصر و شمار نہیں یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا بیان آئے گا۔

الغرض یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اسمائے باری تعالیٰ صرف یہی نناوے نہیں ہیں جن کی ہم نے شرح لکھی ہے بلکہ ہم نے شرح اسمائے باری تعالیٰ کے متعلق عام عادت کو ملحوظ رکھ کر ان پر اقتصار کیا ہے کیونکہ ایک مشہور روایت میں اسی قدر تعداد مروی ہے یہ شمار شدہ اسماء اور تفصیلات جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں صحیحین میں نہیں ہے۔

صحیح حدیثوں میں آنحضرت ﷺ کا صرف یہ قول آیا ہے کہ ”اللہ کے نناوے نام ہیں“ جو شخص ان سب کو پڑھے وہ جنت میں جایگا رہا ان اسماء کا بیان اور تفصیل سوان، میں مذکور نہیں۔

فقہاء اور علماء کا جن اسماء پر اتفاق ہوا ہے ان میں المرید اور المکلم اور الموجود اور الشیء اور الذات، اور الازلی اور الابدی بھی شامل ہیں ان پر خدا کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ یوں نہ کہو کہ رمضان آیا کیونکہ رمضان اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے ہاں یوں کہو کہ ماہ رمضان آیا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ فرمایا آپ نے جو شخص کسی رنج یا غم میں مبتلا ہو۔ اور پڑھے:-

الھم انی عبدک وابن عبدک
وابن امتک ناصیتی بیدک ماضی فی
حکمک عدل فی قضاوک اسئلک
بکل اسم سمیت به نفسک او انزلتہ

صحیحین سے مراد حدیث کی وہ سب سے زیادہ معتبر اور صحیح کتابیں ہیں جن کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کہتے ہیں مترجم

فی کتابک او علمتہ احداً من خلقک
 او استأثرت به فی علم الغیب عندک
 ان نجعل البقران ربیع قلبی ونور
 صدری وجلاء حزنی وذهاب همی

یعنی الہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں
 میری پریشانی تیرے ہاتھ میں ہے تیرا حکم مجھ پر جاری ہے تیری قضا مجھ
 پر عادلانہ ہے میں تجھ سے اس ہر اسم کے ساتھ جس کو تو نے اپنا نام مقرر
 کیا ہے یا تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے یا
 اپنے علم غیب میں جو تیرے نزدیک ہے اس کو پسند کیا ہے یہ سوال کرتا
 ہوں کہ قرآن کو میرے دل کی بہار میرے سینہ کا نور میرے غم کی جلا
 میری فکر کا دور کرنے والا کر دے۔

تو اللہ اس کا غم ورنج دور کر دے گا اور بجائے ان کے خوشی اور فراغ باری عطا کریگا۔

”استأثرت به فی علم الغیب عندک“ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اسمائے
 باری صرف وہی نہیں جو مشہور روایت میں آئے ہیں۔

اب تمہارے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ پھر نناویں کی تعداد میں اسمائے باری تعالیٰ کو
 محصور کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور اس نکتہ کا بیان کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ آئندہ فصل میں اس
 کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دوسری فصل

اسمائے باری تعالیٰ میں سے نناویں کی تخصیص کا فائدہ

اس فصل میں چند غور فکر کی باتیں درج ہیں، جن کو ہم سوال و جواب کے طور پر بیان
 کرتے ہیں۔

سوال: کیا اسمائے باری تعالیٰ نناوے سے زائد ہیں یا نہیں؟ اگر زائد ہیں تو نناویں

کی تخصیص کا کیا مطلب ہے مثلاً جو شخص ایک ہزار درہم کا مالک ہے تو اس کے حق میں یہ کہنا کب جائز ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس صرف نناوے درہم ہیں گو ہزار میں نناویں بھی آجاتے ہیں لیکن ایک خاص تعداد کے ذکر سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ماسوا کی نفی کی گئی ہے اگر اسماء نناوے سے زائد نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ اسئلک بکل اسم سمیت بن نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او ستأثرت بہ علم الغیب عندک۔

اس سے تو صریحاً یہ پایا جاتا ہے کہ بعض اسماء خاص اسی کے علم میں ہیں اور اسی طرح بزرگان سلف کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو اسم اعظم معلوم ہے اور یہ امر انبیاء اور اولیاء کی طرف منسوب کیا جاتا تھا جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ اسم نناویں اسماء سے خارج ہے؟

جواب: قرین قیاس تو یہ بات ہے کہ مذکورہ احادیث و اخبار کی رو سے اسمائے باری نناوے سے زائد ہیں، اور جس حدیث میں ان اسماء کا حصر مذکور ہے وہ ایک قضیہ پر نہیں بلکہ دو قضیوں پر شامل ہے اس کی مثال یہ کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک ہزار نوکر ہیں اب کوئی شخص کہتا ہے کہ حضور اعلیٰ کے نناویں نوکر ہیں جو شخص ان سے مدد حاصل کر لے دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہاں یہ تخصیص ان نوکروں کی مدد حاصل کرنے کے لحاظ سے ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ نناویں نوکر زیادہ طاقت ور ہیں اور یا اس لئے کہ نناویں کی تعداد دفع اعدا کے لئے کافی ہے جس میں کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں یہ تخصیص اس لحاظ سے نہیں کہ صرف وہی نوکر موجود ہیں۔ یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسماء اس تعداد سے زائد ہوں اور حدیث کے الفاظ دو قضیوں پر مشتمل ہوں۔

ایک قضیہ یہ کہ ”اللہ کے نناویں نام ہیں“

دوسرا قضیہ یہ کہ ”جو کوئی ان سب کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا“ حتیٰ کہ اگر صرف ایک پہلے قضیہ پر بس کریں تو وہ مکمل کلام ہوگا بخلاف اس کے پہلی صورت میں صرف ایک پہلے قضیہ پر بس نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ دوسرا احتمال اس حصر کے ظاہری مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے جلد سمجھ میں آجائے والا ہے لیکن دو وجہ سے بعید از قیاس ہے۔

ایک تو یہ کہ اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ بعض اسماء ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب میں اپنے لئے اختیار کیا ہے حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

وہ یہ کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سب کے سب اسماء کو یاد کرنے کی فضیلت صرف نبی کسی ولی کو حاصل ہوتی ہے جس کو اسم اعظم آتا ہوتا کہ اسماء کی تعداد پوری ہو سکے ورنہ اس کے بغیر تعداد ناقص رہے گی اور وصول جنت کے لئے سب کے سب اسماء یعنی ان کی مکمل تعداد و شرط ہے پس حصر باطل ہے ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عام لوگوں کو سارے اسماء کے پڑھنے کی ترغیب دینے کے لئے یہ حصر بیان کیا ہے اور اسم اعظم کو عام لوگ نہیں جانتے۔

سوال: جب زیادہ قرین قیاس یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء نناویں سے زائد ہیں تو اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ اسماء مثلاً ہزار ہوں گے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں سے نناویں اسماء کے یاد کرنے سے آدمی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے تو یہ نناوے خاص خاص اسماء ہیں یا جو نئے نناویں اسماء گن لیں وہی کافی ہو سکتے ہیں حتیٰ کہ ان کو پڑھنے والا بھی بہشت میں داخل ہونے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ابو ہریرہؓ کی ایک روایت والے تمام اسماء کو پڑھے جو دوسری روایت میں آئے ہیں تو بھی بہشت کا مستحق ہو جاتا ہے جب کہ ہم دونوں روایتوں کے اسماء کو اسمائے باری تعالیٰ سمجھیں۔

جواب: بظاہر تو بات درست ہے کہ اس سے مراد ۹۹ معین اسماء ہیں۔ کیونکہ جب وہ متعین نہ ہوں گے تو حصر و تخصیص کا فائدہ ظاہر ہو گا چنانچہ اگر کوئی کہے کہ بادشاہ کے ایک سونو کر ایسے ہیں جو شخص ان کی مدد حاصل کرتا ہے دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہ کہنا بھی درست ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کے بہت سے نوکر ہیں اور ان میں سے خاص نوکر ہوں، اور ان میں سے خاص نوکر جن کی تعداد ایک سو ہو قوت و شوکت میں ممتاز ہوں اور اگر تمام شاہی نوکروں میں سے خواہ کوئی نوکر ایک سو لے لیں اور ان سے یہ بات حاصل ہو سکتی تو کہنے والے کا مذکورہ قول اپنے طریق ادا کے لحاظ سے پورا نہیں اترے گا۔

سوال: صرف ۱۹۹ اسماء کی اس قضیہ سے کیا خصوصیت ہے باقی اسماء بھی تو خدا ہی کے ہیں؟

جواب: چونکہ اسماء معنوی جلالت کے لحاظ سے باہم متفاوت ہیں اس لئے ممکن ہے کہ فضیلت میں بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہوں اور ہو سکتا ہے کہ ۱۹۹ اسماء کے جلال معنوں پر مشتمل ہوں جن پر دوسرے اسماء نہ ہوں اس لئے وہ سب سے برتر ہوں۔

سوال: کیا اسم اعظم میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل نہیں تو پھر اسم کیونکر اسم اعظم کہلا سکتا ہے جو ان اسمائے عظمیٰ سے خارج ہے اور اگر داخل ہے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اسم

اعظم صرف نبیوں اور ولیوں کو معلوم ہوتا ہے اور ۹۹ عام مشہور ہیں سنتے ہیں کہ اصف بن برخیا بلیقہ کے تخت کو لمحہ بھر میں لائے تھے تو وہ اسم اعظم جانتے تھے اور جو شخص اس کو جانتا ہے وہ بڑی بڑی کرامات رکھتا ہے۔

جواب: یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم اس تعداد سے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے خارج ہو، اور ان اسماء کی عظمت تمام مشہور و معروف اسماء کے مقابلہ میں ہونہ کہ اسماء کے مقابلہ میں جو انبیاء اولیاء کو معلوم ہیں اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم انہیں اسماء میں شامل ہو لیکن عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کونسا اسم ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے فرمایا نبی ﷺ نے کہ اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔

وَالْهَيْكَمُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (پ ۲، ع ۳۶)

اور لوگو تمہارا معبود تو وہی خدائے واحد ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں بڑا رحم کرنے والا

مہربان ہے۔

دوسری آیت یہ سورہ آل عمران کی شروع کی آیت ہے:-

اَلَمْ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ اَلَمْ یَلدِہٖ ذَاتٌ پَاکٌ ہِے کہ اس کے سوا

کوئی معبود نہیں زندہ کارخانہ عالم کا سنبھالنے والا * پ ۳

اور روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو یوں دعا مانگتے سنا:-

اَلہم انی اسئلك بانى اشہد ان لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم

یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد

خداوند میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس طرح کہ میں باضرور اس امر کی گواہی دیتا

ہوں تو اکیلا بے پرواہ ہے۔ جو نہ جنتا ہے۔ نہ جنا گیا ہے۔ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔

تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس

شخص نے خدا سے اس کے اسم اعظم کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے یہ وہ اسم ہے جس کے واسطہ

سے سوال کیا جائے تو وہ پورا کر دیتا ہے اور دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔

سوال: تمام اعداد میں سے صرف ۹۹ کی تخصیص کیوں ہے اور پھر اس کو بھی پورا

کیوں نہ کر دیا گیا جس میں صرف ایک کی کسر ہے؟

جواب: اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ سکتے ہیں کہ معانی شریفہ اس حد تک پہنچ

گئے نہ اس لئے کہ ان کی تعداد بس ہو گئی بلکہ وہ اس عدد کے موافق آ پڑے جیسے کہ صفات باری

تعالیٰ اہل سنت کے نزدیک سات ہیں یعنی حیات علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، نہ اس لئے کہ وہ سات ہیں بلکہ ربوبیت ان کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔

دوسرا احتمال جو ذرا زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ اس کا سبب یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے ”مائة الا واحد والله وتر يحب الوتر“ یعنی ایک کم سوا اور اللہ طاق ہے طاق ہی کو دوست رکھتا ہے۔

مگر اس احتمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسماء ارادہ اور اختیار سے رکھے گئے ہیں نہ اس حیثیت سے کہ صفات شرف صرف انہیں میں منحصر ہیں ہو گا نہ کہ بالارادہ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی صفات اس لئے سات ہیں کہ وہ طاق ہے اور طاق ہی کو دوست رکھتا ہے بلکہ یہ اس کی ذات والہیت کے تقاضے سے ہے۔ نہ کہ طاق ہونے کی وجہ سے اور اس میں عدد غیر متصور ہے بلکہ وہ کسی قصد کرنے والے کے قصد پر موقوف نہیں جو جفت کو چھوڑ کر طاق کا قصد کرے یہ بات اس احتمال کی تائید کر سکتی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے وہ صرف ۹۹ ہیں زیادہ نہیں اور اس نے ان کو سو اس لئے نہیں بنایا کہ وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے آئندہ ہم اس احتمال کی تائید کرنے والے امر کی طرف اشارہ کریں گے۔

سوال: یہ ۱۹۹ اسماء سب کے سب رسول اللہ ﷺ نے جمع کرانے کی غرض سے بیان کر دیے ہیں یا یہ کام اس شخص کے لئے چھوڑ دیا ہے جو قرآن و حدیث اور آثار سے ان کو جمع کر سکتا ہو؟

جواب: ظاہر بات جو مشہور تر بھی ہے یہ ہے کہ ان تمام اسماء کو رسول اللہ ﷺ نے جمع کرنے کی غرض سے بیان کر دیا ہے چنانچہ ان کو حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے کیونکہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے ان تمام کو پڑھنے کی ترغیب ثابت ہوتی ہے اور اگر ان تمام کو رسول اللہ ﷺ بطور جمع بیان نہ کر دیتے تو لوگوں کو ان کا معلوم کرنا مشکل تھا۔

مذکورہ دلیل سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے اور جمہور نے ان کی اس مشہور روایت کو تسلیم کیا ہے جس کے مطابق ہم نے اسماء کی یہ شرح لکھی ہے۔
امام احمد اور بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کے متعلق خوب بحث کی ہے اور کہا ہے کہ اس روایت میں ضعف ہے۔

اور ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں اس کے متعلق ایسی روایت ظاہر کی

ہے جس سے اس روایت کے ضعف کا اشارہ پایا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں، محدثین نے اس کے متعلق تین خاص امور کا ذکر کیا ہے۔

(۱) اول تو یہ کہ ابو ہریرہؓ سے یہ روایت مضطرب ہے کیونکہ ان سے دو روایتیں مروی ہیں اور دونوں کے مابین ابدال و تعبیر میں بڑا فرق ہے۔

(۲) دوم اس روایت میں حنان اور منان اور رمضان وغیرہ ان اسماء الہبیہ کا ذکر نہیں

جو احادیث سے ثابت ہیں۔

(۳) سوم صحیح حدیث میں صرف تعداد کا ذکر ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کا قبول صرف اتنا

ہے کہ اللہ کے نناویں نام ہیں جو شخص ان سب کو یاد کرتا ہے وہ جنت میں جائیگا۔

وہاں اسماء کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان کا ذکر ایک دوسری غریب روایت میں ہے جس کے

اسناد میں ضعف ہے اور اس عدد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ اسماء نہیں ہیں مگر

ہم یہ احتمال دکھا چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں بعض اسماء چھوٹ گئے ہیں۔

جس روایت میں اسماء کا شمار درج ہے اگر ہم اس کا ضعیف قرار دیں تو تمام

اعتراضات رفع ہو سکتے ہیں چنانچہ ہم کہیں گے کہ اسمائے باری تعالیٰ صرف نناویں ہیں۔ جن کو

خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مقرر فرمایا ہے ان کو پورے ۱۰۰ اسواں لیے نہیں بنایا کہ وہ طاق ہیں

اور طاق ہی کو پسند کرتا ہے۔

ان اسماء میں حنان اور منان وغیرہ بھی داخل ہیں یہ تمام اسماء قرآن و حدیث میں

غور و خوض کیے بدون معلوم نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں سے کچھ اسماء تو قرآن مجید میں مذکور ہیں

اور کچھ حدیث میں۔

میں نے بلاد مغرب کے ایک حافظ کے سوا اور کوئی عالم نہیں دیکھا جس نے ان اسماء کو

جمع کرنے کی کوشش کی ہو اس شخص کا نام ابن حزم ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے اسی ۱۸۰ اسماء باری تعالیٰ

معلوم ہوئے ہیں جو قرآن حدیث اور صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں باقی اسماء بھی حدیثوں میں

اجتہادی غور فکر کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں میرے خیال میں ان کو وہ حدیث نہیں پہنچی جس میں

اسمائے باری تعالیٰ کا شمار درج ہے اور اگر پہنچی ہے تو اس کی اسناد کو ضعیف سمجھا ہو گا یا ان کو چھوڑ کر

ان روایات کی طرف رجوع کیا ہو گا جو صحیح احادیث میں آئے ہیں پس جو شخص اس طریق سے

ان اسماء کو جمع کر کے یاد کرے اس کو اس اجتہاد میں سخت تکلیف اٹھانی پڑے گی ایسا شخص فی

الواقع جنت میں جانے کے لائق ہے بخلاف اس کے ان اسماء کو یکبارگی زبانی یاد کر لینا سہل ہے

جو مشہور روایت میں آئے ہیں ہاں صحیح احادیث کے بعض الفاظ میں یوں بھی وارد ہوا ہے کہ
 من حفظہا دخل الجنة، جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائیگا، اور حفظ کے
 لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں پڑتی۔

یہ وہ احتمالات ہیں جو اس حدیث کے متعلق سوچھے ہیں جن میں سے بعض باتیں
 ایسی ہیں جو پہلے کسی کو نہیں سوجھیں۔ اور وہ اجتہادی امور ہیں۔ جو ذوق سلیم کے ذریعہ معلوم کیے
 جاتے ہیں کیونکہ درجہ عقل سے بالاتر ہیں۔ واللہ اعلم

تیسری فصل

اس امر کا بیان کہ اسمائے باری تعالیٰ توقیف

پر موقوف ہیں یا بطریق عقل جائز ہیں

قاضی ابوبکر فرماتے ہیں کہ یہ بطریق عقل جائز ہے مگر ایسا نام جائز نہیں جس سے
 شرع نے منع کیا ہو یا اس کے معنی خدا کی نسبت محال ہوں اور جس نام میں کوئی مانع نہیں وہ جائز
 ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری کا یہ مذہب ہے یہ توقیف پر موقوف ہے پس خدا کے حق میں ایسے
 ہر اسم کا اطلاق جائز نہیں ہو سکتا جس کے معنی سے وہ موصوف ہے مگر جب کہ اس کی اجازت
 آئی ہو۔

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس کی تفصیل کی جائے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو لفظ اسم
 بن سکتا ہے وہ اذان شرع پر موقوف ہے اور جو وصف بن سکتا ہے وہ اذن پر موقوف نہیں بلکہ اگر
 صادق آتا ہے تو مباح ہے اگر کاذب (غیر صادق) ہے تو نہیں اس نکتہ کے سمجھنے کے لئے اسم
 اور وصف کا فرق معلوم کرنا ضروری ہے۔

واضح ہو کہ اسم وہ لفظ ہے جو کسی کی دلالت کے لئے موضوع ہو چنانچہ زید کا اسم

زید ہے اور وہ شخص فی نفسہ سفید اور لمبا بھی ہے اور کوئی شخص اس کو یوں پکارے کہ ”ارے او سفید“ ”ارے اولبے“ تو گویا اس نے اس کو وصف کے ساتھ پکارا اور اس کو پکارنا درست تھا لیکن اس نے ہم کے ساتھ پکارنے سے پہلو تہی کی کیونکہ اس کا اسم زید تھا سفید اور لمبا نہیں تھا اور اس کا فی نفسہ سفید اور لمبا ہونا اس امر پر دل نہیں ہے کہ یہ اس کے اسم ہیں بلکہ ہم اپنے بیٹے کا نام جو قاسم اور جامع رکھ دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان اسماء کے معنوں سے موصوف ہے بلکہ ان اسماء کی دلالت گو معنوی ہی ہے ایسی ہے جیسے زید اور عیسیٰ کی دلالت ہے بلکہ جب ہم کسی کا نام عبد الملک رکھتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بادشاہ کا غلام ہے اور اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ عبد الملک عیسیٰ اور زید کی طرح ایک مفرد ہم ہے اور جب اس کو وصف کے ذیل میں ذکر کریں تو وہ مرکب کہلایگا یہی حال عبد اللہ کے اسم کا ہے اس لئے اسم عبد اللہ کی جمع عبادلہ آتی ہے نہ کہ عباد اللہ۔

جب اسم کے معنی تم سمجھ چکے تو اب واضح ہو کہ ہر شے کا اسم وہ ہے جس کے ساتھ وہ خود اپنے آپ کو موسوم کرے یا اسے ”ولی“ یا ”والدین“ ”مالک“ موسوم کرے اور تسمیہ یعنی اسم مقرر کرنا مسمیٰ کے حق میں تصرف ہے اور یہ تصرف ولایت کا مستدعی ہے اور انسان کی ولایت یا تو اپنے آپ پر ہوتی ہے یا اپنے غلام پر، یا اپنے بیٹے پر اس لئے انہیں کا نام رکھنے کا حق ہو سکتا ہے اور اسی لئے اگر ان کے سوا کسی اور شخص کا نام رکھ دیا جائے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور خفا ہوتا ہے جب ہم انسانوں کے نام رکھنے کا حق نہیں رکھتے تو اللہ کا نام رکھنے کا ہمیں کیا حق حاصل ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک شمار میں آئے ہوئے ہیں جن کو خود آنحضرت ﷺ نے شمار کیا ہے اور فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں، احمد، اور محمد، اور امقش، اور الماحی، اور العاقب، اور بنی التوبہ اور بنی الرحمۃ اور بنی الملحمہ ہمیں اختیار نہیں ہے کہ تسمیہ کے طور پر ان ناموں میں کوئی اضافہ کریں ہاں آپ کے وصف کا ذکر کرنے کے طور پر کوئی اسم بول سکتے ہیں پس یہ کہنا جائز ہے کہ آنحضرت ﷺ عالم ہیں مرشد ہیں رشید ہیں ہدیٰ ہیں وغیرہ جیسے کہ ہم زید کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ سفید ہے لمبا ہے اور یہ بطور تسمیہ نہیں کہتے بلکہ اس کے اوصاف کی اطلاع دینے کی غرض سے کہتے ہیں۔

باجملہ یہ ایک فقہ کا مسئلہ ہے کیونکہ وہ ایک لفظ کی اباحت یا حرمت کا سوال ہے ہم کہتے ہیں کہ خدا کا نام رکھنے کی ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کا نام رکھنا جائز ہے

اور رسول بلکہ عام اشخاص کا نام رکھنا جائز ہو تو خدا کا نام رکھنا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہیے یہ ایک فقہی قیاس ہے اور اس قسم کے قیاس پر بہت سے شرعی احکام مبنی ہیں۔

وصف کے مباح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک امر کی خبر ہے اور خبر صدق و کذب پر منقسم ہوتی ہے شرع نے اصولاً کذب کی حرمت کا حکم دیا ہے اور وہ باستثنائے خاص صورتوں کے حلال ہے اور جس طرح زید کے حق میں یہ کہنا جائز ہے کہ وہ موجود ہے اس لئے کہ وہ فی الواقع موجود ہے۔

اسی طرح ہم اللہ کے حق میں بھی کہہ سکتے ہیں خواہ اس کے متعلق شرع کا حکم آیا ہو یا نہ آیا ہو اور ہم کہتے ہیں کہ وہ قدیم ہے گو ہم جانتے ہیں کہ شرع میں یہ نہیں آیا اور جس طرح ہم زید کے حق میں یہ نہیں کہتے کہ وہ لمبا اور سفید ہے تاکہ مبادا زید سن لے اور اس کو اظہار عجیب سمجھ کر رنجیدہ ہو جائے اس طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں ہم ایسا لفظ ہرگز نہیں بول سکتے جس میں کچھ شائبہ نقص کا پایا جاتا ہو ہاں جن لفظوں میں نقص کا شائبہ نہ ہو یا وہ مدح پر دل ہوں ان کا اطلاق کرنا مباح ہے اور یہ اسی دلیل سے مباح ہے جس سے ایسے صدق کا مباح ہونا ثابت کیا گیا ہے جو حرمت کے عوارض سے پاک ہو اس لئے بعض الفاظ کا اطلاق ممنوع ہے، مگر جب ان کے ساتھ کوئی قرینہ شامل ہو جاتا ہے تو جائز ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ کے حق میں یہ کہنا جائز نہیں کہ یا زارع (اے زراعت کرنے والے) یا حارث (اے عورت کے شکم میں بیج بونے والے) ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ عورت سے صحبت کرنے والا حارث نہیں حقیقی حارث خدا ہے تخم ریزی کرنے والا زارع نہیں حقیقی خدا زارع ہے۔

تیر انداز تیر نہیں مارتا بہ خدا مارتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں بھی یہ نازل ہوا ہے؟

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَكُنَ اللَّهُ رَمِيًّا﴾ یعنی جب تم نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی تو خود تم نے نہیں پھینکی بلکہ خدا نے پھینکی تھی۔

اور ہم اللہ کے حق میں صرف یوں بھی نہیں کہہ سکتے کہ یا مُدِّك ہاں یوں کہینگے کہ یا معز یا مدل کیونکہ جب یہ دونوں اسم جمع کیے جائیں گے تو وصف مدح بن جائینگے اس لئے کہ وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تمام امور کی دونوں طرفیں اس کے قبضہ میں ہیں۔

اس طرح دعا میں اللہ کو اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکار سکتے ہیں جیسے اس نے حکم دیا ہے اور جب اسماء سے آگے بڑھیں تو صرف جلال و مدح کی صفات سے اس کو پکاریں گے پس یوں نہیں کہہ سکتے کہ یا موجود یا محرک، یا مسکن، یا یوں کہیں گے کہ، یا مقیل العترات، یا منزل

البرکات، یا میسر کل عمیر جیسے ہم کسی انسان کو بلانا چاہیں تو یا تو اس کو اس کے نام سے پکاریں گے یا اس کی صفات مدح سے پکاریں گے مثلاً یا شریف یا فقیہ یوں نہ کہیں گے کہ ”ارے اولیٰ“ ارے او سفید رنگ والے“ ہاں جب اس کی تحقیر منظور ہو تو ایسا کہہ سکتے ہیں اور جب ہم اس کی صفات کا ذکر کرنا چاہیں تو یوں کریں گے کہ وہ سفید رنگ والا اور سیاہ بال والا ہے“ اور اس کی ایسی صفت کا ذکر نہ کریں گے جس کو سکر وہ ناپسند کرے اور وہ کسی ایسی ہی صفت کو ناپسند کرے گا جس میں نقص کے معنی پائے جائیں اور جب ہم سے پوچھا جائے کہ اشیاء کو حرکت دینے اور ساکن کرنے والا سیاہ و سفید بنانے والا کون ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور اس کی طرف افعال و اوصاف کو منسوب کرنے کے لئے ہم کسی شرعی اذن کے منتظر نہ ہونگے بلکہ ہر صادق آجانے والی صفت کے متعلق اذکار ہو چکا ہے سوائے ان اوصاف کے جو کسی خاص وجہ سے مستثنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ موجود ہے موجود ہے مظہر ہے مخفی ہے مسعد ہے مشقی ہے منبہی ہے معنی ہے اور ان سب کا اطلاق جائز ہے گو ان کے متعلق توقیف وارد نہیں ہوئی۔

سوال: تو پھر ہم خدا کو عارف، عاقل، فطن، (داتا) ذکی وغیرہ کیوں نہیں کہہ سکتے؟

جواب: ان اسماء اور جیسے دیگر اسماء کے اطلاق میں مانع صرف یہ ہے کہ ایہام پایا جاتا ہے اور جن اسماء میں ایہام پایا جاتا ہو ان کا اطلاق شرعی اذن کے بغیر جائز نہیں جیسے۔ لصبور الرحیم الحلیم، وغیرہ میں موجود ہے مگر ان کے متعلق اذن وارد ہو چکا ہے مگر مذکورہ اسماء کے متعلق اذن وارد نہیں ہوا، یہاں ایہام یہ ہے کہ مثلاً عاقل سے مراد وہ شخص ہے جس کی سمجھ اس کو غلطی سے باز رکھتی ہو کیونکہ عقل کے معنی ہیں باز رکھنا چنانچہ کہا جاتا ہے عقلہ عقلہ یعنی اس کی عقل نے اس کو باز رکھا اور فطنت و ذکاء سے مراد سرعت ادراک ہے جبکہ مدرک غائب ہو علیٰ ہذا القیاس باقی اسماء پس اس قسم کے اسماء کے اطلاق کا مانع صرف وہی ہے ہو چکا اگر کوئی لفظ تحقیق کو پہنچ جائے تو پھر دونوں مفہوموں میں کوئی ایہام واقع نہیں ہوتا اور نہ شرع اس کی مانع ہے اور ہم بھی اس کا اطلاق قطعاً جائز سمجھتے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع المآب

الحمد لله والمنة کہ دریں ایام فرخندہ فرجام کتاب مستطاب ہادئے شیخ و شباب

از تصنیف زبدۃ العارفین پیشواے سالکین حجۃ الاسلام امام عالی مقام

ابو حامد امام محمد الغزالی علیہ الرحمۃ

بوقت سعید باختتام رسید



مشکوٰۃ الانوار

امام غزالیؒ

مترجمہ

(حافظ) حبیب الرحمن صدیقی کا تہلوی

(فارغ درس نظامی، مولوی فاضل، منشی فاضل)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو انوار برسانے والا، نگاہیں کشادہ کرنے والا، اسرار ظاہر کرنے والا اور ہر حجابات دور کرنے والا ہے اور ان محمد رسول اللہ ﷺ جو کہ سراپا نور الانوار صفات حسنیٰ کے مالک زبردست اور غالب خدا کے پیارے اس خدا کی جانب سے خوشخبری سنانے والے جو سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا اور اس ذات سے ڈرانے والے جو سب سے بڑا قہار ہے پر درود نازل ہو جو کفار کو تہ و بالا اور فساق فجار کو ذلیل و خوار کرنے والے ہیں اور ان کی پسندیدہ آل و اصحاب پر بھی درود نازل ہو۔

لاہما ینسک :۔ اے مکرم بھائی خدا تعالیٰ تجھے طلب سعادت کی توفیق عطا فرمائے اور سعادت و نیک بختی کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے تیری رفتار تیز فرمائے تیری بینائی کو حقیقی نور سے سرگمین کرنے اور تیرے دل کو ماسوا اللہ سے پاک کرے۔

تم نے مجھ سے جو سوال کیا ہے کہ میں تمہیں انوار ربانی کے وہ راز بتا دوں کہ جن کی صرف ظاہر آیات قرآنیہ اور احادیث مرویہ اشارہ کرتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ”اللہ نور السموات والارض“ یعنی (اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے) آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ نور خداوند کو شیشہ و چراغ اور زیتون کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ خدا کے نور و ظلمت کے ستر پردے ہیں اگر وہ انھیں کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس شخص کو جلادیں جو ان انوار کو آنکھوں سے دیکھے۔

تم نے مجھے اپنے سوال سے اتنی سخت اور دشوار گزار گھائی پر چڑھایا ہے کہ جس کی بلندی کی جانب دیکھنے والوں کی نگاہیں بھی جھک جاتی ہیں تم نے اپنے سوال سے اس در کو کھولنے کی کوشش کی ہے کہ جسے فاضل علماء اور راہنہ فی العلم کے علاوہ کوئی کھول نہیں سکتا نیز یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر راز کھولنے اور بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور ہر حقیقت نہ لوگوں

کے سامنے کھولی جاسکتی ہے اور نہ بیان کی جاسکتی ہے صرف شرفاء کے قلوب ایسے ہیں جو رازوں کو مخفی رکھ سکتے ہیں۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ ربوبیت کے اسرار ظاہر کرنا کفر ہے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا بعض اہل علم ایسے ہوتے ہیں جیسے مخفی خزانہ نہیں علمائے ربانی ہی جانتے ہیں ان کی بات کا وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو معرفت خداوندی سے بے بہرہ ہو اور جب ایسے ناواقفوں کی کثرت ہو جائے تو اس وقت ایسے شریروں سے اسرار کو مخفی رکھنا ضروری ہے لیکن۔

میرا خیال یہ ہے کہ تیرا سینہ نور سے معمور اور تیرا دل غرور اور ظلمات سے پاک ہے اس لئے میں صرف انوار کے پرتو کی جانب اشارہ کر کے سمجھاؤں گا، اور تمام قسم کے حقائق و دقائق رمز و کنایہ ہی میں ظاہر کروں گا کیونکہ اہل علم سے علم کو روکنا اتنا ہی بڑا ظلم ہے جتنا کہ نا اہل کے سامنے علم کے اسرار ظاہر کرنا۔ شاعر کا قول ہے

فمن منح الجہان علماً اضاعہ

ومن منع المستوجبین فقد ظلم

جس نے جہلاء کے سامنے علم ظاہر کیا

اور جس نے مستحقین سے علم روکا اس نے ظلم کیا

اب تم مختصر کنایات و اشایات ہی پر اکتفا کرو کیونکہ اس کی تحقیق ایک اصول کی تمہید اور بہت سی فضول کی شرح کی متقاضی ہے جس کے لئے یہ وقت قطعاً کافی ہوگا اور نہ اس وقت اس جانب میرا ذہن متوجہ ہے کیونکہ دلوں کی چابیاں تو خدا کے ہاتھ میں ہے جب وہ چاہتا ہے اور جس کے ذریعہ چاہتا ہے انھیں کھول دیتا ہے۔ اس وقت میں صرف تین ابواب پر اکتفا کروں گا۔

باب اول

اقسام انوار

فی الواقع تو اصل نور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوسروں کی جانب جو اس کی نسبت کی جاتی ہے وہ محض مجازہ ہے ورنہ فی الواقع اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اول تم اس نور کے معنی سمجھو جو عوام کے نزدیک ہیں دوسرے معنی وہ ہیں جو خواص کے

نزدیک ہیں اور تیسرے معنی وہ ہے جس کے اخص الخواص قابل ہیں اس کے بعد خواص جس نور کے قابل ہیں اس کے درجات و حقائق بھی ذہن نشین کر لو تا کہ درجات کے اظہار کے وقت ہم یہ وضاحت کر سکیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی نور اعلیٰ ہے اور اظہار حقائق کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیں کہ وہی سچا اور حقیقی نور ہے جس میں یکتا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

نور عامی

عوام کے نزدیک نور کی حقیقت یہ ہے کہ نور ظہور کا اشارہ ہے اور ظہور بھی ایک نسبتی امر ہے کیونکہ ہر شے اپنے غیر کے لئے ظاہر بھی ہوتی اور اس سے چھپتی بھی ہے اس لحاظ سے وہ نسبتاً ظاہر ہوتی اور نسبتاً باطن، اس کے ظہور کو ادراکات سے منسوب کرنا ضروری ہے اور عوام کے نزدیک تمام ادراکات میں سب سے زیادہ قوی حواس خمیسہ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ قوی حواس بصر ہے۔

بلحاظ حسن اشیاء

بلحاظ حسن اشیاء کی تین قسمیں ہیں اول وہ اشیاء جو بالذات دیکھی نہ جاسکتی ہوں جیسے سیاہ جسم، ثانیاً وہ اشیاء جو بالذات تو دیکھی جاسکتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ اور کوئی شے نہیں دیکھی جاسکتی مثلاً روشن جسم، تارے، غیر روشن شدہ آگ، اور تیسری قسم کی وہ اشیاء ہیں جو خود بالذات دیکھی جاسکتی ہیں اور ان کے ذریعہ دیگر اشیاء کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً چاند، سورج، شعلہ زن آگ، اور چراغ وغیرہ نور اسی تیسری قسم کا نام ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان شعاعوں پر بھی ہوتا ہے جو روشن اجسام پر گزرتی ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ زمین روشن ہوگئی یا جیسا کہ آفتاب کا نور زمین کو روشن کرتا یا چراغ کا نور درود یوار کو روشن کرتا ہے ان سب کو نور کہا جاتا ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان اشیاء پر بھی ہوتا ہے جو فی نفسہ روشن ہیں خلاصہ یہ کہ نور سے مراد وہ شے ہے جو خود بھی دیکھی جاسکے اور اس کے ذریعہ دوسری چیز کو بھی دیکھ سکیں جیسا کہ آفتاب نور کی یہ تعریف وضع اول کے لحاظ سے ہے۔

نکتہ: نور کی اصل ظہور و ادراک ہے اور وجود نور کا ادراک دیکھنے والی آنکھ پر موقوف ہے۔ کیونکہ نور کا فعل ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا ہے۔ لیکن نابینا کے حق میں نہ کوئی نور ظاہر

ہے اور نہ کسی شے کو ظاہر کرنے والا جس سے ثابت ہوا کہ دیکھنے والی روح روح ظاہری کے مساوی ہے۔ جو کہ نور کو معلوم کرنے کے لئے ایک لازمی رکن ہے۔ پھر روح باصرہ یعنی قوت اور حاسہ بصر کو اس طرح فوقیت حاصل ہے کہ اسی قوت کے ذریعہ نور کا ادراک کیا جاتا ہے اور یہی نور کو محسوس کرتی ہے ورنہ بالذات نہ تو نور دریافت کرنے والا ہے اور نہ اس کے باعث کسی شے کا ادراک ہوتا ہے بلکہ وہ ادراکات کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ اور نور کا نام نور رکھنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس نور کے دیکھنے والے کو نور کہا جائے اسی لئے محققین نے دیکھنے والی آنکھ کے نور پر نور کا نام نور رکھ دیا ہے۔

چمگاڈ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھ کا نور ضعیف ہے۔ چونکہ بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی بینائی کا نور ضعیف ہے اندھے کے بارے میں بولا جاتا ہے کہ اس کا نور مفقود ہے سیاہی کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نور بصر کو جمع اور قوی کرتی ہے حکمت خداوندی نے اس لئے خاص طور پر پلکوں کو سیاہ بنایا اور اس سے نگاہ کو اسی لئے ڈھانپا تا کہ آنکھوں کی روشنی جمع رہے۔

سپیدی آنکھ کے نور کو پھاڑ دیتی ہے اور اس سے آنکھ کا نور ضعیف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ تیز سپیدی اور آفتاب کے نور کی جانب دیکھنے سے آنکھ کا نور جاتا رہتا ہے (خواہ وہ عارضی طور پر ہو) کیونکہ قوی کے سامنے ضعیف ناپید ہو جاتا ہے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ روح باصرہ کو نور کہا جاتا ہے اس کا نام نور کیوں رکھا گیا اور اس نام کی وہ زیادہ مستحق کیوں ہے یہ دوسری وضع ہے جو خواص کی وضع ہے۔

حقیقت

یہ بھی جان لو کہ آنکھ کا نور کئی قسم کے نقصانات سے متصف ہے مثلاً وہ غیر کود دیکھتا ہے لیکن خود کود دیکھنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح وہ نہ اس شے کو دیکھ سکتا ہے جو اس سے زیادہ دور ہو اور نہ اس شے کو جو اس سے زیادہ قریب ہو۔ اور نہ اس شے کو جو پس پردہ ہو یعنی یہ نور صرف ظاہری اشیاء کے حصہ کو دیکھتا ہے۔ لیکن باطن کو دیکھنے میں یہ قادر نہیں موجودہ حالت میں سے بعض کود دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا اشیاء متناہیہ کود دیکھتا ہے لیکن غیر متناہی اشیاء کو نہیں دیکھ سکتا پھر دیکھنے میں اکثر غلطی بھی کھاتا ہے بڑی کی چھوٹی، بعید کو قریب، ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن دیکھتا ہے۔ یہ سات نقائص ہیں۔ جو نگاہ سے جدا نہیں کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی ان

تمام عیوب سے پاک ہے تو وہی اسم نور کے زیادہ لائق ہے۔

اب معلوم ہوا کہ انسان کے دل میں ایک آنکھ ہے جس میں ایک کمال صفت ہے اور وہی آنکھ ہے جسے عقل و روح اور نفس سے تعبیر کرتے ہیں لیکن تمام تاویلات کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ جب تاویلات بڑھ جاتی ہیں تو ضعیف العقل اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ان کے معنی بہت ہیں۔

اس لئے ہم وہی معنی مراد لیتے ہیں جس سے عاقل مرد، شیر خوار بچے، دیوانہ اور چوپائے سے ممتاز ہو جائے۔ اور جسے جمہوری اصطلاح میں عقل کہا جاتا ہے اور اسی لئے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ عقل کا نام نور رکھنا ظاہری آنکھ کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ ساتوں نقائص سے پاک ہے۔

فرق مراتب

آنکھ خود کو نہیں دیکھ سکتی لیکن عقل جیسے دوسروں کو دیکھتی ہے خود کو بھی دیکھ سکتی ہے اپنی صفات بھی معلوم کر لیتی ہے کیونکہ خود کو عالم و قادر سمجھتی ہے اپنے نفس کے علم کو بھی جانتی ہے اور علم کے علم کو بھی جانتی ہے الی غیر النہایہ۔ اور یہ خاصیت ان میں موجود نہیں جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے اسکے سوا اور بھی اسرار ہیں جن کی شرح طویل ہے۔ ۲ جو حد سے زیادہ قریب ہو یا حد سے زیادہ بعید نگاہ اسے معلوم کرنے سے قاصر ہے لیکن عقل کے نزدیک قریب و بعید یکساں ہیں اور ایک ہی لمحہ میں تمام آسمانوں کی سیر کرتی اور ایک دم میں زمین کی تک پہنچ جاتی ہے بلکہ الواقع اجسام میں جو قرب و بعد ہے وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا۔ کیونکہ وہ خدا کے سمندروں کا ایک نشان اور نمونہ ہے اور نمونہ اپنے اصل کے مشابہ ہوتا ہے اگر اس کے مساوی نہ ہو اس حدیث کا راز عیاں ہوتا ہے۔ ”ان اللہ خلق آدم علی صورته“ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے) ہماری اس تقریر پر مذید غور فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔

نوٹ: حدیث مذکور میں علماء نے صورت سے صفات مراد لی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ

صورت سے منزہ ہے نیز یہ بھی غور طلب ہے کہ صورت کی ضمیر کس جانب راجع ہے اللہ کی جانب یا آدم کی جانب اور یہ قاعدہ کہ اسم ضمیر قریب کے جانب راجع ہوتا ہے اور قریب آدم واقع ہے نہ کہ اللہ تو اس صورت میں حدیث مذکور کے معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو انھیں کی صورت پر پیدا کیا ہے۔ یعنی وہ اپنی صورت میں یکتا ہے اور کوئی دوسری مخلوق بلحاظ صورت انسان کے

مشابہ نہیں۔ ح، ر، ۳۔ آنکھ پس پردہ چیز کو نہیں دیکھ سکتی اور عقل آسمان کے پردوں کرسی ملاء اعلیٰ اور ملکوت میں اس طرح تصرف کرتی ہے جیسے وہ اپنے خاص اور اپنے قریب میں یعنی جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں بلکہ کوئی حقیقت بھی عقل سے پردہ میں نہیں رہتی۔ ہاں عقل کا حجاب اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی صفت مقارنہ کے باعث خود سے پردہ میں ہو جائے۔ اور اس صفت مقارنہ سے عقل کا حجاب اس قسم کا ہوتا ہے جیسا کہ پلکوں کو بند کر دیا جائے۔ اس کی تفصیل ہم انشاء اللہ تیسرے باب میں بیان کریں گے۔ ۴۔ آنکھ اشیاء کے ظاہری اور بالائی حصہ کو معلوم کر سکتی ہے لیکن اندرونی حصہ کو معلوم نہیں کر سکتی۔ جسم کا قالب اور صورت تو معلوم کرتی ہے لیکن اس کے حقائق معلوم کرنے سے قاصر ہے عقل اشیاء کا اندرونی حصہ اور اس کے حقائق و کیفیات معلوم کرتی ہے اس کے اسباب و علل معلوم کرتی اور اس پر حکم لگاتی ہے اور یہ معلوم کرتی ہے کہ یہ شے کس چیز سے پیدا ہوئی اور کیونکر پیدا ہوئی کتنی اشیاء سے مرکب ہے اس کا وجود میں کیا مرتبہ ہے اور دیگر مخلوقات کی جانب اس کی کیا نسبت ہے اسی طرح لا تعداد مباحث کو جانتی ہے جن کی شرح طویل ہے۔ اس کا اختصار ہی بہتر ہے۔ ۵۔ آنکھ بعض موجودات کو دیکھتی ہے لیکن تمام معقولات و محسوسات کی دریافت سے قاصر ہے۔ وہ آواز، خوشبو، ذائقہ، حرارت و برودت اور قوائے مدرکہ یعنی سونگھنے چکھنے اور سننے کی قوتوں کو نہیں جانتی بلکہ صفات باطنہ جیسے فرح و سرور رنج و غم، درد و لذت عشق و شہوت، قدرت و ارادہ اور علم و جہل وغیرہ بے شمار موجودات اس کے احاطہ علم سے باہر ہیں آنکھوں کی معلومات کا بیان نہایت محدود ہے اس میں رنگوں اور شکلوں کے جہاں کا گزر نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں عالم موجودات میں از حد خسیس ہیں۔ اور اغراض اقسام میں سب سے زیادہ خسیس رنگ و شکل ہے لیکن یہ تمام موجودات عقل کی جولان گاہ ہیں کیونکہ وہ ان موجودات کو بھی معلوم کر لیتی ہے جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا اگرچہ وہ تعداد میں مذکورہ موجودات سے بہت زیادہ ہیں وہ ان تمام موجودات میں تصرف کرتی ہیں اور ان سب پر یقین اور سچا حکم لگاتی ہے اسرار باطنہ اور مخفی معنی ان کے نزدیک ظاہر ہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ آنکھ عقل کے مساوی نہیں ہو سکتی جو اس پر نور کا اطلاق کیا جاسکے وہ غیر کی نسبت سے نور ہے لیکن عقل کی نسبت سے ظلمات ہے بلکہ آنکھ عقل کے مخبروں میں سے ایک مخبر ہے اور یہ سب اس کے خزانوں میں سے ایک معمولی سا خزانہ ہے اور رنگ و صورت کا خزانہ ہے تاکہ عقل کے حضور میں اس کی خبریں پہنچائے اور پھر عقل اس میں جو چاہے حکم لگائے اس کے سوا اور بھی جو اس عقل کے مخبر ہیں یعنی خیال، وہم، فکر، ذکر اور حفظ، اور

ان کے علاوہ جتنے مدرکات ہیں وہ عقل کے خادم ہیں اور اس عالم موجودہ میں اس کے مقید ہیں وہ انھیں اس طرح اپنے قابو میں رکھتی ہے جیسے بادشاہ اپنے غلاموں کو مقید کرتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کی شرح بھی طویل ہے ہم نے اس کی تفصیل احیاء العلوم کی کتاب عجائب القلب میں کی ہے۔

۶۔ آنکھ غیر متناہی شے کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ وہ معلومہ اجسام کی صفات دیکھتی ہے اور اجسام متناہیہ ہی متصور ہو سکتے ہیں لیکن عقل معقولات کو معلوم کرتی ہے اور معقولات لا متناہی ہیں لیکن جب وہ علوم متحصلہ کا لحاظ کرتی ہے تو اس سے جو علم حاضر حاصل ہوتا ہے وہ متناہی ہوتا ہے لیکن اس کی قوت میں غیر متناہی کا ادراک موجود ہے غیر متناہی سے مراد وہ شے ہے جسے عقل انسانی غیر متناہی تصور کرے ورنہ شرعاً خدا کے علاوہ کوئی شے غیر متناہی نہیں یہ دوسری بات ہے کہ عقل اس کے انتہاء کو معلوم نہ کر سکے اور یہ خود عقل کے نقصان کو دلیل ہے مثلاً علم حساب کو دیکھو کہ وہ اعداد معلوم کرتا ہے لیکن ان کی کوئی انتہاء نہیں (نہایت نہ ہونا اور شے ہے اور اس کا علم نہ ہونا اور شے ہے اگر انتہاء نہ ہو تو تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل محال ہے بلکہ دو تین اور باقی اعداد کے المضاعف کو معلوم کر لیتی ہے جن کی نہایت متصور نہیں اعداد انسان کے وضع کردہ ہیں اور جب وہ خود لا متناہی نہیں تو اس کی وضع کردہ شے کیسے لا متناہی ہو سکتی ہے عقل اپنی کس شے کے علم کو بھی معلوم کرتی ہے اور اس امر کو بھی کہ اس کا علم کسی شے کا علم رکھتا ہے علیٰ ہذا اس کے علم کے علم کو بھی جانتی ہے اور اس منزل پر پہنچ کر اس کی قوت کسی انتہاء پر نہیں ٹھہرتی (فلا سفر اس کے قائل ہیں کہ ہر شے کی ایک نہ ایک انتہاء ہے اور اگر اس کی انتہاء نہ ہو تو عقلی انتہاء ضرور ہے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ ایک مسلمہ ہے کہ ہر شے کی انتہاء ہے۔

(۷) آنکھ بڑی چیز کو چھوٹا محسوس کرتی ہے جیسا کہ آفتاب کو ڈھال کے برابر اور فرش نیلگوں پر بکھرے ستاروں کو دینار کے برابر لیکن عقل جانتی ہے کہ ستارے اور آفتاب زمین سے کئی حصے بڑے ہیں آنکھ تاروں کو بلکہ اپنے سامنے سایہ کو بھی ساکن دیکھتی ہے کیونکہ اپنی مقدار میں ساکن دیکھتی ہے لیکن عقل جانتی ہے کہ بچہ پڑھنے میں حرکت کرتا اور بڑھتا رہتا ہے سایہ حرکت کرتا ہے تارے ایک لحظ میں بہت سے میل طے کر جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا سورج ڈھل گیا ہے انھوں نے کہا نہیں اور ہاں آپ نے فرمایا کہ اس جواب کا کیا مقصد ہے جبرئیل نے کہا کہ میرے ہاں اور نہیں کہنے تک سورج پانچ سو سال کا راستہ طے کر گیا آنکھ کی غلطیوں کی بہت

سی قسمیں ہیں اور عقل اس سے پاک ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ہم بہت سے عقلاء کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی رائے میں غلطی کرتے ہیں تو سمجھ لو کہ ان کے خیالات وہم کبھی اعتقادات کا حکم لگاتے ہیں اور وہ گمان کر لیتے ہیں کہ ان کے یہ احکام عقل کے احکام ہیں حالانکہ دراصل یہ ان کے خیالات کی غلطی ہے ہم نے اس کی شرح معیار العلم اور محک النظر میں کی ہے اور عقل جبکہ وہم و خیال سے مجرد ہو تو اس میں غلطی متصور نہیں ہو سکتی بلکہ وہ تمام اشیاء کو اصلی حالت پر دیکھتی ہے لیکن ان کا تنہا ہونا دشوار ہے ہاں موت کے بعد ان جھگڑوں سے پاک ہوگی اس وقت پردہ کھل جائے گا اور تمام اصرار ظاہر ہو جائیں گے (گویا جب تک عقل مجرد وجود میں نہ آئے اس وقت تک کسی پر اسرار کا ظہور بھی نہیں آ سکتا) اور ہر شخص اپنی اچھائی اور برائی کو جسے وہ آگے پہنچا چکا ہوگا موجود دیکھے گا اپنا اعمال نامہ بھی دیکھے گا "لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصھا" (نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آگئی اس حال میں اس سے کہا جائے گا فکشفنا عنک غطاء ک فبصرک الیوم حدید۔ ہ) (آج ہم نے تجھ سے تیرا پردہ اٹھالیا ہے آج تیری آنکھ تیز ہے) اور وہ خیالات و توہمات ہی کے پردے ہیں اس وقت جو اپنے توہمات فاسد اعتقادات اور باطل تخیلات میں مغرور رہ چکا ہوگا کہے گا اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہمیں پھر دنیا میں لوٹا دیجیے کہ اچھے عمل کریں اب ہمیں یقین آ گیا ہے۔

عقل کی روایت یکساں نہیں

یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ اگرچہ عقل دیکھنے والی ہے لیکن وہ تمام اشیاء جنہیں وہ دیکھتی ہے یکساں نہیں بلکہ بعض تو اس کے نزدیک گویا حاضر ہیں جیسے علوم ضرور یہ مثلاً اس کا یہ علم ایک شے قدیم اور حادث نہیں ہو سکتی کوئی شے معدوم موجود نہیں ہو سکتی اور ایک بات سچی اور جھوٹی نہیں ہو سکتی اور جب بھی کسی شے کے لئے حکم ثابت ہوگا تو اس کے لئے بھی لازماً ثابت ہوگا اور جہاں خاص پایا جائیگا وہاں عام ضرور پایا جائے گا جب بھی سیاہی پائی جائے گی تو رنگ ضرور پایا جائے گا جب بھی انسان کا وجود ہوگا تو حیوان کا وجود ضرور ہوگا لیکن اس کا عکس ضروری نہیں اس لئے ضروری نہیں کہ جب بھی رنگ کا وجود ہو تو سیاہی بھی پائی جائے جیسا کہ یہ ضروری نہیں کہ جب بھی حیوان پایا جائے تو انسان بھی موجود ہو۔

بعض وہ امور ہیں جو ہر وقت عقل کے پیش نظر نہیں رہتے بلکہ وہ اس بات کی محتاج ہوتی ہے کہ

اسے بیدار کیا جائے اور اسے روشن دکھائی دے جیسے امور نظر یہ اس کی جانب عقل کو حکماء کا کلام متوجہ کرتا ہے پس نور حکمت کی روشنی کے وقت انسان بالفعل بینا ہوتا ہے اور اس سے قبل اس کی بینائی بالقوہ تھی۔

سب سے بڑی حکمت اللہ تعالیٰ کا قرآن ہے اور اس کے قرآن میں علی بالخصوص قرآن مجید عقل کی آنکھ کے نزدیک آیات قرآنیہ کا وہی رتبہ ہے جیسا کہ نور آفتاب کا ظاہری آنکھ کے نور کے بالمقابل کیونکہ آنکھیں صحیح کام اسی کے ساتھ کرتی ہیں اسی لحاظ سے یہ زیادہ مناسب ہے کہ قرآن مجید کو نور کہا جائے جس طرح آفتاب کے نور کو کہا جاتا ہے۔

قرآن آفتاب کے نور کے مثل ہے اور عقل آنکھ کے نور کی طرح ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے ”فأمنوا بالله ورسوله والنور الذي أنزلنا“ (اللہ اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے) اور خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی بھی ظاہر ہو جاتے ہیں ”قد جاءكم برهان من ربكم وأنزلنا اليكم نور أميينا“ (تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے دلیل آچکی اور ہم نے تمہاری طرف ظاہر نور نازل کیا)۔

نتیجہ

اس تقریر سے جب یہ امر ظاہر ہو گیا کہ آنکھیں دو ہیں ظاہری اور باطنی نگاہ ظاہر کا تعلق عالم محسوسات و مشاہدہ سے ہے اور نگاہ باطنی کا تعلق عالم آخر سے اور عالم ملکوت ہے اور دونوں آنکھوں میں سے ہر ایک کے لئے آفتاب اور نور ہے جس کے باعث آنکھ کی بینائی کامل ہو جاتی ہے آفتاب بھی دو ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن ظاہری آفتاب تو وہ ہے جو نظر آتا ہے اور باطنی آفتاب قرآن اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں ہیں۔

جب یہ بات تمہارے ذہن نشیں ہو گئی تو تم پر گویا عالم ملکوت کا ایک درکھل گیا اور عالم میں داخل ہے اس کے ساتھ اس کا ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ سایہ کا وجود انسانی سے پھل کا پھل دار درخت سے اور مسبب کا سبب سے تعلق ہوتا ہے اور مسببات کی معرفت اسباب پر موقوف ہے اس لئے عالم شہادت عالم ملکوت کی ایک تمثیل ہے جیسا کہ مشکوٰۃ و مصباح اور شجرہ کے بیان میں آئے گا کیونکہ مشبہ مشبہ کی مشابہت سے خالی نہیں ہوتا اس کی حکایت ایک قسم کی حکایت ہے قریب ہو یا بعید یہ وہ غور فکر کا وقت ہے جو شخص اس حقیقت سے واقف ہوگا اس پر قرآن کی

تشبیہات آسانی سے ظاہر ہو جائیں گی۔

نکتہ

ہم کہتے ہیں کہ جو شے خود کو اور غیر کو دیکھ سکتی ہے اس چیز کی بہ نسبت جو غیر میں اثر نہ کرے اس کا نام نور رکھنا زیادہ مناسب ہے بلکہ اگر اسے روشن چراغ کہا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اس کے انوار غیر پر پڑتے ہیں اور یہ خاصہ نبی کریم ﷺ میں پایا جاتا ہے اور تمام انبیا بھی چراغ ہیں اور علماء بھی لیکن ان میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔

نکتہ

جب ایسی شے کا نام روشن چراغ رکھ سکتے ہیں جس سے نگاہوں کا نور فائدہ حاصل کرتا ہو تو جس سے چراغ خود نور حاصل کرتا ہے اس کی جانب آگ سے اشارہ کرنا زیادہ لائق ہے یہ زمینی چراغ دراصل انوار علیا سے نور حاصل کرتے ہیں نبی کریم ﷺ کی روح فوراً روشن ہو جاتی ہے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے لیکن اگر اسے آگ چھوئے تو پھر وہ نور علی نور ہے تو اس صورت میں یہ زیادہ مناسب ہے کہ زمینی ارواح علوی ارواح سے نور حاصل کریں جن کی تعریف حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے کی ہے انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں ستر ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں وہ ان تمام زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے اور وہ اکیلا تمام ملائکہ کے مقابل ہے پھر کہا گیا کہ جس دن روح اور ملائکہ صف باندھ کر کھڑے ہوں گے اور اگر ان کا اس طرح لحاظ کیا جائے کہ زمینی چراغ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں تو ان کی مثال بجز آگ کے اور کچھ نہ ہوگی اور یہ سوائے کوہ طور کے ظاہر نہ ہوگی۔

وہ آسمانی انوار جن سے زمینی چراغ روشنی حاصل کرتے ہیں تو اگر ان کی ترتیب اس طرح ہے کہ بعض بعض سے انوار حاصل کرتے ہیں تو منبع اول کے جو زیادہ قریب ہوگا وہی نور کے نام کا زیادہ مستحق ہوگا کیونکہ اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے ملکوت میں ایسے عجائبات ہیں کہ عالم ظاہری ان کے سامنے ایک حقیر سے شے ہے اور جس شخص نے اس جہاں کا سفر نہ کیا ہو اور تاہنوز وہ اسی جہاں کی پستی، میں مبتلا ہو تو وہ ایک چار پایہ ہے جو انسانی خاصیت سے محروم ہے بلکہ حیوانات سے بھی بدتر اس لئے کہ حیوانات کو تو اس جہاں کی طرف اڑنے کی قدرت ہی نہیں دی گئی

بخلاف انسان کے اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اولئک کالا نعام بل ہم اضل

یہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں

یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ ظاہر عالم عالم ملکوت کے مقابلے میں ایسا ہی ہے جیسا کہ مغز کے مقابلے میں چھلکا یا روح کے مقابلے میں صورت و شکل نور کے مقابلے میں ظلمت اور بلندی کے مقابلے میں پستی اسلئے عالم ملکوت عالم روحانی عالم نورانی اور عالم علوی بھی کہتے ہیں اس کے بالمقابل عالم سفلی کو عالم جسمانی اور عالم ظلمانی کہا جاتا ہے یہ تصور نہ کرنا کہ عالم علوی سے ہماری مراد آسمان ہیں کیونکہ وہ تو عالم شہادت و حس کے مقابلے میں بلند ہیں ان کے

دریافت کرنے میں تو حیوانات بھی شریک ہیں لیکن خدا کے بندہ کا یہ حال ہے کہ اس کے لئے ملکوت کے دروازے اسی وقت کھولے جاتے ہیں اور وہ اسی وقت ملکوتی بنتا ہے جب کہ اس کے حق میں اس زمین کے بدلے اور زمین اور آسمان کے بدلے اور آسمان ہوتا ہے یہ نہیں کہ جو شے اس کے حس و خیال کے نیچے ہے وہ زمین سے اور جو اس سے بلند ہے وہ آسمان ہے بلکہ جو شے حس سے بالاتر ہو وہ اس کا آسمان ہے اور جو شخص قرب خداوندی کی تلاش میں اس راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اس کی یہ پہلی معراج ہے انسان اسفل السافلین میں گرا ہوا ہے اور اس سے عالم اعلیٰ کی جانب ترقی کرتا ہے لیکن فرشتے عالم ملکوت میں داخل ہیں کیونکہ ان کا تعلق درگاہ خداوندی سے ہے ان میں سے بعض عالم اسفل کی جانب بھی جھانکتے ہیں اس لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو ظلمت میں پیدا کیا پھر اس پر اپنا نور ڈالا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو لوگوں کے اعمال سے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ واقف ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کی عالم ملکوت تک معراج ہوتی ہے تو وہ اعلیٰ درجہ پر فیضیاب ہو جاتے ہیں اور عالم غیب پر مطلع ہو جاتے ہیں کیونکہ جو بھی عالم ملکوت میں ہوگا اسے قرب خداوندی حاصل ہوگا اور خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں یعنی اس کے پاس سے عالم شہادت میں موجودات کے اسباب نازل ہوتے ہیں کیونکہ عالم شہادت اس عالم کے آثار۔

دنیا میں اس ترتیب کی مثال کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ چاند کی روشنی کو کسی گھر کے سوراخ میں سے ایسے آئینہ پر گرتے ہوئے دیکھے جو دیوار پر رکھا ہوا ہے اور جس کی روشنی دوسری دیوار پر پڑتی ہے جو اس آئینہ کے مد مقابل ہو پھر وہ روشنی اس سے زمین پر پڑے جس سے زمین روشن ہو جائے تو زمین پر جو نور ہے وہ زمین کے نور کے تابع ہے اور دیوار کا نور آئینہ

کے نور کے تابع اور آئینہ کا نور چاند کے نور کے اور چاند کا نور آفتاب کے نور کے کیونکہ چاند آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے اور یہ چاروں نور ترتیب وار ہیں بعض بعض سے اعلیٰ و اکمل ہیں اور ہر ایک کے لئے ایک مقام درجہ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا۔

یہ بھی جان لو کہ دل کی آنکھ والوں پر یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ انوار ملکوتیہ اسی ترتیب پر پائے جاتے ہیں اور مقرب ہی نور اعلیٰ کے زیادہ قریب ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اسرافیل علیہ السلام کا رتبہ جبریل علیہ السلام سے بڑھ کر ہو اور ان فرشتوں میں کوئی اتنا قریب ہو جس کا رتبہ حضرت لبو بیت سے جو منبع الانوار ہے قریب ہو ان فرشتوں میں ادنیٰ درجے کے بھی ہیں ان میں بہت سے درجات ہیں جو مشکل سے شمار میں آسکتے ہیں ان کا صرف اتنا حال معلوم ہے کہ وہ کثیر التعداد ہیں اور ان کی ترتیب ان کی صفوف میں ہے جیسا کہ خود انہوں نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے۔

”وما منا الا له مقام معلوم وانا لنحن

الصافون وان لنحن المسبحون“

ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا متعین مقام

نہ ہو اور ہمیں صفیں باندھے ہوئے ہیں اور ہم

تسبیح کرنے والے ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ انوار کے لئے ترتیب ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ یہ سلسلہ غیر متناہی نہیں بلکہ وہ پہلے منبع تک ہے جو اپنی ذات کے لئے ہے اور اپنی ذات سے قائم ہے اس کا نور غیر کی جانب سے نہیں آتا اسی سے تمام انوار اپنی ترتیب پر روشن ہوتے ہیں اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس شے کو نور کہنا جس نے اپنا نور غیر سے مانگا ہو زیادہ مناسب ہے یا اس ذات کو نور کہنا زیادہ مناسب ہے جو اپنی ذات میں روشن ہے اور اپنے علاوہ سب کو روشن کرنے والا ہے اب بھی اگر تجھ پر حق مخفی رہے تو میرے کوئی حجت نہیں اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ نور کا اسم ایسے نور پر بولنا زیادہ مناسب ہے جو نور آلہ ہے اور اس کے اوپر کوئی نور نہیں بلکہ اس کی جانب سے اوروں پر نور گرتا ہے۔

حقیقت

بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں اور کسی کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ نور کا لفظ نور عدل کے علاوہ

اوروں پر بولنا مجازی ہے کیونکہ جب اس کے ماسوا کی ذات کا لحاظ کیا جائے گا تو اپنی ذات کے لحاظ سے بے نور ہوگا بلکہ اس کا نور غیر مانگا ہوا ہوگا اور اس کی نورانیت مستعارہ کا بالذات کوئی وجود نہ ہوگا بلکہ وہ اپنے نور میں غیر کا محتاج ہوگا اور مستعیر کی مستعار منہ سے نسبت مجازی ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کپڑے گھوڑا اور زین وغیرہ عاریتاً لے لے اور اسی وقت سوار ہو جس وقت کہ عاریت دینے والا سوار ہوتا تھا اور اسی طریقہ سے جو اس کی عادت تھی تو کیا وہ فی الواقع یا مجازی طور پر غنی ہو جائے گا ہرگز نہیں بلکہ عاریت دینے والا غنی ہوگا اور یہ اب بھی اسی طرح فقیر ہوگا جیسا کہ پہلے تھا غنی تو صرف وہ عاریت دینے والا ہوگا جس سے وہ شے عاریتاً لی گئی ہے اور اس کی جانب رجوع اور اسی سے ابتداء ہے۔

اس تقریر کے بعد یہ سمجھو کہ فی الحقیقت نور تو اللہ ہے جس کے ہاتھ میں پیدائش اور امر ہے اور اسی سے نور اول ہے اور اس اسم کی حقیقت اور اس کے استحقاق میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں یہ صرف شرکت لفظی ہے اور یہ نام رکھنے میں اس کو اس پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مالک کو اپنے غلام پر ہوتی ہے جس وقت کہ مالک غلام کو مال دے کر اس کا نام مالک رکھ دے لیکن جب غلام کو اصل حقیقت معلوم ہو جائے تو وہ یقیناً سمجھ لے گا کہ اس کا یہ مال صرف مالک کے ملک میں اور اس کا اس میں کوئی قطعی شریک نہیں۔

جب تم نے یہ بات پہچان لی کہ نور ظہور و اظہار کے مراتب کی جانب راجع ہوتا ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ عدم کی ظلمت سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں کیونکہ اندھیرا کرنے والے کو اسی باعث مظلم کہا جاتا ہے کہ دو آنکھوں کے لئے ظاہر نہیں ہوتا اور نہ آنکھ کے لئے موجود ہوتا ہے۔

حالانکہ وہ بالذات موجود ہے اب جو شے نہ اپنے لئے موجود ہو اور نہ غیر کے لئے تو وہ اس امر کی کیسے مستحق نہ ہوگی کہ وہ انتہائے ظلمت ہے اور اس کے بالمقابل موجود ہے اور وہی نور ہے کیونکہ جو شے اپنی ذات میں ظاہر نہ ہوگی وہ غیر کے لیے بھی ظاہر نہ ہوگی وجود بذاتہ بھی دو قسم کا ہے اول یہ کہ اس کا وجود ذاتی ہو۔ ثانیاً اس کا وجود غیر سے آیا ہو۔

جس کا وجود غیر سے آیا ہے وہ مانگا ہوا وجود ہے اور اسے اپنی ذات میں کوئی قیام حاصل نہیں بلکہ جب اس کی ذات پر من حیث الذات غور کیا جائے گا تو وہ محض عدم ہوگا کیونکہ اس کا وجود غیر کی نسبت سے ہے اور یہ حقیقی وجود نہیں جیسا کہ کپڑے اور غنی کی مثال سے تم نے سمجھ لیا ہے معلوم ہوا کہ حقیقتاً موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ حقیقی نور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

حقیقت حقائق

اس حقیقت سے عارفین مجاز کی پستی سے حقیقت کی بلندی تک پہنچ گئے اور انہوں نے نگاہوں سے مشاہدہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی موجود نہیں اور یہ کہ اللہ کے علاوہ ہر شے فنا ہونے والی ہے اور صرف یہی نہیں کہ وہ کسی وقت فنا ہونے والی ہو بلکہ وہ ازلاً اور ابداً ہلاک ہونے والی ہے کیونکہ اس کا تصور اسی طرح ممکن ہے اس لئے کہ جو شے اللہ کے علاوہ ہے جب اس کی ذات کا من حیثیت الذات لحاظ کیا جائے گا گو عدم محض ہوگی۔ اور جب اس کا اس لحاظ سے اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی طرف پہلے وجود سے وجود سرایت کرتا ہے تو وہ موجود نظر آئے گا لیکن بالذات نہیں بلکہ وہ اپنے موجود کرنے والے سے ملا ہوا ہے اس لحاظ سے موجودہ صرف ذات خداوندی ہوگی۔

ہر شے میں دو قسم کی نسبتیں ہوتی ہیں ایک نسبت اس کی ذات کی جانب ہوتی ہے اور دوسری اس کے پروردگار کی جانب تو وہ اپنی ذات کے لحاظ سے معدوم ہے اور اللہ کی نسبت سے موجود ہے اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی موجود نہیں اللہ کے علاوہ ہر شے ازلاً وابداً میں ہلاک ہونے والی ہے۔

عارفین قیامت کے محتاج نہیں کہ خداوند تعالیٰ کی یہ آوازیں سننے کہ آج ملک کس کا ہے اللہ کے لئے قہار کا بلکہ یہ نادان کانوں سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی انہوں نے لفظ اللہ اکبر سے یہ تصور نہیں کیا کہ وہ اپنے غیر سے بڑا ہے چنانچہ پناہ بخدا وجود میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں جس سے وہ بڑا ہو بلکہ غیر کے لئے اس کے ساتھ ہونے کا کوئی رتبہ نہیں غیر کو تو اس کے تابع رہنے کا رتبہ حاصل ہے۔ بلکہ غیر کو وجود بھی اس باعث حاصل ہے کہ وہ اس سے متصل ہے اور فقط اس کی ذات موجود ہے اور یہ محال ہے کہ وہ اس وجہ سے بڑا ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بھی بڑا ہے کہ اسے نسبتاً اور قیاساً بھی بڑا کہا جائے اور اس سے بھی بڑا ہے کہ اس کا غیر اس کی کبریائی کی ماہیت کر سکے خواہ وہ نبی ہو یا فرشتہ بلکہ خدا کی ماہیت کو اس کے علاوہ کوئی پہچانتا ہی نہیں کیونکہ ہر پہچانی ہوئی شے عارف کے سلطان و غلبہ میں داخل ہو جاتی ہے اور یہ بات اس کے جلال و کبریاء کے منافی ہے ہم نے اس کی تحقیق کتاب المقصد الاسنی فی السائل الخشنی میں کی ہے۔

عارفان خدا حقیقت پر پہنچنے کے بعد اس پر متفق ہیں کہ انہوں نے وجود میں سوائے

ایک ذات کے کوئی نہیں دیکھا ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی یہ حالت عرفانی اور علمی ہوتی ہے اور بعض کی یہ حالت ذاتی و حالی ہوتی ہے ان سے کثرت بالکل جاتی رہتی ہے وہ محض فردانیت میں غرق ہوتے ہیں ان کی عقلیں جاتی رہتی ہیں اور مبہوت ہو جاتے ہیں ان میں غیر اللہ کے ذکر کی گنجائش نہیں رہتی حتیٰ کہ اپنے ذکر کی بھی ان کے نزدیک اللہ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہتا ان پر اتنا نشہ چھا جاتا ہے کہ ان کی عقلیں جواب دے جاتی ہیں حتیٰ کہ بعض نے، انا الحق (میں خدا ہوں) بھی کہہ دیا اور ایک نے کہا، ”سبحانی ما اعظم شانہ“ (میں پاک ہوں میری کیا ہی شان ہے) ایک نے کہا ”ما فی الجبۃ الا اللہ“ (میرے جبہ میں اللہ کے علاوہ کچھ نہیں) عشاق جب سکر کی حالت میں کلام کرتے ہیں تو اس پر سکوت اختیار کیا جاتا ہے اسے نقل نہیں کیا جاتا اور جب عقل پر قابو پاتے ہیں جو زمین میں خدا کی ترازو ہے تو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ حقیقت اتحاد نہ تھی بلکہ اتحاد کے مشابہ تھی جیسا کہ ایک عاشق نے غلبہ عشق میں کہا ہے ”انامن اھوی وامن اھوی انا“ (یعنی میں وہ ہوں جسے چاہتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں میں وہ ہوں) ”نحن روجان حللنا بدنا“ (ہم دورہ میں ہیں جو کہ بدن میں داخل ہیں) یہ کچھ بعید نہیں کہ انسان اچانک آئینہ کی جانب دیکھے تو اپنی صورت نظر آئے اور اس نے آئینہ کبھی نہ دیکھا ہو اور وہ یہ تصور کرے کہ جو شکل اس نے آئینہ میں دیکھی ہے وہ آئینہ ہی کی شکل ہے جو اس سے ملحق ہے اسی طرح شراب کو کانچ کے گلاس میں دیکھ کر خیال کرے کہ شراب کا رنگ اس کا رنگ ہے اور اس کی یہ عادت بن جاتی ہے اور یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے تو وہ اس میں غرق ہو جاتا ہے اور کہتا ہے۔

رق الدجاج ورقۃ الخمر

وتشبهها فتشاكل الامر

فكانما خمر ولا قدح

وكانما قدح ولا خمر

گلاس رقیق ہے اور شراب بھی رقیق ہے وہ اس کے مشابہ ہے گویا کہ اس امر کہنے میں مشتبہ ہو گیا کہ شراب ہے اور پیالہ نہیں اور پیالہ ہے شراب نہیں۔ جب یہ حالت غالب ہو جاتی ہے تو یہ اصل حال کی بہ نسبت فنا کہلاتی ہے بلکہ فنا الفنا ہے کیونکہ وہ اپنے نفس سے بھی اور اس کے فنا ہونے سے بھی فنا ہو چکا ہے وہ اس حالت میں خود سے بھی واقف نہیں اور نہ اسے یہ علم ہے کہ میں خود سے واقف نہیں اگر اسے اپنے نفس کے عدم شعور کا شعور ہوتا وہ خود کو پہچانتا

اور اس حالت کو جس میں وہ غرق ہو چکا ہے زبان مجاز میں اتحاد کہتے ہیں اور حقیقت کی زبان میں تو حیدان حقائق کے سوا بھی ایسے اسرار ہیں جن میں غور و فکر جائز نہیں۔

خاتمہ

تم شاید یہ بھی چاہتے ہو گے کہ خدا کے نور کی آسمان اور زمین کی طرف نسبت کی وجہ بھی تمہیں معلوم ہو جائے بلکہ اس کی وجہ بھی کہ وہ بذاتہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور تم پر یہ بات مخفی رہنا بھی مناسب نہیں کیونکہ جب تم نے یہ پہچان لیا کہ وہ نور ہے اور اس کے سوا اور کوئی نور نہیں وہی مجموعہ انوار ہے اور وہی نورِ کلی ہے کیونکہ نور اسے کہا جاتا ہے جس سے چیزیں ظاہر ہوں اور اعلیٰ درجہ کا نور وہ ہے جس کے سبب سے اور جس کے لئے اور جس سے ظہور ہو اور حقیقی نور وہ ہے کہ اس کے سبب اور اس کے لئے ہو اور اسی سے انکشاف ہو اس سے بڑھ کر کوئی نور نہیں جس سے نور کا اقتباس ہو بلکہ یہ نور اس کے لئے اپنی ذات سے فی ذاتہ ہے اور اپنی ذات کے لئے ہے نہ کہ غیر سے۔

جب تمہیں یہ معلوم ہو چکا کہ نور اول کے علاوہ یہ امر کسی کے لئے منصور نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے متصف ہو سکتا ہے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ آسمان اور زمین دونوں قسم کے نور سے بھرے ہوئے ہیں وہ دونوں نور جو بصارت اور بصیرت کی جانب منسوب ہیں یعنی حس اور عقل کی طرف بھری نور وہ ہے جس کا ہم آسمانوں پر مشاہدہ کرتے ہیں یعنی سورج چاند ستارے اور جسے ہم زمین میں دیکھتے ہیں یعنی شعائیں جو روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہیں حتیٰ کہ اس کے باعث مختلف رنگ ظاہر ہوتے ہیں علی الخصوص موسم ربیع میں نیز وہ شعائیں حیوانات نباتات معاون اور موجودات کے تمام اقسام پر پھیلی ہوئی ہیں اگر وہ نہ ہوتیں تو رنگوں کا ظہور بلکہ وجود بھی نہ ہوتا پھر جس کے لئے جو مقداریں اور شکلیں ظاہر ہوتی ہیں تو ان سے تبعاً رنگت بھی معلوم ہو جاتی ہے اس کے ادراک کا تصور انہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

رہے انوار عقلیہ اور معنویہ تو ان سے تمام عالم المعمور ہے اور وہ جو اہر ملائکہ ہیں اور عالم اسفل بھی اس سے بھرا ہوا ہے اس کے بعد حیات حیوانیہ اور انسانیہ ہے انسانی سفلی کے نور سے عالم سفلی کا نظام ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ نور ملک سے عالم اعلیٰ کا نظام ظہور پزیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مفہوم یہی ہے۔ ”وہو الذی انشا کم من الارض واستعمر کم

’فیہا‘ (اور وہ ذات ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا) اور فرمایا ’لیستخلفنہم فی الارض‘ (وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا) ایک مقام پر ارشاد ہے ’ویجعلکم خلفاء الارض‘ (اور وہ تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے) ایک اور مقام پر ارشاد ہے ’انسی جاعل فی الارض خلیفۃ‘ (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو یہ امر بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ تمام عالم انوار ظاہرہ اور بصریہ اور باطنہ عقلیہ سے معمور ہے اور یہ بھی ہو گیا ہوگا کہ سفلیہ ایک دوسرے سے فیضان حاصل کرتے ہیں اور وہ انہیں کے اجزاء ہیں جس طرح کے چراغ سے نور کا فیضان ہوتا ہے اور چراغ دراصل نور نبوی اور ارواح نبویہ قدسیہ ارواح علویہ سے اس طرح نور حاصل کرتی ہے جس طرح کے چراغ تیل سے نور حاصل کرتی ہے پھر علویات بھی ایک دوسرے سے نور حاصل کرتے اور ان کی ترتیب مقامات کی ترتیب سے واقع ہے اور پھر یہ سب نور الانوار اور اصل معدن منبع سے نور حاصل کرتے ہیں اور یہی وحدہ لا شریک ہے صرف اسی کا نور حقیقی ہے بقیہ تمام انوار اس سے مانگے ہوئے ہیں اور اس کے نور سے ماخوذ ہیں اس لئے وہی کل ہے وہی وہی ہے اور غیر کے لئے مجاز کے علاوہ کچھ نہیں صرف اس کا نور ہے اور انوار اسی باعث انوار ہیں کہ وہ اس سے متصل ہیں اپنی ذات سے وہ قطعاً موجود نہیں اب ہر شخص کے متوجہ ہونے کے لئے اس کی ذات کافی ہو اور جدھر بھی منہ کرے اللہ ہی کی ذات ہے ’فاینہاتو لو فشم وجہ اللہ‘

اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کیونکہ معبود اسی کو کہا جاتا ہے جس کی جانب عبادت کے لئے تمام چہرے پھرتے ہوں اور اسی کے تابع ہوں چہروں سے مراد دلوں کے چہرے ہیں کیونکہ وہ انوار ارواح ہیں بلکہ جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اسی طرح اس کے علاوہ اور کوئی نہیں کیونکہ ’وہ‘ اسے کہتے ہیں، جس کی جانب اشارہ کیا جائے وہ جیسا بھی ہو اور اس کے علاوہ کسی کی جانب اشارہ نہیں بلکہ جب بھی تو اشارہ کرے گا تو فی الواقع اسی کی جانب اشارہ ہوگا اگرچہ تو اسے ان اشیاء، مذکورہ کے حقائق کے حقیقت سے غفلت کے باعث نہیں پہچانتا جیسے نور آفتاب کی طرف لا الہ الا اللہ کی توحید ہے اور لاہو الاہو (نہیں مگر وہی) خواص کی توحید ہے کیونکہ وہ عام ہے اور یہ خاص اور یہ زیادہ شامل، زیادہ لائق، زیادہ رقیق ہے اور اس کے ماننے والے کو فردانیت میں زیادہ داخل کرنے والا ہے۔

مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی سیرٹی نہیں کیونکہ کثرت کے بغیر چڑھنا بھی ممکن نہیں اس لئے کہ وہ ایک قسم کی نسبت ہے جو اس بات کو چاہتی

ہے کہ اس سے چڑھاؤ ہو اور جب کثرت اٹھ جاتی ہے تو وحدت ثابت ہو جاتی ہے اور اضافت ختم ہو جاتی ہے اور اشارہ بھی ختم ہو جاتا ہے پھر نہ بلندی ہے نہ پستی نہ اترنے والا اور نہ چڑھنے والا ترقی محال ہو جاتی ہے اور چڑھنا دشوار اعلیٰ سے اوپر کوئی بلندی نہیں وحدت کے ساتھ کثرت نہیں اور کثرت ختم ہو جانے کے بعد سیڑی کا وجود بھی باقی نہیں رہتا پھر اگر وہاں کسی حالت کا تغیر ہے تو دنیاوی آسمان کی جانب اترنے کے باعث ہے یعنی بلندی سے پستی کی طرف جھکنے کی وجہ سے کیونکہ اعلیٰ کے لئے اگر چہ کوئی اور اعلیٰ نہیں لیکن اسفل ضرور ہے سو یہ تمام غایات اور مطلوبات کی انتہا ہے جو اسے جانتا ہے سو وہ جانتا ہے اور جو جاہل ہے وہ انکار کرتا ہے یہ وہ علم ہے جسے علمائے ربانیین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور جب وہ اسے بیان کرتے ہیں تو ان لوگوں کے علاوہ جو خدا کی جانب سے دھوکہ میں مبتلا ہیں کوئی انکار نہیں کرتا اور یہ بعید از عقل نہیں کہ علماء یہ کہیں کہ آسمان دنیا کی طرف فرشتہ کا نزول ہوتا ہے اس لئے کہ بعض عارفین نے اس سے زیادہ کا وہم کیا ہے اس لئے اس فردانیت کے غریق نے تو یہ کہا ہے کہ اسکے لئے دنیاوی آسمان کی طرف نزول ہے اور اس کا یہ نزول استعمال حواس یا تحریک اعضاء کی جانب ہے اور اس کی جانب حدیث قدسی میں اشارہ کیا گیا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے اور جبکہ خدا اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہے تو اور کوئی نہیں ہوتا اور اسی کی طرف اشارہ اس حدیث قدسی میں ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔

الحدیث:-

پس اس موحد کی آسمان دنیا سے حرکات ہیں اور اس کے محسوسات وہ آسمان ہیں جو اس کے اوپر ہیں اور اس کی عقل اس سے بھی بالا ہے وہ آسمان عقل سے مخلوق کی معراج کی انتہا تک ترقی کرتی ہے۔

فردانیت کی مملکت کے سات طبقے ہیں اس کے بعد عقل عرش وحدانیت پر مستوی ہوتی ہے اور وہاں سے حکم کی تدبیر آسمانوں کے تمام طبقات تک کرتی ہے اور اکثر دیکھنے والا یہ کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے حتیٰ کہ اس پر گہری نگاہ ڈالنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ اس کی تاویل ہے جیسا کہ عارف کا یہ قول کہ میں خدا ہوں اور پاک ہوں اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی اور میں اس کے کان آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں مناسب یہ ہے کہ اب کلام کو زیادہ طول نہ دیا جائے اس لئے اس سے

زیادہ تم سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے ممکن ہے کہ تم اس کلام کے مفہوم کو نہ سمجھ سکو بلکہ اس مفہوم کا حاصل کرنے سے قبل ہی تمہاری ہمت جواب دے جائے اس لئے اب تم ایسا کلام سنو جو تمہاری سمجھ کے زیادہ قریب ہو۔

مثلاً خدا کے آسمانوں اور زمین کے نور ہونے کے معنی ظاہری نور لیتے ہو یعنی آنکھوں والا نور مثلاً جب فصل ربیع کی سبزی اور رنگوں کو دن میں دیکھتے ہو تو بسا اوقات تجھے یہ وہم ہوتا ہے کہ تم رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا۔

گویا تو یہ بات کہتا ہے کہ میں سبزی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا ایک قوم نے اسی پر اصرار کیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ نور کے کوئی معنی نہیں اور یہ رنگوں کے ساتھ رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں اس طرح انہوں نے نور کے وجود کا انکار کیا حالانکہ وہ تمام اشیاء میں سب سے زیادہ عیاں ہے اور کیوں نہ عیاں ہو اس کے باعث اشیاء کا ظہور ہے وہ اپنی ذات کو بھی دیکھتا ہے اور اپنے ساتھ غیر کو بھی دکھتا ہے جیسا کہ اس کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے لیکن غروب آفتاب کے وقت چراغ گل ہونے کے وقت اور سایہ ڈھیل جانے کے وقت وہ محل سایہ اور روشنی کے درمیان ضرور فرق محسوس کرتے ہیں مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ نور ایک ایسی شے ہے کہ جو رنگوں کے علاوہ ہے اور رنگوں کے ذریعہ اس کا ادراک ہوتا ہے حتیٰ کہ ان سے زیادتی اتحاد کے باعث محسوس نہیں ہوتا اور زیادتی ظہور کے سبب محسوس ہوتا ہے کیونکہ کبھی نور کی شدت خفا کا سبب ہوتی ہے اور جب کوئی شے حد سے بڑھ جاتی ہے تو اپنی ضد پر لوٹ آتی ہے۔

جب یہ امر ذہن نشین ہو گیا تو یہ بھی جان لو کہ عاقلوں نے جس شے کو دیکھا ہے تو اس کے ساتھ خدا کو دیکھا ہے اور بعض اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے کسی شے کو نہیں دیکھا مگر اس سے قبل اللہ کو دیکھا ہے کیونکہ بعض عارفین خدا کے ساتھ اشیاء کو دیکھتے ہیں اور بعض اولاً اشیاء کو دیکھتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ خدا کو دیکھتے ہیں تخیل اول کی جانب اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے ”اولم یکف بربک انہ علی کل شیء شہید“ کیا تیرا رب ہر شے پر گواہی کے لئے کافی نہیں (اور دوسرے تخیل کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے۔

”سنریہم ایتنافی الافاق وفی انفسہم“ عنقریب ہم انہیں اپنی

نشانیوں آفاقی اور ان کی جانوں میں دکھادیں گے) پہلا شخص صاحب مشاہدہ اور دوسرا کی اس کی آیات کے ساتھ صاحب استدلال ہے اول درجہ صدیقین کا ہے دوسرا علمائے راہین کا اور

ان دونوں کے بعد غافلین کے علاوہ کوئی اور نہیں۔

جب تم نے یہ چیز سمجھ لی تو یہ بھی جان لو کہ جس طرح ہر شے آنکھ کے لئے نور ظاہری سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح عقل باطنی کے لئے ہر شے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظاہر ہوتی ہے پس وہ ہر شے کے ساتھ ہے اس سے جدا نہیں۔ اور اسی سے ہر شے ظاہر ہوتی ہے لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نور ظاہر کا غروب آفتاب سے غائب ہونا ممکن ہے کیونکہ وہ پردہ میں ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سایہ ظاہر ہو جاتا ہے لیکن خود اس کا غائب ہونا متصور نہیں بلکہ اس کا غروب محال ہے وہ تمام اشیاء کے ساتھ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

گویا طریقہ استدلال تفرقہ پر منقطع ہوا اور اگر اس کا غائب ہونا ممکن ہو تو زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جائیں ہاں اس کے سبب ایسی تفریق معلوم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ اس چیز کی معرفت کی جانب مجبور ہونا پڑتا ہے کہ اس کے ساتھ اشیاء کا ظہور ہوا ہے۔

لیکن تمام اشیاء ایک ہی طریقہ پر ظاہر ہیں کیونکہ ان کا خالق ایک ہے اور ہر شے اس کی حمد و تسبیح کرتی ہے نہ کہ بعض اشیاء اور تمام اوقات میں کرتی ہے نہ کہ بعض اوقات میں تو تفریق ختم ہو جاتی ہے اور طریق مخفی ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہری قاعدہ تو یہ ہے کہ ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے کیونکہ جس شے کی ضد اور نقیض نہ ہو تو ظاہر میں ان کا حال یکساں ہوگا تو کچھ بعید نہیں کہ وہ مخفی ہو اور اس کا یہ خفا زیادتی ظہور کے سبب ہو اور روشن کی چمک کے باعث انسان اس سے غافل ہو جاتا ہے پس وہ پاک ہے جو کہ اپنی مخلوق سے اپنے ظہور کے باعث مخفی ہے اور اپنے نور کے سبب مخلوق سے پردے میں ہے بعض اوقات کوتاہ فہم اس کلام کو نہیں سمجھتے۔

ہماری اس تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے ساتھ ہے جیسا کہ اشیاء کے ساتھ نور ہے بلاشبہ وہ ہر جگہ موجود ہے لیکن وہ اس سے بلند و پاک ہے کہ کسی مکان کی اس کی طرف نسبت کی جائے بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ بعید ہے کہ یہ خیال پیدا ہو کہ وہ ہر شے سے قبل ہے اور یہ وہ ہر شے کے ادھر ہے اور یہ خیال کہ وہ ہر شے کو ظاہر کرنے والا ہے اور صاحب عقل کے نزدیک ظاہر کرنے والا ظاہر شے سے جدا نہیں ہوتا۔

ہم جو یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر شے کے ساتھ ہے اس کا مقصود یہی ہے اور یہ بھی تم پر مخفی نہیں کہ ظاہر کرنے والا ظاہر شدہ سے قبل ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر ہوتا ہے اگرچہ اس کے ساتھ ہوتا ہے گویا کہ ایک حیثیت سے وہ اس کے ساتھ ہے اور ایک لحاظ سے اس سے قبل تو کسی کو یہ وہم نہ کرنا چاہیے کہ یہ باہم نقیض ہیں تو انہیں محسوسات کو پیش نظر رکھ کر کہ جن کی معرفت

میں تیرا حصہ ہے اور خیال کر کہ ہاتھ کی حرکت ہاتھ کے سایہ کے ساتھ کیسے ہوتی ہے اور اس سے قبل کیونکر اور جس شخص کا سینہ اس معرفت کے لئے کشادہ نہ ہو اسے اس عالم کی راہ ترک کر دینی چاہیے کیونکہ ہر علم کے لیے خاص افراد ہوتے ہیں اور جس فن کے لئے وہ پیدا ہوا ہے اس کے لئے وہی سہل ہوتا ہے۔

باب دوم

مشکوٰۃ و مصباح اور زجاجہ وغیرہ کی تشریح

اس کا بیان اس کا طالب ہے کہ اس سے قبل دو قطب ہو جن میں غیر محدود وسعت پائی جاتی ہو لیکن میں ان جانب رمز و کنایہ پر اشارہ کرنے پر اکتفا کروں گا۔

قطب اول

اس بیان میں ہے کہ اس مثال میں کیا سر ہے اور معانی کو تمثیلات کے طور پر بیان کرنے کی وجہ کیا ہے اور عالم شہادت کہ جس سے مثالیں پیش کی جاتی ہیں اور عالم ملکوت میں کہ جس سے معانی کا نزول ہوتا ہے ان کی باہم مناسبت کیا ہے اور اس موازنہ کی کیا حقیقت ہے۔

قطب دوم

اس میں ارواح بشریہ اور اس کے انوار کے طبقات کا بیان ہے کیونکہ یہ تمثیل اس کے بیان کرنے کے لیے دلائل گئی ہے اور ابن مسعود کی قرأت یہ ہے مثل نورہ فی قلب المؤمن کمشکوٰۃ فیہا مومن "مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسا کہ اس کے دل میں چراغ ہو ابن ابی کعب نے اسے اس طرح تلاوت کیا ہے "مثل نور قلب من امن کمشکوٰۃ فیہا" مومن کے دل کے نور کی مثال چراغ کی طرح ہے۔

قطب اول

تمثیل اور طرز تمثیل کا راز

عالم کی دو قسمیں ہیں روحانی اور جسمانی یا اسے حسی اور عقلی سے تعبیر کر لو اور خواہ اسے علوی اور سفلی کہو یہ تمام الفاظ قریب المعنی ہیں صرف عبارات مختلف ہیں اگر ان کا اپنی ذات کے لحاظ سے اعتبار کیا جائے تو یہ جسمانی و روحانی ہیں اور اگر آنکھ کے اعتبار سے ان کا لحاظ کیا جائے کیونکہ وہ انھیں دیکھتی ہے تو یہ عقلی و حسی ہیں اور اگر ان کا ایک دوسرے کے اعتبار سے لحاظ کیا جائے گا تو یہ علوی و سفلی ہیں بعض اوقات ایک کو عالم الملک والشہادہ اور دوسرے کو عالم الغیب والملکوت بھی کہتے ہیں جو شخص حقیقت الفاظ پر نظر ڈالتا ہے وہ ان کی کثرت سے حیران ہوتا ہے اور جس شخص پر حقائق عیاں ہو جاتے ہیں وہ معانی کو اصل اور الفاظ کو ان کے تابع سمجھتا ہے لیکن کمزور شخص کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے وہ حقائق کو الفاظ سے تلاش کرتا ہے ان ہر دو فریق کی جانب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے "افمن یمشی مکباً علی وجہہ اہدی امن یمشی سویاً علی صراط مستقیم" کیا وہ شخص جو اندھے منہ گرا ہوا ہو وہ زیادہ ہدایت پر ہو سکتا ہے یا وہ شخص جو سیدھی راہ پر چل رہا ہو۔

جب ہر دو جہاں کے معنی ظاہر ہو گئے تو یہ بھی جان لو کہ عالم ملکوتی و علوی کو عالم غیب کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ اکثر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہے اور عالم حسی کو عالم شہادت و ظہور کہتے ہیں کیونکہ اسے تمام لوگ دیکھتے ہیں۔

عالم حسی عالم عقلی کی سیڑھی ہے اور اگر ان میں باہم مناسبت اور اتصال نہ ہوتا تو اس کی طرف ترقی کی راہ مسدود ہو جاتی اور اگر یہ دشوار ہوتا تو خدا کا قرب دشوار ہوتا بلکہ اس سے کسی کو بھی ہرگز قرب حاصل نہ ہوتا تا وقتیکہ وہ عالم قدس کے بڑے بڑے میدان طے نہ کر لے جو عالم ادراک اور حس و خیال سے بلند ہے ہم اسے عالم قدس کہتے ہیں اور جب اس کے مجموعے کا لحاظ کیا جاتا ہے یعنی وہ عالم جس سے کوئی شے باہر نہ نکلے اور نہ اس میں کوئی ایسی شے داخل ہو جو اس سے اجنبی ہو تو اسے خطیر القدس یعنی بہشت کہا جاتا ہے اور بسا اوقات ہم اس روح پشری کو جو قدس کی روشنیوں کی گزرگاہ ہو ہم اسے وادی مقدس سے تعبیر کرتے ہیں پھر ان میں بہت سے بہشت ہیں کہ ان میں بعض معانی قدس میں زیادہ دخل ہیں لیکن خطیرہ کا لفظ تمام

طبقات کو شامل ہے۔

یہ وہم نہ کرو کہ یہ تمام الفاظ عقلاء کے نزدیک بے فائدہ اور غیر معقول ہیں اس وقت ان الفاظ کی شرح کرنے سے مقصد دور ہو جاتا ہے اس لئے تم الفاظ کے سمجھنے سے اعراض کرو اور اصل غرض کی جانب رجوع کرو۔

جب عالم شہادت عالم ملکوت کی سیڑھی ہے تو اس ترقی سے مقصود صراط مستقیم پر چلنا ہے اس کو دین اور منازل ہدایت کہا جاتا ہے اگر ان دونوں میں کوئی مناسبت نہ ہوتی تو ایک سے دوسرے کی جانب ترقی کرنا متصور بھی نہ ہوتا پھر رحمت خداوندی نے عالم شہادت کو عالم ملکوت کے بالمقابل بنایا ہے اس لحاظ سے اس جہاں میں کوئی شے ایسی نہیں جو اس عالم کی کسی شے کی مثال نہ ہو اور بعض اوقات ایک ہی شے عالم ملکوت کی چند اشیاء کی مثال ہوتی ہے اور بعض اوقات عالم ملکوت کی ایک شے کے لئے عالم شہادت میں بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں اور مثال اسی وقت ہوتی ہے جب کہ دونوں میں باہم کسی قسم کی مشابہت اور مطابقت ہو ان مثالوں کا شمار ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ تمام موجودات کو شمار کرنا اور یہ قدرت انسانیہ سے باہر ہے اور قوت بشریہ اس کا ادراک نہیں کر سکتی اور تھوڑی عمر میں اس کے لیے کافی نہیں میرا منشاء یہ ہے کہ تمہیں یہ بات مختصر طور پر سمجھا دوں تاکہ یہ مختصر امور بقیہ امور کے لئے دلیل بن سکیں اور اس طرح تم پر اسرار کے سمجھنے کا دروازہ کھل جائے۔

اگر عالم ملکوت جو جو اہر نورانیہ ہیں انہیں ملائکہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور انہیں سے ارواح بشر پر انوار گرتے ہیں اسی باعث انہیں رب کہتے ہیں اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ رب اللہ باب ہو انور انیت میں ان کے مراتب مختلف ہیں اور علم شہادت میں ان کی مثال چاند سورج اور ستارے ہیں اس راہ کا چلنے والا اول ستاروں کے درجہ تک ترقی کرتا ہے تو اس پر نور کی چمک ظاہر ہوتی ہے اور اس پر اس کا ایسا جمال اور بلند درجہ کھلتا ہے کہ وہ پکارا ٹھکتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میرا رب ہے۔

پھر جب اسے آگے بڑھ کر چاند کا رتبہ معلوم ہوتا ہے تو پہلے ستارے کے غروب کو ایک وہم خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا اسی طرح ترقی کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ آفتاب کی مثال تک پہنچ جاتا ہے پھر اسے دیکھتا ہے کہ وہ بہت بڑا اور بلند ہے اس کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت کے مثال کے قابل ہے اور نقصان دار کے ساتھ نقص اور غروب کی مناسبت بھی ہے پس اسی باعث گویا ہوتا ہے۔

”انسی وجہت وجہی للذی

فطر السموات والارض حنیفاً وما انامن

المشركین“

میں نے اپنا چہرہ خالص طور پر اس ذات کے سامنے کر لیا ہے

جسے آسمان وزمین پیدا فرمائے اور میں مشرکوں میں سے نہیں

ہوں۔

الذی ایک مبہم اشارہ ہے اس سے کوئی مناسبت نہیں اس لئے اگر کوئی یہ کہے کہ الذی کی مفہوم کی کیا مثال ہے تو اس کا جواب تصور میں بھی نہ آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ہر مناسبت سے پاک ہے اور اسی لئے جب بعض بدویوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کی کیا مناسبت ہے تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ”قل هو اللہ احد، اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد، ولم یکن له کفو احد“ آپ فرمادیتے کہ وہ اللہ ایک ہے بے نیاز ہے نہ جتنا ہے، اور نہ جتنا گیا ہے۔ اور نہ اس کا کوئی ہم سفر ہے۔

اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ ہر نسبت سے پاک ہے۔ اسی لئے جب فرعون نے موسیٰ

علیہ السلام سے سوال کیا تھا مارب العالمین۔

جیسے کوئی ماہیت کا طالب سوال کرتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے افعال ہی سے جواب دیا تھا کیونکہ سائل کے نزدیک اس کے افعال ہی زیادہ ظاہر تھے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے فرعون نے اپنے ہمیشہ نشینوں سے کہا کیا تم سنتے نہیں گویا وہ ان پر معترض تھا موسیٰ حقیقت کے جواب سے کیوں عدول کر گئے جس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا بھی رب ہے اس پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جنون کی جانب منسوب کیا اس لیے کہ فرعون کا مطلب حقیقت و تمثیل سے آگاہی تھی۔ اور آپ افعال کے ساتھ جواب دے رہے تھے اسی باعث فرعون نے کہا تھا کہ تمہاری جانب جو رسول بھیجا گیا ہے وہ دیوانہ ہے۔

آدم برسر مطلب :- علم تعبیر سے تمہیں تمثیل کی کیفیت معلوم ہو جائیگی اس لیے خواب نبوت کا ایک جزو ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خواب میں آفتاب دیکھنے کی تعبیر بادشاہ کو دیکھنا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے روحانی معنی میں شرکت و مشاء بہت ہے وہ سب پر بلند ہے اور اس کا انوار آثار کا

سب پر فیضان ہوتا ہے۔ اور چاند دیکھنے کی تعبیر وزیر ہوتا ہے کیونکہ غروب آفتاب کے بعد آفتاب کا نور چاند ہی کے ذریعہ زمین پر گرتا ہے کہ بادشاہ اپنے آثار کے فیض اس شخص پر جو بادشاہ سے غائب ہوتا ہے وزیر ہی کے ذریعہ پہنچاتا ہے یا مثل خواب میں یہ دیکھے کہ اس کے پاس مہر ہے اور وہ اسے لوگوں کے چہروں اور عورتوں کی پیشاب گاہوں پر لگا رہا ہے تو اس کی تعبیر رمضان میں صبح صادق سے قبل سے آذان دیتا ہے اور جو شخص یہ دیکھے کہ وہ روغن زیتون کو زیتون میں ڈال رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے نیچے ایسی لونڈی ہے جو اس کی ماں ہے اور جس کے ماں ہونے سے یہ واقف نہیں۔

تعبیر کی تمام اقسام کی اس قسم کی تمثیلات میں شمار کرنا ناممکن ہے کم از کم یہ میرے احاطہ قدرت سے باہر ہے بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ جیسے موجودات عالیہ روحانیہ میں وہ اشیاء پائی جاتی ہیں جن کی مثال آفتاب۔ چاند اور تارے ہیں اسی طرح ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی مثالیں اور ہیں اور علی الخصوص جبکہ ان اشیاء کے ساتھ دیگر اوصاف کے علاوہ نورانیت کا لحاظ کیا جائے۔

پس اگر ان موجودات میں کوئی ایسی شے موجود ہے جو کہ ثابت ہے اور متغیر نہیں۔ بڑی ہے چھوٹی نہیں اور اسے معارف و مکاشفات کے چشمے پھوٹ پھوٹ کر دلوں کی جانب جا رہے ہوں تو اس کی مثال طور ہو سکتی ہے اور اگر ایسے موجودات ہیں جن کا ان نفاس سے تعلق ہے اور ان میں سے بعض بعض سے بہتر ہیں تو ان کی مثال وادی ہے اور اگر یہ نفاس انسانی قلوب کے باہم ملنے کے بعد ایک دل سے دوسرے دل کی جانب جاری ہوتے ہوں تو یہ دل بھی جنگل کی طرح ہیں جو کہ پہلے دلوں کے علاوہ ہیں اور بعض ان میں سے غوطہ زن ہیں۔

مناسب یہ ہے کہ اول وادی ایمن ہو کیونکہ وہ بابرکت ہے اور اس کا درجہ بہت بلند ہے اور اگر وادی کم درجہ کی جو وادی ایمن کے واحد درجات سے ملحق ہے تو وہ شخص وادی ایمن کے کنارے پر غوطہ زن ہے ایسا شخص وادی کے درمیان اور بھنور میں غوطہ زن نہیں۔ اگر نبی کی روح روشن چراغ ہے اور یہ روح وحی سے فیض حاصل کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”او حینا الیک روحاً من امرنا“ (ہم نے روح کو اپنا حکم دے کر آپ کے پاس بھیجا)

پس جس سے اقتباس کیا جاتا ہے اس کی مثال آگ کی مانند ہے اور اگر اخذ کرنے والے انبیاء علیہ السلام ہیں تو ان میں سے بعض تقلید پر ہیں کہ وہ اس وحی کو سن لیتے ہیں اور بصیرت یافتہ ہیں اس مقلد کی مثال جو بصیرت نہیں رکھتا انکار اور چنگاری کی ہے اور صاحب

ذوق بات احوال میں بنی کا شریک ہوتا ہے اس مشارکت کا مقصود سینکنا ہے اور آگ وہی سینکتا ہے جس کے پاس آگ ہوتی ہے ورنہ وہ اس کی خبر نہ سنتا اگر انبیاء کی پہلی جماعت کدورت حس و خیال سے عالم مقدس کی جانب ترقی کرتی ہے تو اس کی مثال منزل وادی مقدس اور اس کی وادی مقدس کا طے کرنا دونوں جہاں کو ترک کئے بغیر اور ایک خدا کی جانب متوجہ ہوئے بغیر طے کرنا ممکن نہیں اور دنیا و آخرت دونوں بالمقابل ہیں وہ دونوں دنیا و آخرت کے عوارض ہیں ان دونوں کا کبھی تو چھوڑنا ممکن ہے اور کبھی ان سے ملنا ان کے چھوڑنے کی مثال احرام باندھنے اور کعبہ قدس کی جانب توجہ کے وقت جوتے اتارنے کی ہے بلکہ ہم حضرت خداوندی کی جانب ترقی کر کے کہتے ہیں کہ اگر اس درگاہ میں کوئی ایسے شے ہے کہ جس کے ذریعہ علوم منفصلہ جو اہر قابلہ میں نقش پر ہوتے ہوں تو اس کی مثال قلم ہے اور اگر ان میں ایسے جو اہر ہیں جن میں یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ نقوش علم سے متصل ہو سکیں تو ان کی مثال لوح کتاب اور ورق منشور یعنی صحیفہ روشن ہے اور اگر علوم کے نقوش سے بڑھ کر کوئی اور شے ہے تو وہ اس کے ساتھ مقید ہے تو اس کی مثال ہاتھ ہے اور اگر اس درگاہ کی جو کہ ہاتھ، لوح و قلم اور کتاب پر مشتمل ہے کوئی باقاعدہ ترتیب ہے تو اس کی مثال صورت ہے اور اگر اس مشابہت پر صورت انسانی کی کوئی باقاعدہ ترتیب ہے تو وہ صورت رحمن ہے اور اس بات میں کہ وہ اللہ کی صورت پر ہے بین فرق ہے کیونکہ وہ رحمت الہی جو صورت الہی پر ہے وہ اسی صورت کے ساتھ متصف ہے خدا تعالیٰ نے آدم پر مہربانی فرمائی اور انھیں وہ مختصر سی جامع صورت دی جو عالم کی تمام اقسام کو شامل ہے گویا وہ تمام جہان کا مجموعہ ہے یا ایک مختصر جہاں کا نسخہ ہے اور آدم کی صورت صورت اللہ کے خط سے لکھی ہوئی ہے اور وہ ایسا خط الہی ہے جس کو حروف سے نہیں لکھا جاتا کیونکہ اس کا خط تحریر و حروف سے پاک ہے جیسا کہ اس کا کلام آواز و حروف سے پاک ہے اور اس کا قلم اس سے پاک ہے کہ وہ سرکنڈہ یا لوہے سے بنا ہے۔ اور اس کا ہاتھ اس سے پاک ہے کہ وہ گوشت اور ہڈی ہو اور اگر یہ رحمت الہی نہ ہوتی تو انسان معرفت خداوندی سے عاجز ہو جاتا اس لئے کہ اپنے رب کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا ہو اور جب رحمت کے یہ آثار ہیں تو وہ صورت رحمن پر ہوانہ کہ اللہ کی صورت پر۔؟

پس حضرت الہی حضرت رحمن کے غیر ہے اور بادشاہت و ربوبیت کے بھی غیر ہے اس لئے کہ اس نے حکم دیا ہے کہ ان تمام حضرات سے پناہ مانگو۔ ارشاد ہے "قل اعوذ برب الناس ملک الناس" (آپ فرمادیتے تھے کہ میں لوگوں کے پروردگار۔ لوگوں کے بادشاہ سے

پناہ مانگتا ہوں) اور اگر یہ معنی نہ ہوتے تو اس کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو رحمن کی صورت پر پیدا کیا لفظ درست نہ ہوتا بلکہ یہ کہنا چاہئے تھا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور جو لفظ صحیح حدیث میں ہے وہ علیٰ صورت الرحمن میں ہے۔ (حدیث صحیح تو کجا حدیث ضعیف میں بھی یہ لفظ نہیں بلکہ یہ صرف مصنف کی اختراع ہے)۔

حضرت بادشاہ کو حضرت ربوبیت سے تمیز کرنے کے لیے طویل شرکی ضرورت ہے لہذا ہم اس سے کنارے کشی کرتے ہیں بطور اختصار تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی تھا نہیں اگر تمہارے دل میں ان مثالوں سے کوئی شبہ پیدا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کرو انزل من السماء ماء فسالت او دية نقدرها اس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر مقدار کے مطابق اس سے نالے بہائے۔ کیونکہ تفسیر میں آیا ہے کہ پانی معرفت ہے اور جنگل دل ہے

خاتمہ و معذرت

اس مختصر اور ضرب المثل سے یہ گمان نہ کرنا کہ میری جانب سے گویا یہ رخصت ہے کہ آیت کے ظاہری معنی کو ترک کر دیا جائے اور ان کے بتلانے کا عقیدہ قائم کیا جائے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جوتے نہ تھے اور انہوں نے خدا کے اس حکم کو کہ اپنے جوتے اتار دو نہیں سنا تھا خدا کی پناہ میں یہ کیسا کہہ سکتا ہوں کیونکہ ظواہر کو باطل کرنا ان باطنوں کی رائے ہے جنہوں نے اپنے بھینگے پن کی وجہ سے دونوں جہاں میں سے صرف ایک جہاں کو دیکھا اور دونوں کے تقابل میں جہالت سے کام لیا اور وجہ بھی نہ سمجھے جیسے صاحب اسرار کا کلیتہ باطل کرنا حشو یہ کا مسلک ہے پس جو شخص مجروح ظاہر پر ہے وہ حشوی ہے۔ اور جس کا تعلق صرف باطن سے ہے وہ باطن ہے اور جو دونوں کو جمع کرتا ہے وہ کامل ہے۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کا ظاہر اور باطن اور حد اور مطلع ہے یعنی جائے طلوع ہے۔ اور یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موقوفاً نقل کیا گیا ہے بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم سے کہ اپنے دونوں جوتے اتار دو یہ سمجھا کہ دونوں جہاں چھوڑ دو پھر ظاہری حکم کی تعمیل کے لئے جوتے اتار دیے اور باطن میں تمام جہاں کو چھوڑ دیا (یہ صرف تاویل برائے تاویل ہے جس کا قرآن وہ شریعت سے دور کا بھی تعلق نہیں) اسی کو

اعتبار کہتے ہیں کہ ایک شے سے دوسری شے تک عبور کرنا اور ظاہر سے باطن کی طرف جانا ہے وہ شخص جو نبی کریم ﷺ کے اس قول کو سنتا ہے جو آپ نے فرمایا ہے کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔ اور پھر وہ شخص کتے کو اپنے گلو میں رکھے اور کہے کہ اس حدیث کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ دل کے گھر کو غضب کے کتے سے پاک کیا جائے کیونکہ وہ ملائکہ کے انوار کی معرفت سے روکتا ہے اس لئے کہ غصہ عقل کا غول ہے اور اس شخص کے درمیان فرق ہے جو کہ اس حدیث ظاہری حکم کی تعمیل بھی کرتا ہو اور پھر یہ کہتا ہو کہ کتا اپنی ظاہری صورت پر مراد نہیں بلکہ معنوی لحاظ سے درندگی اور شکار کے پیچھے دوڑتا ہے اور جب اس گھر کی حفاظت واجب ہے جو کہ وجود اور بدن کا مقام ہے تو اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کتے کے خصائل سے بھی اپنی حفاظت کرے تو اس پر دل کے گھر کی جو کہ جو ہر حقیقی کی قرار گاہ ہے حفاظت کرنا ضروری ہوا کیونکہ جو شخص ظاہر و باطن ہر دو کو جمع کرتا ہے وہی کامل ہے اور کاملین کے اس قول کا مقصود یہی ہے کہ کامل وہ شخص ہے جس کی معرفت کا نور اس کے تقویٰ کے نور کو نہیں بجھاتا اور اسی باعث تو کامل کو دیکھے گا کہ وہ کمال بصیرت و عقل کے باوجود کسی حکم کو ترک کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

بعض مالکین طریقت کا احکام ظاہر کی بساط کو لپیٹ دینا ان کا مغالطہ ہے حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے نماز ترک کر دی اور بولے کہ ہم ہمیشہ باطنی نماز میں رہتے ہیں اور یہ اباحت والے احمقوں کے علاوہ اور مغالطہ ہے کہ جنہیں بیہودہ باتوں نے پکڑ رکھا ہے جیسا کہ ان میں سے بعض اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے اعمال کی پرواہ نہیں بعض اس کے قائل ہیں کہ باطن خباثوں سے بھرا ہوا ہے اور ان سے اس کی پاکیزگی ممکن نہیں اور غضب و شہوت کو جڑ سے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں اس کا یہ گمان ہے کہ وہ ان دونوں کو اکھاڑنے پر مامور ہے پس یہ حماقتیں ہیں اور سالک کی لغزش ہے جسے شیطان نے روک لیا ہے اور اسے غرور کے رسوں میں لٹکا دیا ہے۔

اب میں نعلین کی تفسیر کی جانب متوجہ ہوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ظاہر اوجوتوں کا اتارنا دونوں جہاں کے ترک کی طرف اشارہ ہے پس ظاہر میں مثال حق ہے اور اس کا باطن کی طرف لے جانا حقیقت ہے۔

ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور اس رتبہ کے لوگوں ہی زجاجہ (شیشہ) کے مقام تک پہنچ گئے ہیں جیسا کہ زجاجہ کے معنی میں عنقریب آئے گا کیونکہ وہ خیال جس کی مثال اخذ

سے کی جائے سخت کثیف ہے جو اسرار کو چھپاتا ہے اور تم میں اور انوار میں حائل ہو جاتا ہے لیکن جب صاف ہو جاتا ہے تو شیشہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے اور انوار میں حائل نہیں رہتا اور انوار تک پہنچا دیتا ہے بلکہ وہ اس کے لئے انوار کا محافظ بن جاتا ہے تاکہ وہ آندھیوں سے بچھ نہ جائے اب زجاجہ کی حقیقت سمجھو۔

جان لو کہ عالم کثیر خیالی سفلی انبیائے کرام کے حق میں شیشہ انوار کے لئے طاقتی اسرار کے لیے آئینہ اور عالم اعلیٰ کی سیڑھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثال ظاہری حق ہے لیکن ظاہر کے علاوہ ایک باطن بھی ہے اس پر طور اور آگ کو قیاس کر لو۔

نکتہ:

جب نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں نے عبد الرحمن بن عوف کو گھٹنوں کے بل جنت میں داخل دیکھا تو تم یہ خیال نہ کرو کہ آپ نے انھیں آنکھ سے نہیں دیکھا ہے بلکہ انھیں اسی طرح بیداری میں دیکھا جس طرح سونے والا خواب میں دیکھتا ہے اگرچہ عبد الرحمن بن عوف اپنے گھر میں اپنے وجود سے سوتے تھے کیونکہ نیند سلطان حواس کو نور باطن الہی پر غالب کر دینے کے باعث مشاہدات ہی پر اثر کرتی ہے کیونکہ حواس عالم اس کو اپنی جانب متوجہ کرتے اور اسے مشغول کرتے ہیں۔ اور اس کی ذات کو عالم غیب و ملکوت سے پھیرنے والے ہیں لیکن بعض انوار نبویہ اتنے شفاف اور غالب ہوتے ہیں کہ انھیں حواس اپنے عالم کی جانب مشغول نہیں کرتے اسی باعث وہ بیداری میں وہ باتیں دیکھ لیتے ہیں جو اور لوگ نیند میں دیکھتے ہیں اور جب وہ انتہائے کمال پر ہوتے ہیں تو اس کا ادراک مخفی صورت دیکھنے والی آنکھ تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے موجودہ زندگی کی طرف جو کہ عالم اسفل سے کھینچتی ہے پس جبکہ اشکال دنیویہ کی جانب کھینچنے والا دوسرے جاذب ایمان نعیادہ قوی ہے تو یہ تنگی رزق پیدا کرے گا یا اس کی سیر میں چلے گا عالم شہادت میں اس کی مثال ابر ہے۔ علی ہذا اسرار آئینہائے خیال سے قبل ہی ظاہر ہو جائیں گے اور آپ کا یہ حکم عبد الرحمن ہی تک محدود نہ رہے گا گو کہ آپ کا دیکھنا انھیں تک محدود تھا بلکہ اس کے ذریعہ ہر ایسے شخص پر حکم لگا دیا جائے گا جس کی بصیرت قوی اور ایمان محکم ہو لیکن ساتھ میں مال کی کثرت ہو کیونکہ کثرت مال ایمان کی مزامم ہوتی ہے اگرچہ اس کا مقابلہ نہیں کرتی کیونکہ ایمان کی قوت غالب ہے اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء کرام صورتوں کو کیسے دیکھتے ہیں اور صورتوں کے علاوہ وہ معانی کو کیسے مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ معنی

مشاہدہ باطن سے قبل ہوتے ہیں پھر اس سے روح خیال کو دیکھتے ہیں اور ایسی صورت جو کہ معانی کے متشابہ اور مساوی ہے وہ منطبع ہو جاتی ہے اور بیداری میں وحی کی یہ صورت تاویل کی محتاج ہوتی ہے جیسا کہ نیند تعبیر کی محتاج ہے اور اگر خواب میں ایسا واقع ہو تو خواص نبویہ کے ساتھ اس کی نسبت ایسی ہے جیسا کہ ایک کو چھیا لیس کے ساتھ۔ اور اگر بیداری میں ایسا ہو تو اس کی نسبت اس سے بڑی ہے میرا گمان ہے کہ اس وقت اس کی نسبت ایک کی تین سے ہوگی۔ کیونکہ ہم پر جو کچھ عیاں ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواص نبویہ تین قسم کے شعبوں میں منحصر ہیں اور یہ تینوں میں سے ایک ہے۔

قطب دوم

مراتب ارواح بشریہ نورانیہ

اول روح حساس ہے اور وہ روح وہ ہے کہ حواس جو کچھ اس پر پیش کرتے ہیں وہ ان سے ملتی ہے یہی روح حیوانی کی اصل ہے اور اسی کے باعث حیوان کو حیوان کہتے ہیں یہ دودھ پینے والے بچے میں موجود ہوتی ہے۔

دوئم روح خیالی۔ حواسات جو کچھ اس روح کو دیتے ہیں وہ اسے لکھتی اور اپنے پاس خزانے میں محفوظ رکھتی ہے تاکہ یہ اسے ضرورت کے وقت روح عقل کے سامنے جو اس سے بلند ہے پیش کرے یہ دودھ پیتے بچے کو شروع نشوونما میں نہیں پائی جاتی اسی لئے وہ کسی شے کی حرص کرتا ہے تاکہ اسے لے لے اور جب وہ شے اس سے غائب ہو جاتی ہے تو اسے بھول جاتا ہے اس کا نفس اس پر جھگڑتا نہیں۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ وہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ جب کوئی شے اس سے غائب ہوتی ہے تو وہ رونے لگتا ہے اور اسے مانگتا ہے کیونکہ اس کی صورت اس کے خیال میں محفوظ ہوتی ہے اور یہ بات بعض حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے اور بعض میں نہیں وہ پروانے جو آگ پر گرتے ہیں ان میں یہ قوت نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ آگ کی جانب اس لئے لپکتے ہیں کہ انھیں دن کی روشنی سے کمال محبت ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ چراغ ایک کشادہ سوراخ ہے جو روشنی کے مقام پر جاتا ہے یہ خیال کر کے وہ خود کو اس پر گراتا ہے اور تکلیف پاتا ہے لیکن جب وہ اس پر گزر جاتا ہے اور اندھیرے میں پہنچ جاتا ہے تو دو بارہ اور سہ بارہ اس کی جانب لپکتا ہے اگر اس کی روح حافظ ہوتی تو اسے اس کی جب کہ اس نے درد دیکھ لیا تھا تو ایک دفع

کے ضرر کے بعد اسے دوبارہ ادھر نہ آنے دیتی لیکن کتے کو جب ایک بار لکڑی سے مارا جائے تو اس کے بعد جب بھی وہ لکڑی دیکھتا ہے تو بھاگتا ہے۔

سوئم۔ روح عقلی۔ یہ ان معانی کو معلوم کرتی ہے جو حس و خیال سے ماورہ ہیں یہ جو ہر انسان کے لئے خاص ہے اور چوپایوں اور بچوں میں نہیں پایا جاتا اس کے معلومات معارف سرور یہ کلیہ ہیں جیسا کہ ہم یہ امر اس جگہ بیان کر چکے ہیں جہاں ہم نے نور عقل کو نور بصر پر فضیلت دی ہے۔

چہارم۔ روح فکری ہے۔ یہ انبیائے کرام اور بعض اولیاء کے ساتھ خاص ہے اس میں غیب کے علوم احکام آخرت اور زمین و آسمان کی حکومت کے تمام معارف ظاہر ہوتے ہیں بعض معارف ربانیہ وہ ہیں جنہیں سمجھنے سے روح عقلی و فکری بھی قاصر ہے اسی جانب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

و کذالک اوحینا الیک روحاً من امرنا
ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان
ولکن جعلنہ نوراً الہدی بہ من نشاء من
عبادنا وانک لتہدی الی صراط
مستقیم .

ہم نے آپ کے پاس روح کو اپنا حکم دے کر بھیجا اور نہ آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب و ایمان کیا شے ہے لیکن ہم نے آپ کو نور بنایا ہے کہ ہم آپ کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت کرتے ہیں اور آپ یقیناً سیدھی راہ کی ہدایت کرتے ہیں۔

یہ بات بعید نہیں کہ عقل کے علاوہ بھی کوئی اور طور ہو جس میں وہ باتیں ظاہر ہوں جو عقل میں ظاہر نہیں ہوتیں جیسا کہ عقل تمیز و احساس کے علاوہ اور کوئی ایسا طور ہونا بعید نہیں جس میں عجائب و غرائب ظاہر ہوں اور ان سے احساس و تمیز تصور وار ہوں پس انتہائے کمال کو اپنے نفس پر موقوف خیال نہ کر اور اگر تم ایسی مثال کے خواہان ہو جس سے بعض انسان کے خواص کا مشاہدہ کر لو تو ذوق شعر کو دیکھو کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ مخصوص ہے اور بعض لوگ اس سے محروم ہیں حتیٰ کہ انھیں الحان موزونہ اور زحاف کی بھی تمیز نہیں اور بعض میں قوت زوق اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ ان میں سے بعض نے موسیقی راسکیہ اور مختلف قسم کی لے ایجاد کی ہیں جن میں

بعض عم پیدا کرنے والی، بعض خوشی پیدا کرنے والی، بعض سلانے والی، بعض رلانے والی، بعض جنون آفرین اور بعض غشی کی موجب ہیں اسی میں یہ آثار قوی ہوتے ہیں جن میں اصل ذوق ہوتا ہے لیکن جو شخص اس ذوق کی خاصیت سے لگاؤ نہیں رکھتا وہ آواز سننے میں تو طور و شریک ہے لیکن اس میں یہ آثار نہیں پائے جاتے وہ صاحب وجد و غشی سے تعجب کرتا ہے اگر تمام ذوق والے عقلاء ذوق کا مفہوم سمجھانے پر متفق ہو جائیں تو وہ اس کے سمجھانے پر قادر نہیں اور یہ معمولی سی مثال ہے جو تمہاری سمجھ میں آ سکتی ہے اس پر ذوق نبوی کو قیاس کر لیا جائے اور اس کی کوشش کرنے کے اس روح کے اہل ذوق میں تو بھی داخل ہو جائے کیونکہ اولیاء اللہ کو اس کا بڑا حصہ عطا ہوا ہے اور اگر تو اس پر قادر نہ ہو تو اس میں مذکورہ قیاسات و تشبیہات کے ذریعہ کوشش کرتا کہ تو بھی اہل علم میں داخل ہو جائے اگر تو اس پر قادر نہ ہو تو کم از کم اس پر ایمان لانا چاہیے (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا ہے درجات بڑھائے گا)

علم ایمان سے بڑھ کر ہے اور ذوق علم سے بڑھ کر ذوق وجدان ہے علم صرف قیاس ہے اور ایمان صرف تقلید سے قبول کرنا اور اہل وجدان و عرفان سے حسن ظن رکھنا ہے۔
جب تم نے ان پانچوں روحوں کو جان لیا تو یہ بھی جان لو کہ یہ بھی سب انوار ہیں اس لئے ان کے سبب موجودات کے اقسام ظاہر ہوتے ہیں حسی و خیالی موجودات اگرچہ چوپایہ میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے جو حصہ انسان کے لئے مخصوص ہے جو اشرف و اعلیٰ ہے اور انسان میں یہ دونوں حس کسی اور غرض کے لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ وہ طلب غذا میں ان کا آلہ رکاب بنے اور وہ انسانوں کے مسخر ہو جائیں اور آدمی میں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ یہ دونوں اس کا جال بن سکیں اور ان دونوں کے ذریعہ وہ عالم اسفل میں معارف دیدیہ کا شکار کر سکے کیونکہ انسان جب ایک شخص معین کو معلوم کر لیتا ہے تو اپنی عقل سے ایک عام اور مطلق معنی بھی نکال لیتا ہے جیسا کہ ہم نے عبد الرحمن بن عوف کی مثال میں ذکر کیا ہے جب یہ پانچوں ارواح معلوم ہو گئیں تو اب ہم مثال کی اصل غرض کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

آیت کی مثالوں کا بیان

ممکن ہے کہ پانچوں ارواح کا مشکوٰۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زینت سے تقابل میں کلام طویل ہو جائے لیکن میں انکا طریق معلوم کرنے میں اختصار ہی سے کام لوں گا۔ اگر تم

دیکھنے والی روح کی خاصیت کی جانب دیکھو تو اس کے انوار کو چند سوراخوں سے خارج پاؤ گے جیسے دو آنکھیں دو کان دو نتھنے وغیرہ اور عالم مثال میں اس کی زیادہ مناسب مثال مشکوٰۃ ہے روح خیالی کے تین خواص ہیں۔

(۱) یہ کہ وہ عالم کثیف سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ خیالی شے کے لئے مقدار صورت اور مخصوص جہات ہوتی ہے اور خیال کرنے والے کی نسبت سے قریب یا بعید ہوتی ہیں اور کثیف جو کہ اجسام کے اوصاف میں سے ہے اس کی شان یہ ہے کہ وہ ان انوار عقلیہ محضہ جو کہ جہات و مقادیر اور قرب و بعد کے وصف سے منزہ ہیں پردے میں ہے۔

(۲) یہ خیالی کثیف جب شفاف و رقیق اور مہذب و مضبوط ہو تو وہ ایسے معانی عقلیہ کے مناسب ہوتا ہے جو ان کے بالمقابل ہے اور اس کے نور کے چمکنے کو حاصل نہیں۔

(۳) خیال ابتدائے امر میں اس کا انتہائی محتاج ہوتا ہے تاکہ اس کے لئے معارف عقلیہ کو محفوظ رکھ سکے پس تو مضطرب و پریشان نہ ہو کہیں وہ حافظ سے نہ نکل جائے۔ اس لئے کہ تم خیال مثالوں کو معارف عقلیہ کے لئے جمع کرو گے۔

عالم شہادت میں تم یہ تینوں خواص انوار دیکھنے والوں کی جانب منسوب کرتے ہو اور وہ زجاجہ (شیشہ) کے علاوہ کہیں نہ پاؤ گے اس لئے کہ اگرچہ زجاجہ جو ہر کثیف ہے لیکن شفاف و رقیق ہے حتیٰ کہ چراغ کے نور کو بھی نہیں چھپاتا بلکہ اسے علیٰ حالہ باہر پہنچاتا اور اسے تیز ہواؤں اور سخت حرکتوں کے بجانے سے محفوظ رکھتا ہے پس وہ اس کی بہترین مثال ہے۔

تیسری وہ روح عقلیہ ہے جس میں معانی شریفہ کا ادراک ہوتا ہے اور تجھ پر وجہ تمثیل پوشیدہ نہیں اسے تم نے پہلے بیان میں جس میں کہ انبیاء کا چراغ روشن ہونا مذکور ہے پہچان لیا ہے۔

چوتھی روح فکری ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک جڑ سے شروع ہو کر دو شاخوں میں بٹ جاتی ہے۔ پھر ہر شاخ سے دو شاخیں نکلتی ہیں اور بہت سے شعبے تقسیمات عقلی سے بن جاتے ہیں حتیٰ کہ آخر میں ظاہر نتائج تک پہنچ جاتے ہیں پھر وہ اپنے ہم جنسوں کے لئے بیج کا کام دیتے ہیں کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اثر پہنچائیں ہوں اس جہاں میں اس کی مثال شجرہ ہے۔ جب اس کے معارف کے ثمرات دو چند اور ثبات و بقا کے لئے مادہ ہیں تو مناسب یہ ہے کہ زیتون کے علاوہ اس کی مثال ناشپاتی، سیب، انار اور دیگر درختوں سے نہ دی جائے کیونکہ اسکے پھل کا مغز وہ ذیت ہے جو کہ چراغ کا مادہ ہے اور تمام تیلوں میں چمک

کے لحاظ سے خاص خصوصیت رکھتا ہے اور چونکہ اس درخت پر کثرت سے پھل آتا ہے اس لئے اس کو مبارک درخت کہتے ہیں تو وہ درخت کے پھل کی کوئی حد و انتہاء نہ ہو اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اسے مبارک درخت کہا جائے اور چونکہ انکار عقلیہ محضہ کے شعبے جہات اور قرب و بعد سے منزہ ہیں تو وہ اس امر کے زیادہ لائق ہیں کہ نہ وہ شرقی ہونے غربی۔

پانچویں روح، روح قدسی نبوی ہے جو کہ اولیاء اللہ کی جانب منسوب ہے بشرطیکہ وہ نہایت چمک دار اور صاف ہو اور روح مفکرہ اس امر کی جانب منقسم ہے جو کہ تعلیم اور تنبیہات خارجہ کی جانب منسوب ہیں جب تک وہ اقسام معارف میں رہیں ان میں سے بعض تو بہت شفاف ہیں گویا وہ کسی خارجی امداد کے بغیر خود بخود روشن ہیں تو اس صورت میں مناسب ہے کہ صاف سے قریب الاستعداد مراد لیا جائے باین طور کے قریب ہے کہ اس کا زیتون روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ قطعاً نہ چھوئے کیونکہ بعض حضرات اولیاء ایسے بھی ہیں کہ قریب ہے ان کا نور چمک اٹھے اور وہ انبیاء کرام علیہ السلام کی مدد سے مستغنی ہو جائیں اسی طرح بعض حضرات انبیاء وہ ہیں جو کہ ملائکہ کی درد سے مستغنی ہیں۔

یہ مثال اس تقسیم کے مطابق ہے اور جب یہ انوار ایک دوسرے پر مرتب ہیں تو اس سے یہ خود ثابت ہو گیا کہ پہلی قسم حسی ہے اور وہ روح خیال کے لئے تمہید کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ حسی کے بغیر خیالی کا تصور ممکن نہیں اور فکر و عقل کا مقام ان دونوں کے بعد ہے اس لئے مناسب ہے کہ شیشہ چراغ کے محل کی مانند ہو اور طاقچہ شیشہ کے محل کی طرح اور جب یہ انوار ایک دوسرے پر فائق ہیں تو انھیں نور علی نور بھی کہا جاسکتا ہے اس بات کو خوب ذہن نشین کر لو خدا تعالیٰ توفیق بخشنے والا ہے۔

خاتمہ

یہ مثال مومنین انبیاء کرام اور اولیاء کے دلوں کے لائق ہے نہ کہ کفار کے کیونکہ نور کا ارادہ ہدایت کے لئے ہوتا ہے۔

جو شے طریق ہدایت سے پھیرنے والی ہو وہ امر باطل اور ظلمت ہے بلکہ ظلمت سے بھی بڑھ کر اس لیے کہ ظلمت جیسے حق کی جانب نہیں لے جاتی وہ ہدایت کی طرف بھی نہیں لے جاتی کفار کی عقلیں اندھی ہیں ان کے تمام ادراکات ان کی گمراہی پر مدد و معاون ہیں۔

ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سمندر کے بھنور میں پھنس گیا ہو اور جسے ایسی

موج نے ڈھانپ لیا ہو کہ اس موج کے ساتھ پے در پے موجیں ہوں اس کے اوپر بادل اور ظلمتیں یکے بعد دیگرے چھائی ہوں۔

بھنور والا سمندر دنیا ہے جس میں بہت سے خطرات و مہلکات، حوادث و مکررات، موجود ہیں جو انسان کو اندھا کرنے والے ہیں پہلی موج تو شہوتوں کی موج ہے جو کہ صفات ہیمنیہ کو ابھارتی ہے اور لذاتِ حسہ اور حاجاتِ دنیاویہ کو پورا کرنے میں منہمک رکھتی ہے یہ لوگ اس طرح کھاتے اور نفع حاصل کرتے ہیں جیسے چوپائے کھائے جاتے ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جو لازماً یہ موج تاریک ہوگی کیونکہ کسی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ بنادیتی ہے۔

دوسری موج صفاتِ درندگی کی موج ہے جو کہ غضب، عداوت، دشمنی، کینہ، حسد، بخیلی، فخر اور کثرتِ مال پر ابھارتی ہے لازماً وہ تاریک ہوگی کیونکہ غضب عقل کا بگولہ ہے اور لازماً یہ موج اعلیٰ درجہ کی ہوگی کیونکہ اکثر جب غضب موج مارتا ہے تو شہوات پر بھی غالب آ جاتا ہے اور انسان شہوات و لذات سے غافل ہو جاتا ہے کیونکہ شہوات اس موج انگیز غضب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

رہے بادل تو وہ اعتقاداتِ خبیثہ، خیالاتِ فاسد اور جھوٹے گمانات ہیں جو کہ ایمان و معرفتِ حق اور قرآن سے نور حاصل کرنے میں حجاب بنے ہوئے ہیں اس لئے کہ بادل کی لٹھایت یہ ہے کہ وہ نور آفتاب کی چمک کو چھپا لیتا ہے تو جب ان تمام اقسام کی تاریکیاں ہو تو ہمیں ایسی ظلمتوں سے تعبیر کرنا مناسب ہے جو ایک دوسرے پر چھائی ہوں اور جب ان ظلمتوں کی موجودگی میں اشیائے قریبہ کی معرفت ممکن نہیں تو اشیائے بعیدہ کی معرفت کیونکر ممکن ہوگی اسی لئے کفار نبی کریم ﷺ کے عجائبات اور معجزات کو سمجھنے سے قاصر ہیں حالانکہ وہ ادنیٰ تا مل سے ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جب وہ اپنے ہاتھ کو نکالتا ہے تو اسے بھی ہمیں دیکھ سکتا اور جب کہ تمام انوار کا منبع اول اللہ تعالیٰ ہے تو ہر موحد کو یہ اعتقاد کرنا چاہیے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور پیدا نہ فرمائے اس لئے کوئی نور نہیں اس آیت کے اسرار میں سے اتنا ہی کافی ہے پس اسی پر قناعت کرو۔

باب سوّم

نبی کریم ﷺ کے اس قول کے معنی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر پردے ہیں اگر انھیں کھول دے تو اس کی ذات کی تیزیاں ہر اس چیز کو جسے اس کی آنکھیں پالیں ہلاک

کردیں اور بعض روایات میں سات سو اور بعض میں ستر ہزار پردے بھی آئے ہیں۔

اب میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لئے بالذات روشن ہے اور حجاب ہمیشہ محبوب کی بنسبت ہوتا ہے اور محبوب تین قسم کے لوگ ہیں۔

اول جو صرف ظلمت کے پردے میں ہوں۔ ثانیاً جو محض نور سے پردے میں ہوں۔
ثالثاً وہ لوگ جو اس نور سے پردے میں ہوں جو ظلمت کے ساتھ ملحوظ ہے۔ ان اقسام کی بھی بہت سے قسمیں ہیں ممکن ہے کہ میں انھیں شمار کرنے کی سعی کروں لیکن مجھے اس بات پر یقین نہیں کہ یہی تعداد مراد ہے اور اس تعداد سے حصر مقصود ہے معلوم نہیں کہ حدیث میں حصر مراد ہے یا کوئی اور شے، لیکن سات سو یا ستر ہزار پر حصر کرنا سوا اس کا قوت نبویہ ہی ادراک کر سکتی ہے لیکن اس کے باوجود میرا یہ گمان ہے کہ یہاں مذکورہ عدد سے شمار مقصود نہیں۔ بلکہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ عدد کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے وہ خاص عدد مراد نہیں ہوتا بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے اس حقیقت سے خدا تعالیٰ زیادہ واقف ہے کیونکہ وہ ہماری وسعت علمی سے خارج ہے میری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ میں تجھے حجابات کے اقسام اور اقسام الاقسام کی تفصیل بتا دوں جو حسب ذیل ہے۔

قسم اول

قسم اول میں وہ لوگ ہیں جو ظلمت میں محبوب ہیں اور یہ ملحد لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہی وہ لوگ ہیں جو دنیوی زندگی کو حیات اخرویہ پر ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی کئی قسمیں ہیں۔

ایک قسم تو وہ لوگ ہیں جو اس جہاں کے سبب کو تلاش کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی طبیعت اسے محال تصور کرتی ہے کیونکہ طبیعت ایک ایسی صفت اور حالت ہے جو اجسام میں مرکوز ہے لیکن وہ خود تار یک ہے کیونکہ طبیعت میں نہ تو معرفت و ادراک پایا جاتا ہے نہ اسے اپنے نفس کی خبر ہے اور نہ اس کا تصور ہے اس کے لئے نور بھی نہیں جو ظاہری آنکھ سے دیکھ لے

۲۔ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس میں مشغول ہیں اور انھوں نے سبب کے تلاش کی سعی نہیں کی۔ ان لوگوں کی زندگی چوپایوں کی طرح ہے ان کے حجابات خود ان کا نفس اور ان کی شہوات ہیں اور ہوا و نفس سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں اسی لئے خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے

”افرأیت من اتخذ الہہ ہواہ“ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جن معبودوں

کی عبادت کی جاتی ہے ان میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبعوض خواہش نفس ہے ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

ایک طبقہ کا تو گمان ہے کہ دنیا کا مقصود حاجت و شہوات کو پورا کرنا اور لذات حیوانیہ کو حاصل کرنا ہے یعنی نکاح کھانا پینا اور لباس یہ لوگ لذات کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں اسی کی طلب میں منہمک ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان امور کو حاصل کر لینا ہی اصل سعادت ہے انھوں نے اپنے لئے اسی کو پسند کیا ہے یہ لوگ چوپاؤں کے قائم مقام ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر۔ پس اس سے بڑھ کر کوئی ظلمت ہوگی یہ لوگ محض اندھیرے میں ہیں۔

”موجودہ دور میں اسی طبقہ کی اکثریت ہے۔“

ایک دوسرے فرقہ نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ غایت سعادت یہ ہے کہ غلبہ اور بڑائی حاصل ہو اسی باعث وہ قتل و غارت میں مشغول رہتا ہے۔ بدوی، جنگلی اور بعض کردوں اور اکثر بیوقوفوں کا یہی مذہب ہے۔ یہ لوگ صفات درندگی کی ظلمت میں مجبوب ہیں کیونکہ درندگی ان پر غالب ہے اور ان کا مقصود بڑی بڑی لذات ہیں یہ لوگ اسی کو بہتر سمجھتے ہیں کہ درندگی کے مرتبہ پر قائم رہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ ذلیل مرتبہ پر۔

تیسرے فرقے کا تصور یہ ہے کہ انتہائے سعادت یہ ہے کہ بہت سامال اور فراخی ہو اسی لئے کہ مال ہر قسم کی شہوت پورا کرنے کا آلہ ہے اور اسی سے انسان اپنی حاجت روائی کرتا ہے ان لوگوں کی ہمت صرف مال جمع کرنا اور اسے بڑھانا ہے۔ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ۔ عمدہ گھوڑے چوپائے کھیتی کی کثرت۔ یہی ان کی طلب ہے پھر یہ زمین کے نیچے اشرفیاں جمع کرتے ہیں تم انھیں دیکھو گے کہ وہ تمام عمر سعی کرتے خطرناک میدانوں کے طے کرتے سفر کی مشقتیں اٹھاتے سمندروں میں سفر کرتے، مالوں کو جمع کرتے اور اپنے نفس پر بخل سے کام لیتے ہیں یہی لوگ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کا مصداق ہیں ہلاک ہو جائے بندہ دینار اور ہلاک ہو جائے بندہ درہم۔

اس سے بڑھ کر کیا تاریکی ہوگی کہ انسان پر اتنی بات بھی مشتبه ہے کہ سونا چاندی دونوں پتھر ہیں بالذات مقصود نہیں اور جب اس سے حاجات بھی پوری نہ کی جائیں اور ضروریات پر بھی انھیں خرچ نہ کیا جائے تو یہ کنکر کے برابر ہیں۔

ایک طبقہ ایسا ہے کہ ان کی جہالت اس سے بھی زیادہ ترقی یافتہ (بلکہ تعلیم یافتہ) ہے اس کا گمان یہ ہے کہ سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ خوب جاہ و جلال ہو، شہرت ہو اور گھر گھر

چرچے ہوں بہت سے متبعین ہوں اور حکومت کی باگ ہاتھ میں ہو۔

تم ان لوگوں کو دیکھو گے کہ ہمہ وقت آئینہ کی جانب دیکھتے ہیں ”اور کنگھی چوٹی میں لگے رہتے“ ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ گھر میں کھانے تک میسر نہیں لیکن وہ اپنا مال نفیس نفیس ٹکڑوں پر صرف کرتے ہیں تاکہ دیکھنے والے انھیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں اس قسم کے لوگ لاتعداد ہیں اور یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی جانب سے غافل اور ظلمت کے پردوں میں محجوب ہیں ان کے نفوس اندھے ہیں۔

ان تمام جماعتوں میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور ایسا مسلمانوں کے خوف کے سبب سے کرتے ہیں یا ان سے مدد لینا یا ان کے مال کی طلب مقصود ہوتی ہے یہ لوگ اپنے باپ داد کے مذہب میں تعصب پیدا کرتے ہیں جب اس کلمہ سے یہ لوگ عمل صالح کے جانب متوجہ نہ ہوں تو یہ کلمہ ہرگز بھی انھیں ظلمات سے نہ نکالے گا ان کے دوست شیطان ہیں جو انھیں نور سے نکال کر ظلمت کی طرف لے جاتے ہیں لیکن جس شخص میں یہ کلمہ کم از کم اتنا اثر کر جائے کہ اسے برائی بری معلوم ہو اور نیکی اچھی معلوم ہو تو وہ خالص ظلمت میں نہیں اگرچہ گنہگار ہوں۔ یعنی اس میں ظلمت کے ساتھ نور بھی پایا جاتا ہے۔

دوسری قسم کے لوگ وہ جماعت ہیں جو ایسے نور سے محجوب ہے جو ظلمت سے ملا ہوا ہے یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔

(۱) اول قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا منشاء حس ہے

(۲) دوسری قسم کے لوگوں کی ظلمت کا منشاء خیال ہے۔

(۳) ایک قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا مقصود قیاسات عقلیہ فاسدہ ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جو ظلمت حسیہ سے محجوب ہے یہ وہ گروہ ہے کہ ان میں ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے نفس کی جانب متوجہ ہو اور حس کرنے سے محترز نہ ہو اور اپنے رب کی معرفت کا شوق نہ رکھتا ہو ان میں سے اول درجہ پرست پرست لوگ ہیں اور آخر درجہ میں تنویہ ہیں ان دونوں کے بھی کئی درجات ہیں۔

اول گروہ پرستوں کا ہے وہ فی الجملہ یہ جانتے ہیں کہ ان کا ایک رب ہے جو خود کو

ان کے اندھے نفوس پر ترجیح دینا لازمی بتاتا ہے ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کا رب ہر شے سے زیادہ عزیز اور ہر نفس شے سے بہتر ہے لیکن انھیں حس نے محجوب کر رکھا ہے کہ وہ عالم حس سے

آگے نہیں بڑھتے انھوں نے عمدہ جواہرات سونا چاندی اور یاقوت سے عمدہ عمدہ مورتیں بنائی اور انھیں اپنا معبود یقین کر لیا۔ یہ لوگ صفات خداوندی اور اس کے جمال و عزت کے نور سے محجوب ہیں۔ انھیں اس نور سے جس کی ظلمت نے روک رکھا ہے کیونکہ حس عالم روحانی کے مقابلے میں ظلمت ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ایک خاص جماعت ہے جو ترکیستان کے پرلی جانب واقع ہے ان کا نہ کوئی مذہب ہے اور نہ شریعت ان کا اعتقاد یہ ہے کہ ان کا ایک رب ہے جو سب سے زیادہ خوبصورت ہے اسی لئے جب وہ کسی خوبصورت انسان، گھوڑے، درخت وغیرہ کو دیکھتے ہیں تو اسے سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارا رب ہے یہ لوگ جمال کے نور سے ظلمت حس کے ساتھ محجوب ہیں یہ بت پرستوں کی بنسبت نور کے ملاحظہ ہیں زیادہ داخل ہیں کیونکہ وہ مطلق حسن کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ کسی ذات خاص کی اور اسے کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے پھر وہ قدرت جمال کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ مصنوعی کی جسے خود انھوں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہو۔

تیسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ہمارا رب اپنی ذات میں نوارنی ہو بلحاظ صورت خوبصورت ہو اور اپنے نفس میں غائب ہو اپنے حضور میں باہیت ہو کوئی اس کے قرب کی طاقت نہ رکھتا ہو اس لئے کہ ان کے نزدیک بھی غیر محسوس کا کوئی مقصد نہیں انھوں نے اس صفت پر آگ کو پایا اور اس کی عبادت کرنے لگے اور اسے اپنا رب بنا لیا یہ لوگ سلطنت و رونق کے نور سے محجوب ہیں اور یہ تمام امور خدا تعالیٰ کے انوار میں داخل ہیں۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ ہم آگ پر غالب ہیں اسے جلاتے اور بجھاتے اور اس میں تصرف کرتے ہیں۔ اس لئے وہ خدا کے قائل نہیں بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جس شے میں سلطنت و رونق پائی جاتی ہے ہم میں اس کے تصرف میں داخل ہوں اور وہ بلندی کے ساتھ بھی موصوف ہو وہ خدا ہے۔

ان لوگوں میں علم نجوم اور ستاروں کی طرف تاثرات کا منسوب ہونا مشہور تھا اس لئے ان میں سے بعض نے تو شعری کی عبادت کی اور بعض نے مشتری وغیرہ ستاروں کی اپنے اپنے اعتقادات کے مطابق کے کن میں تاثر زیادہ ہے عبادت شروع کی یہ لوگ بلندی کے نور اور اس کے اشراق و غلبہ سے محجوب ہیں اور یہ بھی خدا کے نور میں داخل ہے۔

چھٹا گروہ ان تمام لوگوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہے وہ کہتا ہے کہ نور آفتاب کے ساتھ

مخصوص نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور چیزوں میں بھی انوار ہیں اور یہ مناسب نہیں کہ نورانیت میں کوئی شے رب کی شریک ہو انہوں نے مطلق نور کی جو تمام انوار کا جامع ہے عبادت شروع کی ان کا خیال ہے کہ وہ رب الغلمین ہے اور تمام خوبیاں اس کی جانب منسوب ہیں لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ دنیا میں برائیاں بھی ہوتی ہیں انہوں نے اسے اچھا نہ سمجھا کہ وہ ان برائیوں کو اپنے رب کی جانب منسوب کریں کیونکہ ان کے نزدیک ان کا رب برائیوں سے پاک ہے اس لیے انہوں نے ظلمت کا جھگڑا کھڑا کر کے جہاں کو نور و ظلمت کے حوالہ کر دیا اکثر نے ان کا نام یزدان واہرمن رکھا یہ لوگ شیوہ ہیں اس گروہ کے بارے میں اتنی ہی معلومات کافی ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو ان بعض انوار سے محبوب ہے جو ظلمت خیال سے ملحق ہیں یہ لوگ حس سے تجاوز کر چکے ہیں اور محسوسات کے علاوہ بھی ایک امر ثابت کرتے ہیں لیکن وہ خیال کی حد سے متجاوز نہیں۔ انہوں نے ایسے موجود کی عبادت کی جو عرش پر بیٹھا ہوا ہے ان سے کم تر رتبہ والے مجسمہ ہیں پھر کراسیہ کے بھی مختلف اقسام ہیں ان کے مقالات و مذاہب کی شرح مجھ سے نہیں ہو سکتی پھر اس کے مزید بیان سے کوئی فائدہ بھی نہیں لیکن ان میں سے بلند مرتبہ لوگ وہ ہیں جو خدا تعالیٰ سے جسمانی اور دیگر عوارض کی نفی کرتے ہیں لیکن ان سے بلندی کی نفی نہیں کرتے اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ جو شے جہات کے ساتھ موصوف نہ ہو یعنی نہ جہاں میں داخل ہو اور نہ جہاں سے خارج وہ ان کے نزدیک موجود ہی نہیں ہوتی انہیں معلوم ہی نہیں کہ معقولات کا پہلا رتبہ یہ ہے کہ جہات و مکان کی نسبت سے تجاوز کیا جائے

تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو کہ انوار الہیہ سے جو قیاسات عقلیہ فاسد کے قریب ہوں ملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایسے معبود کی عبادت کی ہے جو سمیع و بصیر، عالم قادر، حی اور جہات سے منزہ ہے۔ لیکن انہوں نے اس کی صفات کو اپنی صفات کی طرح تصور کیا حتیٰ کہ بسا اوقات بعض نے اس کی تصریح بھی کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا کلام ہمارے کلام کی طرح حروف و آواز ہے بعض لوگوں نے اس میں ترقی کی اور بولے کے نہیں بلکہ اس کا کلام ہمارے دل کے کلام کی طرح کہ جس میں حروف و آواز نہیں علیٰ ہذا۔

جب ان سے سمع و بصر اور حیات کی حقیقت دریافت کی جاتی ہیں تو وہ معانی کے لحاظ سے تشبیہ کی جانب رجوع کرتے ہیں اگرچہ لفظاً اس کا انکار کرتے ہیں اس لئے انہوں نے خدا کے بارے میں ان الفاظ کے اطلاق کے معنی نہیں سمجھے اسی لئے اس کے ارادے کے

بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا ارادہ ہمارے ارادے کی طرح حادث ہے اور وہ ہماری طرح قصد و طلب کرتا ہے یہ مذاہب مشہور ہیں جن کی تفصیل کی حاجت نہیں یہ لوگ تمام انوار کے باوجود قیاسات عقلیہ فاسدہ کی ظلمت میں مجھوب ہیں۔

چوتھی قسم وہ گروہ ہے جو محض انوار سے مجھوب ہے ان کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جن کا شمار دشوار ہے۔ میں ان میں سے تین قسموں کی طرف اشارہ کروں گا۔

اول قسم وہ ہے جنہوں نے صفات کے تحقیق معنی معلوم کر لیے ہیں اور یہ سمجھ لیا کہ کلام ارادہ، قدرت اور علم وغیرہ اسماء کا خدا پر اس قسم کا اطلاق نہیں جیسا کہ انسان پر کرتے ہیں اور انہوں نے خدا کی ان صفات کرنے سے اعتراض کیا ہے اور انہوں نے اس کی تعریف مخلوقات کی جانب منسوب کر کے کی ہے۔

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے اس قول کے جواب میں کہ رب العلمین کیا ہے تو جو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا تھا یہ لوگ ان صفات کے ساتھ اس کی تعریف کرتے اور کہتے ہیں رب جو ان صفات کے معنی سے پاک ہے وہ آسمانوں کا محرک اور مدبر ہے۔

دوسری قسم۔ اس گروہ نے اول سے زیادہ ترقی کی کیونکہ ان پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آسمان بہت سے ہیں اور ہر آسمان کا جدا گانہ محرک موجود ہے جسے فرشتہ کہتے ہیں اور ان کی بھی کثرت ہے اور ان کی نور الہیہ کے ساتھ نسبت ایسی ہے جیسا کہ ستاروں کی انوار محسوسہ کے ساتھ نسبت۔ پھر ان پر بھی یہ ظاہر ہوا کہ یہ آسمان اور آسمان کے ضمن میں ہیں اور یہ تمام آسمان دن رات میں اسی آسمان کی حرکت سے حرکت کرتے ہیں پس اوپر کے رب جسم کارب جو تمام آسمانوں حاوی ہے محرک ہے اس لئے کہ کثرت اس کی مہنانی ہے۔

تیسری قسم وہ گروہ ہے جو ان سے بھی ترقی کر گیا ہے اور کہتا ہے کہ اجسام کی تحریک ملاقات و مباشرت کے طور پر ہے مناسب ہے کہ رب العالمین کی خدمت و عبادت اس کے بندوں میں سے ایک بندے کی اطاعت کے لئے ہو جسے فرشتہ کہتے ہیں اس کی انوار الہیہ محضہ کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے انوار محسوسہ کی طرف چاند کی طرف نسبت۔ اور ان کا گمان یہ ہے کہ رب ہی اس محرک کے لحاظ سے مطاع اور حکم ماننے کے لائق ہے اور پروردگار نے ہر ایک کے لئے محرک پیدا فرمایا ہے اور یہ محرک بطریق امر ہے نہ کہ بطریق مباشرت۔

اس امر کو سمجھانے اور ان کی ماہیت میں اشارات ہیں جنہیں اکثر لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں اور یہ کتاب ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام انوار محضہ کے ساتھ مجبوب ہیں اور پہنچنے والے چوتھی قسم کے ہیں جن کے لئے یہ امر بھی روشن ہے کہ یہ مطاع ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہے جو وحدانیت محضہ ہے اور اس مطاع کی وجود حق کی جانب ایسی ہی نسبت ہے جیسے آفتاب کی نور محض کی جانب نسبت یا انکارے کی خالص آگ کی جو ہر کی طرف پھرانہوں نے اس سے اس محرک کی جانب جو آسمانوں کو حرکت دیتا اور اس کی جانب جو اس تحریک کا حکم دیتا ہے رجوع کیا۔ اس طرح وہ ایسے موجود تک پہنچے جو کہ ہر اس چیز سے پاک ہے جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں اور انہیں عقلیں پاتی ہیں کیونکہ انہوں نے اس کو مذکورہ تمام امور سے پاک اور مقدس پایا ہے۔

پھر ان کی بھی کئی اقسام ہیں بعض تو وہ ہیں کہ جن سے وہ سب امور کہ جنہیں ان کی آنکھ دیکھتی ہے اس کے نزدیک جل اور پھٹ گئے لیکن وہ خود جمال اقدس کا ملاحظہ کرتے ہیں اور اپنی ذات کو اس جمال سے دیکھ رہے ہیں جس نے حضرت الہی سے ملنے کے سبب جمال پایا ہے پس ان میں جتنی چیزیں دیکھی جاتی ہیں مٹ گئی ہیں۔

ان سے آگے ایک اور گروہ ہے ان میں خواص الخواص ہے انہیں ان کی اعلیٰ ذات کی تیزیوں نے جلادیا ہے اور سلطان جلال نے انہیں ڈھانپ لیا ہے وہ اپنی ذات میں مٹ کر لاشی ہو گئے ہیں انہیں خود کا بھی لحاظ نہ رہا کیونکہ یہ لوگ خود سے بے پرواہ ہو گئے ہیں اور ان کے دل میں حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب حاصل ہو گیا۔

”کل شئیء ہالک الا وجہہ“ ان کا ایک ذوق و حال ہے جس کا ہم نے پہلے باب میں اشارہ کیا ہم نے یہ واضح کر دیا کہ انہوں نے اتحاد کا کیسے اطلاق کیا یہ واصلین کی نہایت ہے۔ بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے ترقی و عروج کے مدارج اس تفصیل سے طے نہیں کئے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ان پر علوج نے زیادتی نہیں کی وہ اول ہی وہلہ میں معرفت کی اس ہر شے سے کہ جس سے اسے پاک کرنا چاہیے پاکیزگی کی جانب سبقت کر گئے بس ان پر اول ہی وہ شے غالب آگئی جو اوروں پر آخر میں جا کر غالب آتی ان پر دفعتاً تجلیات کا ہجوم ہو گیا۔ اور اس کی ذات کی تیزیوں نے ان تمام چیزوں کو جلادیا جنہیں بصر حسی یا بصیرت عقلی معلوم کرتی ہے اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلا طریقہ کار ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا اور دوسرا طریقہ کار نبی کریم ﷺ کا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے مقامات کے انوار اور ان کے اسرار کو خوب جانتا ہے یہ مجوب ہیں کہ اقسام کی جانب اشارہ ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اگر مقامات کی تفصیل کی جائے اور سالکین کے اجابات کو تلاش کیا جائے تو ان کا عدد شمار ستر ہزار تک پہنچ جائے لیکن جب تم تفتیش

کرو گے تو ان میں سے کسی کو بھی ان اقسام سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے خارج نہ پاؤ گے کیونکہ وہ یا تو اپنی صفات بشریہ یا حسن خیال یا قیاسات عقل یا نور محض سے محبوب ہیں جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

یہ وہ بیان ہے جو مجھے ان سوالات کے جوابات میں اسی وقت معلوم ہوا ہے باوجودیکہ مجھے سوال ایسے وقت ملا جب کہ طبیعت پریشان تھی اور اس فن کے علاوہ طبیعت بھی دوسری جانب مائل تھی میں سائل سے التماس کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے اس زیادتی سے جو میرے قلم نے کی ہے خدا سے معافی مانگے کیونکہ اسرار الہیہ کے کھنور میں غوطہ لگانا بڑا خطرناک امر ہے اور انوار علویہ کا پردوں کے اوپر سے کھولنا نہایت دشوار کام ہے۔ کوئی سہل نہیں۔

والحمد لله رب العلمین وصلى الله على سيدنا محمد واله
الطيبين الطاهرين

تتمت

الله

حامد او مصلیا

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسالہ موسوم بہ

حَقِیْقَةُ السَّمَاعِ

بِوَارِقِ الْاَلْطَاعِ

مصنفہ شیخ طریقت و حقیقت ابو الفتوح شہاب الدین
احمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ برادر امام ہمام
حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ

التماس

واضح ہو کہ مصنف کامل نے اس رسالہ کو بطور مناظرہ لکھا ہے اور منکران سماع کا اول اعتراض لکھ کر جواب دیا ہے اس واسطے اس ترجمہ میں کوشش اس امر کی ہوئی کہ کوئی فروگزاشت نہ ہو لہذا کوئی تصرف مترجم نے اپنی طرف سے نہیں کیا اور لغت کے مطابق ترجمہ کیا اور بعض الفاظ جو صوفیہ کرام کے استعمال میں خاص طور ہیں ان کو اسی طرح لکھ دیا ہے کیونکہ ترجمہ سے وہ بعید از فہم ہو جاتے ہیں۔



سب حمد کی لائق وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ کی ہے کہ جس نے اپنے بندوں کو میثاق اول میں خطاب آلتھ برکم درجہ معارف کے کامل کرنے کے واسطے سنایا اور طلاب کی عقول کو فوائد اعمال و لطائف کے ادراک کے واسطے کامل کر دیا اور ان کی ارواح کے پردوں کو جو جناب حدیث میں ترقی کے مانع تھی مصارف اور گرویشوں کے دفع کے واسطے ہٹا دیا اور ان کے دلوں کو نور یقین سے نرم کر دیا اور ان کے نفوس کے آئینہ کو قوائے تمکین سے جلادیدی یہاں تک کہ انھوں نے تجلیات کے آثار کو پالیا اور شہوتوں کی غلامی سے نجات پائی اور ان کی اجسادنی سماع میں جولاں کیا اس خواہش پر کہ روح کو چھٹکارا ہو اور اس حرص پر کہ بڑے بڑے فتوح حاصل کریں کیونکہ ڈرنے والے آدمی کی صفات میں سے یہی صفت کامل تر ہے اور درود بھیجتا ہوں جناب نبی ﷺ پر جو کہ خاتم رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں ایسا درود جو کہ اس کے قائل کو برکات و شرافت کی شاخوں تک پہنچادے کہتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا فقیر اور اللہ تعالیٰ کا محتاج واسطے حاصل کرنے فیض فضل باری تعالیٰ کے نامتھی اللہ تعالیٰ کی جناب میں احمد بیٹا محمد بیٹا محمد کا ساکن طوس جس کو اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملحق فرمائے کہ مجھ سے بعض سلحانی کے جو اللہ کی طرف آرام و تکلیف میں متوجہ ہیں خواہش کی کہ میں ایک رسالہ سماع اور اس کے فوائد

میں لکھوں اور اس کے کرنے میں جو شرط ہیں وہ لکھوں تاکہ اسکے فوائد ظاہر ہوں اور قرآن مجید اور حدیث شریف اور افعال صحابہؓ کو اس پر گواہ لاؤں اور سماع کے منکروں کا رد کروں اور اس انکار سے جو الزام ان پر قرآن و حدیث و افعال صحابہ سے آتا ہے اس کو بیان کروں اور اس شخص کی نسبت جو اس کو حرام کہتا ہے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف اور معقول و منقول سے یہ دلیل لاؤں کہ وہ بالا جماع کافر ہے اور اس پر طریقے روشنیوں اور انعاموں کے مسدود ہیں جبکہ میں نے سائل کی صدق رغبت کو دیکھا تو اس کے سوال کی اجابت کی اور اس کتاب کو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کے بعد لکھنے سے اس کے واسطے نوال حاصل کیا اور اس کا نام بوارق الالمام فی تکفیر من محرم السماع رکھا۔ اور اس کی بزرگی بالا جماع متعین ہوئی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ سے کہ اس کتاب سے نفع پہنچائے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ قریب اور مجیب ہے۔ جان تو اللہ تعالیٰ تیرے دل کو نور اطاعت سے آراستہ فرمائے اور حقیقت شفاعت و شہادت میں تجھ کو درج فرمائے۔ کہ اس گروہ کا سماع ملاحظہ اسرار غریبہ کا ایسے اشعار سے ہے جو رقیق ہیں اور قوال ان کو اسرار اور باریکیوں کی آگاہی کے لئے اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ گاتا ہے۔ اور انھوں نے افعال میں سے اس کو بوجہ مرفوع ہونے حجتوں سماع کی بہ نسبت اور دوسروں کی دو باتوں سے پسند کیا ہے ایک یہ کہ سماع مقابلہ میں رتبہ نماز کی ہے پس نماز بغیر سماع صحیح نہیں ہوتی اس لئے کہ اگر مصلی نماز کے ارکان اور سنن اور شروط کو بطور تعلیم نہ سنے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی نیز نماز میں اگرچہ بظاہر جمعیت ہے مگر یہ باطن اس میں یا تفرقہ معنویہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور کا منافی ہے یا تفرقہ ظاہری ہے جو کہ معیوب ہے جیسے کہ خیالات فاسدہ کا نماز کی حالت میں قلب میں واقع ہونا اور سماع میں اگرچہ ظاہر میں تفرقہ ہے مگر اس کے باطن میں جمعیت ہے اس واسطے کہ بوجہ استیلاء حکم سماع کے مستمع کے انکار سے عوارض فاسدہ جاتی رہتی ہیں یہاں تک کہ بسا اوقات مستمع کا نفس اس کے قلب میں خطور نہیں کرنا دوسرے یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے موجودات کو پیدا کیا تو اس کے دو درجہ بنائے ایک وہ جس کا نام عالم غیب اور عالم ملکوت ہے اور یہ عالم سارے عالموں میں زیادہ وسیع اور زیادہ کامل ہے اور روح اور سر سے اس عالم میں تصرف ہوتا ہے اور اس عالم اور اس کے تجلیات کے وجدان کا اور اس کے نورانی معانی سمجھنے کا آلہ جس کے ذریعہ سے یہ کام ہو سکے ذوق اور صفائی دل اور بصیرت ہے اور اس عالم کے رہنے والے ملائکہ علیہ السلام اور ارواح ہیں اور یہ وہ درجہ ہے جس پر عقل اور حس حاوی نہیں ہو سکتی نہ تقلید اور نقل اس کا ادراک کر سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'و کذا لک نری ابراہیم ملکوت السموات

والارض، یعنی اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت دکھانے لگے اور فرمایا یا رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبردار ہو جاؤ کہ نشانی عقلمندی کی یہ ہے کہ اس دھوکے گہر دینا سے آدمی دور رہے اور ہمیشہ رہنے کے گہر (آخرت) کی طرف رجوع کرے اور دوسرا وہ ہے جس کا نام عالم شہادت اور عالم ظاہر ہے اور یہ عالم غیب سے تنگ تر اور زیادہ قریب ہے اور اس عالم میں جو عجائب اور حکمتیں ہیں ان کے سمجھنے کا آلہ عقل اور حواس ہیں جو کہ بعض وقت شک میں پڑ جاتی ہیں اور ان پر امر ملتبس ہو جاتا ہے اور اس عالم کے رہنے والے اعیان ظلمانیہ حیوانیہ ہیں پس اللہ تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ ایسا مظہر پیدا کرے جو کہ انوار و ظلمات کا مجموعہ ہوتا کہ تنزلات اور تجلیات کے معنی کا فہم اور قدرت کی نشانیوں کی حقیقت ظاہر ہو جائے پس وہ مظہر حقیقت نوع انسان ہے جو کہ سریقین اور نور ایمان کا قبول کرنے والا ہے چونکہ عالم غیب زیادہ وسیع و کامل تھا اور عطا روح اور عقل اور کشف اس عالم سے متعلق تھی تو روح اور سر سے تصرف اس عالم میں ہوا اور چونکہ عالم شہادت بہ نسبت عالم غیب کے تنگ تر تھا اور اس کو مختلف قسم کی چیزوں کے جن کی صورتیں اور طبیعتیں مختلف ہوں اپنی صورت کے درست کرنے کے واسطے ضرورت تھی تو اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت ازلی سے حواس اور نفس اور تمیز عطا فرمایا تاکہ اس کے واسطے سے وہ کمال معرفت اور فہم حاصل کرے اور جو سعادت اس کے حصہ میں لکھی گئی ہے اس کو پورے طور پر کمالی اور چونکہ انسان کا وجود محدود اور محصور تھا تو اس کے واسطے یہ امر ناممکن تھا کہ سب حاضر اور موجود اشیاء کو ایک ہی دفعہ سمجھ سکے اور مظاہر تجلیات حق پر ایک ہی بار حاوی ہو جاوے لہذا اللہ تعالیٰ کے اپنا کمال رتبہ ایسے گروہ کو تفویض فرمایا جن کو اس درجہ میں بہ نسبت اس درجہ کے کمال اور قوت اور دوسرے میں نفوذ کا معدہ دیا تھا نیز چونکہ انسان جزئی بظاہر ضعیف الاستعداد تھا۔ تو اس کو اپنے مصالح کی درستی عالم ظاہر و باطن میں ناممکن ہوئی کیونکہ جز درجات کلیہ کی احاطہ نہیں کر سکتا پس اللہ تعالیٰ نے بعض انسان کو بعض کے حوالہ کر دیا اور ایک کو دوسرے کا مددگار بنا دیا اس طرح ہر ایک انہیں سے جلب منفعت اور دفع مضرت میں اپنے نفس سے دوسرے کا محتاج ایک واسطہ تک ہے پس اگر یہ واسطہ یا ذریعہ کوئی کنایہ یا اشارہ ہوتا تو یہ کمال مقصود کو پورا نہ کر سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے کلام کو جس میں آواز ہو واسطہ اپنی مہربانی سے بنا دیا تاکہ جلدی سے اترنے والا اور جلدی سے مٹانے والا اور ہر ایک کا طلب منفعت میں دوسرے سے مددگار ہو پس انسانی طبیعت نے آواز سے محبت کی کیونکہ انسانی طبیعت اس آواز کے صوری اور معنوی کمالات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسی کو دوسروں میں سے

منتخب کیا جیسے کہ جسدی طبیعت اپنی بقا کے واسطے غذا کی اس حیثیت سے کہ وہ غذا ہی محتاج ہے یہاں تک کہ حاجت کہ وقت تمام محبوب چیزوں پر از روئے جاہ دمال کے اختیار کرتے ہی پس جبکہ آواز میں زیادتیاں ترتیبوں کی اور ذوقی روحی ابہار اور پیدائشیں حاصل ہوئیں اور اسی کا نام علوم موسیقی ہے تو طبیعت زیادہ تر بہ نسبت اور لذتوں کے اس کی طرف مائل ہوگئی اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے جناب داؤد علیہ السلام کو صورت حسن (عمدہ آواز) عطا فرمائی تھی کہ جب وہ زبور شریف پڑھتے تھے تو ان کی مجلس میں بعض سننے والے مر جاتے تھے اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”یزید فی الخلق مایشاء“ کہ ٹرہاتا ہے خلقت میں جو چاہتا ہے یعنی جو جسمی ترکیب ہے اس میں زیادہ فرمادیتا ہے مفسروں نے اس کی تفسیر اچھی آواز کی ہے یعنی خوش آواز ہی عطا فرماتا ہے اور فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے ”من لم يتغن بالقرآن فليس منّا“ جو کوئی قرآن مجید میں تغنی نہ کرے وہ ہماری جماعت میں سے نہیں اور فرمایا کہ اپنی آوازوں سے قرآن مجید کی زینت کردار اور جو کچھ کہ ہم نے ذکر کیا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ موسیقی نعمات کے ساتھ آواز کا بلند کرنا مطلقاً مطلوب انسان ہے لیکن یہ گانا سننا جو فقرا اور اصحاب احوال میں رقت باطن اور صفائی قلب کے واسطے مروج ہے تو اسکی بنا تین یعنی چیز زمانہ اور مکان اور اخوان (ہم صحبت لوگ) کی درستگی اور عمدگی پر ہے پس وہ زمانہ جس میں گانا سننا درست ہے وہ ہے جبکہ دلوں میں صفائی ہو اور لوگ اس وقت محبوب (اللہ تعالیٰ) کی رضا کی طلب کے واسطے جمع ہوں اور ان کا ظاہر نفسانی خطوط سے مجرد اور ان کا باطن شہوانی عادتوں کے تعلق سے بالکل جدا ہو اور اپنے کو فارغ کریں واسطے حضور قلب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیام کرنے کے لئے نہ مراتب انسانی کے حاصل کرنے کے واسطے اس لئے کہ عبادت اور توجہ الی اللہ تعالیٰ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہونہ کسی اور علت کے واسطے پس جبکہ ایسے وقت لوگ جمع ہونگے تو بعض اور وضوح کی زیادتی ہوگی اور یہ اہل جنت کا وصف ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ونزعنا مافی صدر من غل الآیة اور نکال دیا ہم نے ان کے سینوں میں سے جو کینہ اور کھوٹ تھا اس آیت سے مراد اہل معرفت ہیں اور نزعنا کے معنی مٹا دیا ہے اور فی صدور سے مراد اہل معرفت اور شہود اور صاحبان اذواق رقیقہ کے سینے ہیں اور من غل سے مراد دنیا کے خلوظ کا طلب کرنا اور انسانی شہوتوں کا پورا کرنا ہے اور خوانا جو اس آیت میں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ انوار اور طاعتوں اور معارف کے حاصل کرنے میں باہم شریک ہیں اس لئے کہ بھائیوں کی پیدائش ایک ہی جگہ سے ہوتی ہے علی سرر جو اس آیت میں ہے اس سے مراد احوال

اور مقامات اسمائیہ ہیں اور متقابلین سے یہ مراد ہے کہ جنکی روح کا حکم ان پر غالب ہے ان کے مقابلہ میں ہیں جن پر کہ ان کے سر کا حکم غالب ہے ”لا یمسہد فیہا نصب“ سے مراد یہ ہے کہ ان کو علم باللہ اور علم بتدبیر اللہ میں کوئی حجاب اور رجوع نفس کی طرف لاحق نہیں ہوتا اور ماہم منہا بحر جین سے یہ مراد ہے کہ وہ ایسے باغ سے جو کشف اور طاعات اور معارف کا ہے نہ نکلیں گے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رتبہ کمال اور مراتب وجود کے علم کا عطا فرمایا تو ان سے اس کو بالکل نہیں چھینے گا کیونکہ وہ سخی اور کریم ہے جب دیتا ہے تو بڑھاتا ہے اور واپس نہیں لیتا لیکن مکان جو گانا سننے کے واسطے سزاوار ہیں وہ زاویہ اور خانقاہیں اور مسجدیں ہیں اور مساجد بہتر ہیں کیونکہ مسجد بدنی عبادت کے واسطے بنائی گئی ہے اور دل وہ جگہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ظہور کے واسطے بنایا گیا ہے اور وہ دل اللہ کے تعالیٰ کے انوار کے نزول کی جگہ ہے پس جبکہ صاحب قلب مسجد میں نور قلب کی بڑھانی اور نفس کے صاف کرنے کے واسطے حرکت کرے تو وہ بہتر ہے اس شخص کے جسد کی حرکت سے جو بھی حضور کی نماز میں کتا ہے اور اس میں خلاف نہیں کہ جو کوئی مسجد میں داخل ہو کر نماز ظاہری میں مشغول ہو حالانکہ دل اس کا وساوس اور خیالات اور ایسے امور سے بھرا ہوا ہے جن کو کہ شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور وہ کوشش کرتا ہے کہ موانع کو بھی زائل کرے اس کو دخول مسجد سے نہ روکا جائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ظالم فاجر حرام خوار کا مساجد میں داخل ہونا متحقق ہے جن کی بابت قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشغول اس فکر میں ہوتے ہیں کہ لوگوں پر ظلم کریں اور انکا مال چھین لیں مگر بظاہر نماز میں مشغول ہیں تو ایسے لوگ مسجد میں جانے سے نہیں روکے جاتے پھر کیونکہ وہ شخص مسجد میں جانے سے روکا جائے جو کہ صفائی دل اور جلا نفس کا خواہش مند ہے اس کا روکنا تو بالکل جائز نہیں کیونکہ وہ غرائب کلام کے سننے اور لطائف اشعار کے سمجھنے سے جو کہ ملکہ علیہ السلام کے ساتھ اس کے ثبوت نسبت کی واجب کرنے والی اور ابلیس و شیاطین سے اس کی نسبت کہ قطع کر والے ہیں اپنے نفس کو نرم اور اپنی روح کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے لہذا جبکہ اہل صفا عبادت کی جگہ جمع ہوں اور بعض کے دلوں سے بعض کے دلوں کے صفا اور انوار اسرار کی زیادتی اور اس مکان کے نور سے نفوس اور ابدان کے صفا کی کثرت بھی چاہتے ہوں تو ان کے احوال میں زیادتی ہوگی اور ان کی ذاتیں کامل ہونگی کیونکہ جو مکان عبادت کے واسطے بنائے گئے ہیں ان کے ساتھ عالم غیب سے نور اور روح متعلق ہو جاتی ہیں تو اس کی حرمت اور بزرگی بڑھ جاتی ہے جیسے کہ اصطبل کہ اس کو جب مسجد بنایا جاوے تو تعظیم اور بزرگی اس سے متعلق ہو جاتی ہے

حالانکہ وہ نجاست اور شیاصر (آہو برہ) کی جگہ تھی پس اس میں مہینہ جبکہ وہ مسجد ہے باطن کی نورانیت کو پیدا کرے گا جیسے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے المسجد بیت کل نفسی یعنی مسجد ہر پرہیزگار کا گھر ہے اور اخوان (ہم صحبت) تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ اخوان مطلقاً جو اس ایمان میں شریک ہیں جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ”انما المؤمنون اخوة“ یعنی سوائے اس کے نہیں کہ مومن بھائی ہیں پس ایسی بھائیوں کی صحبت ہمیشہ کے واسطے جائز نہیں بلکہ تھوڑی دیر کے واسطے ان کی صحبت رکھی جائے تاکہ ان کو اس چیز سے جس سے وہ نفع حاصل کریں فائدہ پہنچایا جائے اور دوسرے اقوام ارادت اور محبت میں جیسے کہ وہ عام لوگ جو فقراء سے محبت رکھتے ہیں اور صفا کے طریقوں کے حاصل کرنے کے واسطے اپنی جان و مال سے ان کی مدد کرتے ہیں اگرچہ یہ لوگ ایسے اوصاف سے متصف نہیں جو کہ فقراء میں پائے جاتے ہیں تاہم ان کی مصاحبت بوجہ ان کی قوت محبت کے اہل ذوق و کمال کے ساتھ جائز ہے کیونکہ وہ بوجہ صدق اور قوت ارادت کے اہل صفا کہ قلوب سے انوار کو حاصل کرتے ہیں جیسے کہ سمع لیس آفتاب کی حرارت کا کسب کرتی ہے اور جب وہ عوام کی طرف جاتے ہیں تو اور لوگ ان سے نفع حاصل کرتے ہیں اور تیسری قسم کے اقوام صفا وہ لوگ ہیں جن میں کہ وہ اور تفرید اور ذوق اور شوق اور کمال اور صفات اور وصال کی صفات میں ایسے حضرات کی مصاحبت اس طرح واجب ہے جیسے کہ سپاہی کو لڑائی کے وقت اسلحہ کا رکھنا لازم ہوتا ہے اور مریدوں کے واسطے ان کی مصاحبت مستحب اور محبوبوں کے واسطے مندوب ہے تاکہ اہل کلام کی حرکات و سکنات کے ساتھ شبہ ہو فرمایا حضرت رسول اللہ ﷺ نے ”من تشبہ بقوم فہی منہم ومن احب قوماً حشر معہم“ یعنی جس نے قوم کی سی صورت بنائی تو وہ ان میں ہی سے ہوگا اور جس نے کسی قوم کے ساتھ محبت رکھی تو اس کا حشر ان کے ساتھ ہوگا اور فرمایا جناب باری تعالیٰ نے ”یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکو نو امع الصادقین“ یعنی اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بچوں کے ساتھ رہو یعنی اگر خود بچوں میں سے نہیں ہو تو ان کے ساتھ ہی بن جاؤ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ”ولو علم اللہ فیہم خیراً لاسمعہم“ یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان میں بھلائی جانتا البتہ سنانا یعنی حق اور حکمت اور موعظت اور نواہی (روکنے والی باتیں) ان کو سنانا اور یہ قول سنانے کا عام ہے خواہ قرآن مجید ہو یا حدیث شریف یا اشعار وغیرہ ہوں جو کہ سنائے جائے اور جناب نبی علیہ السلام نے فرمایا ”ان من الشعر لحکمة“ تحقیق بعض اشعار میں حکمت ہے پس جس کے حق میں اللہ تعالیٰ خیر نہیں جانتا تو اس کو بالکل حکمت اور

معرفت اور مواعظ اور نواہی نہیں سنا تا تو اس حال میں جو خیر اور حق کے اشعار میں ہوتے ہیں وہ بھی نہیں سنا تا پھر جو کوئی کچھ بھی حق اور حکمت اور فائدہ سے حصہ نہیں پاتا وہ اس کا انکار کر دیتا ہے لہذا اس وقت یہ انکار اس کا خود اپنے نفس پر ہوگا اور اس کا انکار گانے اور دف اور اچھی آوازوں کے سننے سے مخالفت سنت کی ہے اور سنت کی مخالفت اعتقاداً یا تحریماً کفر ہے اور سنت سے منہ پھیرنا اور رک جانا فسق ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ربیع بنت معوذ بن عمرو کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور میرے فرش پر بیٹھے اور میرے پاس دو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور بدر کی لڑائی میں جو ان کے بزرگ شہید ہوئے تھے ان کی تعریفیں گارہی تھی تو ایک ان میں سے گانے لگی ”وفینا نبی يعلم مافی عد“ یعنی ہم میں ایسے نبی علیہ السلام ہیں جن کو کہ کل کی بات کا علم ہے اس پر حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ اور وہی گا جو پہلے گارہی تھی اور شعر یہ تھا ”تحراب اقوام ببرقة ثمندنه يضرب وطعن والیوف المہندتہ نہ تو اس میں ایک لڑکی گاتی گاتی وہ مصرعہ بنا کر گانے لگی کہ ہم میں ایسے نبی ﷺ ہیں کہ جن کو کل کی بات کی خبر ہے بس یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دف کی آواز اور گانے اور شیر کو ایسی حالت میں سنا کہ ان لڑکیوں کی آوازوں کا سنا بغیر حاجت کے درست نہ تھا اور وہاں خود حضرت ﷺ موجود تھے اور توجہ سے کام لگا کر سنتے تھے پس جب ایسی لڑکیوں کا درست ہوا تو مردوں کا بطریق اولیٰ درست ہے اور کیونکر حالانکہ حضرت ﷺ نے دونوں لڑکیوں کو دف بجانے اور گانے کا اس قول سے حکم دیا کہ گا جو تو گارہی تھی اور امر جبکہ قرآن سے مجرہ ہوتا ہے تو وجوب کے واسطے ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم واقیم الصلوٰۃ یعنی نماز پڑھو یا ندب کے واسطے قرینہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کہ قول اللہ تعالیٰ کا فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیراً“ یعنی مکاتب بناؤ ان کو اگر ان میں بھلائی جانتے ہو نیز اباحت کے واسطے ہوتا ہے جبکہ قرینہ ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ”واذا حللتم فاصطادوا“ اور جبکہ احرام سے فارغ ہو جاؤ تو شکار کرو اور یہاں امر وجوب کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے روبرو ان کو حکم دیا لہذا مخالفت آپ کی جائز نہیں اس لئے کہ جو وہ گارہی تھیں اس کے اعادہ کا حکم فرمایا اور خود اسکے معافی کو کان لگا کر سن رہے تھے اور جبکہ رسول اللہ ﷺ دوسرے سے کچھ چاہیں اس حال میں کہ اس طرف متوجہ ہوں تو اس پر اس کا ذکر واجب ہے بوجہ اس حکم باری تعالیٰ کے کہ فرمایا ”ایہ الذین امنوا استجبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم“ یعنی اے ایمان والو حکم

مانواللہ تعالیٰ کا اور رسول علیہ السلام کا جبکہ وہ تم کو بلائیں ایک کام پر جس میں تمہاری زندگی ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کی کہ حضرت ابو بکرؓ ان کے پاس آئے اس وقت کہ دو لڑکیاں دف بجارہی تھیں اس گفت و شنید کے ساتھ جو انصار کے بعثت کی لڑائی میں ہوئی تھی اور جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کپڑا اوڑھے ہوئے تھے تو ابو بکرؓ نے ان کو جھڑکا اس پر حضرت ﷺ چہرہ مبارک کھولا اور فرمایا کہ اے ابو بکرؓ ان کو چھوڑو تحقیق یہ عید کے دن میں یہ حدیث صراحتہ گانا اور دف سننے پر اور ایسی جگہ حاضر ہونے پر جواز کو ثابت اور منکروں کا ذکر کر رہے ہیں اور اس پر بھی دلیل ہے کہ جو انکار کرے اس کو روکنا اور انکار سے ہٹانا جائز ہے کیونکہ حضرت ﷺ نے منکر کو روکا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”لقد کان لکم رسول اللہ اسوۃ حسنة“ یعنی تم کو اچھی تھی رسول کی چال سیکھنی پس جس نے گانا سننے اور دف بجانے اور ایسے موقع پر شریک ہونے کو حرام کہا گویا اس نے یوں کہا کہ نبی ﷺ نے حرام فعل کو سنا اور حرام فعل کے نبی کو روکا اور جس نے ایسا اعتقاد کہا وہ بالاتفاق کافر ہوا اگر کہا جائے کہ یہ گانا صرف عید کے دن جائز ہے کیونکہ عید کے دن کی قید اس کے جواز میں پائی جاتی ہے ہم جواب دیں گے کہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ سب کا خاص ہونا حکم کے عام ہونے کا مانع نہیں ہوتا اور اکثر قرآن مجید میں اسی طرح وارد ہوا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ان الذین کفروا سواء علیہم ء انذرتہم ام لم تنذرہم لا یؤمنون“ جو منکر ہوئے برابر ہے ان کو ڈراوے یا نہ ڈراوے وہ نہ مانیں گے یہ آیت ابو جہل اور ابولہب اور عتبہ اور شیبہ اور عبد اللہ بن ابی بن سلول کے حق میں نازل ہوئی مگر حکم کفار کے بارہ میں عام ہے اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا ”اما یبلغن عندک الکبر الاحدہما او کلہما فلا تقل لہما اف ولا تنہرہما وقل لہما قولا کریمًا و اخفض لہما جناح الذل من الرحمة“ یعنی کبھی پہنچ جاوے تیرے سامنے بڑھاپے کو وہ ایک یا دونوں کو نہ کہہ انکو اور نہ جھڑک اور کہ ان کو بات ادب کی اور جھکا ان کے سامنے کندھے عاجزی کر کے نیاز سے اگرچہ اس آیت میں خطاب جناب نبی ﷺ کی طرف ہے مگر حکم عام سب کے واسطے ہے کہ والدین کے تعظیم کریں اور اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر حال میں جبکہ قلب و خاطر میں فرحت پائی جائے خواہ عید کے دن ہوں یا نہ ہوں تو اس میں گانا اور دف اور اشعار سننا جائز ہے اور مسند امام احمد میں روایت ہے کہ حبشی حضرت رسول اللہ ﷺ کے سامنے دف بجارہے تھے اور ناچ رہے تھے اور کہہ رہے تھے محمد ﷺ نیک بندہ ہیں حضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا کہہ رہے ہیں

عرض کیا گیا کہہ رہے ہیں کہ محمد ﷺ نیک بندہ ہیں یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ ناچ دیکھنا اور دف اور گانا سننا جائز ہے اس پر بھی اگر کوئی کہے کہ ناچ دیکھنا اور گانا اور دف کی آواز سننا حرام ہے تو یہ اس کا افترا ہوگا کہ نبی علیہ السلام حرام کام میں حاضر ہوئے اور دوسرے کو حرام کا کرنے دیا بس جس کے دل میں یہ بات آئے گی وہ بالاتفاق کافر ہو گیا اور اگر منکر کہے کہ یہ جناب رسول علیہ السلام کے حق میں جائز تھا مگر ہمارے واسطے کیونکر جائز بتاتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور شارع تھے اور شارع علیہ السلام کے واسطے جائز نہیں کہ ایسے امر کو جس میں شرعی حکم پایا جائے چھپائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ان الذین یکتُمون ما انزلنا من البینات والہدی من بعد ما بینا للناس فی الکتاب اولئک یلعنہم اللہ ویلعنہم اللعنون" یعنی وہ لوگ جو چھپاویں ان بینات اور ہدایت کو جو ہم نے اتاری ہیں بعد اس کے کہ ہم نے لوگوں کے واسطے کتاب میں اس کو کھول دیا ہے تو وہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں اور فرماتا ہے "واذا خذ اللہ میثاق الذین اتوا الکتاب لتبئنہ للناس ولا تکتمونہ" یعنی اور جب اللہ تعالیٰ نے میثاق ان سے لیا جن کو کتاب دی گئی تھی کہ لازم تم پر ہے کہ لوگوں پر اس کا اظہار کرو اور اس کا نہ چھپاؤ پس اگر ناچ اور حضور سماع اور غنا اور دف بجانا حرام ہوتا تو آیت کے مطابق حضرت ﷺ پر اس کا اظہار واجب تھا اور اگر محض حضرت کے واسطے جائز ہوتا تو اس کا اظہار بھی ضروری تھا جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو وصال (بغیر افطار دوسرا روزہ رکھنا) سے منع فرمایا اور خود ایسے روزے رکھے اور جب صحابہ نے پوچھا تو فرمایا کہ میں تم جیسا نہیں ہوں میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کے پاس رات بھر کرتا ہوں اور وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے پس جبکہ حضرت نے ناچ دیکھا اور گانا اور دف سنا اور کسی کو اس سے منع نہ فرمایا تو یہ مطلقاً اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے اگر منکر کہے کہ ناچ کھیل ہے اور کھیل حرام ہے اس واسطے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کھیل مجھ سے نہیں نہ میں کھیل سے ہوں یعنی میری عادت اور سیرت کھیل کو نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس کھیل سے مراد حرام کھیل ہے جیسے کہ نزد اور جوا وغیرہ اس واسطے کہ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جناب نبی علیہ السلام میرے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے اور حبشی لوگ مسجد میں اپنی لکڑیوں سے کھیل رہے تھے اور میں ان کے کھیل کو دیکھ رہی تھی پس جبکہ شارع کے سامنے مسجد میں کھیل جائز ہوا تو دوسرے محل میں بطریق اولیٰ جائز ہو الہذا جو شخص کہے کہ کھیل مطلقاً حرام ہے تو وہ اس امر کا

اعتراف کرتا ہے کہ جناب نبی نے حرام کام کو دیکھا اور حرام کو اس کے حال پر رہنے دیا حالانکہ جس کے دل میں یہ بات آئی وہ بالاتفاق کافر ہوا اور اگر منکر کہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے ”لا لعب الا فی ثلاث الرمی والفرس وملاعبة الرجل مع اهله“ یعنی سوائے تین محل کے اور جگہ کھیل جائز نہیں ایک تیر اندازی میں دوسرے گھوڑے کے ساتھ تیسرے شوہر کی ملاعبت بیوی کے ساتھ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حصر حاصر اہتمام کے واسطے ہے اور یہ تحریم ماسوا پر دلالت نہیں کرتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”انما انت“ (ڈرانے میں) حصر کیا اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ڈرانا مخصوص فقدان کے ساتھ ہے کیونکہ وہ خاتم النبیین ہیں مگر اس نے حصر کا فائدہ نہ دیا کیونکہ ان کے سوا حضرت ﷺ مبشر اور مبلغ وغیرہ بھی تھے اسی طرح یہاں بھی یہی ہے پس ان تین کا حصر کے ساتھ ذکر حیثیت کمال دین سے ہے تیر اندازی اور نواد و اور تحابب میں اپنی اہل سے میاں بیوی میں ثبوت موت کے لئے اور اولاد جو اور نہ اس کو عقل اور جو شخص ہدایت سے عاری اور خالی ہے وہ گمراہ ہے اور گمراہ دوزخی اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو نصاریٰ کی صفت قرار دیا ہے کہ فرمایا ضلوا من قبل و اضلوا کثیرا یعنی پہلے سے خود گمراہ ہوئے پھر بہت لوگوں کو گمراہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو کفر کے ساتھ موصوف فرمایا جیسے کہ فرمایا لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثہ یعنی تحقیق کفر کیا انھوں نے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک سے تین میں سے پس اس سے لازم آیا کہ جس نے گانیا والے کا گانا نہ سنا جو کہ مطلق قول باری تعالیٰ يستمعون لقول سجھا جاتا ہے اور جو کہ اپنے عموم پر باقی ہے اور کوئی مخصوص جس سے کہ اچھی آواز کا یا گانے کا یا دف کا سننا ممنوع ہے ہو نہیں پایا جاتا بوجہ اس کے کہ ہم روایات بخاری اور مسلم اور احمد سے دف اور گانا حبشیوں کا اور ان کا ناچ دیکھنا اور لڑکیوں کا گانا سننا بتایا گیا ہے تو وہ گمراہ کافر ہوگا کیونکہ حالانکہ تینوں کام حضرت ﷺ کے روبرو ہوئے جیسے کہ ایک انصاریہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذرمانی ہے اس امر کی کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں بجا۔ اگر تیری رمانی ہوئی ہے اس نے بجا یا اور یہ شعر گائے طلع البدر علينا من ثنیت الوراخ و جب

از الشکر علينا ما دعی اللہ داع پس نبی ﷺ نے عورت کا گانا دف کے ساتھ سنا اس پر اگر کوئی کہے کہ گانا اور دف سننا اور ناچ دیکھنا حرام ہے تو اس نے یہ کہا کہ نبی ﷺ نے حرام کیا اور حرام کا حکم دیا تو جس کے دل میں یہ بات آئی وہ بالاتفاق کافر ہوا اور اس میں خلاف نہیں کہ نظر حرام کے ساتھ منقذ نہیں ہوتی لہذا اولاد مذکورہ آیات اور احادیث سے ثابت ہو

گیا کہ گانا سننا اور دف بجانا اور ناچنا مباح ہے اور جواز رقص میں اس سے ہی تائید ہوتی ہے جو کہ مسند امام احمد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور جعفرؓ اور زیدؓ حضرت رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے زید سے فرمایا کہ تو میرا مولا ہے اس پر انہوں نے تجل کیا اور جعفرؓ سے فرمایا کہ تو میرے خلق اور غلق سے مشابہ ہے اس پر انہوں نے بھی تجل کیا پھر مجھ سے فرمایا کہ تو مجھ سے ہے اس پر میں نے تجل کیا اور جہل ایک خاص ناچ ہے اور عام مرد خاص ہے پس جبکہ ایک نوع رقص کی جائز ہوئی تو مطلق رقص بھی جائز ہوا اگر منکر کہے کہ جواز جہل ہم تسلیم کرتے ہیں مگر اس کی کثرت تم کہاں سے نکالتے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک مطلق چیز میں سے جب بعض جائز ہوئے اور باقی کے واسطے کوئی ممانعت نہیں ہوئی تو وہ سب جائز رہی اس لئے کہ باقی حرام ہوتی تو جناب رسول علیہ السلام پر اس کا اظہار واجب تھا بوجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ”وانزلنا الیک الذکر لتبیین للناس“ یعنی اے رسول ہم نے ذکر کو تیری طرف اتارا ہے تاکہ لوگوں سے بیان کر دے پس اگر کثرت ارتکاب تجل کی حرام ہوتی تو حضرت ﷺ پر اس کا بیان واجب تھا۔ اور جبکہ حضرت نے تعرض نہ فرمایا تو اس کے مباح ہونے کی دلیل ہے پس یہ امور جو ہم نے ذکر کیے قرآن مجید اور حدیث شریف سے متعلق ہیں لیکن جو کہ متعلق منقول سے ہیں وہ یہ ہیں کہ ابوطالب کی نے جو کہ اہل اسلام کے نزدیک معتبر شخص ہیں روایت کیا ہے کہ بعض صحابہ نے مثل امیر معاویہ وغیرہ کے اشارہ کیا ہے خلوت کے وقت کے اپنا نفس اس وقت خوش ہوا اور ہمیشہ سے علماء نے اہل ملت سماع کے لئے ہمارے زمانہ تک مواظبت کی ہے جیسے کہ عبد اللہ بن جعفرؓ اور مادر دی نے ماوی کبیر میں ایک بات لکھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہ کو خبر ہوئی کہ عبد اللہ بن جعفرؓ اپنا بہت وقت گانا سننے میں صرف کرتے ہیں تو انہوں نے عمرو بن عاص سے کہا کہ اٹھوان کے پاس چلو اس لئے کہ ان کی بزرگی پر انکی ہوائے غسانی غالب ہو گئی ہے اور دونوں رات کو ان کے پاس آئے عبد اللہ نے گانے والیوں کو سکوت کا حکم دیا اور ان کو بلا لیا جبکہ امیر معاویہ بیٹھے تو کہا کہ اے عبد اللہ ان کو گانے کا حکم دو وہ گانے لگیں اور معاویہ تخت پر بیٹھے ہوئے سر اور پاؤں ہلانے لگے اس پر عمرو بن عاص بولے کہ تم انکو روکنے آئے تھے اب وہ تم سے بہتر حالت میں ہیں وہ بولے کے چپ ہو جاؤ اے عمرو کریم آدمی طرب کرنے والا ہوتا ہے حالانکہ امیر معاویہ بڑے صحابیوں میں سے تھے اور کاتب وحی رسول ﷺ اور ان کی زوجہ مطہرہ ام اس کو کہتے ہیں کہ پاؤں کو اٹھا کر دوسرے سے خوشی میں کودے۔

جیبہ کے بھائی تھے اور صحابہؓ کی پیروی حصول ہدایت کا سبب ہے جیسے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت حاصل کر لو گے لہذا جو کوئی ان کی پیروی سے رک گیا تو اس نے ہدایت حاصل نہ کی اگر منکر کہے کہ اوپر تقدیر صحت اس قول کی مراد یہ ہے کہ سوا سماع کے اور سب صورتوں میں ان کی پیروی کرنی چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نفع نہ دے گی اس واسطے کہ اس صورت میں ہم اس کی حالت صحابہؓ کے ساتھ ایسی ہوگی جیسے کہ ابو لہب کی جناب رسولؐ کے ساتھ تھی کہ اس نے حضرت ﷺ سے کہا کہ اے محمد تم کہتے ہو کہ تمہارے اقوال پر ایمان لائیں اور منجملہ تمہارے اقوال کے یہ قول ہے کہ میں ایمان نہیں لاتا پس میں تمہارے اس قول کی تصدیق کرتا ہوں اس پر حضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ تجھ کو نفع نہ دے گا اس واسطے کہ ایمان معتبر وہی ہے جبکہ سب باتوں پر جو رسولؐ لائے ہیں ایمان لائے اور ان سے بغض نہ رکھے پس یہی حال یہاں ہے کہ صحابہ کے سماع کے مسئلہ میں پیروی نہ کرنی اور باقی امور میں پیروی کرنی نفع نہ دے گی اور نہ ہدایت حاصل ہوگی اگر منکر کہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور شیخ ابو البیانؒ نے سماع کو حرام کہا ہے اور میں اس میں ان کی پیروی کرتا ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ اول لازم ہے اس کو ماننا اس بات کا کہ امام ابو حنیفہؒ کی مراد وہ گانا ہے جو کہ حرام ہے اور گمراہی اور لہو میں ڈالنے والا ہے نہ کہ مطلق غنا مراد ہے ورنہ اس کے لئے مقدمات یعنی وہ باتیں جن سے خوف کیا جاتا ہے لازم ہو جائیں گے ایک ان میں سے کفر یا فسق قطعی ہے اور یہ اس واسطے ہے کہ ہم کو تین قسم کی احادیث پہنچی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے اول وہ جن کی اصل اور فرع متواتر ہے جیسے کہ حدیث نماز اور زکوٰۃ کی کہ ان کا کافر منکر ہے دوسرے وہ جو کہ احاد الاصل اور مشہور الفرع ہیں جیسے کہ احادیث مسلم کی کہ ان کا منکر فاسق ہے تیسرے وہ کہ احاد الاصل ہو جیسے کہ احاد الفرع ہے مثل اس حدیث کے کہ میں اللہ سے ہوں اور مومن مجھ سے ہیں کہ اس کے منکر پر کچھ گناہ نہیں اور جو احادیث کہ گانے اور اشعار اور دف کے سننے کے جواز پر ہم نے بیان کی ہیں وہ احاد الاصل مشہور الفرع ہیں پس اگر ان احادیث سے انکار کرے گا تو فاسق ہوگا۔ اور اگر امام ابو حنیفہؒ کے قول کو پیغمبر خدا ﷺ کے قول پر ترجیح دے گا تو بالاتفاق کافر ہوگا دوسرا مخدور اس کے واسطے یہ ہوگا کہ اس نے ترک کیا ایسے قول کو جس کی صحت میں عدالت کی شرط ہے بمقابلہ ایسے قول کے کہ جس کی صحت میں عدالت کی شرط نہیں اور یہ اس طرح ہے کہ کتب فقہ میں جن سے اخذ فقہ ہوتا ہے عدالت کاتب اور عدالت راوی کی شرط نہیں ہے۔ پس جائز ہے کہ کاتب پہلے یا دوسرے نسخہ میں کمی یا بیشی کر دے تو ایسے کتب پر یقیناً اعتماد

نہیں بخلاف احادیث رسول اللہ ﷺ کے کہ وہاں صحت روایت میں عدالت کی شرط ہے اور جو کوئی ایسی بات کو اختیار کرے جس کی صحت میں عدالت کی شرط نہ ہو وہ سفیہ ہے کیونکہ سفیہ (بیوقوف) وہی ہے جو اپنے دین اور دنیا کے واسطے جو امر کے بہتر ہو اختیار نہ کرے اور یہ سفاہت وصف منافقوں کا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے حق میں ”الا انہم ہم السفہاء“ خبردار ہو کہ وہ منافق ہے سفیہ میں اور منافق دوزخ کے نیچے کے درجہ میں ہونگے لہذا لازم آیا کہ جو کوئی ایسے قول کو جو سوائے نبی کے کسی دوسرے سے منقول ہے اور اس کی نقل میں عدالت کی بھی شرط نہیں اختیار کرے اور اس کا عقیدہ کہے اور ایسے قول کو ترک کرے جو کہ حضرت نبی سے منقول ہے اور اس سے منہ پھیرے تو اس کا ٹھکانا دوزخ کا نیچا درجہ ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ جو کوئی گانے کو حرام بتائے نبی ﷺ کے قول کے سوا دوسرے کے قول سے اور قول اور فعل نبی ﷺ کا ترک کر دے تو اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا اور منکران سماع اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ”وما کان صلوتہم عند البیت الامکاء و تصدیۃ“ یعنی نہیں تھی نماز ان کے نزدیک کعبہ شریف کے مگر سیٹی اور تالی بجانی پس مکاء سیٹی ہے اور تصدیہ ہتھیلی کا دوسری پر مارنا ہے جس سے وہ آواز نکلے ہم کہتے ہیں کہ یہ استدلال فاسد ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کعبہ شریف کے پاس ایسے افعال سے روکا اور کسی بات کو ایک حالت محرمہ میں روکنے سے اس کی ممانعت اور مقاموں میں جو کہ اس محل سے جدا ہیں لازم نہیں آتی اور اسی واسطے عورت کا پشت دست پر ہتھیلی کا مارنا نماز میں جبکہ کوئی حادثہ ہو تو جائز ہے اور دوسری جگہ جائز نہیں کیونکہ کعبہ شریف معظم اور اس کے گرد طواف محل نماز تھا تو وہاں ایسے فعل سے روکا نیز یہ فرمایا کہ نہیں تھی نماز ان کے کعبہ شریف کے پاس اور یہ نہیں فرمایا کہ ان کا سماع نہیں تھا کعبہ کے پاس لہذا منع تصدیہ سے کعبہ شریف کے پاس اس کی ممانعت اور جگہ لازم نہیں آتی اور مانعاں سماع اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ومن الناس من یشتری لھو الحدیث یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو کہ کھیل کی بات کی خریدار ہیں اور کھیل کی بات یہی گانا ہے جس کا ہم جواب دیتے ہیں کہ لہو الحدیث سے کھیل ہی مفہوم ہے اور حق الحدیث کا سننا جائز ہے برابر ہے کہ وہ حق الحدیث قرآن مجید ہو یا شعر وغیرہ ہوں اور ہم نے صحیح حدیثیں جو کہ جواز سماع دف اور غنا پر دلالت کرتے ہیں بیان کر دیں اور یہ بھی حدیث ہے کہ بعض شعر سے حکمت ہے پس اس آیت سے یہ امر ثابت ہوا کہ لہو الحدیث سے مراد وہی سماع ہے جو کہ گمراہ کرنے والا اور حق اور عبادت سے مشغول کرنے والا اور بندہ کو حق سے دور کرنے والا ہو اور جو ایسا نہ ہو وہ اپنی

اباحت پر باقی ہے اور یہ بات بھی ہے کہ جب کوئی ایسی فصل وارد ہو جو کہ عموم کو قبول کرتی ہے تو واجب ہے اول اس کا تخصّص ڈھونڈا جائے اگر تخصّص ملجائے تو تخصّص ہوگی ورنہ عموم پر حمل کیا جائے گا اس کی مثال یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”احتثوا فسی وجوه المداحین التراب“ یعنی مدح کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالو پھر یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ﷺ کی مدح کی گئی تو آپ نے اس کے عیوض میں انعام دیا اور تعریف فرمائی ابن زہیر یہ قصیدہ پڑھا ”بانّت سعاد و قلبی الیوم مبتول“ یعنی اس پر نبی ﷺ نے اپنی چادر مبارک ان کو عطا فرمائی پس واجب ہوا کہ حمل کیا جائے حضرت کے مٹی ڈالنے کے حکم کو ایسے مدح کرنے والوں کی نسبت جو کہ جھوٹ اور فسق کے فساق کے واسطے مدح کرتے ہیں لہذا واجب ہے کہ لہو الحدیث بھی جھوٹ اور بیہودہ شیر اور گانا مراد لیا جائے اور جو ایسا نہ ہو تو وہ قطعاً جائز ہے اگر منکر کہے کہ سماع فقر مباح ہے ہم کہیں گے کہ کسی کے واسطے یہ حلال نہیں کہ شرع میں کسی چیز کو حلال یا حرام کرے جس کی بابت کہ شارع نے کوئی حکم نہ دیا ہو اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور اس کے بیچ میں مشتبہ امور ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب“ اور نہ کہو اپنی زبانوں کی جھوٹ بنانے سے کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو پس جو یہ کہے کہ گانا سننا حرام ہے تو اس نے فی الحقیقت اس امر کو شرع میں حرام کیا جس کی بابت کوئی حکم نہیں کیونکہ کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول ﷺ میں کوئی نص تحریم سماع و رقص پر نہیں اور جو کوئی شرع میں اس چیز کو حرام کرے جو کہ حرام نہیں ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور جس نے اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی جھوٹ باندھا تو وہ بالا جماع کافر ہوا نیز عوام کا سماع اور رقص مشابہ اس سماع و رقص کے ہے جو حبشیوں کا رسول اللہ ﷺ کہ حضور میں ہوا اور اس کے مباح ہونے میں عوام کے واسطے خلاف نہیں نیز ان کی حرکتیں سماع میں مشابہ ان کی خوشیوں کے باغوں میں ہیں اور اس کے مباح ہونے میں کوئی خلاف نہیں اسی طرح ان کی حرکات سماع میں بھی مباح ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ ”من تشبہ بقوم فهو منهم“ یعنی جس نے کسی قوم جیسی اپنی صورت بنائی تو وہ ان میں سے ہے اور خالص اصحاب حق مثل بعض صحابہ اور اولیاء اللہ تعالیٰ مثل جنید وغیرہ کی سماع میں ملتی تھی جیسا کہ کتب رقائق میں ان سے منقول ہے پس اگر ایک عامی بھی ان کی سی صورت بنانے کے لئے حرکت کرے اس حال میں کہ ان کی برکات کا طالب

ہے تو وہ بھی ان میں سے ہوگا اور حدیث میں ہے کہ وہ ایسی قوم ہے کہ بہ سبب ان کے ان کا ہم نشین شقی نہ ہوگا اگر منکر کہے کہ کوئی شخص انسان کی محبت یا انسان کی صورت پر وجد کرے گا تو حرام ہوگا ہم کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ہرگز جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ گے اور ہرگز ایمان نہ لاؤ گے جب تک کہ باہم محبت نہ کرو گے کیا میں تم کو نہ بتاؤں وہ بات کہ جب اس کا عمل کرو گے تو باہم محبت ہو جائیگی وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کرو اور ایک روایت میں ہے کہ آپس میں ہدیہ دو نیز حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کہاں ہیں باہم محبت کرنے والے میرے جلال کے واسطے پھر ان کے واسطے نور ممبر لگائے جائیں گے جس پر کہ انبیاء اور شہداء علیہ السلام رشک کریں گے پس اگر دو شخص آپس میں اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت کریں اور ایک ان میں سے دوسرے کی محبت پر اللہ تعالیٰ کے واسطے حرکت کرے تو یہ مباح ہوگا جبکہ باطل کے ساتھ نجانے کیا ہو اگر منکر کہے کہ عامی حرکت نہیں کرتا مگر باطل طور پر یہ کھیل سے اور یہ حرام ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے جب تیرے بھائی سے کوئی بات ظاہر ہو اور اس کا حمل اچھے معنی پر ہو سکتا ہو تو اس کا حمل برے معنی پر نہ کر بس جبکہ ہم مومن موحد کو خواہ عامی ہو یا غیر عامی سماع میں حرکت کرتے ہوئے دیکھیں اور وہ باطل کے ساتھ نہ جانا گیا ہو واجب ہے کہ اس کے فعل کو حق پر حمل کریں پس اگر اس کے ساتھ وہی

گمان کیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے کہا تو وہی ہے ورنہ اس کے اعتقاد کا کام تو اللہ تعالیٰ کی سپرد ہے نہ اس کی طرف دیکھنے والے کے اگر معترض کہے کہ بغیر جہانج کے دف کا بجانا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جائز ہے کیونکہ عرب کا دف ایسا ہی تھا مگر جہانج کے ساتھ دف بجانا ہم تسلیم نہیں کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی بابت کوئی حکم حرمت یا کراہت کا نہیں آیا ہے۔ اس واسطے مباح ہے پس اگر ملا دیا جائے کلام استماع جو سنا جائے ایک مباح کے ساتھ جو سنا گیا ہے تو سب مباح ہو جائے گا مگر اس وقت نہ ہوگا جبکہ کوئی قرینہ ان کی جماع کی منع پر ساتھ تحریم کے دلالت کرے جیسے کہ دو بہنوں کے ساتھ نکاح کے ہر ایک سے جدا جدا جائز ہے اور دونوں میں جمع کرنا حرام ہے لیکن قصب فارسی اس کے بارہ میں کوئی حکم نہیں اس لئے وہ اپنی اباحت پر باقی ہے مگر مزار (بانسری) حرام ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس کی آواز کو حضرت ﷺ نے سنا اور کانوں کو بند کر لیا نیز جو شخص کہ گانا اور رقص اور دف بجانے کا منکر ہے اس کو اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرنی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ سے لڑائی بالاتفاق کفر ہے اور یہ اس طرح ہے کہ صحیح حدیث میں آیا

ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے ولی کے ساتھ دشمنی کی تو وہ میری لڑائی کے واسطے میدان میں نکلا اور امت محمدیہ ﷺ نے اس امر پر اتفاق سے کہ اس امت میں اولیاء ہیں اور سب کے طرف مسلمانوں نے صحت ولایت حضرات جنید اور شبلی اور معروف کرخی اور عبد اللہ بن حنفیہ وغیرہ نے ہم پر اتفاق کیا ہے ان اولیاء وغیرہ ہم میں سے جن کا رسالہ القشیری میں ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی ان کے نزدیک ان صاحبوں کے اعداد و حالات میں ثابت ہوا ہے کہ وہ گانے میں وجد کرتے تھے اور رقص کرتے تھے واسطے ترک ماسوی اللہ کے اپنے قلوب سے پس جو کوئی سماع کو مطلقاً حرام کہتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ یہ حضرات حرام کے مرتکب ہوئے اور جس نے ان کو حرام اور مباشرت فعل حرام سے منسوب کیا تو اس نے از روئے قول و اعتقاد کہ ان سے دشمنی کی اور جس نے ان سے دشمنی کی تو وہ اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے واسطے میدان میں آیا اور جو اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے واسطے نکلا وہ بالاتفاق کافر ہو پس تحقیق اللہ تعالیٰ کے غضب کو کمالایا اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہوا اور وہ بری بازگشت ہے پس جبکہ ان تقریرات اور دلائل اور احادیث سے جن کو ہم نے بیان کیا ثابت ہو گیا کہ سماع مطلقاً مباح ہے اور اس کا منکر یہ کافر یا فاسق ہے اور وہ مریدوں کے واسطے مستحب اور اولیائے خدائے تعالیٰ کے لئے بہ نسبت ان کے مقامات کے واجب ہے کیونکہ وہ حضرات مجرد ہیں اس چیز سے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے طرف اللہ تعالیٰ کی جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ چاہتے ہیں اس کی وجہ کو اور جبکہ وہ کوئی بات ظاہری صورتوں میں سے پاتے ہیں تو اس کو معانی غیبیہ پر حمل کرتے ہیں جیسے کہ جناب رسول ﷺ نے اسید بن حضیر کے بارہ میں فرمایا انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں شب گذشتہ کو سورہ بقرہ پڑھ رہا تھا کہ ناگہاں میرے سر پر ایسا بادل چھایا جس میں چراغ تھے حضرت نے فرمایا کہ وہ سیکنہ تھی تو اسی طرح اولیاء اللہ تعالیٰ صورتوں کو معانی پر حمل کرتے ہیں بوجہ ان کے مراتب صورتوں کی ترتیب کے اور مراتب معانی میں ان کے سیر کے پس دف ان کے نزدیک اشارہ ہے طرف دائرہ اکوان کی اور جو جھلی اس پر چڑھی ہوئی ہے وہ اشارہ ہے طرف وجود مطلق کی اور ضرب جو دف پر پڑتی ہے اس میں اشارہ ہے طرف ورود و اردات الہیہ کے باطن بطوں سے طرف وجود مطلق کی واسطے تحویل اشیاء کے باطن سے ظاہر کی طرف اور پانچ جلاجل سے اشارہ ہے طرف مراتب نبوت اور مراتب ولایت اور مراتب رسالت اور مراتب خلافت اور مراتب امامت کی اور اس کی آواز سے اشارہ ہے طرف تجلیات الیہ اور علم الہی کے ان مراتب کے واسطے سے اولیاء اور اہل کمال کے قلوب میں اور نفس مغنی سے اشارہ ہے طرف عطیات حق تعالیٰ کی جیسا کہ وہ

اشیاء کا محرک اور مؤجد اور معنی ہے اور آواز معنی سے اشارہ ہے طرف حق وارد کی اس کی طرف سے باطن بطون میں اور اشارہ ہے طرف مراتب ارواح اور قلوب کہ اصرار ہیں اور قصب سے اشارہ ہے طرف ذات انسانیہ کی اور نوسراخوں سے اشارہ ہے طرف مناقد ظاہری انسان کی اور وہ نوح ہیں دو آنکھیں اور دو کان اور دوسراخ ناک کے اور منہ اور دبر اور نوسواخ مقلوب قلب اور عقل اور روح اور نفس اور سر اور جوہر انسانی اور لطیفہ ذاکیہ اور نواد اور شغاف ہیں اور جو پھونک کے کتب میں جاتی ہے اس میں اشارہ ہے طرف نفاذ نور اللہ تعالیٰ کے قصب ذات انسان میں ان کا ہلنا گانے میں اشارہ ہے طرف یاد کرنے طیر حقیقت انسانیہ کی مقام خطاب ازلی میں اس وقت جبکہ الست برکم فرمایا تھا اور وہ مضطر ہوئے سر کو قصص جسم کے کھینچنے اور اس کے وطن حقیقی کی طرف پھیرنے کے لئے اس حیثیت سے کہ فرمایا وطن کی محبت ایمان ہے یعنی وطن ارواح کی جہاں سے کہ روح کو ایجاد کیا گیا جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے و ننفخت فیہ من روحی یعنی پھونک دی اس میں نے اپنی روح سے اور رقص اشارہ ہے طرف جولان روح کی گرد دائرہ موجودات کے واسطے قبول کرنے تجلیات اور تنزیلات کے اور یہ عارف کا حال ہے اور فعل اشارہ ہے طرف وقوف روح کی اور اس کے سر اور اس کے وجود کی اور اس کی جولان نظر اور فکر کی اور اس کے نفوس کے مراتب موجودات میں اور یہ محقق کا حال ہے پس اس کو تہ اوپر کی طرف اشارہ ہے اس کے کھینچنے کا انسانی سے طرف مقام احدی کے اور کائنات کے واسطے سے آثار روحانیہ کے حاصل کے اور اللہ تعالیٰ کے نور کی امداد کے پس جبکہ اس کی روح حجاب سے نکل جاتی ہے مراتب صواب تک پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنا سر کھول دیتا ہے پھر جبکہ ہر چیز سے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے مجروح ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متصل ہو جاتا ہے تو اپنے کپڑے اتار دیتا ہے پھر اگر گانے والا بھی صاحب حال ہے اور مقام ہے تو وہ اپنے کپڑے اس پر پھینک دیتا ہے اور اگر اس درجہ کا نہیں ہے تو اس کی طرف پھینکا ظلم ہے اس لئے کہ صاحب حال کے کپڑے اس کے حال کی صورت ہیں اور اس کے حال کے قبول کا وہی مستحق ہے جو کہ اس کے رتبہ کا ہو پھر اگر محقق مقام علوی پر چڑھ گیا اور گانے والا مقام سفلی میں گارہا ہے تو وہ ایک شعر مناسب اپنے حال کے اس کو القا کرتا ہے پھر اگر اس پے شکل ہو جائے اس کو پیچھے چھوڑتا ہے اور اس کا حال اس پر ٹھیر جاتا ہے تو دوسرا لیتا ہے اور اس کے ساتھ حال کرتا ہے تاکہ اس کا حال اس کے حال کے ساتھ جمع ہو جائے اور اس کا عاقدہ حل ہو جائے پھر اگر وہ پیاسہ ہو جائے اور پانی پینا چاہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مغلوب ہو گیا اس لئے کہ مقام روح اور مقام صفا ہے اور

اس کی غذا انوار سے ہوتی ہے پس جب پیاسہ ہوگا تو دلیل اس کی ہوگی کہ وہ مقام جسد کی طرف واپس آیا اور مقام روح کا اور حال روح کا غیب کے ساتھ غذا حاصل کرنی ہے اور اس کو ظاہر کی احتیاج نہیں اور مقام جسد صورت کے ساتھ غذا حاصل کرتا ہے تو جب غیب سے شہادت کی طرف رجوع کریگا پانی مانگے گا اور یہ اس کے نقصان کی دلیل ہے اور لیکن معنی معقول شرف سماع پر دلالت کرنے والا پس وجود اس کا دلالت کر لیتا ہے اس امر پر کہ احوال لاحق دو قسم کے ہیں حرکت اور سکون پس حرکت صفت ارواح اور اسرار کی ہے اور سکون صفت اجساد اور کثیف صورتوں کی اور حرارت اور کثیف صورتوں کی اور حرارت اور لطیف ہونا حرکت کے لوازم میں سے ہے اور بستگی (جماد) اور بدلنا سکون کے لوازم میں سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ پانی حوض میں ٹھہرا رہتا ہے اگرچہ کثرت سے ہو بعد گزرے زمانے کے اس کی حالت پلٹ جاتی ہے اور اگر تھوڑا سا بھی جاری ہو تو نہیں بدلتی پر اس طرح جبکہ آواز موجود باطن میں اثر کرتی ہے تو روح کو بلندی پر چڑھنے کی خواہش کے لئے حرکت دیتی ہے پس یہ بھی روح کی حرکت کے ساتھ حرکت کرتا ہے تب اس کے وجود میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے فضلہ کھجلاتے ہیں اور اس کے قلب میں آثار مشہودہ ظاہر ہو جاتے ہیں دوم یہ کہ وہ غذا جو محسوس ہوتی ہے بدن کو قوی کرتی ہے اور اس کا حصول غذا کے استعمال سے ہے اور غذا روح کے قلب اور شہر کو قوی کرتی ہے اور یہ استعمال سے ایسے آلات کے ہوتا ہے جو کہ نور اور حیات کے عالم غیب سے اتارنے کے ہیں اور وہ وہی تحریک روح کی اور اشعار رقیقہ سے معانی غریبہ کا سستا تعلقات کو نیہ کا ترک کرنا اور روحانی منزلوں کی طرف کھینچنا ہے اور ان امور کے حاضر ہونے کا آلہ اجتماع اخوان اور طلب مدد اللہ الرحمن سے ہے سوم یہ کہ سماع آدمی کو امور ظاہرہ سے مجرد کرتا ہے اور انوار اور اسرار باطنہ کے قبول کے واسطے آمادہ کرتا ہے پھر جتنا کہ اس کا وجد سماع میں زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس کے سیر اور طیر عالم ارواح میں زیادہ ہوتی ہے اور جب کثرت سے اس کی زیادتی ہو جاتی ہے تو اس کا قلب رقیق ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے آثار فیض اور تجلیات میں سے پہنچ جاتے ہیں تو اس کو مقام وصول بغیر ریاضت اور جذبہ کے حاصل ہو جاتا ہے چار یہ کہ آواز ظاہر سے باطن میں نفوذ کرنے والی ہے اور قلب سے متصل ہو جاتی ہے پھر قلب اور روح بواسطہ اختلاف نغموں کے اور متعدد ہونے ان معانی کے جو روح پر وارد ہوتے ہیں مرات وجود سے منتقل ہو جاتے ہیں اور قلب جسد کو روح کے پیچھے لگا دیتا ہے حرکت میں پھر وہ توہمات سے مجرد ہو جاتا ہے پھر قوائے جسد یہ میں وہ معانی منفصلہ جو کہ روح میں ہیں نفوذ کرتے ہیں پھر جسد مقام روح

تک کھینچتا ہے اور پردہ اٹھ جاتا ہے پھر ان معانی اور حقائق کو ایک ہی دفعہ مشاہدہ کر لیتا ہے اور یہ مقام کمال عیانی ہے جو کہ بہت قسم کی ریاضتوں سے حاصل نہیں ہو سکتا پنجم یہ کہ سماع باطن میں سکون اور ظاہر میں حرکت ہے اور اس کے سوا سب عبادات سوائے روزہ کے ظاہر میں حرکت ہیں اور حرکت ظاہرہ کثرت سے متناسب ہوتی ہے پس جس قدر حرکت سماع میں زیادہ ہوگی اسی قدر سکون قلب میں زیادہ ہوگا پھر وہ قلب اس چیز سے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے مجرد ہوگا اور اس میں وجد پیدا ہوگا اور مقام احدی کی طرف کھینچے گا تو وہ نظر شوق سے اللہ تعالیٰ کے ایسے عالموں کو دیکھے گا جن کا عقلیں اور سمجھیں احاطہ نہیں کر سکتیں اور لیکن یہ تین ارکان نماز اور حج اور شہادت (کلمہ طیبہ اگر چہ ظاہر میں حرکت ہیں لیکن دو حرکتوں میں کبھی ایک سکون روحی و جہمی ظاہر ہوتا ہے جو کہ اسکے صاحب کو فنا اور بقا کی طرف قوت اور مدد دیتا ہے اور لیکن روزہ ظاہر اور باطن سکون ہے اور دو سکونوں میں سے ایک حرکت اللہ سے اور ساتھ اللہ کے اور واسطے اللہ کے یہ پیدا ہوتی ہے اور یہی اطلاق تام اور حکم عام ہے پھر جبکہ یہ سماع منتشر ہو اور اس کے مراتب مشتمل حقائق ارکان پر ہیں مثل نماز اور حج کے اور دونوں شہادتیں اس کے مراتب ظاہر میں سے ہیں اور روزہ اور زکوٰۃ اور اس کے باطن کی طرف سے ہیں تو انسان کو سماع میں وہ کمالات حاصل ہوتے ہیں جو کہ اور عبادات کے مواظبت سے حاصل نہیں ہو سکتے ششم یہ کہ سماع مشتمل احوال کمالیہ پر ہے جو کہ اس میں نہایات مقامات ہیں اور سین سماع اشارہ کرتا ہے طرف سم کی یعنی بھید سماء کا مثل زہر کے ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی تعلقات غریبہ سے مر جاتا ہے اور وہ اس کو مقامات غیبیہ تک پہنچا دیتا ہے اور اس کا سیم اور عین اشارہ کرتا ہے معیت ذاتیہ آلہیہ کی طرف جیسے کہ فرمایا حضرت علیہ السلام نے کہ میرے واسطے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے اور اس کے سین اور میم اور الف مشعر ہیں اس امر کے صاحب سماع علوی ہو جاتا ہے اور مراتب سفلیہ سے نکل جاتا ہے اور اس کے الف اور میم اشارہ کرتے ہیں طرف ام کی تا کہ جانا جائے کہ صاحب سماع اصل ہر چیز کی ہے پس وہ غیب سے بسبب اپنی روحانیت کے مدد لیتا ہے اور دوسروں کو مراتب موجودات میں سے اس سے فیض پہنچاتا ہے اور علم جو اس کی طرف اشارہ کرنے والا ہے کملہ ماہی اور عین اور میم اس کی اشارہ کرتی ہیں طرف (ع م) کی یعنی صاحب سماع بسبب اپنی روحانیت کے علویات اور بسبب حیات قلب کے سفلیات اور اس کے سوا اور مراتب غیبیہ پر مشتمل ہے پس تحقیق کہ صاحب سماع ان مقامات آلہیہ تک پہنچاتا ہے جہاں تک کہ ہزاروں اجتہاد اور کامل تر ریاضتوں سے نہ پھنستا اور اسی طرح سماع کے فوائد انتہائے

فائدہ تک پھنتے ہیں جن کو کہ صاحب ذوق اور شہود پاتا ہے اور ہم اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی حمد پر ختم کرتے ہیں اور ہم کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ فرمایا جب میں کسی امر کا تم کو حکم دوں تو اس کو جہاں تک ہو سکے بجلاؤ۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم تسلیما

والحمد للہ رب العالمین یا اللہ یا رحمن یا حی یا قیوم۔

الحمد للہ تعالیٰ کہ ترجمہ لوارق السماع مصنفہ شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ تمام ہوا۔

فقط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آداب الاخلاق

یعنی

اخلاق محمدیؐ علیہ وسلم

مصنفہ

جناب امام ہمام حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ

اردو ترجمہ کتاب

آداب و اخلاق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آنحضرت ﷺ کے اخلاق و معجزات

جاننا چاہیے کہ ظاہری آداب باطنی آداب کے عنوان ہوتے ہیں اور اعضاء ظاہری کی حرکتیں دلی خیالات کا ثمر ہوا کرتی ہیں اور ظاہر اعمال باطنی اخلاق کے نتائج ہوتے ہیں اور اخلاق و آداب انجام معرفت ہیں اور اسرار باطنی اعمال و افعال کے منبع ہیں باطنی نور سے ہی دراصل ظاہری زینت و زیبائش حاصل ہوتی ہے اور اسی کی برکت سے ظاہری برائیاں خوبیوں سے بدل جاتی ہیں جس شخص کے دل میں خوف خدا نہیں ہوتا اس کے ظاہری اعضاء سے بھی خوف خدا معلوم نہیں ہوتا جس کا سینہ انوار الہی سے منور نہیں ہوتا اس کے ظاہری اعضاء پر بھی اخلاق و آداب نبوی کی چمک نظر نہیں آتی۔

میرا ارادہ تو یہ تھا کہ معاملات کے اختتام پر ایک باب تمام آداب زندگی کے بیان میں لکھ دوں لیکن جب میں نے سوچا کہ جلد اول و دوم کے ہر باب میں تھوڑے تھوڑے باب مذکور ہیں سو اگر ان کو دوبارہ لکھا جاوے تو مضمون مقرر ہونے کے باعث ناظرین کی طبائع پر گراں معلوم ہوگا اس لئے تمام آداب زندگی ذکر نہیں کیے گئے بلکہ صرف حضور ﷺ کے وہ اخلاق کریمہ ذکر کیے گئے ہیں جو صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیے گئے ہیں لیکن اسناد کو بوجہ طوالت ترک کر دیا گیا ہے اخلاق نبوی ﷺ کو یکجا جمع کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جناب سرور کائنات ﷺ کے اخلاق حمیدہ معلوم کر کے انسان کا ایمان تازہ اور مضبوط ہو جاوے کیونکہ حضور کی ایک عادت شریف ایسی ہے کہ جس سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ تمام مخلوقات سے برگزیدہ انسان ہیں جب ایک عادت شریف کا یہ حال ہے تو جس صورت میں تمام اخلاق

حسنی حضور کی ذات اقدس میں جمع ہوں اس صورت میں کیونکر آپ بہترین خلاق نہ ہوں گے۔
 اخلاق کے بعد آپ کے وہ معجزات ذکر کروں گا جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں تاکہ
 اخلاق حسنی کا بیان مکمل ہو جاوے اور منکروں کا پردہ غفلت دور ہو جاوے خدائے تعالیٰ سے التجا
 کہ وہ ہمیں تمام اخلاق و آداب اور تمام امور دینی میں حضور سراپہ نور کے اتباع کی توفیق عطا
 فرمائے وہی متھیروں کا رہنما اور بیقرار سالکوں کی دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔
 گو اخلاق نبوی کا ایک دریائے ناپیدا کنار ہے۔ لیکن تاہم ہم اس کو تیرہ بیانون میں
 تحریر کریں گے۔

پہلا بیان

اس امر میں کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے

آداب قرآنی سے مؤدب فرمایا

جناب رسالت مآب ﷺ بارگاہ الہی میں بے حد گریہ و زاری فرما کر یہ دعا مانگا کرتے
 تھے۔ ”اللهم احسن خلقي و خلقي“ یعنی خدایا میرا ظاہر و باطن اچھا کر دے نیز یہ
 دعا بھی کیا کرتے ”اللهم اجنبي منكرات الاخلاق“ یعنی اے اللہ مجھے بری
 عادتوں سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی یہ دعائیں قبول فرمائیں اور اپنے اس وعدہ کو پورا کیا
 ”ادعونی استجب لکم“ یعنی لوگو تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا
 چنانچہ آپ پر قرآن مجید نازل فرما کر اس کے ذریعہ آپ کو اخلاق و آداب کی تعلیم دی اسی لئے
 حضور پر نور ﷺ کی عادت ثانیہ تمام قرآن مجید ہو گیا تھا چنانچہ حضرت سعد بن ہشام سے روایت
 ہے کہ میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حضور انور ﷺ کے اخلاق و عادات
 کا حال دریافت کیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تو قرآن مجید
 پڑھتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں پڑھتا ہوں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ بس آنحضرت
 ﷺ کا خلق بعینہ قرآن مجید تھا۔

روایت کیا اس حدیث کو حضرت امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن مسعود اور عائشہ صدیقہ سے لیکن ان کے
 الفاظ یوں ہیں اللهم احسن خلقي فاحسن خلقي الہی تو نے مجھے خوبصورت بنایا ہے خوبصورت سیرت بھی بنا۔

حسب ذیل آیات قرآنی میں حضور پر نور ﷺ کو اخلاق و آداب کی تعلیم دی گئی ہے۔

”خذ العفو“

(۱) خذ العفو و امر بالمعروف و اعرض عن الجاهلین۔ یعنی اے پیغمبر ﷺ لوگوں کے تصور معاف کر دیا کرو ان کو نیکی کی ہدایت کیا کرو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔

(۲) ان الله يامر بالعدل والاحسان و ايتاء ذى القربى و ينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى۔ یعنی اللہ تعالیٰ انصاف احسان اور رشتہ داروں کو کچھ مال دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

(۳) اصبر على ما اصابك ان ذالك من عزم الامور۔ یعنی اے پیارے حبیب جو تکالیف و مصائب آپ کو پہنچے آپ ان کو صبر و استقلال سے برداشت فرمائیے کیونکہ ہمت کا کام یہی ہے۔

(۴) ”لمن صبر و غفر ان ذالك لمن عزم الامور“ یعنی جو شخص سب صبر و معافی اختیار کرے وہ بہترین انسان ہے کیونکہ صبر و معافی واقعی بڑی ہمت کا کام ہے۔

(۵) ”فاعف عنهم و اصفح ان الله يحب المحسنين“ یعنی اے پیغمبر آپ ان لوگوں کا تصور معاف فرمادیجیے اور ان سے درگزر کیجیے بیشک خدا تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے۔

(۶) ”و اليعفوا و الیصفحوا لا تحبون ان يغفر الله لكم“ ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ معاف اور درگزر کر دیا کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ خدا تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے۔

(۷) ”ادفع بالتي احسن فاذا الذين بينك و بينه عداوة كانه ولى حميم“ یعنی اے پیغمبر آپ لوگوں کو اچھا جواب دیا کریں اس سے آپ کے دشمن ایسے بن جاویں گے جیسے کوئی پکا دوست ہوتا ہے۔

(۸) ”الكاظمين الغيظ و العافين عن الناس۔ و الله يحب المحسنين“ یعنی اللہ کے بندے غصہ کو ضبط کر جاتے ہیں اور لوگوں کے تصور معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتے ہیں۔

(۹) ”اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً“ یعنی زیادہ بدگمانی مت کیا کرو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہوتی ہے اور کسی کی عیب جوئی بھی مت کیا کرو اور ناہی ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔

جنگ احد میں جب حضور انور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ کے سر مبارک پر سخت چوٹ آئی تو حضور کے چہرہ انور پر خون بہتا جاتا اور آپ خون کو پونچتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ ان لوگوں کا کیونکر بھلا ہوگا جنہوں نے اپنے نبی ﷺ کے چہرہ کو خون آلودہ کیا حالانکہ وہ نبی ان کو سیدھی راہ بتلاتا ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔

(۱۰) لیس لک من الامر شیء او یتوب علیہم او یعذبہم فانہم ظالمون۔ اے پیغمبر آپ کو کچھ اختیار نہیں اللہ تعالیٰ خواہ ان کو توبہ کی توفیق عطا کر دے خواہ انہیں عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کا مقصد اولین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو آداب اخلاق حسنیٰ کی تعلیم دے کر تمام مخلوقات کو آپ کے ذریعے ادب اور تہذیب سکھائی جاوے اسی لئے حضور نے فرمایا ہے کہ میں اخلاق حسنیٰ کی تکمیل کے لئے رسول ہو کر آیا ہوں پھر حضور اکرم ﷺ نے مخلوقات کو اخلاق حسنیٰ میں سے ان امور کی ترغیب دی جن کا ذکر ہم نے باب ریاضت نفس اور تہذیب اخلاق جلد ثالث میں کریں گے اس لئے ان امور کو یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاق حسنیٰ میں کامل و مکمل فرمایا تو تعریف و توصیف کے طور پر فرمایا ﴿وانک لعلی خلق عظیم﴾ یعنی اے ہمارے حبیب آپ اعلیٰ درجہ کے خوش اخلاق ہیں سبحان اللہ خدائے تعالیٰ کا کس قدر کرم و فضل ہے کہ خود ہی اپنے پیارے حبیب کی تعریف فرماتا ہے کہ اے پیغمبر آپ کے اخلاق نہایت اعلیٰ ہیں حضور نے تمام دنیا کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اچھے اخلاق پسند ہیں اور برے اخلاق ناپسند حضرت علی کرم فرماتے ہیں کہ افسوس ہے اس مسلمان پر جس کے پاس کوئی دوسرا مسلمان کسی حاجت کے

اروایت کیا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے۔

اروایت کیا اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت سہل بن سعد سے۔

لئے آوے اور وہ اس کی کچھ بھلائی بھی نہ کر سکے اگر اس کو ثواب کی امید وار عذاب کا ڈرنا بھی ہو تو بھی اس کو یہ تو لازم ہے کہ اخلاق حسہ سے پیش آوے کیونکہ اخلاق حسہ ہی سے نجات حاصل ہوتی ہے کسی شخص نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ یہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے کیا یہ آپ نے حضور ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے حضور سے علاوہ اس کے ایک اور بات بھی سنی ہے جو اس سے بھی بہتر ہے وہ یہ کہ جب حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں قبیلہ بنی طے کے قیدی گرفتار ہو کر آئے تو ان میں ایک لڑکی بھی تھی اس نے حضور سے عرض کیا کہ اگر آپ مصلحت سمجھیں تو مجھے معاف فرمادیں تاکہ قبائل عرب کو مجھ پر ہنسی کا موقع نہ مل سکے کیونکہ میں اپنی قوم کے سردار کی لڑکی ہوں میرے والد ماجد کا یہ شیوا تھا کہ وہ اپنی قوم کی حمایت کیا کرتا تھا قیدیوں کو رہا کر دیا کرتا تھا بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا اور لوگوں سے بکثرت سلام کیا کرتا تھا انہوں نے کبھی کسی حاجت مند کو مایوس نہیں پھیرا یعنی میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بیٹی یہ تو عادتیں ایمان داروں کی ہیں اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ان عادات کی بنا پر ہم اس پر درود سلام بھیجتے یہ فرما کر حکم دیا کہ اس لڑکی کو رہا کر دو کیونکہ اس کا باپ اخلاق حسنی سے موصوف تھا اور اللہ تعالیٰ خوش اخلاق لوگوں کو پسند فرماتا ہے حضور نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جنت میں خوش اخلاق ہی داخل ہونگے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دو چیزوں میں منحصر کر دیا ہے ایک اخلاق حسنی دوسرے نیک اعمال میں جملہ اخلاق حسنی و اعمال صالح کے حسب ذیل امور ہیں۔

- (۱) آپس میں محبت سے رہنا۔ (۲) اچھے کام کرنا (۳) لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا (۴) خیرات کرنا (۵) کھانا کھلانا (۶) سلام کثرت سے کرنا (۷) مسلمانوں کی بیمار پرسی کرنا (۸) مسلمان خواہ نیک ہو یا بد اس کے جنازہ کے ساتھ جانا (۹) ہمسایہ خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کے ساتھ محبت سے رہنا (۱۰) بوڑھے مسلمانوں کی تعظیم کرنا (۱۱) اگر کوئی دعوت کرے تو اسے قبول کرنا (۱۲) دوسروں کی دعوت کرنا (۱۳) لوگوں کے قصور معاف کرنا (۱۴) لوگوں میں صلح و اہن قائم رکھنا (۱۵) سخاوت کرنا (۱۶) دوسرے کو پہلے سلام کرنا (۱۷)

اکیا اس حدیث کو حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر میں تھوڑی سے ضعیف سند سے۔

۱۲ اس حدیث کا حوالہ مجھے معلوم نہیں ہوا اور دوسری روایت جو حضرت جنبل بن جبل سے آگے آتی ہے اس کے سامنے اس کی ضرورت بھی نہیں۔

غصہ کو پی جانا (۱۸) لوگوں سے درگزر کرنا (۱۹) جو چیزیں اسلام میں حرام ہیں ان سے بچنا مثلاً کھیل، تماشہ راگ، ہلبہ، سارنگی، وغیرہ آلات لہو لعب بغض و کینہ عیب کی ہر ایک بات، غیبت، جھوٹ، بخل، کنجوسی، دغا، فریب، بد تہذیبی، چغلی، باہم جنگ و جدال رکھنا رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا، بد مزاجی تکبر و غرور گالی گلوچ و فحش باتیں کرنا اور سننا، بد فالی، شگون بد لینا، سرکشی، حد سے گزرنا، ظلم و ستم کرنا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسی کوئی عمدہ نصیحت نہیں چھوڑی جو ہمیں نہ بتلائی ہو اور نہ کوئی ایسا عیب چھوڑا جسے ہمیں ڈرایا یا منع کیا ہو اجمالی طور پر یہ سب باتیں (جو اوپر مذکور ہوئیں اس آیت میں آجاتی ہیں)

﴿ان الله يامر بالعدل والاحسان وايتاء ذالقربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى﴾ یعنی اللہ تعالیٰ انصاف احسان اور رشتہ داروں کو کچھ مال دینے کا حکم کرتا ہے اور بیجیائی اور برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ جناب سرور عالم ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ اسے معاذ میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا سچ بولا کر۔ وعدہ کو پورا کیا کر۔ امانت کو ادا کیا کر۔ امانت میں خیانت نہ کیا کر ہمسایہ کا لحاظ رکھا کر۔ یتیموں پر رحم کیا کر۔ لوگوں کے ساتھ نرمی سے گفتگو کیا کر۔ اور لوگوں کو سلام بہت کیا کر۔ نیک عمل کیا کر۔ لمبی امید دل میں نہ ٹھانا کر ایمان پر ثابت قدم رہ۔ قرآن مجید کی سمجھ پیدا کر۔ آخرت کی محبت رکھ۔ حساب قیامت سے ڈرتا رہ۔ تواضع اختیار کر۔ نیز میں تجھے منع کرتا ہوں کہ کسی دانا اور عقلمند شخص کو گالی مت دینا اور سچے کو جھوٹا مت کہنا کسی گنہگار کی اطاعت مت کرنا۔ اور بادشاہ عادل کی نافرمانی مت کرنا۔ فتنہ و فساد نہ کرنا۔ نیز میں تجھے نصیحت کرتا ہوں۔ کہ خدا سے ڈرتا رہو۔ خواہ (تو اتنا مفلس ہو کہ) تیرے پاس بجز پتھر ڈھیلے اور درخت کے اور کوئی چیز نہ ہو ہر گناہ پر تازہ اور نئی توبہ کرنا پوشیدہ گناہوں کی پوشیدہ اور ظاہر گناہوں کی ظاہر توبہ کرنا الغرض سرکارِ دو عالم ﷺ نے مکمل طور پر دنیا کو اخلاق و آداب اور اعمالِ صالحہ کی دعوت و تبلیغ کی اور ان کو بلا ادب بنانے کی سعی بلیغ کی۔

اس حدیث کی سند مجھے دستیاب نہیں ہوئی لیکن مضمون حدیث بالکل صحیح ہے۔

۲ روایت کیا اس حدیث کو امام ابو نعیم نے کتاب الحلیہ میں اور امام بیہقی نے کتاب الزہد میں۔

دوسرا بیان

حضور انور ﷺ کے ان اخلاق حمیدہ کے ذکر میں

جو بعض علماء نے احادیث سے منتخب کیئے ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں سے زیادہ نرم مزاج، سب ۲ سے زیادہ بہادر ۳ اور سب سے زیادہ پارسا تھے کسی غیر عورت کو آپ کا دست مبارک کبھی میں لگا آپ ۵ سب سے زیادہ سخی تھے یہاں ۶ تک کہ رات کو آپ کے پاس ایک دھیلا بھی باقی نہیں رہتا تھا اگر اتفاقاً کچھ بچ بھی جاتا اور رات تک کوئی محتاج نہ آتا تو اس وقت تک آپ اپنے دولت خانہ میں تشریف نہیں لاتے تھے جب تک کہ کسی حاجتمند کو وہ بچا ہو مال دے نہ چکتے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ مال دے رکھا تھا آپ اس میں سے سوائے اپنی غذا یا دیگر اشد ضروری اخراجات کے اور کچھ نہیں لیتے تھے غذا بھی نہایت ارزاں کھجوروں اور جو کی ہوتی تھی۔ باقی مال راہ خدا میں خرچ کر دیتے تھے۔

حضور ﷺ سے جو کوئی چیز مانگتا آپ اسے عطا فرمادیتے پھر آپ ۹ اپنے سال بھر

۱ اس حدیث کو روایت کیا امام ابو الشیح نے کتاب الاخلاق میں حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر سے مرسلہ اور امام ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن سلام سے ایک لمبی حدیث کے ضمن میں۔

۲ راوی حدیث بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

۳ راوی ترمذی بروایت علیؓ کتاب شمائل ترمذی۔

۴ بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ۔

۵ بخاری و مسلم بروایت ابن عباسؓ۔

۶ ابو داؤد بروایت بلالؓ اور بخاری میں بروایت عتبہ بن الحارث اسی کا قریب ایک اور مضمون ہے۔

۷ بخاری و مسلم بروایت عمر فاروقؓ۔

۸ روایت کیا اس حدیث کو طیالسی و دارمی نے سہل بن سعد سے اور بخاری و مسلم نے بروایت انسؓ و جابرؓ

اس مضمون کو مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے۔

۹ یہ مضمون ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی کی ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے جو حضرت ابن۔ بقیہ ماشیہ آئندہ مطبوعہ پر

کے خرچ میں سے بھی راہ خدا میں دیا کرتے اور سائلوں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے حتیٰ کہ اگر آپ کے کوئی نیا خرچ نہ آتا تو وہ معینہ خرچ سال ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا۔ آپ اپنا جو تا خود ہی گانٹھ لیا کرتے اور خود ہی اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیا کرتے اور اپنے گھر کا کام بھی خود ہی کر لیتے تھے چنانچہ ۲ ازواج مطہرات (بیویوں) کے ساتھ گوشت کاٹتے حضور ۳ سے سب سے زیادہ جبار تھے کسی کے چہرہ پر آپ کی نظر نہیں جمتی تھی آزاد ۴ و غلام ہر (ہر چھوٹے بڑے) کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے ۵ اور جو کوئی ہدیہ (تحفہ) حضور کی خدمت اقدس میں پیش کرتا اس کو بخوشی قبول فرمایا لیتے خواہ وہ ہدیہ دودھ کے ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران کے برابر ہی کیوں نہ ہو ہدیہ کا احسان ضرور اتار دیتے یعنی ہدیہ کے بدلے میں ہدیہ دیتے ہدیہ کو تناول فرمایا لیتے لیکن صدقہ و خیرات کا مال نہیں کھاتے تھے لونڈی اور مسکین کی دعوت قبول فرمانے سے کچھ عار نہ کرتے ان کے ساتھ تشریف لے جاتے اللہ تعالیٰ کے خاطر لوگوں پر غصے ہوتے لیکن اپنے لئے ان پر غصہ نہیں فرماتے تھے حق کی اشاعت فرماتے تھے خواہ اشاعت حق میں آپ کا اور آپ کے صحابہ کرام کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جاتا بعض مشرکوں نے حضور سے درخواست کی کہ کیا ہم آپ کے حامی و مددگار ہو کر آپ کے مخالف دشمنوں سے بدلہ لیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں مشرکوں سے مدد نہیں لیتا حالانکہ حضور کے پاس اس وقت آدمیوں کی اس

بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ..... عباس سے مروی ہیں یعنی جب آپ نے وصال فرمایا ہے اس وقت آپ کی زرہ مبارک بیس قمع جو کہ عوض گرد تھی یہ جو حضور نے اپنے گھر والوں کی خوراک کے لئے قرض لئے تھے یہی مضمون بخاری میں بروایت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے۔

۱۔ راوی احمد بن حنبل بروایت عائشہ

۲۔ احمد بن حنبل بروایت عائشہ اور بخاری و مسلم میں بروایت عبدالرحمن بن ابی بکر ایک حدیث کے ضمن میں مذکور ہے۔

۳۔ بخاری و مسلم بروایت ابوسعید خدری بالفاظ دیگر

۴۔ ترمذی و ابن ماجہ بروایت انس

۵۔ ہدیہ اور اس کا بدلہ دینا بخاری میں بروایت عائشہ مذکور ہے اور دودھ کا ہدیہ منظور کرنا بخاری و مسلم میں بروایت ام الفضل منقول ہے اور خرگوش کی ران کا ہدیہ قبول کرنا بخاری و مسلم میں بروایت انس آیا ہے۔

۶۔ بخاری و مسلم میں بروایت ابی ہریرہ

قدر قلت (کمی) تھی کہ اگر ایک ساتھی بھی حضور کے ساتھیوں میں شامل ہو جاتا تو وہ بھی غنیمت تھا۔

ایک نہایت اعلیٰ القدر صحابیؒ کو یہودیوں نے قتل کر ڈالا لیکن حضور ﷺ نے ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں فرمائی بلکہ اس مقتول کی دیت (بدلہ) سواونٹیاں دیدیں حالانکہ اس وقت صحابہ کرامؓ کو اونٹنیوں کی اس قدر اشد ضرورت تھی کہ ایک اونٹ سے بھی ان کا بہت سا کام نکلتا تھا نیز حضور ﷺ بھوک کی تکلیف سے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے جو مل ۳ جاتا وہی تناول فرمالتے اور جو موجود ہوتا اس کو رد بھی نہیں کرتے تھے حلال اشیاء کے کھانے سے پرہیز نہیں کرتے تھے اگر روٹی نہ ملتی تو صرف کھجوروں پر ہی اکتفا کر لیتے بھنا ہوا گوشت مل جاتا تو اس کو بھی کھا لیتے اور اگر گیہوں یا جو کی روٹی مل جاتی تو اسے بھی نوش جان فرمالتے اگر شہد یا کوئی اور میٹھی چیز مل جاتی تو اس کو بھی تناول فرمالتے اگر روٹی نہ ہوتی اور صرف دودھ مل جاتا تو اس کو ہی پی کر گزارا کر لیتے خر بوزہ ۴ یا کھجوریں مل جاتیں تو وہی کھا لیتے تکیہ لگا کر نہ کھاتے اور نہ (میز وغیرہ) اونچی جگہ رکھ کر کھانا تناول فرماتے آپ ﷺ اپنے پاؤں مبارک کے تلوؤں سے رومال کا کام لے لیتے (یعنی ان سے اپنے ہاتھ پونچھ لیتے) حضور ﷺ نے تمام عمر بھر متواتر تین دن تک پیٹ بھر کر گیہوں کی روٹی تناول نہیں فرمائی یہ سب تکلیفیں مفلسی اور ناداری کے باعث برداشت نہیں کرتے تھے (باوجود سب کچھ موجود ہونے کے) محض اپنے نفس کو مغلوب رکھنے کے لئے

۱۔ بخاری و مسلم بروایت سہل بن ابی خثیمہ و رافع بن خدیج اور جس صحابیؒ کو یہودیوں نے قتل کر ڈالا تھا ان کا نام عبد اللہ بن سہل انصاری تھا۔

۲۔ بخاری و مسلم جابرؒ۔

۳۔ آپ کے یہ سب اخلاق مشہور و معروف ہیں چنانچہ ترمذی میں بروایت ام ہانی خشک روٹی کا کھانا اور بروایت ام سلمہؓ بھنے ہوئے گوشت کا کھانا اور بروایت ابن عباسؓ جو کی روٹی کا کھانا اور بخاری و مسلم میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور کا حلوی اور شہد کو پسند فرمانا اور متواتر تین دن تک گیہوں کی روٹی نہ کھانا منقول ہے اور نسائی میں بروایت عائشہ صدیقہؓ خر بوزہ کا کھانا مروی ہے۔

۴۔ اس کی سند کھانا کھانے کے آداب کے پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔

۵۔ یہ فعل حضور ﷺ کا مشہور نہیں ہے بلکہ ابن ماجہ نے بروایت جابرؒ ذکر کیا ہے کہ ہم آپ کے عہد مبارک میں یوں کیا کرتے تھے (حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا)۔

۶۔ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

اختیاری طور پر تکلیفیں اٹھاتے تھے ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے تھے بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے جنازہ کے ساتھ تشریف لے جاتے دشمنوں میں تنہا بغیر کسی پہرے کے پھرتے آپ ۳ سب سے بڑھ کر متواضع اور باوقار تھے آپ نہایت فصیح و بلیغ تھے کلام بھی مغرورانہ نہیں فرماتے تھے آپ ۴ خندہ پیشانی تھے کسی ۵ دنیاوی چیز سے آپ زیادہ خوش نہیں ہوتے تھے جو کچھ ۶ پہننے کو مل جاتا وہی پہن لیتے کبھی چھوٹا کمبل اور یمن کی قیمتی چادر اور کبھی حلال مال سے بنا ہوا صوف کا جبہ پہن لیا کرتے تھے حضور کے چاندی کی انگوٹھی داہنے یا بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں پہنا کرتے اپنے پیچھے ۸ اپنے غلام یا کسی دوسرے شخص کو سوار کر لیا کرتے جو سواری ۹ وقت پر مل جاتی اسی پر سوار ہو جاتے کبھی گھوڑے پر، کبھی اونٹ پر، کبھی سبز خچر پر، اور کبھی دراز گوش پر، کبھی پیادہ اور برہنہ پاء، چادر پگڑی اور ٹوپی کے بغیر ہی چل کر مدینہ منورہ کے پرلہ کنارہ پر بیماروں کی ایسے فعل حضور ﷺ کا مشہور ہے اور ابھی گزر چکا ہے۔

۲ ترمذی اور حاکم نے بروایت عائشہ صدیقہ نقل کیا ہے کہ جب آیت ﴿وَاللّٰهُ يَعْصَمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ اتری تو آپ کسی کو اپنے پاس آنے سے منع نہیں فرماتے تھے۔

۳ ابوالحسن علی بن ضحاک نے ان الفاظ سے اپنی کتاب الشمائل میں نقل کیا ہے اور نسائی، ابن ماجہ، ابو داؤد میں آپ کی سیرت تو اضع کے متعلق کئی احادیث آئی ہیں۔

۴ ترمذی بروایت علی مرتضیٰ و شامی خود۔

۵ احمد بروایت عائشہ صدیقہ۔

۶ بخاری میں بروایت سہل بن سعد شملہ کا پہننا اور بخاری و مسلم میں بروایت انس یعنی چادر کا پہننا اور اس کو پسند خاطر فرمانا اور بروایت مغیرہ بن خثیمہ جبہ صوف پہننا مذکور ہے۔

۷ بخاری و مسلم میں بروایت انس چاندی کی انگوٹھی اور مسلم میں حضور ﷺ کا چاندی کی انگوٹھی کو اپنے داہنے یا بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں پہننا مذکور ہے۔

۸ بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباس اپنے آزاد کردہ غلام حضرت اسامہ اور فضل بن عباس اور معاذ بن جبل کو اپنے پیچھے سوار کرنا ثابت ہے۔

۹ مسلم میں بروایت جابر و سہل بن سعد حضور کا گھوڑے پر سوار ہونا ثابت ہے اور بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباس و حجۃ الوداع میں آپ کا شتر پر سوار ہونا اور بروایت تبراء خچر پر سوار ہونا اور بروایت اسامہ گدھے پر سوار ہونا اور بروایت ابن عمر قبائیل پیادہ سوار تشریف لے جانا مذکور ہے اور مسلم میں بروایت ابن عمر حضرت سعد بن عبادہ کی بیمار پرسی کو بغیر سواری اور جوتی اور ٹوپی کے جانا منقول ہے۔

بیماری کرنے جاتے آپ کو خوشبو پسند اور بد بو ناپسند تھی فقیروں ۲ اور غریبوں کے ساتھ آپ مجلس کرتے مسکینوں ۳ کو کھانا کھلاتے خوش اخلاق ۴ لوگوں کی تعظیم و تکریم فرماتے شرفاء کے ساتھ نیک سلوک کر کے ان کا دل خوش کرتے رشتہ داروں سے بہت میل ملاپ رکھتے مگر یہ نہیں کہ ادنیٰ کو اعلیٰ پر ترجیح دیدیں بلکہ درجہ بدرجہ ہر ایک سے تعلقات کا سلسلہ جاری رکھتے کسی ۶ پر جو رو جفا نہ فرماتے عذرے خواہ کا عذر قبول فرما لیتے حضور ۸ دل لگی اور مذاق کے طور پر بھی کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے آپ ۹ مسکراتے تھے قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے جائزہ ۱۰ کھیل کو خود بھی دیکھتے اور دوسروں کو بھی منع نہ فرماتے خوش طبعی ۱۱ اور کھیل کے طور پر اپنے حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہ سے دوڑ لگاتے تاکہ یہ معلوم ہو کہ کون آگے نکل جاتا ہے آپ کے ۱۲ کے رو برو شور و غل

انسانی نے بروایت انسؓ اور ابوداؤد حاکم نے بروایت عائشہ صدیقہ حضور ﷺ کا خوشبو کو پسند فرمانا اور عدیٰ نے بروایت عائشہؓ آپ کا بد بو کو ناپسند کرنا ذکر کیا ہے

۲ ابوداؤد بروایت ابوسعیدؓ

۳ بخاری بروایت ابوہریرہؓ

۴ ترمذی و ریشمال خود بروایت علی مرتضیٰؓ

۵ حاکم نے بروایت ابن عباسؓ ذکر کیا ہے کہ آپ حضرت عباس کی تعظیم و تکریم ایسی کرتے جیسی اپنے باپ کی اور بروایت سعد بن ابی وقاصؓ روایت کیا ہے کہ حضرت عباس وغیرہ کو سجدے سے نکال دیا تھا لیکن حضرت علی مرتضیٰ کو نہیں نکالا تھا کیونکہ وہ چھوٹوں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور بخاری و مسلم میں بروایت ابوسعیدؓ سے منقول ہے کہ سوائے صدیق اکبرؓ کے خوخی کے اور کوئی خوخی مسجد میں نہ رہ پائے۔

۶ ابوداؤد اور ترمذی اور شمائل خود نسائی در یوم ولیلہ بروایت انسؓ

۷ بخاری و مسلم بروایت کعب بن مالکؓ

۸ احمد بن حنبل بروایت ابوہریرہؓ

۹ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ اور ترمذی بروایت عبداللہ بن الحارث۔

۱۰ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ

۱۱ ابوداؤد ابن ماجہ و نسائی و کبریٰ بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۱۲ بخاری بروایت عبداللہ بن زبیرؓ یا ایہا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم، کی شان نزول۔

ہوتا تو بھی آپ صبر سے کام لیتے آپ کے پاس ایک اونٹنی اور ایک بکری دودھ دیتی تھی جن کا آپ اور آپ کے اہل و عیال دودھ پیا کرتے تھے حضور کی لونڈیاں اور غلام بھی تھے آپ ان کو وہی کھلاتے پہناتے جو خود اور آپ کے اہل و عیال کھاتے پہنتے تھے۔

حضور پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرتا تھا کہ جس میں آپ اللہ تعالیٰ کا کام کرتے ہوں یا اپنے نفس کے لئے کوئی ضروری امر نہ کرتے ہوں حضور اپنے اصحاب کرام کے باغات میں سیر کے لئے تشریف لے جاتے کسی غریب ۵ اور محتاج کو اس کی غربت اور ناداری کے باعث حقیر نہیں جانتے تھے اور نہ ہی کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہت کی وجہ سے مرعوب ہوتے تھے بلکہ امیروں اور غریبوں کو یکساں طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ میں اخلاق حسنہ اور سیاست تامہ کوٹ کوٹ کر بھر دیے تھے آپ امی (بے پڑھے) تھے نہ کسی سے آپ نے کچھ پڑھا اور نہ لکھا جہالت کے ملک میں غربت اور یتیمی کی حالت میں پیدا

۱۔ محمد بن سعد طبقات بروایت ام سلمہ اور بخاری و مسلم نے حضور ﷺ کے پاس شیردار اونٹنی کا ہونا بروایت سلمہ بن الاکواع ذکر کیا ہے اور ابو داؤد نے آپ کے پاس دودھیلی بکری کا ہونا بروایت لقیط بن جبیرہ ذکر کیا ہے۔

۲۔ محمد بن سعد طبقات بروایت سلمیٰ اور مسلم میں بروایت ابوالسیر اس طرح لکھا ہے "اطعموہم مما تاکلون والبسوہم مما تلبسون" یعنی حضور نے لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ خود کھاؤ اور پہنو وہی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو کھلاؤ اور پہناؤ

۳۔ روایت کیا اس مضمون کو ترمذی نے شامل ترمذی میں حضرت علی مرتضیٰ سے اس ضمن میں کہ حضور ﷺ نے اپنے اوقات کے تین حصے کر رکھے تھے۔

۴۔ کھانا کھانے کے آداب کی تیسری فصل میں حضور کا ابی ہیشم اور ابویوب انصاری کے باغ میں تشریف لے جانا مذکور ہوا۔

۵۔ بخاری میں اہل بن سعد سے یہ قصہ روایت کیا گیا ہے کہ حضور کے سامنے سے ایک دولت مند آدمی گذرا آپ صحابہ کرام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو صحابہ نے عرض کیا کہ اگر یہ شخص نکاح کا پیغام قبول کرے تو اس کا نکاح کیا جاوے دوسرا شخص مفلس اور غریب گزرا اس کی بابت حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلے (امیر شخص سے بہتر ہے) اور مسلم میں بروایت انس آپ کا دعوت و تبلیغ کا خط قیصر و کسریٰ اور نجاشی کی طرف ارسال فرمانا مذکور ہے

ہوئے جنگلوں میں بکریاں چرایا کرتے تھے بچپن ہی میں حضور کے سر سے والدین کا سایہ عاطفت اٹھ گیا تھا مگر با اہنہمہ اللہ تعالیٰ نے جناب سرور عالم ﷺ کو بہترین اخلاق حسنیٰ سے آراستہ کیا گلے اور پچھلے لوگوں کے حالات بتلائے اور جن باتوں سے قیامت کے روز نجات حاصل ہوتی ہے اور دنیا میں لوگ ان پر رشک کرتے ہیں واجبات پر ثابت قدم رہنا فضول اور واہیات امور سے اجتناب کرنا ایسی ایسی دینی و دنیوی فلاح و بہبودی کی تمام باتیں حضور کو تعلیم فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ آپ کے احکام کی اطاعت کریں اور آپ کے اخلاق و اعمال کی پیروی کریں۔ آمین ثم آمین۔

تیسرا بیان

سرور کائنات ﷺ کے ان اخلاق و آداب

کے ذکر میں جو حضرت ابوالبختری نے روایت کیئے ہیں

حضور اعلیٰ علیہ السلام نے جس مؤمن کو شاذ و نادر طور پر بھی گالی دی۔ تو اس کے ساتھ ہی اس کے لئے دعا بھی کر دی تاکہ اس کے حق میں گناہوں کا کفارہ اور باعث رحمت ہو آپ نے عورتوں نوکروں اور خادموں کو بھی کبھی لعنت نہیں کی حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں اثنائے جنگ میں عرض کیا گیا مناسب یہ ہے کہ آپ دشمنوں پر لعنت فرمادیں آپ نے جواب دیا کہ میں رحمت کے لئے بھیجا گیا ہوں نہ لعنت کے لئے۔ جب کبھی آپ سے عرض کی جاتی کہ آپ کسی مسلمان یا کافر کے لئے بددعا کیجئے تو حضور بجائے بددعا کے دعاء خیر فرماتے آپ

بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ

۲ اور بخاری میں بروایت انسؓ مروی ہے کہ ”لم یکن فحاشا ولا تعانا“ یعنی نہ حضور بدکلام تھے اور نہ کسی پر لعنت کرتے تھے۔

۳ مسلم بروایت ابو ہریرہؓ

۴ بخاری و مسلم میں بروایت ابو ہریرہؓ یوں مذکور ہے کہ لوگوں نے حضور سے قوم دوس کے لئے بددعا کرنے کی درخواست کی تھی لیکن آپ نے بجائے بددعا کے ان کی ہدایت کی دعا مانگی۔

انے سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے کبھی کسی پر وار نہیں کیا حضور ﷺ نے سوائے اس صورت کے دین الہی کی بھرتی ہو کبھی کسی سے برائی کا انتقام اور بدلہ نہیں لیا جب ۲ کبھی حضور انور ﷺ کو دو باتوں کا اختیار ملتا تو آپ امت کی آسانی کے لئے آسان بات کو پسند فرماتے بشرطیکہ اس آسان امر میں گناہ یا رشتہ داری سے قطع تعلق کا خطرہ نہ ہو کیونکہ ان دو باتوں سے حضور بہت زیادہ اجتناب فرمایا کرتے تھے جب ۳ آپ کی خدمت اقدس میں کوئی آزاد یا غلام لونڈی کسی حاجت کے لئے حاضر ہوتے تو آپ ان کی حاجت روئی کیلئے مستعد ہو جاتے حضرت ۴ انسؓ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آنحضرت ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ حضور کو جو بات میری طرف سے بری معلوم ہوتی آپ نے اس کی نسبت مجھے یوں کبھی نہ فرمایا کہ تو نے ایسی بات کیوں کی اور جب کبھی اپنے گھر والوں میں سے کسی نے مجھے کسی قصور پر ملامت کی تو آپ نے یہی ارشاد فرمایا کہ اسے کچھ مت کہو جو تقدیر میں ہونا تھا سو ہو گیا حضور ﷺ نے کبھی خواب گاہ پر عیب نہیں دھرا اگر بچھونا بچھا دیا تو اس پر لیٹ گئے ورنہ زمین پر ہی لیٹ جاتے اللہ تعالیٰ نے حضور کے اوصاف تورات میں اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ میرا برگزیدہ بندہ ہے نہ وہ بدمزاج ہے نہ سخت طبیعت نہ وہ بازاروں میں چلاتا ہے نہ برائی کے بدلہ برائی کرتا ہے بلکہ معاف اور درگزر کر دیتا ہے اس کی جائے پیدائش مکہ معظمہ اور مقام ہجرت مدینہ منورہ ہے اس کا ملک شام میں ہے وہ اور اس کے اصحاب

بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ تھوڑے سے اخلاق کے ساتھ یہ مضمون باب آداب کی فصل سوم میں بھی گزر چکا ہے

۲ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ ذرا سے اختلاف کے ساتھ۔

۳ یہ حدیث بخاری میں بروایت انسؓ معلق طور پر ثابت ہے اور ابن ماجہ میں بروایت انسؓ موصول طور پر مذکور ہے۔

۴ بخاری و مسلم نے بروایت انسؓ پہلا فقرہ روایت کیا ہے۔ اور ابوالشیخ نے بروایت انسؓ ساری کی ساری حدیث ذکر کی ہے۔

۵ اس حدیث کی سند اعیان العلوم کے الفاظ میں نہیں ملی۔ مگر ترمذی نے شمائل میں بروایت علی مرتضیٰؓ و لاعیاب ذکر کیا ہے۔ اس کے عام معنوں میں اس حدیث کا مضمون بھی آ گیا ہے اور چٹائی پر حضور کا لیٹنا بخاری و مسلم میں بروایت عمر فاروقؓ اور ترمذی میں بروایت ابن مسعودؓ مذکور ہے۔

” (ساتھی) تہندہ پاندھتے ہیں قرآن اور علم دینی کے حافظ ہیں اور وضو میں ہاتھوں اور پاؤں کو دھوتے ہیں۔ انجیل میں بھی اسی طرح کے اوصاف محمدی مذکور ہیں۔ آپؐ کی عادت مبارک تھی کہ جب آپؐ کسی سے ملتے تو پہلے خود سلام کرتے۔ جو شخص ۲ آپؐ کو کسی کام کیلئے ٹھہراتا تو جب تک وہ شخص خود نہیں چلا جاتا تھا جب تک آپؐ بدستور اس کے پاس کھڑے رہتے۔ جو کوئی آپؐ کا دست مبارک پکڑ لیتا تو آپؐ اس سے اپنا ہاتھ نہیں چھوڑاتے تھے۔ جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دیتا۔ جب آپؐ اپنے کسی صحابی سے ملتے تو اول مصافحہ کرتے پھر اس کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر خوب مضبوطی سے پھینچتے۔ آپؐ ۵ کھڑے بیٹھے ذکر الہی میں مشغول رہتے اگر حضور کے نماز پڑھتے ہوئے کوئی شخص آپؐ کے پاس آ بیٹھتا۔ تو آپؐ جلدی سے نماز ختم کر کے اس سے دریافت فرماتے کہ بھئی کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟ اگر کوئی کام ہوتا تو اس ۶ کے کام سے فارغ ہو کر پھر نماز پڑھنے لگ جاتے۔ آپؐ عموماً اس طرح بیٹھا کرتے تھے کہ دونوں پنڈلیاں کھڑی کر کے ان کے گرد دونوں ہاتھ گوٹ مارنے کی طرح پکڑ لیتے۔ آپؐ ۸ کے اصحاب بھی حضور کی طرح ہی بیٹھا کرتے تھے۔ آپؐ ۹ کو بیٹھنے کے لئے جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے تھے کبھی کسی کو یہ موقع دیکھنے میں نہیں آیا کہ حضور نے باوجود تنگی مکان کے مجلس اصحاب میں پاؤں پھیلائے ہوں۔ ہاں اگر جگہ وسیع و فراخ ہوتی اور کسی کو پاؤں پھیلانے میں تکلیف بھی نہ ہوتی تو آپؐ پاؤں پھیلانے میں کچھ مزائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ آپؐ اکثر قبلہ رخ ہو کر بیٹھا

۱۔ ترمذی بروایت ابن ابی ہالہ۔

۲۔ ابو نعیم بروایت علی مرتضیٰ۔ اور دلائل النبوة۔

۳۔ ترمذی ابن ماجہ بروایت انس۔

۴۔ ابوداؤد نے بروایت ابو مصافحہ اور حاکم نے بروایت ابو ہریرہ تشبیک (انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا) نقل کی ہے۔

۵۔ ترمذی اور شمائل بروایت علی مرتضیٰ۔

۶۔ اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی۔

۷۔ ابوداؤد و ترمذی بروایت ابوسعید خدری اس کی سند ضعیف ہے۔

۸۔ ابوداؤد و نسائی بروایت ابو ہریرہ۔

۹۔ ترمذی و شمائل بروایت علی مرتضیٰ۔

۱۰۔ ادار قطنی بروایت انس ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے کہ حدیث دراصل حدیث نہیں ہے۔

کرتے تھے جو کوئی آپ کے پاس آتا آپ اس کی تعظیم و تکریم فرماتے۔ حتیٰ کہ جن لوگوں سے آپ کی کوئی رشتہ داری اور دودھ پینے کا تعلق بھی نہ ہوتا ان کے لئے بھی آپ چادر بچھا دیتے۔ اور اس پر ان کو بٹھلاتے۔ آپ آنے والے مہمان کے لئے اپنا تکیہ مبارک نکال کر دیدیتے۔ اگر وہ لینے سے انکار کرتا تو آپ قسم دے کر اس شخص کو تکیہ ضرور ہی دیدیتے جس کسی سے آپ ۳۱ محبت سے پیش آتے وہ یہی سمجھتا تھا کہ آپ اس پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ اپنے ہر ایک ملنے والے کی طرف توجہ فرماتے حتیٰ کہ نشست و برخاست، گفتگو، خوش طبعی سب میں حصہ لیتے آپ کی مجلس نہایت باحیاء پر تواضع اور رازداری کی ہوا کرتی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ”فبما رحمة لنت لهم ولو كنت فظاً غليظ القلب لا انفضتوا من حولك“ یعنی اے پیغمبر یہ محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ لوگوں کے حق میں آپ نہایت نرم دل ہیں۔ اگر آپ سخت گو اور سخت دل ہوتے تو سب لوگ آپ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے۔ حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام کو ان کی دل جوئی کی خاطر نام لے کر نہیں پکارتے تھے بلکہ کنیت سے پکارا کرتے تھے۔ جس کی کوئی کنیت نہ ہوتی اس کی کنیت آپ خود مقرر فرما دیتے۔ اسی کنیت سے لوگوں میں وہ شخص پکارا جاتا تھا۔

۱۔ حاکم بروایت انسؓ۔

۲۔ اس کی سند باب آداب صحبت کی فصل سوئم میں گزر چکی ہے۔

۳۔ ترمذی نے شمائل میں بروایت علی مرتضیٰؓ ایک ایسی حدیث کے ضمن میں مختلف الفاظ سے یہ مضمون نقل کیا ہے۔

۴۔ بخاری مسلم میں قصہ غار میں یہ مذکور ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی کنیت حضور نے ابو بکر مقرر فرمائی۔ اور حاکم میں بروایت ابن عباسؓ حضرت عمر فاروقؓ کی کنیت ابو حفص منقول ہے نیز صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو آپ نے ابو تراب فرمایا۔ اور حاکم نے بروایت ابن مسعودؓ روایت کیا ہے کہ حضور نے ابن مسعودؓ کی کنیت ابو عبد الرحمن مقرر فرمائی حالانکہ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔

۵۔ ترمذی نے بروایت انسؓ بیان کیا ہے کہ آپ نے حضرت انسؓ کی کنیت ابو حمزہ مقرر فرمائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت صہیبؓ سے پوچھا کہ تمہارے تو اولاد نہیں ہے کنیت کیسے ہوئی فرمایا کہ میری کنیت حضور نے ابو یحییٰ مقرر فرمائی ہے۔

اولادِ اولیٰ عورتوں کی بھی کنیت مقرر فرمادیتے۔ اور بے اولاد عورتوں کی کنیت پیشتر ہی سے مقرر فرمادیتے لڑکوں کی کنیت مقرر فرمادیتے تو ان کا دل نرم ہو جاتا۔ آپ کو سب سے لوگوں سے دیر میں غصہ آتا اور سب سے جلدی آپ کا غصہ اتر جاتا۔ لوگوں پر نہایت مہربانی فرمادیتے اور ان کے حق میں فرماتے بحد فائدہ رسائی فرماتے۔ حضورؐ کی مجلس میں شور و غل نہیں ہوتا تھا۔ جب آپؐ مجلس مبارک سے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے ”سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک“ یعنی الہی میں تیری پاکی کرتا ہوں اور تیری حمد و ثناء کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوں اور تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ دعا مجھے حضرت جبرائیل نے سکھائی ہے۔

چوتھا بیان

حضور علیہ السلام کی گفتگو اور خندہ کے ذکر میں

آنحضرتؐ نہایت خوش کلام اور شیریں تھے۔ آپؐ فرماتے کہ میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہوں۔ جنتی بے لوگ جنت میں حضرت محمدؐ کی بولی (عربی) میں گفتگو کریں گے آپؐ کم گو نرم گفتار تھے آپؐ کی کلام ایسی باتر تیب ہوتی جیسے موتیوں کی لڑی حضرت عائشہ

۱۔ حاکم نے بروایت ام ایمنؓ ذکر کیا ہے کہ آپؐ نے ہی ان کی کنیت ام ایمن فرمائی۔ اور ابوداؤد میں بروایت عائشہؓ مذکور ہے کہ حضورؐ نے عائشہ صدیقہ کی کنیت ام عبداللہ مقرر فرمائی۔ اور بروایت ام خالد مذکور ہے۔ کہ ام خالد ان کی کنیت حضورؐ نے ہی مقرر فرمائی تھی جبکہ وہ ابھی بچپن کی عمر میں تھیں۔

۲۔ بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ ابوعمیر کا قصہ مذکور ہے۔

۳۔ ترمذی بروایت ابوسعید خدریؓ۔

۴۔ نوابد ابوالاحداح بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۵۔ ترمذی اور شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۶۔ نسائی در یوم ولیلہ و حاکم بروایت رافع بن خدیجؓ۔

۷۔ ابوالحسنؓ بن ضحاک در شمائل بروایت بریدہؓ بسند ضعیف۔

۸۔ حاکم بروایت ابن عباسؓ۔

صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام تمہاری طرح بہت باتیں نہیں کرتے تھے ۲ آپ کا کلام سب سے زیادہ مختصر ہوتا تھا اور وہی مختصر کلام جبرائیل علیہ السلام باوجود اختصار کے آپ جو مضمون چاہتے انھیں مختصر الفاظ میں ادا کر دیتے تھے آپ ۳ کی کلام نہایت مختصر اور جامع ہوا کرتی تھی نہ اس میں زیادہ کی گنجائش تھی نہ کمی کی۔ گویا موتیوں کے دانوں کی طرح پروئی ہوئی ہوا کرتی تھی آپ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ تقریر فرمایا کرتے تاکہ سننے والے کو آپ کی تقریر زیادہ ہو جائے آپ ۴ کی آواز بلند اور لہجہ نہایت اعلیٰ تھا ۵ آپ خاموش زیادہ رہتے بلا ضرورت کبھی لب کشائی نہ فرماتے ۶ آپ بد کلامی بھی نہیں کرتے تھے اور غصہ و جوش دونوں حالتوں میں سچ ہی بولتے جو کسی شخص کسی قسم کا برا لفظ استعمال کرتا حضور ﷺ اس سے منہ پھیر لیتے اگر کوئی سخت لفظ مجبوراً آپ کو کہنا پڑتا تو اس کو بھی اشارۃً ارشاد فرماتے صریحاً ہرگز نہ فرماتے۔ جب ۹ خاموش ہوتے تو آپ کے اہل مجلس گفتگو کرتے آپ کی مجلس میں کوئی کسی کی بات میں دخل نہیں دیتا تھا خیر خواہی کے طور پر بغیر ہنسی کے لوگوں کو نصیحت فرماتے۔

آپ ۱۰ فرمایا کرتے کہ قرآن مجید کی آیتیں ایک دوسری سے مت ٹکراؤ کیونکہ وہ

۱ اطبرانی بروایت ام سعیدؓ

۲ پہلی حدیث بخاری و مسلم میں ہے۔ اور آخری دونوں جملوں کو غلشی نے نقل کیا ہے بسند منقطع۔

۳ عبد بن حمید بروایت عمر فاروقؓ بسند منقطع و دارقطنی بروایت ابن عباسؓ۔

۴ ترمذی اور شمائل بروایت ہند بن ابی اہالہ اور پہلا فقراء بخاری و مسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ مذکور ہے۔ اور باقی ترمذی میں بروایت عائشہؓ منقول ہے۔

۵ ترمذی و نسائی میں بروایت صفوان بن عسال ایک اعرابی کے قصہ میں حضور کا بلند آواز ہونا مذکور ہے اور بخاری و مسلم میں بروایت برا بن حاذب آپ کا خوش آواز ہونا منقول ہے نیز ترمذی و شمائل بروایت ہند بن ابی اہالہ۔

۶ ابوداؤد بروایت عبداللہ بن عمر فاروقؓ ایک قصہ کے ضمن میں۔

۷ ترمذی و شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ بالفاظ دیگر۔

۸ جیسا کہ بخاری میں بروایت عائشہؓ حدیث عسیلہ اور حدیث غسل حیض جس میں خذی قرصہ منقول ہے۔

۹ ترمذی و شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۱۰ اطبرانی بروایت عبداللہ بن عمرؓ۔

مختلف قرأتوں پر نازل ہوا ہے۔ اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے بہت مسکرایا کرتے اور ان کی باتوں سے بے حد خوش ہوتے۔ اور ان سے میل جول بکثرت رکھتے تھے۔ بعض اوقات ۲ اس قدر خندہ فرماتے کہ حضور پر نور کی کچلیاں ظاہر ہو جاتیں۔ آپ ۳ کے اصحاب بھی حضور کی اتباع اور تعظیم کے باعث آپ کے سامنے صرف مسکرایا کرتے تھے قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس وقت حضور کچھ رنجیدہ خاطر تھے۔ صحابہ کرامؓ چہرہ انور پر رنج و غم کے آثار دیکھ کر سمجھ گئے کہ آج آپ کی طبیعت ملول ہے۔ وہ اعرابی حضور سے کچھ دریافت کرنا چاہتا تھا۔ لیکن صحابہؓ نے اس کو منع کیا کہ اس وقت حضور سے کچھ نہ پوچھو اس وقت آپ کی طبیعت رنجیدہ ہے۔ اعرابی نے کہا کہ تم مجھے مت روکو۔ مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے حضور کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں آپ کو ہنسائے بغیر نہیں چھوڑوں گا غرضیکہ اس اعرابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ سنا گیا ہے کہ دجال ثرید ۴ (ایک قسم کا کھانا) لائے گا تو کیا آپ کی اجازت ہے؟ کہ میں بھوک کے مارے مر جاؤں لیکن اس کا ثرید ہرگز نہ لوں۔ یا یہ حکم ہے کہ میں اس کا ثرید کھلے دل سے خوب پیٹ بھر کر کھا لوں۔ کھا کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤں اور اس کا منکر ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضور اتنا ہنسے کہ آپ کی کچلیاں ننگی ہو گئیں پھر اس اعرابی نے جواب میں فرمایا کہ جس چیز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دوسرے مسلمانوں کو اس کافر سے بے پرواہ کر دے گا اس چیز کے ذریعہ تجھے بھی اس ملعون سے لا پرواہ کر دے گا۔

آپ ۵ ہر وقت خوش و خرم اور خنداں رہتے۔ مگر قرآن مجید اترنے کے وقت قیامت کے ذکر کے وقت خطبہ اور وعظ کے وقت آپ کے چہرہ پر بجائے تبسم (مسکراتا) کے خوف کے

۱۔ ترمذی اور جامع بروایت عبد اللہ بن الحارث و درشائل بروایت علی مرتضیٰ اور مسلم بروایت جابر بن شمرہ۔

۲۔ بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود اس شخص کے قصہ میں جو کہ سب کے بعد دوزخ سے نکلے گا۔ نیز عالم یہود کے قصہ میں۔

۳۔ ترمذی اور شمال بروایت ہند بن ابی اہالہ۔

۴۔ اس حدیث کا اصل و ماخذ مجھے معلوم نہیں ہوا۔

۵۔ کثرت تبسم کے متعلق حضرت عبد اللہ بن حارثؓ والی حدیث اور پرگز رچکی ہے۔ اور طبرانی و احمد بن حنبل اور

حاکم نے بروایت جابر نقل کیا ہے کہ نزول وحی اور وعظ اور قیامت کے ذکر کے وقت حضور کا چہرہ انور متغیر ہو جاتا تھا۔

آثار نظر آتے تھے۔ عین ارضا کے وقت حضور نہایت خوش و خرم رہتے آپ کا وعظ شریف واقعات پر مبنی ہوتا۔ ہنسی اور دل لگی سے بالکل خالی ہوتا تھا۔ آپ اگر غصہ ہوتے تو محض اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے خاطر ہوتے جب کوئی حادثہ پیش آتا تو اس کو اللہ کے حوالے کر دیتے اپنی طاقت و قوت سے بالکل کنارہ کش ہو جاتے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی درخواست کرتے ہوئے یوں فرماتے کہ اے خداوند ذوالجلال مجھے حق بات حق ہی کر کے دکھلا۔ تاکہ میں حق کی پیروی کروں اور بری بات بری کر کے دکھلا اور مجھے اس سے بچنے کی توفیق عنایت فرما نیز بری باتیں میرے لیئے واضح کر دے میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں تیری ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے لگوں بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا نفس تیرا فرمانبردار ہو جاوے صحت اور تندرستی کے ساتھ میرے نفس سے اپنی رضا مندی کے کام کرو اور حق بات میں اختلاف واقع ہونے کے وقت اپنے حکم کے ذریعے میری رہنمائی فرما جس کو تو چاہتا ہے سیدھی راہ عنایت فرماتا ہے۔

پانچواں بیان

سرور عالم ﷺ کے کھانا کھانے کے

آداب کے ذکر میں

حضور علیہ السلامؑ جو کچھ موجود ہوتا تناول فرما لیتے حضورؑ اس کھانے کو بہت پسند فرماتے جس میں بہت آدمی شامل ہوں۔ جب دسترخواں بچھ چکتا تو حضورؑ یہ دعا پڑھتے

بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا نِعْمَةً مَّشْكُورَةً نَّصِلُ بِهَا نِعْمَةَ الْجَنَّةِ لِعَنَى اللّٰهِ

ابو الشیخ ابن حبان بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف۔

۲ اس حدیث کے ابتدائی حصہ کی مجھے سند نہیں ملی اور دعا کو مستغفری نے دعوات میں بروایت ابو ہریرہؓ ذکر کیا ہے اور اس حدیث کا آخری جملہ مسلم نے بروایت عائشہؓ نماز تہجد کی دعا میں نقل کیا ہے

۳ اس کی سند پہلے مذکور ہوئی۔

۴ ابو یعلیٰ و طبرانی و ابن عدی بروایت جابرؓ۔

۵ بسم اللہ کہنا تو نسائی نے حضور علیہ السلام کے ایک خادم سے نقل کیا ہے۔ اور باقی الفاظ مجھے نہیں ملے۔

تعالیٰ کے نام سے میں کھانا کھانا شروع کرتا ہوں خدایا تو اس کھانے کو نعمت بنا دے کہ اس کا میں شکر ادا کروں۔ اور اس کے ذریعہ ہم سب مسلمان بہشتوں کی نعمتوں میں پہنچ جائیں۔ آپ اے کا عموما یہ معمول تھا کہ کھانا کھانے کے وقت آپ نمازی کی طرح دو زانوں اور دو قدم ملا لیتے۔ مگر زانو پر زانو اور قدم پر قدم نہیں رکھتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں بندہ ہوں۔ اور بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔

آپ ۲ گرم کھانا نہیں کھاتے تھے فرماتے کہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہم کو آگ نہیں کھلائی۔ لہذا کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو۔ آپ ۳ اپنے آگے سے کھانا کھاتے۔ اور تین ۴ انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے۔ بعض ۵ اوقات چوتھی انگلی بھی شامل کر لیا کرتے۔ دو انگلیوں سے کھانا نہیں کھاتے تھے فرماتے تھے کہ دو انگلیوں ۶ سے کھانا کھانا شیطان کا طریقہ ہے۔ ایک دفعہ ۷ حضرت عثمان غنیؓ حضور کی خدمت اقدس میں فالودہ لے کر آئے حضور فالودہ کھانے لگے اور پوچھنے لگے کہ اے ابو عبد اللہ (عثمان) یہ کیا چیز ہے؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ حضور ہم شہد اور گھی دیکھی میں ڈال کر پکاتے ہیں۔ اور اس میں گیبوں کا میدہ ڈال کر چمچے سے ہلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پک کر اس قسم کا فالودہ تیار ہو جاتا ہے جیسا کہ حضور کے

۱۔ عبد الرزاق نے بروایت ایوبؓ آپ کا سنٹ کر بیٹھنا اور ابن ضحاک نے بائیں زانو پر بیٹھنا اور داہنے کو کھڑا کرنا۔ بروایت انسؓ ذکر کیا ہے۔ اور ابوالشیخ نے بروایت ابی ابن کعبؓ دو زانو بیٹھنا نقل کیا ہے۔ اور بقیہ

حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔

۲۔ طبرانی در اوسط بروایت ابی ذرؓ۔

۳۔ ابوالشیخ و ابن حبان بروایت عائشہؓ۔

۴۔ مسلم بروایت کعب بن مالک

۵۔ اس کی روایت ہم کو غیلالیات میں بروایت عامر بن ربیعہ پہنچی ہے۔ اور اس کی سند میں قاسم بن عبد اللہ عمری کا نام نہیں۔ اور مصنف امن ابی شبیبہ نے بروایت زہری مرسل نقل کیا ہے کہ حضور پانچ انگلیوں سے کھانا کھایا کرتے تھے۔

۶۔ دارقطنی در افراد بروایت ابن عباسؓ بسند ضعیف۔

۷۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے خبیص (کھانے کی ایک قسم) بنایا تھا۔ نہ فالودہ۔ چنانچہ بہتی نے شعب میں بروایت لیث بن ابی سلیم نقل کیا ہے اور طبرانی کی روایت سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے۔

سامنے موجود ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ بہت اچھی غذا ہے۔ حضور اے بے چہنے جو کے آئے کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ حضور ۲ ککڑی کو کھجوروں اور نمک کے ساتھ تناول فرماتے۔

۳ سبز میووں میں سے حضور کو خر بوزہ اور انگور بہت پسند تھا۔ آپ ۳ خر بوزہ روٹی اور مصری کے ساتھ کھایا کرتے۔ اور کبھی ۴ خر بوزہ کھجوروں کے ساتھ کھایا کرتے۔ کھانا ۵ کھاتے وقت دونوں ہاتھوں سے کام لیتے ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ حضور اپنے داہنے ہاتھ سے کھجوریں کھا رہے تھے۔ اور بائیں ہاتھ سے گٹھلیاں جمع کرتے جاتے۔ اتنے میں ایک بکری آئی آپ نے گٹھلیوں کی طرف اس کو اشارہ کیا۔ وہ آپ کے بائیں ہاتھ میں کھاتی رہی۔ اور آپ اپنے داہنے ہاتھ سے کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ جب آپ کھا چکے تو بکری بھی چلی گئی۔ بعض اوقات ۶ حضور انگوروں کے گچھے کا گچھا ہی منہ مبارک میں ڈالتے۔ یہاں تک کہ انگوروں کے گچھے کا پانی بہہ کر موتیوں کی طرح آپ کی داڑھی مبارک پر اترتا ہوا معلوم ہوتا۔ حضور کے کی غذا کھجوریں اور پانی ہوا کرتی کبھی آپ دودھ کا ایک گھونٹ پی کر اوپر سے ایک دانہ کھجور کا تناول فرماتے۔ اسی طرح سارا کھانا کھاتے۔ دودھ اور کھجوروں کو عمدہ غذا فرمایا کرتے۔ آپ ۸ کو سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا گوشت تھا اور فرماتے کہ گوشت سے قوت سامعہ (سننے کی طاقت) تیز ہو جاتی ہے اور گوشت دنیا و آخرت کے سب کھانوں کا سردار ہے اگر میں خدا تعالیٰ سے ہر روز گوشت مانگوں۔ تو وہ مجھے ضرور عطا فرمادے۔ آپ ۹ گوشت اور کدو کے ساتھ تریڈ کھایا کرتے

۱۰ بخاری بروایت سہل بن سعد۔

۱۱ کھجوروں کے ساتھ کھانا بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ بن جعفر مذکور ہے۔ اور نمک کے ساتھ کھانا ابن حبان نے بروایت عائشہ نقل کیا ہے۔

۱۲ ابو نعیم و رطب نبوی بروایت امیہ بن زید عبسی۔

۱۳ خر بوزہ کو روٹی کے ساتھ کھانا میری نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ انگوروں کا روٹی کے ساتھ کھانا ابن عدی نے بروایت عائشہ لکھا ہے۔ اور اسی طرح خر بوزہ مصری کے ساتھ کھانا میں نے نہیں دیکھا۔

۱۴ ترمذی و نسائی بروایت عائشہ صدیقہ۔

۱۵ دونوں ہاتھوں سے کھانا کھاتے وقت مدد لینا امام احمد بن حنبل نے بروایت عبداللہ بن جعفر لکھا ہے اور حدیث انس بھی اس کے متعلق گزر چکی ہے۔ اور بکری کا قصہ فوائد ابی بکر شافعی میں بروایت انس بسند ضعیف ہے۔

۱۶ ابن عدی اور کامل و عقیلی و رضعفا بروایت ابن عباس بسند ضعیف۔

۱۷ بخاری بروایت عائشہ صدیقہ۔

۱۸ ابن حبان بروایت ابن سمعان و ابن ماجہ بروایت ابوداؤد بسند ضعیف۔

کدو کو آپ بہت پسند فرماتے اور فرماتے کہ یہ پیڑ (درخت) میرے بھائی یونس کا ہے۔
حضرت ۲ عایشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ارشاد نبوی ہے کہ ہنڈیا میں کدو بہت ڈالا کرو۔ کیونکہ کدو
مفرح قلب ہے۔ پرندوں ۳ کا شکار بھی آپ کھالیا کرتے لیکن خود شکار نہیں کرتے تھے اگر
کوئی شکاری شکار کر کے لا دیتا تو آپ اس کو برضا و رغبت تناول فرما لیتے۔ گوشت ۵ کھاتے
وقت سر مبارک کو نہیں جھکاتے تھے۔ بلکہ گوشت کی بوٹی منہ کے پاس لا کر اسے دانتوں سے نوج
کر کھاتے تھے۔ آپ ۶ کبھی روٹی بھی کھالیتے تھے۔ بکری کے گوشت میں سے آپ کو دست
اور شانے کا گوشت زیادہ پسند تھا۔ ترکاریوں میں سے کدو روٹی لگا کر کھانے کی چیزوں میں سے
سرکہ اور کھجوروں میں عجورہ (کھجوروں کی) ایک اعلیٰ قسم ہے آپ کو بہت پسند تھی عجورہ کھجور ۸ کے
حق میں آپ نے برکت کی دعا فرمائی اور یہ فرمایا کہ یہ جنت کے میووں میں سے ہے نیز
فرمایا کہ عجورہ کھجور زہر اور جادو کو شفا دینے والی ہے۔

ساگ آپ ۹ کو کاسنی ریحان (تلسی) اور خرفہ کا بہت مرغوب تھا چونکہ اگر دے
پیشاب گاہ کے قریب ہوتے ہیں اس لئے ان کو مکروہ سمجھتے تھے بکری ۱۱ کی مندرجہ ذیل سات
انسانی و ابن ماجہ بروایت انسؓ۔

۲ نواید ابی بکر شافعیؓ۔

۳ ترمذی بروایت انسؓ اور ابو داؤد بروایت سفیہؓ۔

۴ یہ آپ کے حالات سے ظاہر ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ قبیح الصيد غفل، یعنی جس نے شکار کا پیچھا کیا وہ
غافل ہوا ابو داؤد و نسائی و ترمذی بروایت ابن عباسؓ۔

۵ ابو داؤد بروایت صفوان بن امیہ اور دانتوں سے نوج کر کھانا بخاری و مسلم میں بروایت ابن ہریرہ مذکور ہے
۶ بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

۷ دست کا گوشت پسند خاطر ہونا بخاری و مسلم میں بروایت ابی ہریرہ مذکور ہے اور شانہ کا گوشت مرغوب ہوا ابن
حبان نے بروایت ابی ہریرہ نقل کیا ہے اور کدو کا محبوب ہونا بروایت انسؓ اور سرکہ اور عجورہ کھجور کا پسندیدہ ہونا
بروایت ابن عباسؓ ذکر کیا ہے۔

۸ ترمذی و نسائی و ابن ماجہ بروایت ابی ہریرہ اور بخاری و مسلم بروایت سعد بن ابی وقاص جملہ اخیر۔

۹ ابو نعیم نے طب نبوی میں بروایت ابن عباسؓ کو افضل نقل کیا ہے ریحان کے متعلق مجھے حدیث نہیں ملی
اور خرفہ کے متعلق ابو نعیم نے حدیث مرسل اور ضعیف نقل کی ہے۔

۱۰ ابی بکر محمد بن عبداللہ بن اثیر کی حدیث میں بروایت ابن عباسؓ سند ضعیف مذکور ہے۔

۱۱ بہت ہی بروایت ابن عباسؓ سند ضعیف مرفوعاً اور بروایت مجاہدہ مرسل۔

چیزیں نہیں کھاتے تھے (۱) آلہ تنہال (۲) مثانہ (پیشاب کی تھیلی) (۳) فوطے (۴) پتہ نہیں کھاتے تھے (۵) غدہ (۶) فرج (مادہ کی شرمگاہ) (۷) خون ان سات چیزوں کو آپ برا سمجھتے تھے کچا لہسن اور پیاز اور گند نہیں کھاتے تھے آپ نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں دھرا بلکہ اگر طبیعت کو اچھا معلوم ہوا تو کھالیا۔ ورنہ چھوڑ دیا نیز اگر کوئی کھانا حضور کو اچھا نہیں لگتا تھا تو دوسروں کو اس سے متنفر بھی کرتے تھے اور گوہ ۳ (جانور) اور تلی سے آپ کو نفرت تھی مگر ان کو حرام نہیں فرماتے تھے کھانے کے برتن کو انگلیوں سے خوب صاف کرتے اور فرمایا کرتے کہ پچھلے کھانے میں برکت بہت ہوتی ہے کھانا کھانے کے بعد اپنی انگلیاں اس قدر چاٹتے کہ سرخ پڑ جاتیں ۶ جب تک ایک انگلی چاٹ کر صاف نہ کر لیتے تب تک اپنی انگلیاں رومال سے نہیں پونچھتے تھے فرماتے معلوم نہیں کہ کس کھانے میں برکت ہو۔

جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ فرماتے ”الحمد للہ ، اللہم لک الحمد اطعمت فاشبعیت وسقیت فارویت لک الحمد غیر مکفور ولا مودع ولا مستغنی“ یعنی الہی تیرا شکر ہے خدا یا سب تعریفیں تیرے ہی لائق ہیں تو نے مجھے کھانا کھلایا تو پیٹ بھر کر کھلایا اور پانی پلایا تو سیراب کر دیا تیرا ہزار ہزار شکر ہے ہم تیری ناشکری نہیں کرتے اور نہ ہی آئندہ تیری نعمتوں سے ناامید ہوتے ہیں اور نہ ہم تیری ذات پاک سے بے نیاز ہوتے ہیں جب آپ گوشت روٹی کھاتے تو ہاتھوں کو خوب دھو

۱۔ مؤطا امام مالک بروایت سلیمان بن یسار مرسلہ۔

۲۔ پہلی حدیث میں پیشتر مذکور ہو اور بخاری و مسلم میں گوہ کے قصہ میں مذکور ہے کہ اس کو کھاؤ کیونکہ وہ حرام نہیں ہے اور نہ اس میں کچھ مضائقہ ہے مگر بات صرف اتنی ہے کہ یہ میری قوم کی خوراک نہیں ہے (اس لئے مجھے طبعاً مکروہ معلوم ہوتی ہے)

۳۔ گوہ والی حدیث بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباس آئی ہے اور تلی کی حدیث بہیقی نے بروایت زید بن ثابت موقوفاً نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں تلی کھاتا ہوں حالانکہ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں تاکہ میرے گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۴۔ بہیقی اور شعب الایمان بروایت جابرؓ۔

۵۔ مسلم بروایت کعب بن مسلم مگر اس میں سرخ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

۶۔ مسلم و بہیقی بروایت کعب بن مالک

کر منہ مبارک پر پھیر لیتے آپ اتین سانس میں پانی پیتے تھے ہر بار شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ فرماتے پانی ۲ بڑے بڑے گھونٹوں سے نہیں پیتے تھے بلکہ چوس چوس کر پیتے کبھی ۳ کبھی ایک سانس سے بھی پانی پی لیتے تھے پانی ۴ پیتے وقت برتن میں سانس نہیں لیتے تھے بلکہ اپنا منہ برتن سے علیحدہ کر کے سانس لیتے تھے حضور اکرم ﷺ اپنا پس ۵ خوردہ (جھوٹا) داہنی طرف والوں کو عنایت فرماتے تھے لیکن اگر بائیں طرف والا مرتبہ میں داہنی طرف والے سے بڑھ کر ہوتا تو داہنی طرف والے سے اجازت لیتے اور فرماتے بھی سنت تو یہی ہے کہ پس خوردہ تم کو ملے لیکن ۶ اگر تم اجازت دو تو بائیں طرف والے کو دیدوں۔

ایک دفعہ آپ کی خدمت اقدس میں شہد اور دودھ پیش کیے گئے آپ نے ان کے پینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ایک برتن میں دو سالن اور ایک دفعہ میں دو پینے کی چیزیں مکروہ ہیں پھر فرمایا کہ میں ان کو حرام نہیں کہتا ہوں بلکہ فخر کی چیزوں کو اور دنیا کی غیر ضروری اشیاء کا قیامت میں حساب ہونے کو برا جانتا ہوں اور تواضع کو میں پسند کرتا ہوں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عالی مرتبہ بنا دیتا ہے حضور ۸ انور ﷺ اپنے دولت خانہ میں کنواری عورت سے بھی زیادہ حیا دار ہوتے تھے گھر والوں ۹ سے کھانا طلب نہیں کرتے تھے جب انھوں نے کھلا دیا تو کھالیا اور جو کچھ سامنے لا رکھا وہی قبول کر لیا اور جو پلا دیا وہی پی لیا۔

۱۔ طبرانی اوسط بروایت ابی ہریرہ

۲۔ ابن عدی وابن مندہ بروایت ابی ہریرہ و طبرانی بروایت ام سلمہ۔ سند ضعیف۔

۳۔ ابن حبان بروایت زید بن ارقم۔ سند ضعیف۔

۴۔ حاکم بروایت ابی ہریرہ۔

۵۔ بخاری و مسلم بروایت انس۔

۶۔ بخاری و مسلم بروایت سہل بن سعد

۷۔ طبرانی بروایت عائشہ صدیقہ۔ سند ضعیف۔

۸۔ اس کی سند پہلے گزر چکی ہے۔

۹۔ کوئی معین کھانا طلب کرنا مقصود ہے ورنہ بلا یقین مطلق کھانا طلب کرنا صحاح میں مروی ہے چنانچہ مسلم میں

بروایت عائشہ ہے لہم عندکم شئ،

یعنی کیا تمہارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ اور دوسرے فقروں کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

بعض اوقات اپنے کھانے اور پینے کی چیز خود کھڑے ہو کر لیتے تھے۔ ﴿ﷺ﴾

چھٹا بیان

سید الکونین ﷺ کے اخلاق و آداب

متعلقہ لباس کے ذکر میں

آنحضرت ﷺ کو جو کپڑا مل جاتا مثلاً تہبند چادر، کرتہ، جبہ، وغیرہ ہی پہن لیتے آپ کو سبز لباس پسند تھا آپ کی پوشاک عموماً سفید رنگ کی ہوا کرتی تھی فرمایا کرتے تھے کہ سفید کپڑے زندوں کو پہناؤ اور مردوں کو بھی سفید کفن میں دفن کرو جنگ میں اکثر روئی دار اور کبھی بغیر روئی کے کوٹ پہنا کرتے تھے حضور ﷺ ایک سبز رنگ کی قبا (کوٹ) پہنا کرتے۔ تو آپ کے گورے بدن مبارک پر بہت ہی جھتی تھی آپ کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہتے بالخصوص آپ کا تہبند تو آدھی پنڈلی تک ہوتا تھا آپ کے نمبند کے بند بندھے ہوئے رہتے لیکن نماز وغیرہ میں کبھی ان بندوں کو کھول بھی دیا کرتے تھے حضور کے پاس ایک ۸ زعفرانی رنگ کی چادر مبارک تھی بعض اوقات اسی کو پہن کر نماز پڑھ لیا کرتے کبھی

۱۔ ابوداؤد میں بروایت بنت قیس مذکور ہے کہ آپ نے ان کے یہاں کی دوال لنگی ہوئی میں سے خود تناول فرمایا اور ابن ماجہ نے بروایت کثبہ نقل کیا ہے کہ آپ نے لنگی ہوئی مشک میں سے خود کھڑے ہو کر پانی پیا۔

۲۔ بخاری و مسلم میں بروایت عایشہ صدیقہؓ کا پہننا مذکور ہے اور چادر والی حدیث اوپر گزر چکی ہے اور نسائی میں کرتہ کا مرغوب ہونا بروایت ام سلمہؓ مذکور ہے اور جبہ کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

۳۔ ابن ماجہ اور حاکم بروایت ابن عباسؓ۔

۴۔ اسکی سند عراقی کی کتاب میں کاتب کے قلم سے رہ گئی ہے۔

۵۔ بخاری تعلیقاً و مسلم بروایت جابرؓ اس میں رنگت کا ذکر نہیں ہے۔

۶۔ ابوالفضل محمد بن طاہر بروایت عبداللہ بن بسر بسند ضعیف۔

۷۔ ابوداؤد ابن ماجہ طبرانی بروایت ابن عباسؓ۔

۸۔ ابوداؤد بروایت قیس بن سعیدؓ۔

۱۔ آپ صرف چادر ہی پہن لیتے اور کوئی کپڑا حضور کے بدن مبارک پر نہ ہوتا تھا۔ آپ کے پاس ایک بیوندگی ہوئی چادر تھی اس کو بھی پہنا کرتے۔ اور فرماتے کہ میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح میں بھی لباس پہنتا ہوں جمعہ ۳ کے دن کے لئے آپ کا ایک خاص جوڑا تھا۔

کبھی ۲ آپ کے جسم اطہر پر صرف ایک تہبند کی چادر ہوا کرتی۔ اس کو آپ اس طرح پہنتے کہ اس کے دونوں کناروں کو دونوں شانوں کے درمیان گراہ لگا دیتے۔ کبھی ۵ جنازہ بھی اس چادر سے پڑھا دیتے کبھی ۶ مکان کے اندر اسی چادر کو پہن کر نماز پڑھ لیتے۔ حالانکہ یہ وہی چادر ہوتی تھی۔ جس میں حضور رات کو (جماع) صحبت کیا کرتے تھے کبھی ۷ تہبند کا ایک کنارہ خود لپیٹ کر اور دوسرا ازواج مطہرات (بیویوں) پر ڈال کر تہجد کی نماز ادا کرتے۔ حضور ﷺ کی ایک چادر سیاہ رنگ کی تھی۔ آپ نے وہ کسی کو دیدی۔ کسی وقت آپ کو حرم متہرم حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا۔ کہ سیاہ چادر کہاں گئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو دیدی۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ جیسی وہ سیاہ چادر حضور کو گورے بدن پر اچھی لگتی تھی ایسی کوئی چیز مجھے کبھی اچھی نظر نہیں آئی ۹ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو بعض اوقات ایک چھوٹی سی چادر پہن کر ظہر کی نماز پڑھاتے دیکھا ہے جس کے کناروں کو آپ گرہ لگایا کرتے تھے۔

۱۰ حضور پر نور ﷺ انگوٹھی بھی پہنا کرتے تھے کبھی

۱۔ ابن ماجہ و ابن خزیمہ بروایت ثابت بن الصامت۔

۲۔ بخاری و مسلم نے بروایت بردہ بلند چادر کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ طبرانی در صغیر و اوسط بروایت عائشہؓ بسند ضعیف۔

۴۔ بخاری بروایت محمد بن المنکدر۔

۵۔ اس کی سند مجھے نہیں ملی۔ مطلق نماز پڑھنا پہلی روایت میں مذکور ہوا۔

۶۔ ابویعلیٰ بروایت معاویہؓ۔

۷۔ ابوداؤد و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۸۔ ان کی روایت میں سلمہؓ سے اس طرح نظر نہیں آئی ہاں سیاہ چادر کا ہونا مسلم نے بروایت عائشہؓ اور ابوداؤد

و نسائی نے بروایت عائشہؓ ذکر کیا ہے

۹۔ ابن ماجہ بروایت عبادة بن الصامت۔

۱۰۔ بخاری و مسلم بروایت ابن عمرؓ و انسؓ۔

۱۔ آپ باہر تشریف لے جاتے تو کسی چیز کی یادداشت کے لئے اس انگٹھی ۲ انگٹھی میں دھاگا باندھ لیا کرتے انگٹھی سے آپ خطوط پر مہر لگایا کرتے۔ اور فرماتے کہ خطوط پر مہر لگا دینی تہمت سے بہتر ہے آپ ۳ ٹوپی بھی پہنتے۔ کبھی عمامہ کے نیچے کبھی تنہا ٹوپی ہی پہن لیتے۔ کبھی ٹوپی مبارک سر سے اتا کر سامنے رکھ کر سترہ بنا لیتے۔ اور اس کی طرف نماز پڑھتے۔ اگر کبھی ۴ عمامہ نہ ہوتا تو سر اور پیشانی پر پٹی ہی باندھ لیتے۔ حضور ۵ کے ایک عمامہ کا نام سحاب تھا۔ وہ آپ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمایا تھا حضرت علیؓ وہ عمامہ پہن کر تشریف لاتے۔ تو آنحضرت ﷺ فرماتے کہ علیؓ تمہارے پاس سحاب پہن کر آئے ہیں کپڑے ۶ پہنتے وقت حضور ﷺ داہنی طرف سے شروع کرتے۔ اور یہ کلمات بے فرماتے۔

یعنی خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے لباس پہنایا۔ جس سے میں اپنی پردہ پوشی کرتا ہوں اور لوگوں میں زینت و زیبائش حاصل کرتا ہوں کپڑے ۸ اتارتے وقت بائیں طرف سے شروع کرتے جب ۹ نیا کپڑا پہنتے تو پرانا کسی غریب کو عنایت فرما دیتے۔ اور یہ ارشاد فرماتے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی خاطر (کم از کم) اپنے پرانے کپڑے پہنائے تو جب تک وہ کپڑے اس کے بدن پر رہیں گے پہنانے والا موت اور زندگی سے خدا تعالیٰ کی پناہ میں رہے گا۔ حضور ﷺ کا ایک ۱۰ چمڑے کا گدہ تھا۔ جس میں کھجوروں کی

۱۔ ابوداؤد بروایت قیس بن سعید۔

۲۔ ابن ماجہ وابن خزیمہ بروایت ثابت بن الصامت۔

۳۔ بخاری و مسلم نے بروایت بردہ بلند چادر کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ طبرانی در صغیر و اوسط بروایت عائشہؓ بسند ضعیف۔

۵۔ بخاری بروایت محمد بن المنکدر۔

۶۔ اس کی سند مجھے نہیں ملی۔ مطلق نماز پڑھنا پہلی روایت میں مذکور ہوا۔

۷۔ ابویعلیٰ بروایت معاویہؓ۔

۸۔ ابوداؤد و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۹۔ ان کی روایت میں سلمہؓ سے اس طرح نظر نہیں آئی ہاں سیاہ چادر کا ہونا مسلم نے بروایت عائشہؓ اور ابو

داؤد نسائی نے بروایت عائشہؓ ذکر کیا ہے

۱۰۔ بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ بدون ذکر طول و عرض اور ابن حبان نے بروایت ام سلمہؓ نقل کیا ہے

کہ آپ کا گدہ بمقدار قد انسان کے تھا اس حدیث میں ایک راوی مجہول ہے۔

چھال بھری ہوئی تھی۔ وہ تقریباً دو گز لمبا اور ایک گز ایک بالشت چوڑا تھا۔
 آپ کا ایک کبیل تھا۔ جس کو صحابہ کرام ہر جگہ اٹھا کر دو تہہ کر کے آپ کے نیچے بچھا
 دیا کرتے تھے۔ حضور چٹائی پر سو یا کرتے تھے۔ یہی چٹائی آپ کا بستر تھا۔ آپ کی عادت
 شریف تھی کہ اپنے جانوروں ہتھیاروں اور دیگر اشیاء کے نام رکھ لیا کرتے تھے چنانچہ آپ کے
 ایک نیزہ کا نام عقابؒ اور ایک تلوار کا نام ذوالفقارؒ دوسری تلوار کا نام مخزم اور تیسری کا نام
 رسوبؒ اور چوٹی کا نام قضیبؒ تھا۔ آپ کی تلوار کے قبضہ پر چاندی کا ملمع ہوا تھا۔ آپ
 ۹ حمزے کی ایک بیٹی بھی پہنا کرتے تھے جس میں چاندی کی تین کڑیاں تھیں آپ کی کمان
 مبارک ۱۰ کا نام کنوم۔ ترکش کا نام فور اور اونٹنی ۱۱ کا نام قصویٰ یا عضباء تھا آپ ۱۲ کی خچر کا نام
 دلدل۔ دراز گوش کا نام یغفورؒ اور آپ کی بکری کا نام اعدیہ تھا اس بکری کا آپ دودھ پیا

۱۱ ابن سعد و طبقات و ابن حبان بروایت عائشہ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اور شمائل ترمذی میں بروایت حفصہ ناٹ
 کافر ش دو تہہ کا مذکور ہے۔ کہ آپ اس پر حضور سو یا کرتے تھے۔

۱۲ بخاری و مسلم و رقصہ اعتزال ازواج (بیویوں سے علیحدگی اختیار کرنا) بروایت عمر فاروقؓ۔

۱۳ طبرانی بروایت ابن عباس آپ کی سب چیزوں کے نام لکھے ہیں مگر اس سند میں ایک راوی کو واضح (بناوئی
 حدیثیں بتانے والا) کہا جاتا ہے۔

۱۴ ابن حبان بروایت حسن مرسل۔

۱۵ ابن حبان بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۱۶ ابن سعد و طبقات بروایت مردان بن ابی سعید مرسل۔

۱۷ ابن سعد بروایت سابق۔

۱۸ ابن خثیمہ و تاریخ۔

۱۹ ابوداؤد ترمذی بروایت انسؓ۔

۱۰ اس کی اصل مجھے نہیں ملی۔ مگر ابن سعد ابن حبان نے بروایت جعفر بن محمد بن محمد عن ابیہ عن جدہ مرسل نقل کیا ہے
 کہ آپ کی زرہ میں دو کڑیاں چاندی کی چھاتی کی جگہ پر اور دو پس پشت تھیں۔

۱۱ اس کا پتا مجھ کو نہیں ملا۔ مگر طبرانی نے بروایت ابن عباس لکھا ہے۔ کہ آپ کی کمان کا نام سدا اور ترکش کا نام
 جمع تھا۔ اور ابن خثیمہ نے تاریخ میں آپ کی کمانوں کے تین نام اور لکھے ہیں۔

۱۲ مسلم بروایت جاہل اور بخاری بروایت انسؓ۔

۱۳ حاکم بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۱۴ فتاویٰ الدرداج۔

کرتے تھے۔ حضور کے پاس مٹی کا ایک لوٹا تھا۔ جس سے وضو بھی کرتے تھے۔ اور پانی بھی پیتے تھے۔ لوگ اپنے ہوشیار بچوں کو حضور کی خدمت اقدس میں بھیجتے۔ ان کو اگر حضور ﷺ کے لوٹے مبارک میں پانی مل جاتا تو اس کو پیتے بھی تھے۔ اور برکت کے لیے اپنے بدن مبارک پر بھی ملتے تھے۔

ساتواں بیان

اس ذکر میں کہ حضور اکرم ﷺ باوجود قدرت کے مجرموں کے قصور معاف فرما دیا کرتے تھے

رسول مقبول ﷺ سب لوگوں سے نرم مزاج تھے۔ باوجودیکہ آپ کو مجرم سے انتقام (بدلہ) لینے یا اس کو سزا دینے کی پوری طاقت حاصل تھی لیکن مجرموں کے قصور معاف کرنے کا آپ کو بوجد شوق تھا۔ ایک دفع کا ذکر ہے کہ آپ کی خدمت اقدس میں سونے چاندی کے ہار آئے۔ آپ نے وہ ہار اپنے اصحاب کرام میں تقسیم کر دیے اسی اثناء میں ایک بدوی شخص اٹھا اور کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ خدا تعالیٰ نے آپ کو عدل و انصاف کا حکم دیا ہے۔ لیکن میں آپ کو عدل و انصاف کرتے ہوئے نہیں دیکھتا آپ نے فرمایا کہ او کم بخت! میرے سوا اور کون عدل و انصاف کرے گا جب وہ حضور کے پاس سے چلا گیا تو آپ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ اس کو نرمی کے ساتھ میرے پاس لے آؤ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ حنین کے دن حضور انور ﷺ حضرت بلال کے کپڑے میں لوگوں کے واسطے چاندی جمع کرتے جاتے تھے ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ ﷺ انصاف کیجئے۔ حضور نے فرمایا کہ او کم بخت! اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ اگر میں عدل و انصاف نہ کروں تو تو محروم رہ جائے گا اسی اثناء میں حضرت عمر فاروق مارے غصے کے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر اجازت ہو

ابن سعد نے آپ کی بکریوں کے سات نام اور لکھے ہیں۔ اور فوائد ابی الدحداج میں بکری کا نام برکہ لکھا ہے۔

۲ اس کی سند پہلے گزر چکی ہے۔

۳ ابن حبان بروایت ابن عمر۔

۴ مسلم۔

تو اس بے ادب کی گردن اڑادوں۔ کیونکہ یہ شخص منافق ہے آپ نے فرمایا۔ کہ معاذ اللہ ایسا مت کرو ورنہ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے ایک دفع حضور ﷺ ایک لڑائی میں تھے ایک دفع حضور اکرم ﷺ لڑائی میں تھے کہ ایک کافر مسلمانوں کو غافل پا کر سنگی تلوار لے کر حضور پر نور ﷺ کے سر مبارک پر آکھڑا ہوا اور کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ راوی کہتا ہے کہ حضور کے ارشاد کے بعد اس کافر کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ حضور نے وہ تلوار پکڑ کر فرمایا کہ اب مجھ سے تجھے کون بچائے گا اس نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے گرفتار کر لیا ہے اور آپ واقعی سب سے بڑھ کر گرفتاری کرنے والے ہیں آپ نے فرمایا۔ کہدے ﴿اشہد ان لا اله الا اللہ﴾ اس نے کہا یہ تو نہیں کہوں گا۔ ہاں وعدہ کرتا ہوں آئندہ میں آپ سے جنگ نہیں کروں گا۔ نہ آپ کا ساتھ دوں گا نہ آپ کے دشمنوں کا۔ آپ نے اس کو چھوڑ دیا وہ اپنے ساتھیوں میں آ کر کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس ایک بہترین شخص (محمد ﷺ) کے پاس سے آیا ہوں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ عورت زہر سے ملی بکری حضور کے کھلانے کے لئے لائی۔ اس کا یہ راز فاش ہو گیا۔ اور اس کو حضور کی خدمت اقدس میں بطور ملزم پیش کیا گیا آپ نے اس سے زہر کا سارا حال دریافت کیا وہ بولی کہ میں آپ کو مار ڈالنا چاہتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کو منظور نہیں ہے کہ تجھے اس امر کی طاقت دے۔ اتنے میں لوگوں نے عرض کیا۔ کہ اگر ارشاد ہو تو ابھی اس کو قتل کر دیا جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ ایک یہودی نے حضور پر جادو کر دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو آگاہ کر دیا آپ نے جادو نکلا کر اس کی گرہیں کھلوا دیں۔ تو آپ کو جادو سے افاقہ ہو گیا۔ لیکن حضور نے اس یہودی سے کبھی اس بات کا ذکر تک نہیں کیا حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھے زبیرؓ اور مقدادؓ کو حکم دیا کہ روضہ خاخ (مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے) میں جاؤ وہاں ایک مسافر عورت ہے اس کے پاس (مسلمانوں کے خلاف) ایک خط ہے وہ خط اس سے لے آؤ ہم حسب الارشاد اس روزہ میں گئے اور اس عورت سے کہا کہ تیرے

۱۔ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ باختلاف الفاظ۔

۲۔ مسلم بروایت انسؓ و بخاری بروایت ابی ہریرہؓ۔

۳۔ نسائی بروایت زید بن ارقمؓ، اور آپ پر جادو کیے جانے کا قصہ بخاری و مسلم میں بروایت عائشہؓ بالفاظ دیگر منقول ہے۔

پاس جو خط ہے وہ ہمیں دیدے وہ بولی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ یا تو تو خط نکال دیدے ورنہ اپنے کپڑے اتار ڈال۔ اس عورت نے (اپنی بے پردگی کے مارے) اپنی چوٹی میں سے خط نکال کر ہمارے حوالے کر دیا۔ ہم وہ خط حضور کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ دیکھا تو وہ خط حاطب بن ابی بلتعہؓ (صحابی) کی طرف سے مشرکین مکہ کی طرف لکھا ہوا تھا۔ اس خط میں حضورؐ کے حالات درج تھے۔ کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے باہر ہو گئے ہیں خواہ تم پر چڑھائی کریں۔ یا کسی اور پر آپ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ سے کہا کہ یہ تم نے کیا حرکت کی ہے اس نے عرض کیا آپ جلدی نہ فرماویں اصل واقعہ یہ ہے کہ مہاجرین کے رشتہ دار تو مکہ معظمہ میں بہت سے ہیں۔ وہ رشتہ دار جنگ کے موقع پر مہاجرین کے گھر والوں کو بچالیں گے۔ لیکن مکہ معظمہ میں میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے لہذا میں اپنے گھر والوں کو بچانے کے لئے میں نے یہ تدبیر سوچی کہ میں قریش مکہ (مشرکین مکہ) کو حضور کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دے کر ان کو اپنا ممنون احسان بنا لوں تاکہ وہ بوقت جنگ اس احسان کے بدلے میرے گھر والوں کو بچالیں بس اسلئے میں نے یہ خط مشرکین مکہ کے نام روانہ کیا تھا۔ ورنہ میں نے معاذ اللہ کفر و ارتداد کی بناء پر یہ خط نہیں لکھا۔ آنحضرت ﷺ نے حاطب کا یہ قول سن کر اس کی تصدیق فرمائی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا۔ کہ اگر اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑادی جائے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ شخص جنگ بدر میں موجود تھا۔ اور بدر والوں کو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے ہیں۔ ایک ایسے شخص حضور علیہ السلام نے کچھ مال تقسیم کیا ایک انصاری بولا کہ حضور یہ تقسیم رضاء الہی کے خلاف ہے یہ بات حضور کو پہنچی تو آپ کا چہرہ انور غصے کے مارے سرخ ہو گیا اور فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ ان کو اس سے بھی زیادہ رنج و تکلیف پہنچائی گئی تھی۔ مگر انہوں نے صبر سے کام لیا حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ خبردار! کوئی شخص میرے اصحابؓ کی شکایت مجھ سے نہ کیا کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب تم سے ملو صاف دل ہو کر ملو۔

آٹھواں بیان

اس ذکر میں کہ سید المرسلین ﷺ بری باتوں

کو دیکھ کر بھی چشم پوشی فرمایا کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی جلد پتلی اور ظاہر و باطن صاف تھا حضور کی رضا مندی اور نادرانگی چہرہ انور سے معلوم ہو جایا کرتی تھی سخت غصہ کے وقت آپ اپنی داڑھی مبارک کو بہت ہاتھ لگایا کرتے تھے۔ کسی کے سامنے ایسی بات نہیں کرتے تھے جو اس کو بری لگے۔ ایک شخص ۳ زرد خوشبو لگا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا گو آپ کو زرد خوشبو بری معلوم ہوئی لیکن آپ نے اس شخص سے کچھ نہیں فرمایا جب وہ شخص چلا گیا تو حاضرین مجلس سے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس کو کہدے کہ بھئی زرد خوشبو نہ لگایا کرو۔ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کیا۔ صحابہ کرام اس کو غصے ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ آپ اس کو پیشاب کر لینے دو۔ اس کا پیشاب مت روکو۔ پھر اس اعرابی (دیہاتی) کو سمجھایا۔ کہ بھئی! یہ مسجدیں کوڑے کرکٹ یا پیشاب پخانے کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ صحابہ کرام کو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس کو ڈراؤ نہیں بلکہ پاس بلا لو۔ ایک روز ایک اعرابی نے حضور میں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا آپ نے اس کو کچھ عطا فرما کر کہا کہ میں تجھ پر احسان کیا ہے اعرابی بولا کہ آپ نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اعرابی یہ گستاخانہ الفاظ سن کر مسلمان برافروختہ ہوئے اور اس کو مارنے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن حضور نے ان کو روک دیا اور اپنے دولت خانے میں جا کر اس اعرابی کو بلوایا۔ اور کچھ دے کر پھر فرمایا کہ کیا میں نے تجھ پر احسان کیا ہے؟ اعرابی بولا۔ کہ ہاں حضور خدا تعالیٰ آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو جزائے خیر عطا

۱۔ ابن حبان بروایت ابن عمرؓ۔

۲۔ ابن حبان بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۳۔ ابوداؤد و ترمذی و رشائل بروایت انسؓ۔

۴۔ بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

۵۔ زرارہ بن حبان بروایت ابی ہریرہؓ سند ضعیف۔

زماوے۔ آپ نے اعرابی سے فرمایا کہ تم پہلے مسلمانوں کے سامنے گستاخانہ الفاظ کہہ چکے ہو جس کی وجہ سے وہ تم سے بہت ناراض ہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ جو شکریہ کے الفاظ تم نے میرے سامنے کہے ہیں یہی مسلمانوں کے روح برو بھی کہہ دیجو۔ اعرابی نے عرض کیا کہ بہت اچھا حضور۔ چنانچہ دوسرے روز وہ اعرابی آیا حضور نے فرمایا کہ اس اعرابی نے تو ناشکری کے الفاظ کہے تھے لیکن ہم نے اسکو بہت زیادہ عطیہ دیدیا ہے۔ اعرابی بولا کہ بیشک حضور اب میں راضی ہوں۔ خدا تعالیٰ آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو جزائے خیر عطا فرماوے۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری اور اس اعرابی کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کی اونٹنی بدک جاوے (ڈر جائے) اور لوگ اس کے پیچھے دوڑیں تو وہ اور زیادہ بدک جاوے پھر اونٹنی کا مالک سب لوگوں کو دور ہٹا کر کہے کہ لوگو! تم الگ ہو جاؤ۔ میں جانوں اور میری اونٹنی۔ میں اپنی اونٹنی پر تم سے زیادہ مہربان ہوں اور مجھے اس کی حالت تم سے زیادہ معلوم ہے یہ کہہ کر وہ مالک کچھ چارہ لے کر اونٹنی کے سامنے سے آوے اور اس کو چارہ دکھلا کر آہستہ آہستہ اس کے قریب آتا جاوے اور اپنی اونٹنی کو پیار سے بلاتا جاوے۔ حتیٰ کہ اونٹنی اپنے مالک کے پاس آ کر کھڑی ہو جاوے۔ اور مالک اس کو بٹھلا کر اس پر کاٹھی ڈال کر سوار ہو جاوے۔ اسی طرح جب اس اعرابی نے گستاخانہ الفاظ کہے تھے اگر میں تم کو نہ روکتا تو تم اس کو مار ڈالتے۔ اور وہ بلا توبہ مرنے کے باعث دوزخی ہو جاتا۔

نواں بیان

سید العرب والعجم ﷺ کی

جو دو سخاوت کے ذکر میں

حضور انور ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے۔ بالخصوص ۲ رمضان المبارک میں تو آپ آندھی کی طرح سخاوت کرتے تھے۔ اور کسی کو بغیر دیے جانے نہ دیتے تھے۔ حضرت ابن بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

۲ بخاری و مسلم بروایت ابن عباسؓ اور اس میں اس طرح آیا ہے کہ جب حضور کی جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تو آندھی طرح (بیحد) سخاوت کرتے۔

اعلیٰؑ جب آپ کے اوصاف بیان فرماتے تو یوں فرماتے کہ نبی ﷺ کا دست مبارک سب سے زیادہ سخی تھے اور سینا سب سے زیادہ فراخ تھا۔ اور گفتگو میں سب سے زیادہ سچے تھے وعدہ کو پورا کرنے میں سب سے بڑھ کر تھے آپ کی عادت نرم اور آپ کا خاندان نہایت اعلیٰ تھا۔ جو شخص آپ کو دیکھتا فوراً مرعوب ہو جاتا تھا۔ اور اگر محبت کے طور پر آپ سے میل جول رکھتا تو آپ کا والہ و شیدا ہو جاتا تھا۔ اور آپ کی تعریف میں یہ الفاظ کہتا کہ حضور جیسا نہ میں نے کبھی پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد آپ جیسا کوئی نظر آیا۔ نو مسلم ۲ جو بھی سوال کرتا آپ اس کا سوال پورا کرتے۔ چنانچہ ایک نو مسلم نے آپ سے سوال کیا۔ تو آپ نے اس کو اس قدر بکریاں عطا فرمائیں کہ وہ بمشکل دو پہاڑوں میں سماتی تھیں۔ وہ نو مسلم جب اپنی قوم کے پاس گیا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ لوگو! مسلمان ہو جاؤ محمد ﷺ نو مسلموں کو اس افراط سے عطا فرماتے ہیں۔ کہ ان کو محتاجی کا بھی ڈر نہیں ہوتا۔ ایسا ۳ کبھی نہیں ہوا کہ آپ سے کسی نے کچھ سوال کیا ہو۔ اور آپ نے اس کو کچھ عنایت نہ فرمایا ہو۔ حضور ۴ کی خدمت اقدس میں نوے (۹۰) ہزار درہم کہیں سے آئے۔ آپ نے وہیں کے وہیں چٹائی پر رکھوا کر سب کے سب حاجت مندوں اور مستحقوں کو بانٹ دیئے اور کسی سائل کو محروم نہیں پھیرا۔ حتیٰ کہ آپ کے پاس ان (نوے ہزار) میں سے ایک درہم بھی نہ بچا۔ ایک شخص ۵ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا آپ نے فرمایا کہ بھئی! اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے البتہ جتنے کی تجھ کو ضرورت ہے میرے نام پر کسی سے قرض لے لو جب ہمارے پاس کچھ آئے گا تو ہم اس کو ادا کر دیں گے حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس چیز کی آپ کو طاقت نہیں خدا تعالیٰ نے اس کی تکلیف آپ کو نہیں دی۔ حضور کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی سائل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ فی سبیل اللہ خرچ کرتے جائیے اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھ کر محتاجی سے مت ڈریے حضور یہ بات سن کر مسکرائے اور خوشی کے آثار آپ کے چہرہ انور پر نمایاں ہوئے۔ جب حضور

۱۔ یہ روایت ترمذی کی ہے لیکن ساتھ ہی ترمذی میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ روایت متصل نہیں ہے منقطع ہے۔

۲۔ مسلم بروایت انسؓ۔

۳۔ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ۔

۴۔ ابوالخلیفہ ابن الضحاک و رشائل بروایت حسن مرسل اور بخاری میں بروایت انسؓ تعلیقاً بلاذکر عدد مروی ہے

۵۔ ترمذی و رشائل بروایت عمر فاروقؓ۔

ای جنگ حنین سے واپس تشریف لائے۔ تو اعرابیوں نے آپ سے مانگنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سائلوں کی کثرت اور بھیڑ کے باعث آپ کو مجبوراً بول (کیکر) کے درخت کی طرف جانا پڑا۔ اس درخت میں حضور کی چادر مبارک اٹک گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ میری چادر تو دیدو (واللہ) اگر میرے پاس ان درختوں کی تعداد میں بھی اونٹ ہوں۔ تو وہ بھی میں تم میں تقسیم کر دوں۔ تم مجھے ہرگز بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاؤ گے۔

دسواں بیان

سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شجاعت کے ذکر میں

جناب رسالت مآب ﷺ سب سے زیادہ طاقت ور اور بہادر آدمی تھے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے روز حالانکہ حضور علیہ السلام ہماری نسبت دشمن سے زیادہ قریب تھے۔ لیکن تاہم ہم آپ کی پناہ پکڑتے تھے اس روز آپ نے کفار کے ہاتھ سب سے زیادہ لڑائی کی۔ نیز حضرت علیؑ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی جنگ شروع ہوتی تو آپ ہم سب کی نسبت دشمن سے زیادہ قریب ہوتے باوجود اس کے ہم حضور کی پناہ میں ہوتے تھے۔ روایت ۱۵ ہے کہ حضور علیہ السلام بہت کم بولتے تھے جب آپ جنگ کا حکم صادر فرماتے تو بذات خود جنگ کے لیے تیار ہوتے اور سب سے جڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرتے زیادہ بہادر وہی سمجھا جاتا تھا جو جنگ میں حضور کے قریب ہوتا تھا کیونکہ آپ دشمن سے زیادہ قریب ہوا کرتے تھے عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ دشمن کی جس جماعت سے بھی آپ کی جنگ ہوتی تو سب

۱ بخاری بروایت جبیر بن مطعم۔

۲ داری بروایت ابن عمرؓ اور بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ مذکور ہے۔ کہ کان احسن الناس و اشجع الناس یعنی حضور تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور بہادر تھے۔

۳ ابن حبان در اخلاق النبی ﷺ۔

۴ نسائی بروایت علی مرتضیٰ و مسلم بروایت براء ابن عازب۔

۵ ابن حبان نے روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

۶ طبرانی اور اوسط بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف۔

۷ بخاری و مسلم بروایت براء ابن عازب۔

سے پہلے آپ ہی وار فرماتے۔ آپ بڑے جنگجو اور لڑاکے تھے۔ ایک دفعہ آپ کو مشرکوں نے گھیر لیا۔ آپ فوراً اپنی خچر سے اتر کر فرمانے لگے کہ ”اننا النبی لا کذب اننا بن عبدالمطلب“ یعنی لوگو! میں یقیناً سچا نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں اس دن حضور سے بڑھ کر کوئی بہادر اور قوی دل نظر نہیں آتا تھا۔

گیارہواں بیان

خاتم النبیین ﷺ کی تواضع کے ذکر میں

حضور انور ﷺ باوجود تمام دنیا سے اعلیٰ مرتبہ ہونے کے سب سے زیادہ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ سرخ اونٹنی پر سوار ہو کر جمرہ کو کنکریاں مار رہے تھے لیکن کوئی کسی کو دھکے نہیں دیتا تھا اور نہ ہی ہٹو بچو کہتا تھا۔ جیسے دیگر امرا اور سلاطین کی آمد کے وقت ہوا کرتا ہے آپ اس قدر منکسر المزاج تھے کہ اپنے دراز گوش پر بجائے زین کے چادر ڈال کر سوار ہو جاتے اور پھر کسی کو اپنے پیچھے بھی سوار کر لیتے تھے۔ آپ بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے جنازہ کے ہمراہ تشریف لے جاتے غلام کی دعوت منظور فرما لیتے اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگایا کرتے اور گھر میں گھر والوں کے ساتھ مل کر کام بھی کرتے تھے۔ چونکہ حضور انور کسی سے کام کروانے کو برا جانتے تھے اس لئے صحابہ کرام آپ کا کام نہیں کرتے تھے۔ آپ ۵ لڑکوں کے پاس گزرتے وقت بھی ان کو سلام کرتے ایک شخص حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر کیا گیا تو وہ مارے رعب کے کانپنے لگا آپ نے تسلی کے طور پر ارشاد فرمایا۔ ڈرو مت میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی

۱۔ ترمذی و نسائی و ابن ماجہ بروایت قدامہ بن عبد اللہ۔

۲۔ بخاری و مسلم بروایت اسامہ بن زید۔

۳۔ اس کی سند اسی باب کے شروع میں گزر چکی ہے۔

۴۔ ترمذی بروایت انسؓ۔

۵۔ بخاری و مسلم بروایت جریرہؓ۔

۶۔ ابوداؤد و نسائی بروایت ابی ہریرہؓ۔

تھی آپ اصحابہ کرامؓ میں ایسے مل جل کر بیٹھتے کہ کوئی اجنبی شخص آپ کو پوچھے بغیر پہچان نہیں سکتا تھا صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ کسی ایسی جگہ بیٹھا کریں کہ ناواقف آدمی آپ کو پہچان لیا کرے چنانچہ اس غرض کے لیے صحابہؓ نے محض آپ کے بیٹھنے کے لیے مٹی کا ایک چبوترہ سا بنا دیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفع میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری جان آپ پر قربان ہو جو آپ تکیہ پر سہارا لگا کر تناول فرمایا کیجئے اس میں آپ کو آرام رہے گا۔ لیکن حضور نے کھانا کھاتے وقت بجائے تکیہ لگانے کے اور جھک کر کھانا کھانے لگے۔ حتیٰ کہ آپ کا سر مبارک زمین پر لگنے کو ہو گیا پھر ارشاد فرمایا کہ میں بندوں کی طرح کھاؤں گا اور بندوں کی طرح بیٹھوں گا آپ نے عمر بھر کشتی اور خوان میں کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اگر آپ ہم کو کوئی صحابی یا کوئی اور شخص آواز دیتا تو جواب میں ۵ (لبیک) فرماتے میں حاضر ہوں جب حضور لوگوں کے ساتھ مجلس فرماتے تو جیسی گفتگو وہ کرتے ویسی ہی آپ بھی کرتے مثلاً اگر لوگوں نے دنیاوی گفتگو شروع کی ہے تو آپ بھی دنیاوی گفتگو فرماتے اور اگر دین یا آخرت کے بارے میں انھوں نے کوئی گفتگو شروع کی تو آپ بھی ویسی ہی گفتگو فرماتے غرض کہ مجلس میں بھی تواضع کی خاطر لوگوں کا لحاظ رکھتے۔ اگر کبھی ۶ صحابہ کرامؓ حضور کے سامنے اشواء پڑھتے اور زمانہ جاہلیت (کفر) کا تذکرہ کر کے ہنستے تو آپ بھی ان کے ساتھ تبسم فرماتے اور سوائے حرام کے اور کسی چیز پر ان کو جھڑکتے نہیں تھے۔

بارہواں بیان

حضور پر نور ﷺ کے حلیہ مبارک کے ذکر میں

حضور ﷺ نے زیادہ لمبے تھے، نہ پست قد، اگر آپ تنہا چلتے تب تو حضور میانہ قد معلوم ہوتے تھے لیکن جب کسی کے ساتھ مل کر چلتے تو حضور کا قد مبارک لمبے قد والوں سے بھی اونچا ہو جاتا تھا جب کبھی حضور دو لمبے قد والوں کے درمیان چلتے تو آپ کا قد مبارک ان

۱۔ ابوداؤد نسائی بروایت ابی ہریرہ۔ ۲۔ ابن جریر بروایت عبداللہ بن عبید بن عمیر عن عائشہ۔

۳۔ بخاری بروایت انس۔ ۴۔ ابونعیم در دلائل النبوة بروایت عائشہ اور اس سند میں حسین بن علوان متہم بالکذب

ہے۔ ۵۔ ترمذی اور شمائل بروایت زید بن ثابت۔ ۶۔ مسلم بروایت جابر بن عمر۔

۷۔ ابونعیم در دلائل بروایت عائشہ صدیقہ۔

سے لمبا معلوم ہوتا تھا لیکن جب وہی لمبے قد والے اکیلے چلتے تو وہ دراز قد معلوم ہوتے تھے اور حضور درمیانہ قد نظر آتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے بھلائی میانہ پن میں ہے حضور کا رنگ مبارک خالص گورا چٹا تھا لیکن نہ حد سے زیادہ سفید تھا اور نہ ہی گندم گوں تھا حضور کی تعریف میں آپ کے چچا ابوطالب نے اس مضمون کا شعر کہا ہے

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه

ثم اليتامى عصمة الارامل

وہ نورانی بدن جس کے سبب بارش کا نزول ہو یتیموں اور بیواؤں کا وہ سلجا و ماویٰ ہے بعض نے آپ کا رنگ سرخی مائل بیان کیا ہے تو وہ دونوں روایتوں کے مطابقت اس طرح کی گئی ہے کہ جو اعضاء حضور کے کپڑوں میں چھپے رہتے تھے وہ تو خالص گورے چٹے تھے اور جو کپڑوں سے باہر رہتے جیسے چہرہ انوار اور گردن وغیرہ سرخی مائل تھے حضور کا پسینہ مبارک چہرہ انور پر موتیوں کی طرح کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار معلوم ہوتا تھا آپ کے بال مبارک نہایت عمدہ مڑے ہوئے تھے نہ تو زیادہ لٹکے ہوئے تھے اور نہ ہی بہت گھنگر والے تھے جب آپ اپنے بالوں میں کنگھی کرتے تو وہ اس طرح معلوم ہوتے جس طرح ہوا سے ریت میں لہریں پڑ جاتی ہیں روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سر کے بال کندھوں سے لگتے تھے اور اکثر ۲ روایتوں میں یوں آیا ہے کہ کانوں کی لوت تک ہوتے تھے کبھی آپ اپنے بالوں کے چار لچھے سے بنا لیتے ہر ایک کان حضور کا دو لچھون کے درمیان سے نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا کبھی آپ بالوں کو کانوں پر ڈال دیتے تو آپ کی گردہ کا کنارہ چمکتا ہوا معلوم ہوتا تھا آپ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں گنتی کے سترہ بال سفید تھے اس سے زیادہ سفید بال ابھی نہیں ہوئے تھے حضور ﷺ کا چہرہ انور نہایت خوبصورت اور نورانی تھا جس نے بھی آپ کا حلیہ مبارک دیکھا اس نے حضور کے چہرہ انور کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہی بیان کیا ہے حضور کی جلد مبارک بہت صاف تھی اس لئے خوشی اور ناراضگی کے آثار فوراً چہرہ انور پر نمایاں ہو جاتے تھے لوگ کہا کرتے تھے کہ بیشک آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبر نے آپ کی تعریف میں شعر کہا ہے

۱۔ بخاری تعلیقاً بروایت ابن عمر و ابن ماجہ ابن اسحاق در سیرت۔

۲۔ بخاری و مسلم بروایت براء بن عازب۔

امین مصطفیٰ للخیر یدعو

كضوء البدر زابلة الظلام

حضور بڑے امانتدار، برگزیدہ خلائق، اور خلق خدا کو سیدھا راستہ بتلانے والے ہیں آپ کی تشریف آوری ایسی ہے جیسے چودھویں رات کا چاند اندھیرے میں سے نکل آتا ہے اور سب جگہ اجالا ہی اجالا کر دیتا ہے حضور علیہ السلام کی پیشانی مبارک بہت فراخ تھی اور بھنویں باریک تھیں دونوں بھنویں کے درمیان خالص چاندی کی طرح نور چمکتا تھا آپ کی دونوں آنکھیں کشادہ اور نہایت خوشنما تھیں نیز آپ کی آنکھیں خوب سیاہ اور سرخی مائل تھیں آپ کی پلکیں بہت لمبی اور اس کثرت سے تھیں کہ ملنے کے قریب ہو گئی تھیں حضور کی ناک مبارک پتلی اور لمبی تھی اور آپ کے دانت کچھ تھے جب آپ ہنستے تو وہ دانت بجلی کی طرح چمکتے تھے حضور کے لب مبارک سب سے زیادہ خوبصورت اور لطیف تھے اور آپ کے رخسار مبارک ابھرے ہوئے نہیں تھے بلکہ سخت تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک نہ زیادہ لمبا تھا نہ زیادہ گول بلکہ لمبا کسی قدر گولائی لئے ہوئے آپ کی ڈاڑھی مبارک گھنی تھی اسے آپ بالکل نہیں کترواتے تھے بلکہ لمبی چھوڑی ہوئی تھی البتہ موچھیں ضرور کترواتے تھے حضور کی گردن مبارک سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی نہ زیادہ لمبی نہ چھوٹی گردن کے جتنے حصے پر دھوپ اور ہوا لگتی تھی وہ ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے کچھ سونا ملی ہوئی چاندی کی صراحی جس میں سے چاندی کی چمک اور سونے کی دمک نظر آتی تھی آپ کا سینہ مبارک چوڑا تھا اس میں کسی جگہ کا گوشت ابھرا ہوا نہیں تھا آئینہ کی طرح صاف و شفاف اور چاندی کی طرح سفید تھا سینہ کے سرے سے لیکر ناف تک دھار کی طرح بالوں کا ایک باریک خط تھا اس کے علاوہ سینہ اور پیٹ پر کہیں بال نہیں تھے حضور کے پیٹ پر تین شکن تھے ایک شکن تہ بند کے نیچے آجاتا تھا اور دو شکن تہ بند سے باہر رہتے تھے آپ کے کندھے مبارک بڑے بڑے تھے اور ان پر بال کثرت سے تھے آپ کے کندھوں کہنیوں اور کمر کے جوڑ گوشت سے بھرے ہوئے تھے اور حضور کی پشت مبارک فراخ تھی حضور پر نور ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان داہنے کندھے کے قریب مہر نبوت تھی جس میں سیاہ زردی مائل ایک داغ سا تھا اور اس کے ارد گرد گھوڑے کی عیال کے بالوں کی طرح کچھ بال تھے آپ کے دونوں بازو اور ہاتھ بھی گوشت سے پر تھے آپ کے دونوں بند دست لمبے اور ہتھیلی مبارک چوڑی اور ہاتھ پاؤں کشادہ تھے آپ کی انگلیاں ایسی چمکدار تھیں جیسے چاندی کی سلاخیں حضور کی ہتھیلی مبارک ریشم سے بھی زیادہ نرم اور عطر سے زیادہ خوشبودار تھی جو شخص آپ سے مصافحہ کرتا دن بھر خوشبو

سے معطر رہتا اگر شفقت اور پیار کے طور پر حضور پر نور کسی لڑکے کے سر پر ہاتھ مبارک پھیر دیتے تو خوشبو کے باعث وہ دوسرے لڑکوں سے ممتاز ہو جاتا تھا حضور کی رانیں اور پنڈلیاں مبارک گوشت سے پر تھیں آپ کا جسم اطہر معتدل درجہ کا تھا۔ مگر اخیر عمر میں حضور کسی قدر موٹے ہو گئے تھے باوجود مٹاپے کے آپ کا بدن مبارک نوعمروں کی طرح سڈول اور مضبوط تھا غرض کہ آپ کا بدن موٹا یا ضرر رساں نہیں تھا حضور کی چال ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا پاؤں مبارک جما کر اٹھاتے ہیں اور اوپر سے نیچے کو تشریف لاتے ہیں پاؤں پاس پاس رکھ کر چلتے اور چلتے وقت پاؤں مبارک آگے کو جھک کر رکھتے حضور انور ﷺ ارشاد فرمایا کرتے کہ میں اوروں کی نسبت آدم علیہ السلام سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں اور ابراہیم علیہ السلام صورت و سیرت میں میرے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے تھے اور فرماتے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک میرے دس نام ہیں، میں محمد ہوں، احمد ہوں، ماحی (مٹانیوالا) ہوں اس لیے کہ میرے ذریعہ خدا تعالیٰ کفر کو مٹائیگا، عاقب (پیچھے آنے والا) ہوں کیونکہ میں سب پیغمبروں کے بعد ہوا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا، حاشر (اکٹھا کر نیوالا) اس لئے کہ خدا تعالیٰ میرے اٹھنے کے بعد سب مخلوقات کو اٹھائیگا اور اس میں، رسول رحمت، رسول توبہ، رسول ملاحم اور، مقفی (پیچھے آنے والا) ہوں کیونکہ میں تمام انبیاء علیہ السلام کے بعد پیدا ہوا ہوں اور میں قسم یعنی کامل اور جمیع اوصاف حسنہ کا جامع ہوں۔

تیرھواں بیان

حضور اکرم ﷺ کے معجزات کے ذکر میں

جن سے حضور کی صداقت ثابت ہوتی ہے

جاننا چاہیے کہ اگر حضور پر نور ﷺ کے حالات کا مشاہدہ کیا جاوے اور آپ کے اخلاق اور عادات اور افعال و اعمال اور انتظام و تدبیر خلاق صحیح صحیح خبریں گوش گزار ہوں نیز پہلے پانچ نام بخاری و مسلم میں بروایت جبیر بن مطعم منقول ہیں۔ اور مسلم نے مقفی اور نبی التوبہ اور نبی الرحمۃ بروایت ابی موسیٰ کیے ہیں اور احمد بن حنبل نے بروایت حزیفہ نبی الملاحم ذکر کیا ہے اور ابو نعیم نے دلائل میں ابی الطفیل سے آٹھ نام منجملہ دس کے کچھ زیادہ کر کے لکھے ہیں اور ابن عدی نے بروایت علی مرتضیٰ و جابر و اسامہ بن زید و ابن عباس و عائشہ بسند ضعیف نقل کیے ہیں۔

مشکل لا تسئل سوالات کے جو جوابات حضور نے ارشاد فرمائے ہیں اور مخلوقات کی بہتری کی جو جو حیرت انگیز تدابیر آپ نے نکالیں ان کو دیکھا جاوے اور قوانین شریعت کی جو تفصیل حضور نے فرمائی ہے اور جس کے ادنیٰ ادنیٰ باریکیوں میں علماء محققین و فقہای مجتہدین عمر بھر حیران اور عاجز رہے ہیں ان سب امور میں اگر غور و فکر کیا جاوے تو عقل سلیم کو ذرہ بھر شک و شبہ باقی نہیں رہتا کہ ان تمام امور کی سرانجام وہی بلا تائید غیبی محض انسانی طاقت سے ناممکن ہے کوئی جھوٹا اور فریبی آدمی ان تمام امور دینی و دنیاوی ظاہری و باطنی، علمی و عملی، جسمانی و روحانی، کو ہر پہلو میں مکمل کر کے نہیں دکھا سکتا حضور کی ظاہری شکل و شبہت ہی آپ کی صداقت کا بین ثبوت تھی چنانچہ بعض خاندانی عرب آپ کو دیکھ کر ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ جھوٹوں کی صورت نہیں ہے تو جن لوگوں نے آپ کے عادات و اخلاق کا مشاہدہ کیا ہو اور تمام حالات نشست و برخاست میں حضور کے ہمراہ عمر گزری ہو وہ کیونکر آپ کی صداقت کے قائل نہ ہوں ہم نے حضور کے اخلاق کریمہ اس لئے بیان کیے ہیں کہ لوگوں کو اخلاق حسنیٰ کا پتہ لگے اور ان کے دل میں حضور کی صداقت اور بارگاہ الہی میں ان کی عظمت و رفعت معلوم ہو جاوے نیز تاکہ منکرین پر اتمام حجت ہو کہ حضور محض امی (ان پڑھ) تھے نہ آپ نے کسی سے علم پڑھانہ کتابوں کا مطالعہ کیا اور نہ طالب علمی کے لئے کہیں سفر کیے گئے ہمیشہ جاہل عربوں میں رہے یتیم اور بیکس تھے پس اس بے سروسامانی کی حالت میں دیگر علوم و معارف الہی اور فرشتوں اور آسمانی کتاب کا علم تو درکنار اخلاق حسنہ کا علم بھی حاصل ہونا ناممکن تھا لکن وجوہات کی بنا پر قطعی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ بجز وحی الہی کے یہ سب چیزیں ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتیں اور محض طاقت انسانی ان علوم کو معلوم کرنے سے عاجز و قاصر ہے یہ ظاہری امور ہی آپ کی صداقت کے لئے کافی و دافی تھے لیکن جس صورت میں کہ حضور میں علاوہ ان ظاہری صداقتوں کے باطنی نشانات صداقت یعنی معجزات بھی پائے جاتے تھے تو اس صورت میں تو آپ کی صداقت میں کسی عاقل کو شک و شبہ کی ذرہ بھر بھی گنجائش باقی نہیں رہتی ہم آپ کے صرف وہی معجزات ذکر کرتے ہیں جو صحیح احادیث میں آئے ہیں نیز ہم معجزات کو مختصر طور پر ذکر کریں گے۔ مکمل قصہ ذکر نہیں کریں گے۔

﴿حِجْرٌ وَفَسْطَاطٌ﴾ (۱) کفار مکہ نے جب حضور سے شق القمر (چاند کے دو

ٹکڑے ہونا) معجزہ کا مطالبہ کیا تو حضور نے چاند کی طرف ارشاد فرمایا چاند فوراً دو ٹکڑے ہو گیا۔

ابن بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود و ابن عباس

۱۲۔ چیز و فہم (۲) خندق کے روز حضرت جابرؓ کے مکان میں صرف ایک سیر جوڑ سے کثیر التعداد لوگوں کو کھانا کھلایا۔

۱۳۔ چیز و فہم (۳) حضرت ابو طلحہؓ کے مکان پر بھی آپ نے تھوڑی سی غذا سے بہت سے لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

۱۴۔ چیز و فہم (۴) ایک مرتبہ حضور نے ایک صاع (دوسیر) جو اور بکری کے بچہ سے ۸۰ آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

۱۵۔ چیز و فہم (۵) ایک دفعہ حضرت انسؓ کی چند روٹیاں اپنے ہاتھ میں لے گئے حضور نے ان روٹیوں سے ۸۰ سے زیادہ آدمیوں کو پیٹ بھر دیا۔

۱۶۔ چیز و فہم (۶) ایک دفعہ ابن بشر تھوڑی سی کھجوریں اپنے ہاتھوں میں لائے آپ نے ان کھجوروں سے سب شکر والوں کو پیٹ بھر دیا اور پھر بھی کچھ کھجوریں بیچ گئیں۔

۱۷۔ چیز و فہم (۷) ایک دفعہ تمام لشکر محمدیؐ پیاس سے بیتاب ہو گئے حضور نے ایک چھوٹے سے پیالے (جس میں آپ کا ہاتھ بھی اچھی طرح پھیل نہیں سکتا تھا) میں اپنا دست مبارک رکھا تو آپ کی انگلیوں میں سے پانی پھوٹ نکلا جس میں سے تمام لشکر نے پانی بھی پیا اور وضو بھی کیا۔

۱۸۔ چیز و فہم (۸) تبوک کے چشمے میں پانی سوکھ گیا تھا حضور ﷺ نے اپنے وضو کا پانی اس میں ڈال دیا تو اس چشمہ کا پانی اتنا چڑھ آیا کہ ہزار ہا کی تعداد میں اہل لشکر نے خوب سیراب ہو کر پانی پیا۔

۱۹۔ چیز و فہم (۹) حدیبیہ کے کنویں میں پانی نہیں رہا تھا آپ نے اپنے وضو کا

۱۔ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ

۲۔ بخاری و مسلم بروایت انسؓ

۳۔ بیہنی در دلائل النبوة بروایت جابرؓ بخاری میں بھی ایک اور روایت بلا ذکر تعدد کے مذکور ہے۔

۴۔ مسلم بروایت انسؓ۔

۵۔ بیہقی در دلائل بروایت بشر بن سعدؓ۔

۶۔ بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

۷۔ مسلم بروایت معاذؓ..... ۸۔ مسلم بروایت بن الاکوع اور بخاری میں بروایت براء بن عازب منقول ہے۔

بچا ہوا پانی اس میں ڈالا تو اس چشمہ کا پانی اس قدر جوش کر آیا کہ پندرہ سو آدمیوں نے اس میں سے پانی پیا۔

سُحُورُ وَ فُجُورُ (۱۰) ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے حضرت عمر فاروقؓ کو ارشاد فرمایا کہ تھوڑے خرے (جو زیادہ سے زیادہ ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر ہوں گے) چار سو سواروں کو سفر خرچ کے طور پر دید و حضرت فاروق اعظمؓ نے سب کو خرچ بھی دیدیا اور پھر بھی اتنے کے اتنے بچ گئے۔

سُحُورُ وَ فُجُورُ (۱۱) حضور نے مٹی کی ایک مٹھی لشکر کفار کی طرف پھینکی جس سے سب کفار اندھے ہو گئے چنانچہ اس معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے ارشاد باری ہے ﴿ وَمَا مِيتٌ اذ رَمِيتٌ وَلٰكِن اللّٰهُ رَمٰی ﴾ یعنی اے پیغمبر کفار پر مٹی کی مٹھی آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔

سُحُورُ وَ فُجُورُ (۱۲) آپ کی دنیا میں تشریف آوری کی برکت سے کہانت (غیبی باتیں کہنا) بالکل نیست و نابود ہو گئی حالانکہ پہلے علانیہ طور پر تھی۔

سُحُورُ وَ فُجُورُ (۱۳) پہلے حضور ایک ستون سے سہارا لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے پھر آپ کے لئے ایک ممبر تیار کیا گیا چنانچہ اس ممبر پر چڑھ کر آپ خطبہ پڑھنے لگے تو وہ ستون کے فراق میں رونے لگا جس طرح اونٹ بولتا ہے اس کے روکنے کی آواز تمام صحابہؓ نے سنی آپ نے اس کو اپنے سینہ مبارک سے لگایا تو وہ چپ ہو گیا۔

سُحُورُ وَ فُجُورُ (۱۴) حضرت ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو ساتھ ہی یہ پیش گوئی بھی فرمادی کہ تم ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نہ بول سکے اور نہ موت کی تمنا کر سکے یہ معجزہ سورۃ (جمعہ) میں مذکور ہے جو تمام روئے زمین کی جامع مسجدوں میں جمعہ کے روز محض اسی معجزہ والی آیت کی عظمت کے لئے پکار کر پڑھی جاتی ہے۔

۱ احمد بروایت نعمان بن مقرن

۲ مسلم بروایت سلمۃ بن الاکوع۔

۳ خرابطی بروایت مرداس بن قیس۔

۴ بخاری بروایت جابر و سہل بن سعد۔

۵ بخاری بروایت ابن عباسؓ۔

سَنَجْرُونُ فَسَيْدُ (۱۵۵) حضور نے حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق غیبی خبر دی کہ تم دشمنوں کے بلوے سے شہید ہو جاؤ گے اس شہادت کے بعد تمہارے لئے جنت ہے چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔

سَنَجْرُونُ فَسَيْدُ (۱۶۱) حضرت عمارؓ کے متعلق بھی آپ نے پیشگوئی فرمائی کہ تم کو باغی شہید کر دیں گے چنانچہ حضرت عمارؓ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

سَنَجْرُونُ فَسَيْدُ (۱۶۷) حضرت امام حسنؓ کے متعلق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح ہو جائیگی۔

سَنَجْرُونُ فَسَيْدُ (۱۸۸) ایک شخص نے راہ خدا میں جہاد کیا حضور نے اس کے حق میں پیشگوئی فرمائی کہ یہ شخص دوزخی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس شخص نے خودکشی کر لی جس سے وہ جہنمی بن گیا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کا علم سوائے وحی الہی کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا نہ نجوم سے نہ رمل سے نہ فال سے نہ کہانت سے جب آپ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کر کے جا رہے تھے تو سراقہ بن جحثم نے آپ کا تعاقب کیا جس کی ستر اس کو یہ ملی کہ اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا اور ایک دھواں اس کے پیچھے لگ گیا سراقہ نے حضور ﷺ سے معافی مانگی آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی چنانچہ آپ کی دعا برکت سے اس کا گھوڑا زمین سے باہر نکل آیا۔

سَنَجْرُونُ فَسَيْدُ (۱۹۱) حضور نے سراقہ بن جحثم کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ اے سراقہ تیرے ہاتھوں میں کسریٰ بادشاہ کے کنگن پہنائے جاویں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سَنَجْرُونُ فَسَيْدُ (۲۰۰) اسود غنسی نے صنعاء یمن نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوا تھا حضور نے اس کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ یہ شخص فلاں شب کو فلاں شخص کے ہاتھ سے قتل کیا جائیگا

۱۔ بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰ۔

۲۔ مسلم بروایت ابی قتادہ و ام سلمہ و بخاری بروایت ابن سعید۔

۳۔ بخاری بروایت ابی بکرؓ۔

۴۔ بخاری بروایت ابی ہریرہؓ۔

۵۔ بخاری و مسلم بروایت صدیق اکبرؓ۔

۶۔ یہ قصہ سیر میں مذکور ہے۔

چنانچہ اسود عسی بعینہ اسی شب کو قتل ہوا جو حضور کی پیشگوئی میں مذکور تھی
 ۲۲۱) قریش کے سوا آدمی حضور کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے آپ
 کو تائید غیبی سے معلوم ہوا تو آپ تشریف لے جا کر خاک کی مٹھی ان کے سر پر پھینک آئے لیکن
 حضور ان کو نظر نہ آئے۔

۲۲۲) صحابہ کرام کے روبرو حضور کی خدمت میں ایک اونٹ نے
 اپنے مالک کی شکایت کی اور آپ کا فرمانبردار ہو گیا۔

۲۲۳) چند صحابہ کرام حضور کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے
 آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص دوزخی ہو جائیگا جس کی داڑھ
 کو احد جیس ہو جائیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اور لوگ تو اسلام پر مرے اور ایک شخص مرتد ہو گیا اور
 ان بے دینی کی حالت میں مارا گیا۔

۲۲۴) ایک دفعہ چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ
 نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے جو سب کے بعد مرے گا وہ آگ میں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا
 کہ جو سب سے اخیر میں مرا وہ آگ میں گر کر مر گیا۔

۲۲۵) ایک دفعہ حضور علیہ السلام قضاء حاجت (پائخانہ) کو
 تشریف لے گئے اور پردہ کے لئے دو درختوں کو بلا لیا چنانچہ وہ دونوں درخت حسب
 الارشاد آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر مل گئے اور آپ کو پردہ کیا جب حضور قضا حاجت
 سے فارغ ہوئے تو آپ نے حکم دیا کہ واپس چلے جاؤ چنانچہ وہ دونوں جدا ہو کر جہاں کے تھے
 وہیں جا کھڑے ہوئے۔

۲۲۶) حضور ﷺ میانہ قد تھے لیکن لمبے قد والوں کے ساتھ چلتے تو
 ان سے بھی لمبے نظر آتے تھے۔

۱ ابن مرویہ بروایت ابن عباس بسند ضعیف۔

۲ ابوداؤد بروایت عبداللہ بن مسعود۔

۳ دارقطنی بروایت ابی ہریرہ۔

۴ بیہقی در دلائل بروایت ابی محذورہ والی ہریرہ۔

۵ احمد بروایت ابولعلی۔

۶ ذیل کی سند اوپر گزر چکی ہے۔

۱۰۰ چتر ۱۰۰ نمبر (۲۷۷) حضور ﷺ نے عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی۔ اور فرمایا کہ اگر مباہلہ کے لئے آؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے چنانچہ عیسائی مباہلہ کے واسطے نہ آئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور سچ فرماتے ہیں۔

۱۰۰ چتر ۱۰۰ نمبر (۲۷۸) عامر بن طفیل اور ازبد بن قیس عرب کے مشہور شہسوار اور بہادر آدمی تھے یہ دونوں حضرت کے قتل کرنے کے لئے آئے مگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حضور ﷺ نے ان کے حق میں بددعا فرمائی۔ چنانچہ بموجب آپ کی بددعا کے عامر طاعون سے ہلاک ہو گیا اور ازبد پر بجلی گری۔

۱۰۰ چتر ۱۰۰ نمبر (۲۷۹) حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ابی بن خلف کو میں قتل کروں گا۔ پس جنگ احد میں آپ کے ایک ہی وار سے اس کی موت ہوئی۔

۱۰۰ چتر ۱۰۰ نمبر (۲۸۰) حضور کو کسی دشمن نے کھانے میں زہر ملا کر کھلا دیا جس شخص نے آپ کے ساتھ زہر والا کھانا کھایا تھا۔ وہ تو مر گیا اور آپ اس واقعہ کے چار سال بعد تک زندہ رہے اور بکری کے جس گوشت میں زہر ملا ہوا تھا اس گوشت نے حضور کو اطلاع دی کہ مجھ میں زہر ہے۔

۱۰۰ چتر ۱۰۰ نمبر (۲۸۱) جنگ بدر کے روز حضور علیہ السلام نے کفار قریش کے سرداروں کے قتل ہونے کی قبل از وقت پیش گوئی فرمائی۔ اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کہ فلاں کافر فلاں جگہ قتل ہو کر گرے گا۔ اور فلاں کافر فلاں جگہ۔ چنانچہ جو جو جگہ جس جس کے لئے فرمائی تھی وہ وہیں گرا۔

۱۰۰ چتر ۱۰۰ نمبر (۲۸۲) حضور نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جہاد کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۱۰۰ چتر ۱۰۰ نمبر (۲۸۳) آپ کی خاطر زمین سمیٹ کر مشرق سے لیکر مغرب تک دکھلائی ہو گئی۔

ابن بخاری بروایت ابن عباسؓ۔

۲ ابوداؤد بروایت جابرؓ اور جو صحابی فوت ہو گئے تھے ان کا نام بشر بن براء تھا۔

۳ مسلم بروایت عمر فاروقؓ۔

۴ مسلم بروایت ثوبانؓ۔

۵۳۳۔ چیز و فہم (۴۳) آپ نے اپنی پیش گوئی فرمائی کہ میری امت کی سلطنت اتنی ہی وسیع ہو جائے گی جتنی کہ مجھے سمیٹ کر دکھلائی گئی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کی سلطنت ابتدائے مشرق یعنی ملک ترکستان سے لیکر آخر مغرب یعنی بحر اندلس اور ملک بربر تک پھیل گئی اور دکن اور شمال میں نہ پھیلی جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

۵۳۴۔ چیز و فہم (۴۴) حضور علیہ السلام نے اپنی لخت جگر حضرت بی بی فاطمہ سے ارشاد فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔ (یعنی میری وفات کے بعد سب سے پہلے میرے کنبہ میں تمہاری وفات ہوگی)۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۵۳۵۔ چیز و فہم (۴۵) حضور نے اپنی ازواج مطہرات (بیویوں) سے ارشاد فرمایا کہ جو کسی تم میں سے زیادہ خیرات کرے گی۔ وہ مجھے جلد تر ملے گی (یعنی اس کی وفات میری وفات کے بعد جلد تر واقع ہوگی) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت زینب بنت جحش دستکاری کر کے خیرات بہت زیادہ کرتی تھیں۔ اس لئے سب بیویوں سے پہلے وہی وفات ہوئیں۔

۵۳۶۔ چیز و فہم (۴۶) جناب سرور کائنات ﷺ نے ایک دودھ دینے والی بکری کے تھن کو ہاتھ لگایا تو بکری بہ برکت آپ کے ہاتھ لگانے کے دودھ دینے لگی چنانچہ یہی معجزہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مشرف باسلام ہونے کا باعث ہوا۔

۵۳۷۔ چیز و فہم (۴۷) ایک دفعہ امام معبد خزاعیہ کے خیمہ میں بھی یہی بکری والا معجزہ ظہور پذیر ہوا۔

۵۳۸۔ چیز و فہم (۴۸) ایک صحابی کی آنکھ نکل کر گر پڑی آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ آنکھ اپنی جگہ پر رکھ دی تو وہ ایسی صحیح سلامت اور خوشنما بن گئی کہ ویسی دوسری آنکھ بھی نہ تھی۔

۵۳۹۔ چیز و فہم (۴۹) خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ کی آنکھیں دکھنی آگئیں۔ آپ نے اپنا لب مبارک ان پر لگایا تو وہ اسی وقت صحیح سلامت ہو گئیں اور آپ نے حضرت علی کو

۱۔ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ۔ ۲۔ مسلم بروایت عائشہ صدیقہ۔

۳۔ احمد بروایت ابن مسعود۔

۴۔ اس کی سند تخریبات عراقی میں نہیں ملی۔

۵۔ ابو نعیم و ہیثمی بروایت قتادہ بن نعمان۔

۶۔ بخاری و مسلم بروایت علی مرتضیٰ۔

جھنڈا دیکر روانہ کیا۔

سَجْرَةٌ فَسِيرٌ (۱۱) حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں صحابہ کرام کھانے کی تسبیح بنا کرتے تھے۔

سَجْرَةٌ فَسِيرٌ (۱۲) ایک صحابی کی ٹانگ مبارک پر سخت چوٹ لگ گئی تھی آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا تو وہ فوراً اچھی ہو گئی۔

سَجْرَةٌ فَسِيرٌ (۱۳) ایک دفعہ لشکر رسول اللہ ﷺ میں زادراہ بہت ہی کم ہو گیا۔ آپ نے اس میں برکت کی دعائ مانگی اور لشکر والوں کو کہا کہ سفر خرچ لے لو انہوں نے اتنا سفر خرچ لیا کہ لشکریوں کے سب برتن بھر گئے۔

سَجْرَةٌ فَسِيرٌ (۱۴) حکم بن العاص خبیث مسخری کے طور پر حضور کی چال کی نقل کیا کرتا تھا۔ آپ نے بددعا فرمائی کہ خدا کرے تو ایسا ہی رہے چنانچہ مرتے دم تک وہ اسی طرح لڑکھڑا کر چلتا رہا۔

سَجْرَةٌ فَسِيرٌ (۱۵) ایک عورت سے حضور نے پیام نکاح کیا اس کے باپ نے یہ بہانہ کر کے حضور کو ٹال دیا کہ اس عورت کو برص کی بیماری ہے۔ حالانکہ درحقیقت اس کو یہ بیماری نہیں تھی۔ حضور نے فرمایا کہ ایسی ہی ہو جائیگی چنانچہ اس عورت کو برص ہو گئی۔ وہ عورت شیبیب بن برصا شاعر کی والدہ تھی۔

ہم نے تو آپ کے صرف مشہور مشہور معجزات ذکر کیے ہیں ورنہ حضور کے معجزات تو ان کے علاوہ اور بھی بی شمار ہیں حضور علیہ السلام کے معجزات میں کسی قسم کا شک و شبہ کرنا اور یہ کہنا کہ یہ معجزات بتقل متواتر ثابت نہیں ہیں۔ بعینہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص حضرت علی مرتضیٰ کی بہادری اور حاتم طائی کی سخاوت میں شک کرے یہ ظاہر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ اور حاتم طائی کے حالات

۱۔ بخاری و رقصہ نقل ابی رافع۔

۲۔ بخاری و مسلم بروایت سلمہ بن الاکوع۔

۳۔ بیہقی در دلائل بروایت ہند بن خدیجہ۔

۴۔ بخاری و مسلم بروایت سلمہ بن الاکوع۔

۵۔ ابن جوزی نے اس عورت کا نام سبیحہ میں حمزہ بنت حارث بن عوف لکھا ہے اور اس کو دمیاطی نے بھی اختیار کیا ہے اپنی اس رسالہ میں جو آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے حال میں لکھا ہے۔ مگر پایہ صحت کو نہیں پہنچتا۔

انفرادی طور پر متواتر نہیں ہیں لیکن اگر ان کے حالات بہ حیثیت مجموعی دیکھے جاویں تو بیشک حضرت علیؑ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کے متواتر (یقینی) ہونے میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے اور یہ ایک ایسا زبردست اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے جو حضور ﷺ کے سوا کسی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوا کیونکہ تمام پیغمبروں کے معجزات ان کی زندگی تک محدود رہے ہیں لیکن حضور کا یہ قرآنی معجزہ دنیا میں تا قیامت باقی رہے گا آپ نے تمام فصحاء و بلغاء عرب کو بانگ دہل چیلنج دیا۔ کہ اگر تم کو قرآن مجید میں کسی طرح کا شک و شبہ ہے اور تمہیں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت میں دعویٰ ہے تو پھر کیوں قرآن مجید جیسی فصیح و بلیغ کلام تم بنا نہیں لاتے۔ اس جیسی دس سورتیں یا کم از کم ایک سورت ہی بنا لاؤ چنانچہ اس آیت قرآنی میں اس چیلنج کا تذکرہ مفصل طور پر موجود ہے ”لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل هذا القرآن لایاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظہیرا“ یعنی اگر تمام انسان اور جن باہم ایک دوسرے کے مددگار بن کر اکٹھے ہو جاویں اور اس قرآن پاک جیسی کوئی کلام بنانی چاہیں تو وہ ہرگز نہیں بنا سکے گیں۔ یہ چیلنج فصحاء و بلغاء عرب کو عاجز کرنے کے لئے فرمایا تھا چنانچہ اس معجزہ کے سامنے وہ عاجز ہوئے اور اپنے آپ کو قتل کرایا اور اپنی عورتوں اور بچوں کو قید کرایا مگر ان سے یہ نہ ہو سکا کہ قرآن مجید کا معارضہ کریں یا اس کی فصاحت و بلاغت وغیرہ میں کسی قسم کا کوئی طعن یا اعتراض کر سکیں۔ پھر آنحضرت ﷺ کے بعد قرآن مجید تمام دنیا میں مشرق سے لیکر مغرب تک پھیلا اور صدیوں گزر گئیں۔ حتیٰ کہ تقریباً پانچ سو برس گزر گئے ہیں کہ آج تک کوئی شخص اس معارضہ پر قادر نہیں ہوا۔ اندریں حالات بڑا ہی بے وقوف ہے وہ شخص جو آپ کے احوال و اقوال اور افعال و اخلاق اور معجزات کو دیکھنے اور اس کو یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ حضور کی شریعت اب تک جاری ہے اور اطراف عالم میں پھیل چکی ہے اور باوجود حضور کے یتیم رہ جانے کے تمام روئے زمین کے بادشاہ آپ کے احد مبارک میں اور اس کے بعد آپ کے حلقہ بگوش ہوئے ان سب امور کو معلوم کرنے کے بعد بھی جو شخص آپ کی صداقت میں کسی طرح کا شک و شبہ کرے وہ بڑا ہی احمق اور بد بخت ہے۔ اور بڑا ہی عقلمند اور نیک بخت وہ ہے جو آپ پر ایمان لائے اور صدق دل سے آپ کی تصدیق کرے اور ہر کام میں آپ کی اتباع اور پیروی کرے۔ آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے اخلاق افعال احوال و اقوال میں ہمیں حضور پر نور کا تابع اور فرمانبردار بنا دے۔ بیشک وہی سننے والا اور دعا قبول کرنے والا ہے۔

عربی سے اردو ترجمہ کتاب

قسطاس المستقیم

از

امام ہمام حجة الاسلام امام محمد الغزالیؒ

اردو ترجمہ کتاب

قسط اس المستقیم



بعده بندہ مصطفیٰ بن سید محمد القبانی الدمشقی مرحوم ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ دمشق کے شاہی کتب خانہ کی کتابوں کو غور سے مطالعہ کرتے وقت (اللہ تعالیٰ اس کتاب خانے کو ہمیشہ رکھ کر لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچائے اور اس کے وقف کنندہ اور امداد کنندوں سے بحسن سلوک پیش آئے) ”قسط اس المستقیم“ نام ایک کتاب دیکھی۔ جو حجۃ الاسلام امام ابی حامد الغزالی (اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحم کرے اور ان کے مرقد کو منور کرے) کی تصنیف لطیف ہے۔ اور جس کی تصنیف سے مصنف مرحوم کی غرض یہ تھی کہ حقیقت معرفت معلوم ہو جائے اس کتاب کا باعث تصنیف وہ مناظرہ ہے جو مصنف اور ایک باطنی شیعہ کے مابین ہوا۔ جس میں اس کے عقیدہ کی گجھی کو درست کیا اور اس کی عقل اور استعداد کے مطابق گفتگو کر کے اسے جتلا دیا کہ تمہارے برابر وہ نتائج غلط ہیں دلیل اور نقل سے مناظرہ کر کے عجائبات اسے دکھا کر گمراہی سے نکال کر سیدھی راہ پر لے آئے اور اسے مختلف ترازوؤں کی کنہ سمجھادی تاکہ قسط اس المستقیم سے وزن کر سکے۔

چونکہ مصنف علیہ الرحمۃ صدقہ حجت تھے جس کے بارے میں کوئی سے دو محقق بھی مختلف رائے نہیں اور یہ موضوع یعنی معرفت کا ادراک ہر زمانہ اور ہر مقام پر پسندیدہ اور مرغوب ہے بلکہ انسان کے لئے اس کا دریافت کرنا واجب ہے اس لئے میں نے اس کتاب کو بغرض ثواب مشتہر کرنا چاہا اس لئے اس کا اس طرح ضائع ہو جانا اچھا نہیں لیکن اس کی اشاعت میں یہ دقت پیش آئی کہ اس کتاب کے شروع کے چند ورق بوسیدہ اور پھٹے ہوئے تھے۔ جن کی تکمیل کے لئے بھتیرے کتب خانے چھان مارے لیکن صرف ایک نسخہ برلن میں اور دو اس

کریاں میں ہاتھ آئے لیکن ان سے صحیح کرنا میری قدرت سے باہر تھا پھر خاص خاص اشخاص کے کتب خانوں میں اس کی تلاش کرنے لگا۔ اثنائے تلاش میں میری نظر سے اس کا کوئی نسخہ نہ گزرا لیکن میرے ایک دوست نے کہا کہ اس کا ایک نسخہ استاد سلیم آفندی بخاری کے پاس ہے جو دمشق کے جید عالم اور جامع فضائل ہیں۔ میں نے کہا میری مراد پوری ہوئی اور گھر میں ہی گوہر مقصود ہاتھ آیا۔ اس مطلب کے لئے اپنے ایک شریف طالب علم رشتہ دار کو اس نسخہ کی نقل کے لئے کہا۔ جب وہ نقل کر کے لے آیا تو میں نے دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا اور ایک کامل نسخہ تیار کیا اور اس کے شروع میں مصنف مرحوم کے کچھ حالات بھی قلم بند کیے اور اس میں ضروری باتیں بھی درج کیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ یہ مفید کتاب مکمل ہو گئی جس میں طرح طرح کی خوبیاں ہیں تو فائق اور بھروسہ محض اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور وہی کافی اور عمدہ وکیل ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ کی مختصر سوانح عمری

آپ کا اسم مبارک محمد ہے اور محمد بن محمد بن احمد الطوسی کے فرزند ارجمند ہیں آپ کی کنیت ابو حامد غزالی اور لقب حجتہ الاسلام اور حجتہ الدین ہے جس دین کے ذریعہ دار السلام میں داخل ہو سکتے ہیں آپ کی ذات بابرکات تمام علوم کے اسباب کی جامع اور معقول و منقول پر حاوی تھی۔ آپ ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے لڑکپن میں تھوڑا سا علم فقہ اسی شہر میں علی احمد بن محمد رازگانی سے پڑھا پھر جرجان چلے گئے اور امام ابی نصر اسماعیل سے تعلیم حاصل کر کے طوس میں آئے اور یہاں تین سال رہ کر آموختہ کو حفظ کیا پھر نیشاپور جا کر امام الحرمین کی خدمت میں رہنے لگے یہاں حد درجے کی کوشش کی حتیٰ کہ آپ مذہب خلاف جدل اصول اور منطق میں ماہر ہو گئے اور حکمت اور فلسفہ کی کتابیں پڑھ کر ان کے مسائل کو بخوبی ذہن نشین کر لیا پھر ان علوم کی کتابوں کے مصنفوں کی غلطیاں دور کرنے کے درپے ہوئے چنانچہ ان علوم کے ہر فن پر کتابیں لکھیں آپ اعلیٰ درجہ کے ذکی تیز نظر عجیب فطرت تیز فہم قوی حافظہ اور غور و خوض کرنے والے تھے دقیق معنوں پر غور کرنا آپ ہی کا حصہ ہے جب ۴۷۸ھ میں امام الحرمین کا انتقال ہو گیا تو آپ چھاؤنی میں وزیر جنگ کے پاس چلے گئے جس کی مجلس علماء کا مجمع اور جائے پناہ تھی وزیر نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور استقبال کیا وزیر کے ہاں جید علماء کا مجمع تھا جب کئی بار ان میں مناظرہ مباحثہ اور مجادلہ ہوا اور ان سب پر آپ کا سرمایہ علمی لیاقت اور ذہانت ظاہر ہو گئی

تو آپ کی فضیلت کا سب نے اقرار کیا اور آپ ہی کا تذکرہ ہر وقت ہونے لگا جب کافی شہرت ہو گئی اور وزیر کو آپ کی فضیلت کی تحقیق ہو گئی تو بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں تعلیم و تدریس کا کام آپ کے سپرد ہوا چنانچہ آپ نے جمادی الاول ۲۸۴ھ کو یہ کام شروع کیا اہل عراق آپ کی لیاقت دیکھ کر دنگ رہ گئے آپ کی قدر منزلت لوگوں کی نگاہوں میں اس قدر ہوئی کہ امر اور اکابر تو درکنار بادشاہوں سے بھی بڑھ گئی جب آپ کے شاگردوں اور مستفیدوں کا گروہ بکثرت ہو گیا تو آپ یہ کام چھوڑ کر ۲۸۹ھ میں حج کو روانہ ہوئے اور اپنی جگہ اپنے بھائی کو تدریس کے کام پر لگایا جب ۲۸۹ھ میں دمشق واپس آئے تو فقر و زہد میں چند ہفتے گزار کر بیت المقدس چلے گئے اور مدت تک وہاں رہے پھر جب دمشق آئے تو یہاں پورے دس سال جامع مسجد کے مغربی مینار میں رہے اور یہیں پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں کہتے ہیں کہ احیاء العلوم بھی یہیں پر تصنیف کی ہے لیکن آپ کی اس لیاقت اور فضیلت کا کسی کو علم تک نہ ہوا جب انھیں آپ کی فضیلت کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے علماء دمشق کی مجلس منعقد کرنے کا ارادہ کیا جس میں علمائے دمشق نے آپ کو بھی بلایا۔ آپ نے فرمایا کل آؤں گا لیکن راتوں رات مصر کی طرف روانہ ہو گئے اور اسکندریہ میں کچھ مدت رہنے کے بعد عرب اور اندلس کے بادشاہ سلطان یوسف بن تاشقین کے پاس جانا چاہا یہ پانسو ۵۰۰ ہجری کا واقعہ ہے جب اس کی وفات کی خبر سنی تو شہروں میں پھرتے پھرتے نیشاپور آئے یہاں ناظمیہ مدرسہ میں کچھ عرصہ پڑھانے کا کام کیا پھر شہر طوس میں آ کر اپنے گھر کے پاس فقیہوں کے لئے مدرسہ اور صوفیوں کے لئے خانقاہ بنوائی اور اپنا تمام وقت کا رخیہ مثلاً قرآن شریف کا ختم صحیح بخاری مسلم کا مطالعہ تالیف کتب طلباء کی تعلیم، دائمی نماز، روزہ، اور تمام عبادات وغیرہ کے لئے وقف کر دیا جب آپ کی رحلت کا وقت قریب آ پہنچا تو آپ کے ایک اصحابی نے وصیت کے لئے عرض کیا تو فرمایا اخلاص کا پابند رہنا پھر وضو کر کے صبح کی نماز ادا کی اور فرمایا میرے لئے کفن درکار ہے چنانچہ کفن لیکر اسے چوس کر آنکھوں پر رکھ کر فرمایا ”سن لیا اور مان لیا میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا“ پھر پاؤں پھیلائے اور رو قبلہ ہو کر صبح سے پہلے فوت ہو گئے۔

انا لله وانا اليه راجعون۔

آپ کی وفات شہر طوس میں بروز اتوار بتاریخ ۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ کو ہوئی (خراسان)

کے دو شہر طوس کہلاتے ہیں جن میں سے ایک کا نام طابران اور دوسرے کا تو قان ہے)

آپ کا مقبرہ شہر طابران میں ہے آپ کے بعض اشعار حسب ذیل ہیں۔

سقى فى الحب عافيتى
 ووجودى فى الهوا عدمى
 محبت میں میرا بیمار ہونا بمنزلہ میرے آرام کے ہے اور عشق میں میرا وجود بمنزلہ
 میرے عدم کے ہے۔

وعذاب ير تضون به
 فى فمى احلامن النغم
 جو عذاب مجھے دیا جا رہا ہے وہ میرے منہ میں سردی سے بھی میٹھا ہے۔
 ما الضرفى محبتكم
 عندنا والله من الم
 بخدا تمہاری محبت میں کسی رنج و الم کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔
 ابوالمظفر بیوردی نے آپ کے مرثیہ میں حسب ذیل اشعار کہے ہیں:-

بكى على حجة الاسلام حين ثوى
 من كل حى عظيم القدر اشرفه
 جب حجۃ الاسلام دفن ہو چکے تو ان پر تمام شریف اور عظیم القدر ذی روح روئے۔
 فما لمن تمترى فى الله عبرته
 على ابي حامد لاج يعنفه
 مضى واعظم مفقود فجعت به
 من لا نظير له فى الناس يخفله
 حجۃ الاسلام کے فوت ہونا ایک نہایت بڑی چیز کا گم ہونا ہے کیونکہ اس کے بعد
 انسانوں میں اس کی نظیر موجود نہیں اس مفقودگی سے دل سخت بے قرار ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی حسب ذیل تصانیف ہیں

الوسیط، البسیط، الوجیز، الخلاصۃ، احیاء علوم الدین، الاربعین، شرح الاسماء الحسنی، المستصفی فی اصول الفقہ، الخول فی اصول الفقہ، ہدایۃ الہدایۃ، الماخذ فی الخلافات، تحصن الماخذ، کیمیائے سعادت فارسی (اس کا عربی نسخہ برلن کے کتب خانہ میں ہے) المنقذ فی الضلال، البنان المتخل فی الجدل، شفاء العلیل فی مسالک التعلیل، الاقتصاد فی الاعتقاد، معیار النظر، محکم النظر، بیان القولین، الشافی، مشکوٰۃ الانوار، المستظہری فی الروعی الباطنیۃ، تہافت الفلاسفہ، المقاصد فی بیان اعتقاد الاول و ہوا اعتقاد الفلاسفہ، الجام العوام (عن الخوض) فی علم الکلام، الغایۃ القصوی، جواہر القرآن بیان فصیح الاباحیۃ، غور الدور، فی المسئلۃ السریحیۃ، و ہوا المختصر الاخیر جمع فیہ عن مصنفہ الاول اسمی بغایۃ الدور فی درایۃ الدور کشف علوم الآخرة، العقیدۃ القدسیۃ، الفتویٰ میزان العمل، مواہم الباطنیۃ فی الروعیہم ایضا، حقیقۃ الروح، اسرار معاملات الدین عقیدت المصباح، المنج الاعلیٰ، اخلاق الابرار و النجاة من الاشرار المعراج، حجۃ الحق، تنبیہ الغافلین، المکنون فی الاصول، رسالۃ الاقطاب، مسلم السلاطین، القلائون الکلی (فی التایل) القربۃ الی اللہ، معیار العلم، مفصل، الخلاف فی اصول القیاس، اسرار اتباع السنۃ، تلبیس ابلیس، المادی، الاجوبۃ المسکت (عن الاسئلۃ المبتہتہ) تجائب صنع اللہ، رسالۃ الطیر (فی رد علی من طغی)، قاضی القضاء تاج الدین السبکی کی کتاب الطبقات الکبریٰ والوسطی کا اختصار معہ محی الدین الحزازی۔ طبقات الشافیہ پر تقریظ، تاریخ دنیات الاعیان، تاریخ ابن الورودی۔

مندرجہ بالا صرف وہ کتابیں ہیں جن سے لوگ عام طور پر واقف ہیں ان کے علاوہ اور کتابیں بھی ہیں جن کی واقفیت عام لوگوں کو نہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

فضائل القرآن، البدورنی اخبار البعث والنشور، الامثال لمشیة اللہ تعالیٰ والعصیان لها، کشف الاسرار فی سر الاسرار، شرح الارشاد النسخ والتسوية الحقائق فی الدرر الفائق، حل الرموز، فاتحة العلوم، الروا بجمیل علی صرح الانجیل، شفاء الغلیل فیما وقع التوراة والانجیل، جامع الحقائق تجرید العلائق، القسطاس المستقیم، (موجودہ کتاب) سر العالمین۔ کشف مانی الدارین، قانون الرسول، المنازل السائرة، یواقیت العلوم، الاشارة المعنویة، الاسرار الحروفیة، کتاب الحکمة، التبر المسبوک فی نصائح المملوک، مدخل السلوک الی منازل المملوک، مقامات العلماء بین یدی الخلفاء وامراء۔ الکشف والنبین فی غرور الخلق اجمعین، الانیس فی الوحدة، الحکمة فی مخلوقات، فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة، مغالیط المغرورین، الانتصار علی الامام الزناتی الاملاء علی مشکل الاحیاء المعارف العقلیة والحکمة الالہیة۔ مقاصد الفلاسفة، مکاشفة القلوب المسقریة الی اعلام الغیوب، التجرید فی التوحید، معارج الساکین، کنز القوم والسر المکتوم، مذاہب اہل السلف کلمات تقریری علی المقامات (فارسی) الاجوبة الغزالیة فی المسائل الاخریة، مفصل الخلاف الدرر المرقوم فی الجداول (اس کا ذکر منقذ میں بھی ہے) ایہا الولد، منہاج العابدین، الزہد الفاتح، المواعظ فی الاحادیث القدسیہ، رسائل فی فتوح القرآن، رسالۃ الفہما الی ابی الفتح احمد الدیمی، تفسیر الایة التاسعة والعشرین من سورة یونس علیہ السلام، رسالۃ فی معرفة اللہ تعالیٰ نور الشمعة فی بیان ظہر الجمعة المضمون بن عن غیر اہلہ (جو مصنف کے ساتھ ہی دفن کیا گیا) رسالۃ فی العبادات، رسالۃ فی بیان العلم اللدنی، رسالۃ فی حقائق العلوم لاہل الفہوم رسالۃ الطیر، مقالۃ الفوز (علم کیمیا میں الخاتم (ظلمات) الغایة والنہایة (یہ مجموعہ قصاید ہے جو رسول علیہ السلام کی تعریف میں ہیں)۔

مذکورہ بالا تصنیفات مختلف ممالک کے مختلف کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں جو شخص ان کی تفصیل معلوم کرنی چاہے اسے بروکلین کی تاریخ آداب اللغة العربیة لقوسنتقلد کی مدارس العرب اور کوشن صاحب کی، حیاة الغزالی ومولفاة مطالعة کرنی چاہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پہلے میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں بعد ازاں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ بعدہ عرض پرداز ہوں کہ بھائیو! کیا تم میں سے کوئی میری اس رام کہانی کو سنے گا جو میرے اور میرے ایک اہل تعلیم ہمراہی کے مابین گزری۔ اس رفیق نے سوال و جدال سے مجھے تنگ کر مارا اور عمدہ عمدہ دلائل پیش کیں۔ جو گفتگو ہم میں ہوئی اسے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

۱۔ فہمیں کمال معرفت کا مدعی دیکھتا ہوں۔ کس ترازو سے معرفت کی حقیقت کا وزن کرتے ہو؟ آیارائے اور قیاس کے ترازو سے یا نہایت مشتبہ اور خلاف ہے اور اس سے لوگوں میں جھگڑا ہوتا ہے یا تعلیم کے ترازو سے بہر حال تمہارے لئے کسی امام معصوم کا اتباع لازم ہے لیکن امام معصوم کی طلب تم میں پائی نہیں جاتی۔

۲۔ رائے اور قیاس کے ترازو کی نسبت میری یہ رائے ہے کہ یہ شیطانی ترازو ہے اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بچائے میرے اصحاب میں سے جو شخص اس کو میزان معرفت خیال کرے میں اللہ تعالیٰ سے التجا کروں گا کہ ایسے شخص کے شر سے دین کو محفوظ رکھے کیونکہ ایسا شخص دین کے لیے جاہل دوست ہے جو عاقل دشمن سے بدتر ہوتا ہے اگر کسی کو اہل تعلیم کے

مذہب کی سعادت نصیب ہو تو اسے پہلے طریق جدال قرآن کریم سے سیکھنا چاہیے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

”ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنیة و جادلہم بالتی ہسی احسن“ اے محمد ﷺ! لوگوں کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحتوں کے ذریعہ لا اور نیک طریقہ سے ان سے مجادلہ کر۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت سے بلائے جاتے

ہیں اور جو وعظ اور نصیحت کے ذریعہ بلائے جاتے ہیں وہ اور ہیں۔ اور جو بذریعہ مجادلہ بلائے جاتے ہیں وہ اور ہیں۔ پس اگر اہل نصیحت کو حکمت سکھائی جائے۔ تو ایسی ہی مضر پڑتی ہے جیسے شیر خوار بچے کو پرندوں کا گوشت، اگر اہل حکمت سے مجادلہ کا استعمال کیا جائے تو وہ اس سے ایسی ہی نفرت کریں گے جیسے طاقت ور آدمی انسان کا دودھ پینے سے اگر اہل جدال سے عمدہ طور سے جیسا کہ قرآن شریف سکھلاتا ہے مجادلہ نہ کیا جائے تو ایسا ہی ہے جیسے بدوی کو گیہوں کی روٹی بدوی کھجور چھوڑ کسی چیز کی رغبت نہیں کرتا اور شہری چھوہارے کو پسند نہیں کرتا۔ صرف گیہوں کو پسند کرتا ہے کاش میرے اس صحابی کو وہ عمدہ طریقہ تسلی معلوم ہوتی۔ جس کا ذکر قرآن شریف میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قصہ میں یوں ہوا ہے کہ جب آنحضرت نے اپنے دشمن نمرود سے مجادلہ کیا اور نمرود نے پوچھا تیرا پروردگار کون ہے تو جناب نے فرمایا ”ربسی الذی یحسی و یمیت“ میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے لیکن جب دیکھا کہ یہ دلیل اس کے مناسب نہیں کیونکہ نمرود نے دو شخص بلا کر ایک کو قتل اور دوسرے کو رہا کر کے کہا۔ کہ دیکھو میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں اس واسطے جھٹ پہلو بدل اس کی سمجھ اور طبیعت کے موافق یہ فرمایا ”ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بہا من المغرب فبہت الذی کفر“ اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تجھ سے ہو سکتا ہے۔ تو مغرب سے نکال۔ یہ سن کر نمرود حیران رہ گیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بہت جھگڑا نہ کیا بلکہ اسے جتا دیا کہ مردے کو زندہ کرنے کا مطلب سمجھنے میں تو نے غلطی کھائی ہے کیونکہ اس کا خیال تھا کہ قتل کر دینا ماردینا ہے اس مجادلہ و مناظرہ کی تحقیق نمرود کی طبیعت کے موافق اور اس کے عقیدہ قلبی کی حد کے مناسب نہ تھی لیکن آنحضرت کا ارادہ نمرود کے مارنے کا نہ تھا بلکہ زندہ کرنے کا تھا موافق غذا کھانا زندہ کرنا ہے اور سخت جھگڑا کرنا جو اس کے ناموافق ہو فنا کرنا ہے یہ وہ دقائق ہیں جو سوائے تعلیم کے نور کے معلوم نہیں کر سکتے جو عالم

نبوت کے اشراق سے روشن ہے۔ اس واسطے اہل فطانت اس سے محروم ہیں کیونکہ وہ مذہب تعلیم کے بھید سے محروم ہیں۔

رُتَبِیْرٌ :۔ جبکہ تم نے ان کی راہ کو دشوار گزار اور ان کی دلیل کو بودا کہا ہے تو پھر

بتاؤ اپنی معرفت کو کس چیز سے وزن کرتے ہو؟

رُتَبِیْرٌ :۔ میں اسے قسط المستقیم (نہایت ہی ٹھیک اور صحیح ترازو) سے

وزن کرتا ہوں جس کا حق و باطل اور استقامت و میان مجھ پر ظاہر ہے اور یہ بات جناب سرور کائنات ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے قرآن شریف سے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا معلوم ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے ”وَزَنُوا بِالْقِسْطِ اسَ الْمُسْتَقِيمِ“ صحیح اور درست ترازو سے جانچو۔

رُتَبِیْرٌ :۔ قسط المستقیم کو کی ہے؟

رُتَبِیْرٌ :۔ وہ پانچ ترازو ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں ہوا ہے اور اللہ

تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو ان سے وزن کرنا سکھایا ہے۔ سو جس نے جناب حضور ﷺ سے وزن کرنا سیکھا ہے اور میزان الہی سے وزن کیا اس نے ہدایت پائی جو ان سے گمراہ ہو کر رائے اور قیاس کی طرف دوڑا وہ گمراہ اور مردود ہو گیا۔

رُتَبِیْرٌ :۔ قرآن شریف میں ترازوؤں کا کہاں ذکر ہے؟ یہ سراسر جھوٹ اور

بہتان ہے۔

رُتَبِیْرٌ :۔ کیا تو نے وہ قول الہی نہیں سنا جو سورہ رحمن میں فرمایا ہے ”وَهُوَ

هَذَا الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَ الْبَيَانَ

..... وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ، أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ وَأَقِيمُوا الْوِزْنَ

بِالْقِسْطِ وَلَا تَخْسَرُوا الْمِيزَانَ“ اللہ تعالیٰ رحمن ہے جس نے قرآن شریف سکھایا

۔ انسان کو پیدا کیا اور پھر اسے بیان سکھایا..... ترازو وضع کیا۔ تاکہ تم ترازو کے استعمال

میں کمی بیشی نہ کرو اور وزن ٹھیک ٹھیک کرو۔ اور کم نہ تولو“ کیا تم نے سورہ حدید کی یہ آیت نہیں سنی

”لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ

لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ“ ہم نے اپنے رسولوں کو ظاہرہ نشانیاں دے کر بھیجا ہے اور

کتاب اور میزان ان پر اتارے ہیں تاکہ لوگ عدل و انصاف کریں“ کیا تمہارا خیال ہے کہ

جس ترازو کا ذکر کتاب کے ساتھ ہوا ہے وہ سونا چاندی یا جو اور گیہوں تولنے والا ترازو ہے یا کیا

تمہارا وہم ہے۔ کہ اس آیت میں "وَالسَّمَاءُ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ" میں جس ترازو کا ذکر ہے وہ کائنات اور ایک پلڑے والا ترازو ہے۔ ایسا خیال راسخی سے بہت گرا ہوا اور یہ وہم محض بہتان ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاویل میں ہٹ دھرمی سے کام نہ لو یقین مانو یہ ترازو اللہ تعالیٰ کی شناخت ہے اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور ملکوت کا ترازو ہے تاکہ تم اس سے وزن کرنے کی ترکیب اس کے انبیاء سے سیکھو جس طرح کہ انہوں نے اس کے فرشتوں سے سیکھی ہے پس اللہ تعالیٰ معلم اول ہے۔ اور جبرائیل دوم اور جناب سرور کائنات ﷺ سوم تمام خلقت رسولوں سے معرفت الہی کی راہ سیکھتی ہے کیونکہ ان کے بغیر اور کوئی طریقہ نہیں۔

رُشْدِيٌّ :- تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ یہ ترازو درست یا غلط ہے؟ آیا عقل اور نظر سے معلوم کیا؟ اگر ایسا کیا تو عقل مختلف ہوا کرتی ہیں۔ یا امام معصوم صادق سے جو جہاں میں حق پر قائم ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر میرا مذہب ہے جس کی طرف میں تجھے بلاتا ہوں۔

رُشْدِيٌّ :- اسے بھی میں نے تعلیم کے ذریعہ معلوم کیا ہے لیکن اس معاملہ میں میرے امام جناب محمد مصطفیٰ بن عبد اللہ بن عبد المطلب ﷺ ہیں۔ اگرچہ میں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت تو نہیں کی لیکن میں نے آپ کی تعلیم کو سنا جو بذریعہ تو اتر مجھ تک پہنچی اور اس تعلیم میں مجھے کسی قسم کا شک و شبہ نہیں آنحضرت کی تعلیم قرآن مجید ہے۔ اور قرآن شریف میں ذکر کردہ ترازوں کی سچائی بھی نفس قرآن کے معلوم ہوتی ہے۔

رُشْدِيٌّ :- اپنی دلیل بیان کرو اور قرآن شریف سے ذکر کردہ ترازوں کو بیان کرو اور بتاؤ کہ نفس قرآن سے ان کو سچائی اور سستی کیونکر معلوم کی؟

رُشْدِيٌّ :- پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ سونا چاندی تولنے والے ترازو کی صحت و سقم کیونکر معلوم کرتے ہو ایسا معلوم کرنا تمہارے ذہن میں فرض ہے۔ اس واسطے کہ اگر تم نے کسی کا قرض دینا ہو تو پورا پورا ادا کرو اور اگر تم نے کسی سے لینا ہو تو بلا زیادتی پورا پورا لو جب تم مسلمانوں کے بازار میں جا کر ترازو لیکر لین دین کرنا چاہو تو کس طرح معلوم کر سکتے ہو کہ کم و بیش نہ لیا جاوے۔؟

رُشْدِيٌّ :- مسلمانوں پر نیک ظن رکھنا چاہیے وہ لوگ جب تک ترازو کو درست نہیں کر لیتے لین دین نہیں کرتے اگر بالفرض مجھے ترازو کی صحت میں شک ہو تو میں اسے پکڑاٹھا کر اس کے پلڑوں اور زبانہ کی طرف دیکھتا ہوں اگر ڈنڈی بالکل متوازی الافق ہو اور کوئی پلڑا جھکا ہوا نہ ہو اور بالکل مقابل ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ ترازو ٹھیک ہے۔

دلیل: فرض کرو سونے بھی سیدھی عموداً ہے اور پلڑے بھی مقابل ہیں اور ڈنڈی بھی متوازی الافق ہے پھر تم کیونکر معلوم کرتے ہو کہ ترازو صحیح ہے۔

دلیل: یہ میں بذریعہ اس ضروری علم کے معلوم کرتا ہوں جو مجھے دو مقدموں سے حاصل ہوا ہے ان مقدموں میں سے ایک تجربی ہے اور دوسرا حسی تجربی یہ کہ مجھے بذریعہ تجربہ معلوم ہوا ہے کہ بھاری چیز نیچے کی طرف مائل ہوتی ہے اور جو زیادہ بھاری ہوگا وہ زیادہ جھکے گا۔ پس اگر ایک پلڑا زیادہ بھاری ہوگا تو وہ نیچے کی طرف جھک جائیگا یہ مقدمہ کلیہ تجربہ ضرورتاً مجھے حاصل ہوا ہے دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ ترازو آنکھ سے دیکھ کر معلوم ہوا کہ اس کا کوئی پلڑا جھکا ہوا نہیں بلکہ ڈنڈی متوازی الافق ہے یہ مقدمہ حسیہ ہے جسے میں نے آنکھ سے مشاہدہ کیا سو مجھے نہ پہلے مقدمہ میں شک ہے نہ دوسرے میں ان دونوں مقدموں سے ایک ضروری نتیجہ میرے دل میں پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ترازو درست ہے اگر کوئی پلڑا بھاری ہوتا تو ضرور وہ جھکا ہوا ہوتا اور اب محسوس ہوتا ہے کہ جھکا ہوا نہیں پس معلوم ہوا کہ وہ بھاری نہیں۔

دلیل: یہ تو عقلی قیاس اور رائے ہے۔

دلیل: افسوس! یہ ضروری علم یقینی مقدمات سے حاصل ہوا ہے جن کا یقین تجربہ اور حس سے ہوا ہے پھر اسے رائے اور قیاس کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ رائے اور قیاس تو ظنی اور وہمی ہوتا ہے یہ یقین کیونکر رد کر سکتے ہیں اور میں ایسا کرنے میں یقین کو رد کرنا محسوس کرتا ہوں

دلیل: اگر دلیل سے تمہیں ترازو کی سحر معلوم ہو جائے تو پھر تم بٹا وغیرہ کی صحت کا اندازہ کیونکر کرو گے؟ ممکن ہے وہ صحیح بٹا سے کموبیش ہوں۔

دلیل: اگر مجھے صحیح بٹا میں شک پڑ جائے تو میں انہیں اس بٹا سے اندازہ کروں گا جو معیار مانے گئے ہیں اگر وہ ان کے مساوی ہونگے تو جان لوں گا کہ صحیح ہیں اور ان سے جن چیزوں کا وزن کیا جائے گا وہ بھی درست اور پورا ہوگا کیونکہ یہ ایک مسلمہ اور بدیہی امر ہے کہ جو چیزیں ایک چیز کے مساوی ہوں وہ باہم مساوی ہوتی ہیں۔

دلیل: کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اصل میں پہلے کس شخص نے ترازو کو وضع کیا اور یہ کہ اس سے وزن کرنا کس نے معلوم کیا؟

دلیل: نہیں مجھے معلوم نہیں مجھے اس کی ضرورت کیوں ہوئی جبکہ ترازو کی صحت مجھے معلوم کرنا آتی ہے جو میں مشاہدہ سے کر سکتا ہوں۔ اسی طرح ترازو کو وضع کرنے والے کی مراد یہ تھی کہ ترازو کی صحت اور اس سے وزن کرنا آ جائے سو مجھے معلوم ہے جیسا کہ میں

ظاہر کر چکا ہوں اور میں اسے پہچان گیا ہوں اب مجھے یہ بات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کہ ترازو کا وضع کنندہ کون تھا۔ کیونکہ ہر دفعہ ایسا کرنا محض طوالت ہے اور نہ ہی ہر وقت اس پر غالب آسکتے ہیں حالانکہ مجھے اس کی پروا نہیں۔

﴿سِنْفٌ﴾: یہ تو میں جانتا ہوں کہ تجھے ترازو کی واقفیت ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ لیکن میں اور بھی زیادہ واقفیت کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرے معلومات اس بارہ میں زیادہ ہیں۔ مجھے اس کا وضع کنندہ، معلم، استعمال کنندہ حضرت خلیل علیہ السلام، جناب سرور کائنات ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام ہیں اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ واقعی وہ اسکے استعمال میں سچے اور ماہر ہیں کیا تو اس بات کو مان کر سچ جانتا ہے۔

﴿سِنْفٌ﴾: آہ! کیونکر اسے سچ نہ مانوں۔ جبکہ تم نے اسے مجھ پر ظاہر کر دیا۔

﴿سِنْفٌ﴾: اب میں تجھ میں عقل و دانائی کی خصلت بتاتا ہوں میری یہ سچی خواہش ہے کہ تیرے مذہب کی حقیقت تجھے سلجھا دوں اب میں تجھے قرآن مجید میں ذکر کردہ پانچ ترازو بتاتا ہوں۔ تاکہ تمہیں تمام اماموں سے لایحتاج کر دوں اور صرف تم جناب سرور کائنات ﷺ کو اپنا امام ماننے تمہارا رہنما قرآن شریف اور معیار مشاہدہ ہو واضح رہے کہ قرآن شریف میں جن ترازوؤں کا ذکر ہے اصل میں تین ہے۔ میزان التعاول، میزان التلازم، میزان التعاند، لیکن میزان التعاول کی تین قسمیں ہیں۔ اکبر، وسطیٰ اور اصغر۔

موازن التعاول میں سے میزان اکبر کا بیان

﴿سِنْفٌ﴾: موازن التعاول میں پہلے مجھے میزان اکبر سمجھاؤ۔ اور یہ جو مختلف ترازوؤں کے نام رکھے ہیں مثلاً تعاول، تلازم، تعاند، اکبر، اوسط اور اصغر۔ ان کی تشریح کرو۔ کیونکہ گو مجھے اس میں تو کلام نہیں کہ ان کی تحت میں دقیق معانی ضرور ہیں لیکن پھر بھی یہ القاب مجھے عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔

﴿سِنْفٌ﴾: ان القاب کے معنی تو اس وقت تک نہیں سمجھ سکو گے جب تک میں ان کی تشریح نہ کروں گا اور تم ان کے معنی نہ سمجھو گے اس کے بعد ان کے حقائق تمہیں معلوم ہونگے۔ پہلے میں تمہیں بتاؤں گا کہ یہ ترازو صورت میں تو ظاہری ترازو سے نہیں ملتا۔ لیکن حقیقت میں دونوں ملتے جلتے ہیں کیونکہ وہ ترازو جس کا ذکر میں کرنے کو ہوں روحانی ہے۔ پس

وہ جسمانی کے برابر کب ہو سکتی ہے اور نہ ہی ان کا مساوی ہونا لازم آتا ہے جب کہ جسمانی ترازو بھی مختلف شکل و وضع کے ہوتے ہیں چنانچہ بعض ایک پلڑے والے اور بعض دو والے اور نہایت نازک۔ اصطرباب حرکات فلکی کی پیمائش کا ترازو ہے۔ اور مسطر سطروں کا بعد ناپنے کا آلہ اوزار شاقول دیواروں کی سیدھائی اور کچی معلوم کرنے کا ترازو اگرچہ ان کی صورتیں مختلف ہیں لیکن ایک بات میں مشترک ہیں۔ وہ یہ کہ ان میں کمی بیشی معلوم کی جاتی ہے بلکہ علم عروض شعر کا ترازو ہے جس سے شعروں کے وزن معلوم ہو سکتے ہیں اور سالم اور مزحاف میں تمیز ہو سکتی ہے۔ جسمانی ترازوں سے یہ زیادہ نازک ہے لیکن پھر بھی اجسام کے علائق سے بری نہیں کیونکہ یہ آوازوں کا ترازو ہے اور آواز جسم کے متعلق ہے سب سے نازک اور سخت ترازو قیامت کے دن کا ترازو ہے جس سے بندوں کے اعمال، عقائد اور معارف وزن کیے جائیں گے معرفت اور ایمان کا تعلق اجسام سے نہیں بلکہ روح سے ہے اور اسی واسطے ان کا ترازو بھی محض روحانی ہے اور قرآن شریف کے ترازو بھی روحانی معرفت کے لئے نہیں لیکن عالم شہادت میں غلاف سے ڈھپے ہوئے ہیں اس غلاف سے مراد ان کا اجسام سے تعلق ہوتا ہے اگر جسم نہ ہوتا تو اس جہان میں غیر کی تعریف ناممکن تھی صرف آواز سے ہو سکتی سو آواز جسمانی ہے یا لکھ کر اور وہ قوم ہیں جو کاغذ وغیرہ کسی جسمانی چیز پر لکھی جاتی ہیں یہ بمنزلہ غلاف کے ہیں جو اس کے عوارض ہیں لیکن فی نفسہ وہ محض روحانی ہے اسے اجسام سے کوئی علاقہ نہیں کیونکہ اس سے معرفت آہمی وزن کی جاتی ہے جو عالم اجسام سے خارج اور جہت و طرف کی نسبتوں سے پاک ہے اور اجسام کے نفس سے بدرجہا افضل ہے لیکن باوجود ان تمام باتوں کے پھر بھی اس میں عام ترازو کی طرح عمود اور پلڑے برابر موجود ہیں یہ سب کچھ میزان التعاول میں ہے لیکن میزان التلازم ایک پلڑے والے ترازو سے ملتی جلتی ہے کیونکہ اس کا بھی ایک ہی پلڑا ہے اس کی دوسری طرف گولا ہوتا ہے جس سے فرق مقادیر معلوم ہوتا ہے۔

رُشِیْطِیْ :۔ آخر اس رام کہانی کا مطلب؟ وعدہ ہی وعدہ ہے۔ وعدہ ایفائی کا نام

نہیں۔

رُشِیْطِیْ :۔ جلدی مت کرو۔ صبر سے کام لو۔ قبل از مرگ کیوں واویلا کرتے

ہو یہ کہو میرے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر۔ جلدی کام شیطان کا اور آہستگی کام رحمن کا سنو! میزان اکبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ہے جسے آنحضرت نے نمرود کے معاملہ میں استعمال کیا اس معاملہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترازو ہے لیکن قرآن شریف کے وسیلہ سے

اس کی مفصل کیفیت یوں ہے کہ جب نمرود نے خدائی دعویٰ کیا اور اسے یہ بات معلوم تھی کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے لیکن تو ان دونوں پر ہی قادر نہیں۔ نمرود نے اس کے جواب میں کہا کہ میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔ لیکن نمرود کی مراد زندہ کرنے اور مارنے سے نطفہ کو بچانا اور انسان کو قتل کرنا تھا۔ یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تاڑ گئے۔ کہ یہ مسئلہ یوں اس کی سمجھ میں آنے کا نہیں۔ جھٹ پہلو بدل کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سورج مشرق سے نکالتا ہے اگر تو واقعی قادر ہے تو مغرب سے نکال یہ سن کر نمرود جھوٹا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ ہمارے دلائل صحیح ہیں جو ہم نے ابراہیم کو دیے اس قول سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول میں حجت و برہان ہے جب آنحضرت کے ترازو کو دیکھا اور اس کے وزن کی کیفیت پر غور کیا تو جس طرح تم نے سونا چاندی تولنے والے ترازو میں دو پلڑے دیکھے اسی طرح میں نے اس حجت میں دو اصول دیکھے۔ جن کے ملنے سے نتیجہ یعنی معرفت نکلا جو قرآن شریف میں بہ سبب ایجاز حذف کیا گیا ہے اس میزان کی پوری شکل و صورت یوں ہے جو شخص سورج کے طلوع کرنے پر قادر ہے۔ وہ معبود حقیقی ہے۔ یہ ایک اصل ہے میرا معبود طلوع کرنے پر قادر ہے۔ یہ دوسرا اصل ہے ان دونوں کے ملنے سے یہ ضروری نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اے نمرود! میرا معبود تو نہیں بلکہ اور ہے۔ اب یہ دیکھو کہ کیا یہ ممکن ہے کہ دونوں اصولوں کا اعتراف کرے اور نتیجہ پر شک کرے یا ان دونوں اصولوں پر شک کرے یہ ممکن نہیں کیونکہ ہمارا یہ قول کہ معبود سورج کے طلوع کرنے پر قادر ہے۔ بالکل ٹھیک ہے اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیونکہ ان کے نزدیک معبود وہ ہے جو ہر شے پر قادر ہو اور سورج کا نکلنا بھی ایک شے ہے یہ اصل وضع و اتفاق سے معلوم ہے۔ ہمارا دوسرا قول جو سورج نکالنے پر قادر ہے وہ تیرے علاوہ اور معبود ہے۔ یہ مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے کیونکہ نمرود اور ہرذی روح کی عاجزی سورج کے متحرک کرنے کے بارے میں ایک حسی امر ہے معبود سے مراد وہ ذات ہے جو سورج کو حرکت دیتی ہے اور اسے نکالتی ہے پس ہمارے دونوں قولوں سے جن میں سے ایک وضع سے معلوم اور متفق علیہ ہے اور دوسرا مشاہدہ سے معلوم ہوا یہ ضروری نتیجہ نکلتا ہے کہ نمرود حرکت دینے پر قادر نہیں ان دونوں اصولوں کی واقفیت کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نمرود معبود نہیں اور یہ کہ معبود حقیقی صرف ذات الہی ہے۔ اب تم غور کرو اور بتاؤ کہ کیا یہ اصول ان مقدمات تجربی اور حسی سے جن پر سونے چاندی کے ترازو کی بناء رکھی تھی زیادہ واضح ہیں یا نہیں؟

رُشِیْرُ:۔ یہ پہچان لازمی اور ضروری ہے اب میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ ان دونوں اصولوں پر شک کروں یا ان سے برآمدہ لازمی نتیجہ پر شبہ کروں۔ لیکن اتنی بات ضروری ہے کہ یہ ترازو صرف ایسے ہی موقع پر اور ایسے ہی طریقہ پر جس طرح ابراہیم خلیل علیہ السلام نے استعمال کیا مفید ہو سکتا ہے۔ اور یہ نمود کی خدائی کی تردید اور معبود حقیقی کی خدائی کی تائید میں مستعمل ہو سکتا ہے اس سے باقی کے مشکل معارف کا کیونکر اندازہ کر سکتا ہوں اور حق و باطل میں کیونکر تمیز کر سکتا ہوں۔

رُشِیْرُ:۔ جو شخص ترازو سے سونا تول سکتا ہے۔ وہ اس ترازو سے چاندی اور جواہرات کا بھی وزن کر سکتا ہے کیونکہ وزن دار چیز کا وزن کرنا ہے۔ خواہ سونا ہو خواہ چاندی اسی طرح اس دلیل سے ہم پر نہ صرف اس کے عین کی شناخت ظاہر ہوتی ہے بلکہ بہت سے حقائق میں سے ایک حقیقت اور بہت سے معانی سے ایک معنی اب ہم غور کرتے ہیں کہ جب اس سے یہ نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے اور ہم اس کی روح کو لیتے ہیں اور اس خاص مثال سے علیحدہ کر کے اسے جہاں چاہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور یہ لازم آتا ہے صفت کا حکم موصوف پر ضروری ہوتا ہے اس کا بیان یوں ہے کہ میرا پروردگار نکالنے والا ہے اور نکالنے والا معبود ہے پس ان سے لازم آتا ہے کہ میرا پروردگار معبود ہے۔ نکالنے والا پروردگار کی صفت ہے نکالنے والا ہونا معبود ہونے کی علامت ہے اس واسطے میرا پروردگار معبود ہے اسی طرح ہر ایک موقع پر مجھے شے کی صفت اور اس سے اس کی شناخت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس سے موصوف کی شناخت آسانی ہو سکتی ہے۔

رُشِیْرُ:۔ اس کا سمجھنا میری سمجھ کے لئے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر بالفرض مجھے اس میں شک پڑ جائے تو پھر میں اس شک کو کیونکر رفع کروں۔

رُشِیْرُ:۔ اس کا مقررہ معیار سے مقابلہ کرو۔ جیسا کہ سونا چاندی تولنے والے ترازو کی صورت میں کرتے ہو۔

رُشِیْرُ:۔ میں کہاں سے مقررہ معیار لوں۔ اور اس فن میں مقررہ بٹا کونسا ہے؟

رُشِیْرُ:۔ اس میں مقررہ بٹا وہ ضروری یقینیات ہیں۔ جو یا حسی ہیں یا تجربی یا عقلی سو یقینیات میں دیکھو کیا تم خیال کرتے ہو کہ صفت سے موصوف مدلول نہیں ہو سکتا ہے مثلاً جب تمہارے سامنے سے ایک پھولے ہوئے پیٹ والا حیوان (خچر) گزرے اور پاس سے ایک شخص کہدے کہ یہ خچر حاملہ ہے، تو کیا تم اسے یہ نہیں کہو گے کہ خچر بانجھ ہوا کرتی ہے۔ یہ بچہ نہیں

جنتی۔ تو وہ کہے گا کہ یہ تو ٹھیک ہے کیونکہ مجھے اس بات کا تجربہ ہے۔ کہ خچر بچہ نہیں جنتی پھر تم اس سے پوچھ سکتے ہو کہ کیا یہ خچر نہیں۔ وہ کہے گا ہاں یہ خچر ہے۔ کیونکہ اس کے خچر ہونے کا علم مجھے بذریعہ حس حاصل ہے پھر تم پوچھ سکتے ہو کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ حاملہ نہیں۔ تو وہ بالضرور کہے گا کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ جب کہ دو اصول معلوم ہیں جن میں سے ایک حس دوسرا تجربی ہے۔ پھر خچر کا بانجھ ہونا ان سے بطور ایک ضروری نتیجہ نکلتا ہے جس طرح کہ ترازو کے بارے میں اس کی صحت کا اندازہ ایک تجربی یعنی بھاری چیز جھک جاتی ہے۔ اور حس یہ کہ کوئی پلڑہ ایک دوسرے سے بھاری نہیں۔

رَفِیْرٌ :- اب میں واضح طور پر سمجھ گیا ہوں لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ صفت کے حکم سے موصوف کا حکم لازم آتا ہے۔

دَوْنٌ :- ذرا سوچو۔ تمہارا یہ قول کہ یہ خچر ہے وصف ہے اور صفت خچر ہے اور تمہارا یہ قول تمام خچر بانجھ میں حکم ہے اس خچر پر جس کی صفت بانجھ ہونا ہے پس خچر سے موصوف ہونے سے اس کا بانجھ ہونا لازم آتا ہے اسی طرح اور مثال لو۔ تمام حیوان صاحب حس ہیں۔ کیڑے بھی حیوان ہیں جب ان دو باتوں میں تمہیں کسی قسم کا شبہ نہیں تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے کہ کیڑے بھی صاحب حس ہیں اس میں کیونکر شبہ ہو سکتا ہے۔ اس (قیاس اقترانی) کا طریق یوں ہے تمام کیڑے حیوان ہیں تمام حیوان صاحب حس ہیں۔ پس تمام کیڑے صاحب حس ہیں کیونکہ تمہارا یہ قول کہ تمام کیڑے حیوان ہیں کیڑوں کی صفت ہے۔ اس واسطے کہ وہ حیوان ہیں اور حیوان ہونا ان کی صفت ہے جب حیوانات پر احساس کا حکم لگا چکے ہو خواہ وہ احساس جسمانی ہو یا غیر جسمانی تو اس میں کیڑے ضرور داخل ہیں اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ہاں یہ شرط ضروری ہے کہ صفت موصوف کے مساوی ہو یا اس سے عام حتیٰ کہ حکم موصوف پر مشتمل ہو۔ ایک اور مثال سنو جس شخص نے اس نظر فقہی کو تسلیم کیا ہے کہ ہر قسم کی شراب منشی ہوتی ہے اور ہر ایک منشی شے حرام ہے پھر کوئی وجہ ہے کہ ہر قسم کی شراب کے حرام ہونے میں شک کرے۔ کیونکہ منشی ہونا شراب کی صفت ہے اور اس پر تحریم کا حکم ہے۔ جو شراب پئے گا اس میں موصوف بھی ضروری داخل ہوگا اسی طرح تمام نظریات کا حال ہے۔

رَفِیْرٌ :- اب میں سمجھ گیا ہوں، کہ یہ ضروری ہے کہ دو اصولوں کے مناسب طور سے ملانے سے ایک ضروری اور لازمی نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ کی بان صحیح اور آنحضرت کا ترازو درست ہے۔ نیز یہ بھی آپ نے سکھلا دیا کہ اس ترازو

کی حد، حقیقت، معیار کیا ہے۔ اب میری خواہش ہے کہ میں مشکل اور ظنی امور میں اس ترازو کا استعمال سیکھ جاؤں کیونکہ جو مثال آپ نے دی ہے یہ بنفسہ واضح ہے اس کو ترازو اور برہان کی ضرورت نہیں۔

دعا: افسوس! بعض مثالیں بنفسہ معلوم نہیں بلکہ وہ دو اصولوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ حیوان بانجھ ہے اس وقت تک معلوم نہیں ہوتا جب تک بذریعہ حس یہ نہ جانتا ہو کہ یہ خچر ہے۔ اور بذریعہ تجربہ اسے معلوم نہ ہو کہ خچر نہیں جنتی۔ ان دو باتوں میں سے پہلی بنفسہ واضح ہے لیکن اس کا دو اصولوں ماں اور باپ سے پیدا ہونا ضروری ہے۔ پس اس لحاظ سے یہ بھی بنفسہ واضح نہیں بلکہ بذریعہ غیر واضح ہے جس کے دونوں اصول واضح ہیں لیکن پھر بھی تجربہ اور مشاہدہ کے بعد اسی طرح شراب کا حرام ہونا بنفسہ واضح نہیں۔ بلکہ یہ بھی دو اصول کا نتیجہ ہے جس میں ایک یہ ہے شراب منشی ہے اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے دوسری یہ ہے، ہر منشی شے حرام ہے، اور یہ بات شارع ﷺ سے معلوم ہوئی ہے پس یہ ہے اس ترازو سے وزن کرنے کی کیفیت۔ اگر تم اس سے بھی زیادہ نازک مثال لینا چاہو تو بی شمار مل سکتی ہیں۔ ہم نے اس ترازو سے بے شمار غوامض کا وزن کیا ہے صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ انسان بنفسہ حادث نہیں کیونکہ اس کا سبب اور صانع ہے اور عالم ہے۔ اور وہ صانع عالم بھی ہے۔ میں کہتا ہوں ہر ایک جائز کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ عالم یا انسان کا اختصاص اسی قدر ہوتا ہے جس قدر وہ جائز ہو۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس کا کوئی سبب ہے۔ اس نتیجہ پر کوئی شق نہیں کر سکتا جس نے کہ دونوں اصولوں کو تسلیم کر لیا ہے اور ان دونوں کو پہچان لیا ہے لیکن اگر دونوں اصولوں پر شک ہے تو وہ دونوں اصول الگ الگ کسی دو اصولوں کا نتیجہ ہیں۔ حتیٰ کہ اس طرح کرتے کرتے یقینیات تک پہنچ جائیں گے جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ علوم خفیہ اولیہ علوم خامضہ جلیلہ کے اصول ہیں وہ بمنزلہ بیج ہیں۔ ان سے پھل وہی حاصل کر سکتا ہے جو انھیں بوئے پرورش کرے اور دو دو کو ملا کر ان سے نتیجہ پیدا کرے۔

اگر تم یہ کہو کہ مجھے ان دونوں اصولوں پر شک ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ ہر ایک جائز کا کوئی سبب ہوتا ہے اور یہ کہ انسان کا اختصاص مقدار مخصوص سے جائز ہے لیکن واجب تو میں کہوں گا کہ میرا یہ قول کہ ہر ایک جائز کا سبب ہوتا ہے بالکل واضح ہو جائے گا جب تم جائز کے معنی سمجھ لو گے جائز سے میری مراد یہ ہے کہ جو مساوی دو قسموں میں مشترک ہوں جب دو چیزیں مساوی ہوں تو پھر ان میں سے ایک عدم وجود دونوں سے مخصوص نہیں ہوگی کیونکہ جو ایک چیز

کے لئے ثابت ہوگا وہ دوسرے کے لئے ضرور ہوگا۔ اور یہ ایک یقینی امر ہے اور میرا یہ قول کہ، اس قدر انسان کا اختصاص جائز ہے واجب نہیں، ایسا ہی ہے جیسے میں کہدوں کہ خط جسے کاتب نے لکھا ہے اور اس کی مقدار مخصوص ہے جائز ہے۔ کیونکہ خط بحیثیت خط ہونے کے اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں بلکہ اس سے چھوٹا اور بڑا خیال کیا جاسکتا ہے لیکن خاص مقدار سے مخصوص ہونا ناوہ لمبا ہونہ چھوٹا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ضرور اس کا فاعل کوئی ہے کیونکہ اس کی مقدار مساوی ہیں۔ اور یہ ضروری ہے جیسے انسانی شکل میں مقدار کا تناسب، اس کی اطراف کا مساوی ہونا پس ضروری ہے کہ انسان کے بنانے والا کوئی ہو۔ اس سے ترقی کر کے میں یہ کہوں کہ اس کا فاعل عالم بھی ہے۔ تو درست ہے کیونکہ جو فعل مرتب اور محکم ہو اس کا فاعل ضرور عالم ہوتا ہے کیونکہ انسانی وجود کی بناء مرتب و محکم ہے۔ اس لئے اس کی ترتیب اور تدبیر کو ضرور فاعل کے علم سے منسوب کیا جائے گا یہ دونوں اصول ہیں جب ان میں تمہیں شک نہیں تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے ضرور ہے کہ اس میں شک و شبہ نہ ہوگا ان دو اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسانی بنیاد مرتب و محکم ہے یہ بات اعضاء کے تناسب اور ہر ایک عضو کا کسی خاص مطلب کے لئے بنائے جانے مثلاً ہاتھ پکڑنے کے لئے، پاؤں چلنے کے لئے وغیرہ اور اعضاء کی تشریح سے معلوم ہوتی ہے۔ مرتب اور منظوم کا علم کی طرف محتاج ہونا بھی واضح ہے اس میں شک و شبہ نہیں عقل مند آدمی اس بات پر شک نہیں کرتا کہ باقاعدہ خط اسی کا ہوتا ہے جو علم کتابت کا عالم ہو گو وہ قلم کے ذریعہ لکھا جاتا ہے جسے وہ نہیں جانتا۔ اسی طرح عمارات مفیدہ مثلاً گھر، حمام وغیرہ وہی شخص بنا سکتا ہے جو تعمیر کے کام کا عالم ہو۔ پس اگر کسی شے میں شبہ پڑ بھی جائے تو اس کے رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے جو زیادہ واضح اصول ہیں ان کی طرف چلو حتیٰ کہ یقینیات اور بدیہات تک پہنچ جاؤ۔ اس کی تشریح ہماری علت غائی نہیں۔ بلکہ ہماری غرض تو یہ ہے کہ یقینیات کو اس طرح ملا کر ان سے نتائج نکالیں جس طرح ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نکالا۔ اور یہ ترازو حقیقت کی پہچان کے لئے مفید ہو سکے اس کا بطلان گویا اس تعلیم کا بطلان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو دی اور نیز اس تعریف کا جھٹلانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کی ”تلك حجتنا اتيناها ابراهيم علي قوم“ گورائے سچی ہو یا نہ ہو لیکن تعلیم ضرور سچی ہے اس کے جھٹلانے میں سراسر رائے اور تعلیم دونوں کا جھٹلانا ہے۔

میزان اوسط کے بیان میں

رَفِیْقُیْ :۔ میں میزان اکبر، اس کی حد، اس کا معیار، اس کی حقیقت، اور اس کا استعمال سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ اب مجھے بتائیں کہ میزان اوسط کیا شے ہے؟ اس کی تعلیم کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ کس نے اسے وضع کیا؟ اور کس نے اسے استعمال کیا؟۔

مَعْنٰی :۔ میزان اوسط بھی حضرت خلیل اللہ نے استعمال کی جبکہ آنحضرت نے فرمایا ”لَا حَبَّ إِلَّا فَلَیْن“ میں غروب ہونے والے سے پیار نہیں کرتا اس ترازو کی مفصل کیفیت یوں ہے چاند غروب ہوتا ہے، معبود غروب نہیں ہوتا، لیکن قرآن مجید میں ایجاز و اختصار سے کام لیا لیکن معبود کی نفی کا علم چاند سے براہ راست حاصل نہیں ہوتا جب تک ان دو اصولوں سے واقف نہ ہو اور وہ یہ ہیں۔ چاند غروب ہونے والا ہے، اور معبود غروب نہیں ہوتا جب ان دونوں اصول سے واقف ہو جاؤ گے تو پھر چاند سے معبود کی نفی سمجھ جاؤ گے۔

رَفِیْقُیْ :۔ اس میں تو مجھے شک نہیں کہ چاند معبود نہیں کیونکہ یہ دونوں مشہور اصولوں سے بطور نتیجہ نکلتا ہے یہ میں جانتا ہوں کہ چاند غروب ہونے والا ہے جو ایک حسی امر ہے لیکن معبود غروب نہیں ہوتا یہ نہ ضروری ہے نہ حسی۔

مَعْنٰی :۔ اس ترازو کے بیان سے میری یہ غرض نہیں کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ چاند غروب ہونے والا نہیں بلکہ یہ ہے کہ میں تمہیں بتاؤں کہ یہ ترازو صحیح اور درست ہے اور اس سے یوں شناخت حاصل ہوتی ہے اور جو علم اس بارے میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو تھا وہ یہ تھا کہ معبود غروب نہیں ہوتا اگرچہ علم اولیات سے ہیں بلکہ یہ بھی دو اصولوں کا نتیجہ تھا وہ یہ کہ معبود متغیر نہیں ہوتا ہر ایک متغیر حادث ہوتا ہے ان سے نتیجہ نکلتا ہے کہ معبود غروب نہیں ہوتا وزن کی بنا معصوم پر تھی لو تم بھی ترازو لیکر استعمال کرو تا کہ تمہیں بھی دو اصولوں سے علم حاصل ہو۔

رَفِیْقُیْ :۔ میں بالضرور سمجھ گیا ہوں کہ یہ ترازو سچا ہے اور یہ شناخت دو اصولوں کا لازمی نتیجہ ہے لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ تم اس ترازو کی حد اور حقیقت کی شرح پر کرو اور مشہور و معروف بٹ کے معیار کی تشریح سمجھا دو بعد ازاں مشکوک اور باریک معاملات میں اس کا استعمال بتاؤ کیونکہ چاند کا معبود ہونا ایک واضح امر ہے۔

دوستوں کا:۔ اس کی حد یہ ہے کہ ہر ایک مثل وصف سے موصوف ہوتی ہے لیکن ایک کا وصف دوسرے وصف کو مسلوب ہوتا ہے اور وہ دونوں الگ الگ ہوتے ہیں ایک دوسرے سے وصف کو مسلوب کرتا ہے لیکن خود اس وصف سے موصوف نہیں ہوتا۔ میزان اکبر کی حد یہ تھی کہ جو عام پر صادق آتا ہے وہ خاص پر بھی صادق آتا ہے لیکن میزان اوسط کی حد یہ ہے کہ جو ایک کے لئے نفی ہے وہ دوسرے کو ثابت کرتی ہے۔ حالانکہ غیر سے الگ ہوتی ہے۔ مثلاً معبود اپنے آپ سے غروب ہونے کی نفی کرتا ہے لیکن چاند غروب ہونے کا اثبات کرتا ہے۔ پس یہ اختلاف معبود اور چاند میں ہے کہ نہ چاند معبود ہے نہ معبود چاند۔ اللہ تعالیٰ نے اس ترازو سے وزن کرنا جناب سرور کائنات ﷺ کو قرآن شریف میں بہت سے موقعوں پر سکھایا جس طرح حضرت ابراہیم کو سکھایا تھا میں صرف دو موقعوں پر اکتفا کروں گا باقی قرآن شریف کی آیتوں میں سے معلوم کر لینا ان دو میں سے ایک یہ ہے قولہ تعالیٰ ”قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق“ اور یہ اس واسطے فرمایا کہ انھوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے قسط اس المستقیم سے ان کے خطاب کے اظہار کی کیفیت انھیں سکھائی۔ چنانچہ فرمایا ”قل فلم یعذبکم بذنوبکم“ اس کی مفصل کیفیت یوں ہے کہ بیٹے عذاب نہیں دیے جاتے اور تم عذاب دیے جاتے ہو۔ پس تم بیٹے نہیں۔ یہاں دو اصل ہیں بیٹے عذاب نہیں دیے جاتے، یہ بذریعہ تجربہ معلوم ہوا ہے، اور تم عذاب دیے جاتے ہو، بذریعہ مشاہدہ معلوم ہوا ہے۔ ان دونوں سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ تم بیٹے نہیں۔ ایک اور موقع پر قرآن مجید میں فرمایا ہے ”قل یا ایہا الذین ہادوا ان زعمتم انکم اولیاء اللہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولا یتمنونه ابداً بما قدمت ایدیہم“ یعنی ”اے محمد! آپ یہود کو کہہ دو کہ اگر تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا دوست خیال کرتے ہو تو موت کی خواہش کرو بشرطیکہ تم سچے دوست ہو اور اپنے اعمال کا احسان ہرگز اسے نہ جتاؤ یہ اس واسطے فرمایا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دوست ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دوست دوست کے دیدار کی خواہش کرتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اس موت کے خواہش مند نہیں جو دوست کے دیدار کا سبب ہے پس اس سے ضروری نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں۔ اس میزان کی مفصل صورت یوں ہے، ہر ایک دوست اپنے دوست کی لقا کی خواہش کرتا ہے، لیکن یہودی اللہ تعالیٰ کے لقا کی خواہش نہیں کرتے پس ان سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں، اس ترازو کی حد یہ ہے کہ دوست تمنا سے موصوف ہوتا ہے۔ اور یہود

سے اس وصف کی نفی کی گئی ہے پس ولی اور یہودی بلکل مختلف ہوئے کیونکہ جو شے ایک میں پائی جاتی ہے دوسرے میں نہیں۔ پس نہ ولی یہودی ہو سکتا ہے، نہ یہودی ولی۔ اس ترازو کے مقررہ بٹ میرے پاس نہیں جبکہ تم باوجود اس قدر وضاحت کے اس کے محتاج ہو اگر تم بطور مدد چاہتے ہو تو لو میں بتائے دیتا ہوں۔ دیکھو! جب تمہیں معلوم ہے کہ پتھر جماد ہے اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ انسان جماد نہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ انسان پتھر نہیں؟ کیونکہ جمادیت پتھر کے لئے صادق ہے اور انسان سے جمادیت کی نفی ہے پس ضروری ہے کہ انسان پتھر سے الگ ہے۔ اور پتھر انسان سے الگ۔ پس کوئی انسان پتھر نہیں، اور کوئی پتھر انسان نہیں رہا باریک موقعہ پر اس کا استعمال سوا اس کی مثالیں بکثرت ہیں معرفت کا ایک پہلو تقدیس ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو بعض باتوں سے پاک سمجھنا اس قسم کے تمام معارف اسی ترازو سے وزن کیے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیلؑ نے اس ترازو کو تقدیس کے موقعہ پر استعمال کیا اور ہمیں بھی اس سے وزن کرنا سکھایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ سے جسمیت کی نفی کی اور وہ یوں ہے ”اللہ تعالیٰ جو ہر متمیز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ معلول ہے“۔ اس واسطے کہ ہر ایک متمیز جو خاص چیز سے مخصوص ہوتا ہے معلول ہے پس اس سے لازمی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ جرہ نہیں، اور یہ کہنا کہ وہ عرض بھی نہیں، یوں ثابت ہوتا ہے کہ عرض حی اور عالم نہیں ہوتا لیکن معبود حی اور عالم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرض نہیں اسی طرح تقدیس کے تمام معاملات کی شناخت دو اصولوں ملا کر ان سے نتیجہ نکال کر ہو سکتی ہے ان دو اصولوں میں سے ایک سالبہ ہو جس کا مضمون نفی ہو اور دوسرا موجبہ جس کا مضمون اثبات ہو۔ اور ان سے جو نتیجہ برآمد ہو گا وہ بالضرورت نفی اور تقدیس ہوگی

میزان اصغر کے بیان میں

رفیؑ :- میزان اوسط و اکبر تو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں اب مجھے میزان اصغر،

اس کی حد، اس کا معیار، اس کا موقعہ استعمال وغیرہ سمجھائیں۔

رفیؑ :- میزان اصغر ہم نے اللہ تعالیٰ سے سیکھی ہے جبکہ اس نے سرور کائنات ﷺ

کو قرآن شریف میں یوں سکھایا۔ قولہ تعالیٰ ”وما قدر واللہ حق قدرہ اذ قالو

ما انزل اللہ علی بشر من شیء قل من انزل الكتاب الذی جاء به

موسیٰ نوراً وهدی للناس“ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ قدر نہ کی جبکہ انھوں نے کہا

اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز انسان پر نازل کی سوائے محمد ﷺ ان سے یہ تو پوچھ کہ جو کتاب موسیٰ علیہ السلام لائے اور جو انسانوں کے واسطے سراسر نور اور ہدایت تھی کس نے اتاری؟ اس ترازو سے وزن کرنے کا طریق یوں ہے ان کا یہ کہنا کہ انسان پر وحی نازل نہیں ہوتی جھوٹ ہے کیونکہ مندرجہ ذیل دو اصولوں کے نتیجے سے اس کا بطلان ثابت ہے وہ اصول اور ان کا نتیجہ یہ ہیں موسیٰ علیہ السلام بشر ہیں موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی ان دو سے یہ لازمی اور خاص نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانوں پر کتاب نازل ہوتی ہے اور اس سے یہ باطل ہو جاتا ہے کہ انسان پر کتاب نازل ہی نہیں ہوتی ان دو اصولوں میں سے پہلا موسیٰ علیہ السلام بشر ہیں جس سے دوسرا موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی یہ ان کے اعتراف سے معلوم ہوا ہے کیونکہ تورات کی بعض باتیں چھپاتے تھے اور بعض ظاہر کرتے تھے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”یعبدونہا ونجفون کثیرا“ یہ معترض مجادلہ میں بطریق احسن فرمایا ہے اور مجادلہ کی خاصیت بھی یہ ہے کہ اس میں دو اصول ہوں جنہیں حریف تسلیم بھی کرتا ہو اور ہوں بھی مشہور اگر ان میں غیر مسلم کے لئے شک کا امکان ہو تو نتیجہ یہ کہ وہ اس کا معترف ہو قرآن شریف کی اکثر دلیلیں اسی قسم کی ہیں اگر تمہارے دل میں بعض اصول اور اقدامات کی نسبت شک پیدا ہو تو یاد رکھو اس کا اصلی مقصود یہ ہے کہ باہم ایسے دلائل پیش کیے جائیں جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو تمہارا اصلی مقصود یہ ہے کہ اس ترازو سے تمام موقعوں پر وزن کر سکو اس کا معیار یہ ہے اگر کوئی کہے کہ حیوان بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا اسے کہو کہ سانپ بھی حیوان ہے جو بغیر پاؤں کے چلتا ہے اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض حیوان بغیر پاؤں کے چلتے ہیں پس ثابت ہوا کہ کوئی حیوان بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا باطل ہے اس ترازو کے استعمال کے مواقعہ بکثرت ہیں مثلاً اگر کوئی کہے کہ ہر ایک جھوٹ برا ہے تو ہم اسے کہیں گے کہ اگر کوئی شخص کسی ولی یا نبی کو ظالم سے چھپائے اور ظالم اس سے پوچھے کہ کہاں چھپایا ہے اور وہ اسے نہ بتائے اور کہدے کہ مجھے معلوم نہیں یہ ہے تو سراسر جھوٹ لیکن برا نہیں کیونکہ اگر وہ سچ بولتا تو نبی یا ولی مارا جاتا اس کا سچ بولنا برا تھا بہ نسبت جھوٹ بولنے کے ہم سے کہتے ہیں کہ میزان کی طرف دیکھ ایک اصل تو یہ ہے کہ موقع پر چھپا دینا جھوٹ ہے یہ اصل معلوم ہے دوسرا اصل برا نہیں ان سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر ایک جھوٹ برا نہیں اب سوچو کہ کیا تمہیں اس نتیجے میں شک ہے جب کہ ان دونوں اصولوں کو مانتے ہو اور کیا یہ اس سے زیادہ واضح ہے جو میں نے میزان تقدیس میں مقدمہ تجربی اور حسی بیان کیا تھا اس ترازو کی حدیوں ہے کہ دو صفتیں ایک شے کے لئے تسلیم کی جاتی ہیں بعض ان

میں سے ضروری ہوتی ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام سے موصوف ہو بلکہ بعض احوال میں ہوتا ہے اور بعض میں نہیں مثلاً انسان میں حیوانیت اور جسمانییت دونوں ہیں اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بعض جسم حیوان ہیں لیکن یہ لازم نہیں آتا کہ تمام جسم حیوان ہیں اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ہر حیوان جسم ہے کیونکہ جب ایسی صفت سے موصوف ہو جو ہر حالت میں ضروری نہ ہو اس سے ضروری معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

رُفِیَتْ:۔ میں یہ تینوں میزان سمجھ گیا ہوں لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ ان کو اکبر اوسط اور اصغر سے کیوں موسوم کیا گیا ہے؟

دَسْتَانُ:۔ اکبر اس واسطے کہ اس سے بہت سی چیزوں کا وزن ہو سکتا ہے اور اصغر اس کے خلاف اوسط دونوں کے بین بین میزان اکبر سب سے وسیع ہے کیونکہ اس سے عام و خاص کا اثبات نفی ہر دو ہو سکتے ہیں یعنی چاروں قسم کے معارف وزن کیے جاسکتے ہیں دوسرے ترازو سے صرف نفی لیکن عام و خاص دونوں کی تیسرے سے صرف خاص خاص معارف جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ جب دو وصف ایک چیز میں ہوں تو جس میں ان کا ایک وصف ہو وہ صرف جزئی طور پر اس میں شامل ہوتی ہے اس واسطے اس ترازو کو اصغر کہا گیا ہے اب رہا شیطان کے ترازوؤں سے حکم عام کا وزن کرنا جس سے اہل تعلیم نے بعض معارف کو وزن کیا اور اسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ میں داخل کیا جہاں پر فرماتے ہیں ”ہذا ربی هذا اکبر“ انشاء اللہ عنقریب ہی میں ان کا ذکر کروں گا۔

میزان التلازم کے بیان میں

رُفِیَتْ:۔ میں میزان تعادل کی تینوں قسموں سے واقف ہو گیا ہوں اب مجھے میزان التلازم کا مطلب سمجھائیے۔

دَسْتَانُ:۔ یہ میزان حسب ذیل اقوال الہی سے مستفاد ہے۔ ”لو کان فیہما الہة الا اللہ لفسدتا“ ”قل لو کان معہ الہة کما تقولون اذا لاتبتغوا لی ذی العرش سبیلا“ ”لو کان ہوہ الہة ماوردوہا“ اس ترازو کی صورت تحقیق یوں ہے ”اگر جہاں میں دو معبود ہوتے تو بگاڑ ہوتا“۔ ایک یہ اصل ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس میں بگاڑ نہیں یہ دوسرا اصل ہے ان دونوں سے یہ ضروری نتیجہ نکلتا ہے

کہ دو معبود نہیں بلکہ ایک ہے نیز اگر صاحب عرش کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا وہ صاحب عرش کی طرف رستہ کی خواہش کرتے، یہ ایک اصل ہے اور یہ معلوم ہے کہ وہ خواہش نہیں کرتے، پس اس سے اس معبود کی نفی لازم آتی ہے جو صاحب عرش کے سوا ہے اس ترازو کا معیار معلومہ بنوں سے یوں کیا جاتا ہے۔ اگر سورج نکلا ہو تو ستارے چھپ جاتے ہیں یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے پھر اگر تم کہو کہ سورج نکلا ہوا ہے تو اسے لازم آتا ہے کہ ستارے چھپے ہوئے ہیں۔ نیز اگر تم یہ مانو کہ فلاں شخص نہیں کھاتا تو سمجھو کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے پھر اگر معلوم ہو جائے کہ اس نے کھانا کھایا ہے۔ یہ حس سے معلوم ہوا ہے۔ تو تجربی اور حسی دو اصولوں سے یہ ضروری نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا نہیں۔ پوشیدہ اور دیر فہم مقام پر بکثرت استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ جب فقیہ کہتا ہے کہ اگر غائب کا بیج صحیح ہے تو اس سے صریحاً الزام لازم آتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ تصریح الزام لازم نہیں تو اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ صحیح نہیں۔ پہلا اصل استقراء شرعی سے معلوم ہوتا ہے جو ظن کے لئے مفید ہے اگرچہ وہ علم کے لئے مفید نہیں اور دوسرا حریف کے تسلیم کرنے اور اس کی مدد سے نظریات میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر جہاں کی بناوٹ اور آدمی کی ترکیب مرتب عجیب اور مضبوط ہے تو اس کا بنانے والا ضرور عالم ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جہاں و انسان کی بناوٹ اور ترکیب عجیب اور مرتب ہے۔ کیونکہ آنکھوں سے ایسا دیکھتے ہیں پس اس سے لازم آتا ہے کہ ان کا بنانے والا عالم ہے، جب اس سے ہم ترقی کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اگر ان کا بنانے والا عالم ہے تو وہ زندہ بھی ہے۔ سو چونکہ میزان اول سے معلوم ہے کہ وہ عالم ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ وہ زندہ ہو پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ زندہ اور عالم ہے تو ضرور وہ بذاتہ خود قائم ہے نہ کہ کسی اور کی مدد سے چونکہ پہلی دو میزانونوں سے معلوم ہے کہ وہ زندہ اور عالم ہے اس لئے لازم آتا ہے وہ بذاتہ خود قائم ہے۔ اسی طرح ہم آدمی کی ترکیب کی صفت سے اس کے بنانے والی کی صفت تک ترقی کرتے ہیں یعنی معلوم کرتے ہیں کہ اس کا بنانے والا عالم ہے پھر علم سے زندگی اور زندگی سے ذات تک ترقی کرتے ہیں اور یہ روحانی ترقی ہے یہ ترازو آسمان پر چڑھنے کے لئے آسمان سے خالق آسمان تک پہنچنے کے لئے سیڑھیاں ہیں اور یہ اصول ان سیڑھیوں کے پائے ہیں۔ جسمانی معراج ایک قوت سے نہیں ہو سکتا یہ نبوت کی قوت سے ہی مخصوص ہے اس ترازو کی حد یہ ہے کہ جو باتیں کسی خاص چیز کے لئے لازم ہے وہ ہر حال میں اس کی تابع ہیں اس واسطے لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی لازم آتی ہے اور ملزوم کے وجود سے لازم کا وجود واجب آتا ہے لیکن ملزوم کی نفی اور لازم کے وجود

سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا بلکہ یہ شیطانی ترازو ہے جس سے بعض اہل علم اپنی معرفت کو وزن کرتے ہیں۔ تم جانتے ہیں کہ نماز کی درستی کے لئے نماز کا پاک ہونا لازم ہے پس تمہارا یہ کہنا درست ہوگا کہ اگر زید کی نماز صحیح ہے تو وہ پاک ہے لیکن اگر معلوم ہو کہ وہ پاک نہیں تو لازم کی نفی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس کی نماز درست نہیں جو ملزوم کی نفی ہے اسی طرح اگر تم کہو کہ چونکہ اس کی نماز درست ہے جو ملزوم کا وجود ہے اس لئے وہ پاک ہے جو لازم کا وجود ہے یہ تو درست ہے لیکن اگر تم یہ کہو کہ چونکہ وہ پاک ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ اس کی نماز درست ہو ایسا کہنا غلطی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی نماز کسی اور وجہ سے باطل ہوگئی ہو اور یہ لازم کا وجود ہے یہ ملزوم کے وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر تم کہو کہ چونکہ اس کی نماز درست نہیں اس لئے وہ پاک نہیں یہ بھی غیر لازمی خطا ہے کیونکہ ممکن ہے کسی اور شرط کی کمی سے نماز درست نہ رہی ہو یہ ملزوم کی نفی ہے۔ لیکن اس سے لازم کی نفی لازم نہیں آتی۔

میزان التعاند کا بیان

رَشِيْقٌ :- اب مجھے بتاؤ کہ میزان التعاند کیا چیز ہے اور قرآن شریف میں سے اس کا مقام، اس کا پرکھنا اور موقع استعمال سمجھاؤ۔

دَسْتَانُفَا :- قرآن شریف میں اس کا مقام یہ قول الہی ہے۔ قولہ تعالیٰ ”قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ اللَّهُ“ جناب سرور کائنات ﷺ کو سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ کہہ دے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں کون رزق پہنچاتا ہے، اور کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ اور میں یا تم ہدایت پر ہو یا گمراہی میں لیکن انا وایاکم کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس میں تسویہ اور تشکیک ہے بلکہ اس میں دوسرا اصل چھپا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے قول ”بیشک اللہ تعالیٰ ہی تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے“ گمراہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اس آسمان سے مینہ اتار کر اور زمین میں سے نباتات اگا کر تمہیں رزق دیتا ہے سو تم اس بات سے انکار کر کے گمراہ بنتے ہو۔ اس میزان کے کمال کی صورت یوں ہے ”انساوا ایاکم لعلیٰ ھدیٰ ورفیٰ ضلالہ مبین“ میں یا تم گمراہ ہو یہ ایک اصل ہے اور یہ معلوم ہے کہ ہم گمراہ نہیں دوسرا اصل ہے دونوں کے ملانے سے ضروری نتیجہ برآمد ہوتا ہے اگر تم گمراہی میں ہو مشہور بٹوں سے اس کا پرکھنا اس طرح پر ہے فرض کرو ایک شخص ایسے مکان میں داخل ہوتا ہے جس میں دو کوٹھڑیاں

ہیں اگر ہمیں ایک کوٹھڑی میں وہ نہ ملے تو ہم جانتے ہیں کہ وہ دوسری میں ضرور ہوگا یہ نتیجہ بھی دو اصولوں سے مل کر بنا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک کوٹھڑی میں ضرور ہے اور دوسرا یہ کہ اس کوٹھڑی میں بالکل نہیں ان دونوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ضرور دوسری کوٹھڑی میں ہے اس واسطے کہ جب ہمیں ایک کوٹھڑی میں نہیں ملتا تو دوسری میں ہم اپنی آنکھوں دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن اگر دوسری میں جا کر آنکھوں سے نہ بھی دیکھیں تو بھی ہمیں اس میزان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ضرور دوسری کوٹھڑی میں ہے، یہ علم میزان ہوگا۔ جو بمنزلہ آنکھوں سے دیکھنے کے ہوگا اس میزان کی حد یہ ہے اگر کوئی چیز دو قسموں پر منحصر ہے تو ایک میں ہونے سے دوسری میں نفی لازم آتی ہے اور ایک کی نفی سے دوسری کا اثبات لازم آتا ہے۔ لیکن یہ ضروری شرط ہے کہ قسم منحصر ہو نہ کہ منتشر۔ کیونکہ قسم منتشر سے وزن کرنا شیطانی فعل ہے بعض اہل قلم ایسے موقعوں پر اپنے کلام کو اسی سے وزن کرتے ہیں۔ اس کا بیان ہم نے قول اصح میں فصل الخلاف کے جواب اور کتاب ”مستظہری“ وغیرہ میں بھی کر دیا ہے۔ پوشیدہ اور دیر فہم موقعوں پر اس کے استعمال کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اور شاید نظریات کا اکثر حصہ اسی سے وزن کیا جاتا ہے۔ مثلاً موجودات کو ہی لو یا تو تمام موجودات حادث ہے یا اس کا بعض حصہ حادث ہے اور بعض قدیم۔ اور یہ قاصر ہے کیونکہ یہ نفی اور اثبات کے مابین دائر ہے پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ معلوم ہے کہ تمام موجودات حادث نہیں اس سے لازم آتا ہے کہ اس میں کچھ حصہ قدیم ہے کہ ہم نے یہ کیوں کہا کہ تمام موجودات حادث نہیں تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ اگر تمام موجودات حادث ہو تو اس کا حدوث بنفسہ ہوتا اور اس میں اثبات کا دخل نہ ہوتا پس یہ کہنا کہ تمام موجودات حادث ہے باطل ہو جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ اس میں موجود قدیم بھی ہے۔ اس میزان کے استعمال کی مثالیں بنے شمار ہیں۔

۱۔ ثبوت:۔ اب میں سمجھ گیا کہ حقیقت میں یہ پانچوں ترازو سچے ہیں۔ لیکن صرف اتنی خواہش باقی ہے کہ میں ان کے القاب کے معنی سمجھ جاؤں اور یہ کہ آپ نے پہلی کو میزان التعادل دوسری کو میزان التلازم اور تیسری کو میزان التعاند کے نام سے کیوں مخصوص کیا ہے؟۔
 ۲۔ ثبوت:۔ پہلی کا نام اس واسطے میزان التعادل رکھا ہے کہ اس میں دو اصول بمنزلہ دو پلڑوں کے ہیں۔ جو ایک دوسرے کے محاذی ہیں دوسری کا میزان التلازم اس واسطے رکھا کہ دو اصول میں ایک اصل کے دو جز ہیں جن میں سے ایک لازم ہے اور دوسرا ملزوم مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”لو کان فیہما آلہة الا اللہ لفسدتا لفسدتا“ لازم آتا ہے اور

لو كان فيهما آلهة الا الله، ملزوم ہے اس کا نتیجہ لازمی کی نفی ہے تیسری کا نام میزان التعاند اس واسطے رکھا کہ نفی اور اثبات پر دو قسمیں منحصر ہیں۔ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا اثبات لازم آتا ہے۔ ان دونوں قسموں میں التعاند اور تضاد ہے۔

رفیق :- کیا یہ نام آپ ہی نے رکھے ہیں اور ان کا استخراج بھی آپ ہی نے کیا ہے یا کہیں سے دیکھے ہیں؟

دوست :- نام میں تو میں نے ہی رکھے ہیں۔ رہے ترازو، سوا نہیں میں نے قرآن شریف سے استخراج کیا ہے ان کے اصول پہلے ہی سے استخراج کیے ہوئے ہیں۔ متاخرین نے ان کے نام کچھ اور ہی مقرر کیے ہیں۔ اور جناب سرور کائنات ﷺ کے زمانہ سے پہلے کی امتوں نے کچھ اور ہی نام مقرر کر رکھے تھے۔ انھوں نے یہ ترازو حضرت ابراہیم اور مہتر موسیٰ کے صحیفوں سے نکالے تھے میں نے ان کے نام و لباس اس واسطے تبدیل کر دیے ہیں کہ مجھے معلوم تھا کہ تم طبیعت کے کمزور ہو اور تمہارا نفس وہم پرست ہے۔ اور یہ کہ تم ظاہر پر دھوکا کھاتے ہو حقیقت سے واقف نہیں ہوتے۔ مثلاً اگر میں سرخ شہد بچھنے لگانے والے کے شیشے میں ڈال کر تمہیں پلاؤں تو تم کبھی نہیں پوئے گے کیونکہ تمہاری طبیعت اس سے متنفر ہے تمہاری عقل اس قدر کمزور ہے کہ تم اتنی بھی تمیز نہیں کر سکتے کہ پاک شہد خواہ کسی شیشے میں ہو اسی طرح اگر تم کسی ترک کو گوڈری یا جبہ وغیر پہنے ہوئے دیکھو تو تم اسے صوفی یا فقیہہ خیال کرو گے اور اگر کوئی صوفی مرد قبا اور کلاہ پہنے ہوئے ہو تو اسے ترک خیال کرو گے تمہارا وہم صرف چیزوں کے خلاف اور جھکنے تک ہی رہتا ہے اصل مغز تک نہیں پہنچتا اسی طرح تم بات کو اس کے نفس اور ذات کے لحاظ سے نہیں دیکھتے بلکہ اس کے حسن صنعت کو اور اس کے قابل حسن ظن کو دیکھتے ہو جو اس کی طرف سے تمہارے دل میں بیٹھا ہوا ہے اگر کسی شخص کے حق میں تمہارا ظن درست ہے تو خواہ اس کی عبارت مکروہ ہی کیوں نہ ہو تمہیں پسند آئے گی لیکن اگر تمہارے نزدیک کہنے والا برا ہے تو خواہ وہ اچھی بات بھی کرے۔ تم فوراً اس کی بات رد کر دو گے۔ اگر تم سے کہا جائے کہ تم

”لا اله الا الله عیسیٰ رسول الله“ کہو تو تمہاری طبیعت اس کے کہنے سے نفرت کرے گی اور تم کہہ دو گے کہ یہ تو نصاریٰ کا قول ہے میں اسے کیونکر کہوں اتنا نہیں سمجھو گے کہ یہ قول فی نفسہ سچا ہے۔ نصرانی سے نہ اس کلمہ کے لئے ناراض ہونا چاہیے۔ بلکہ صرف دو کلموں کے لئے ایک یہ خدا تین ہیں اور دوسرا یہ کہ محمد رسول اللہ نہیں۔ ان دو کے سوا باقی اس کے

تمام کلمات سچے ہیں پس جب میں نے دیکھا کہ تم اور تمہارے اہل تعلیم رفیق صرف چیز کے ظاہر پر ہی دھوکا کھاتے ہیں اصل حقیقت تک نہیں پہنچتے اس واسطے تمہیں دوائی پانی کے کوزے میں پلائی جس سے تمہیں شفا ہوئی اور تمہارے ساتھ میں نے ویسی نرمی اور مہربانی کی جیسی ایک طبیب مریض کے ساتھ کرتا ہے اور اگر میں تمہیں کہہ دیتا کہ یہ دوائی ہے اور اسے دوائی کے پیالے میں تمہیں دیتا تو تمہاری طبیعت اس سے نفرت کر جاتی اگر قبول بھی کرتی تو گھونٹ گھونٹ کر پیتے۔ اور شاید نہ بھی پیتے یہ وجہ تھی کہ میں نے ان ترازوؤں کے نام بدل دیئے اسے جو سمجھ گیا سمجھ گیا۔ جو جاہل رہا جاہل رہا۔ اور جس نے انکار کیا انکار کیا۔

و فسپتی:۔ یہ تو میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ لیکن تم نے وعدہ کیا تھا کہ اس ترازو کے دو پلڑے بھی ہوتے ہیں اور ایک عمود بھی جس سے وہ لٹکتے ہیں لیکن مجھے تو اس ترازو میں پلڑے اور عمود دکھائی نہیں دیتے۔ اور وہ کیسا ترازو ہے جو ایک پلڑے والے سے مشابہ ہے۔

و صنف:۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس ترازو میں دو اصل ہیں یہی دو اصل بمنزلہ پلڑوں کے ہیں اور ان اصلوں میں جو جز مشترک ہے وہ بمنزلہ عمود ہے۔ اور ان دونوں میں داخل ہے اب میں فقہیات میں سے ایک مثال بیان کرتا ہوں تاکہ تم اچھی طرح سمجھ جاؤ۔ وہ یہ کہ ہمارا یہ کہنا کہ ”ہر نشلی چیز حرام ہے“ ایک پلڑا ہے۔ اور ”ہر نبیذ نشلی ہے“ دوسرا پلڑا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر ایک نبیذ حرام ہے اس مقام پر دو اصلوں میں صرف تین امور ہیں نبیذ، نشلی اور حرام، نبیذ صرف ایک اصل میں پائی جاتی ہے وہ ایک پلڑا ہے۔ اور حرام صرف دوسرے اصل میں جو دوسرا پلڑا ہے لیکن نشلی دونوں اصلوں میں مذکور ہے اور دونوں میں مشترک ہے یہی عمود ہے دونوں پلڑے اس سے لٹکے ہوئے ہیں اور موصوف صفت کے متعلق ہے یہاں پر موصوف

”ہر ایک نبیذ نشلی ہے“ کیونکہ نبیذ نشے سے موصوف ہے۔ دوسرا صفت موصوف کے متعلق ہے یعنی تمام نشلی چیزیں حرام ہیں اس پر غور کر کے سمجھ لو کہ اس میزان میں کسی قسم کا بگاڑ آ جائے تو یہ دنوں پلڑوں میں سے کسی ایک میں ہو گا یا عمود میں یہ بات میں عنقریب ہی میزان الشیطان کے بیان میں سمجھا دوں گا رہا ایک پلڑے والے ترازو کے مشابہ ترازو یعنی میزان التلازم اس میں ایک بازو دوسرے کی نسبت بہت زیادہ لمبا ہوتا ہے مثلاً تمہارا یہ کہنا کہ ”اگر غائب کا بیج صحیح ہے تو صریح الزام لازم آتا ہے“ ایک لمبا اصل ہے جس میں دو جز لازم اور ملزوم ہیں اور تمہارا یہ کہنا کہ صریح الزام لازم نہیں آتا دوسرا اصل ہے جو پہلے کی نسبت چھوٹا ہے جو ایک پلڑے والے ترازو کے چھوٹے بٹ کے مشابہ ہے۔ لیکن میزان التعاول میں دونوں پلڑے ہم وزن اور

دونوں بازو یکساں لمبے اور ہم وزن ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک پلڑے میں صرف صفت موصوف ہوتے ہیں یہ بھی سمجھ لو کہ روحانی ترازو جسمانی ترازو کی سی نہیں ہوتی صرف ان میں مناسبت ہوتی ہے۔ اور اسی واسطے اس سے نتیجہ نکلنے کو دو اصولوں کے ازدواج سے تشبیہ دینا ممکن ہے کیونکہ دو اصولوں میں ایک چیز داخل نہیں ہوتی اور وہ اس مثال میں نشلی چیز ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اصولوں میں ہے تبھی ان سے نتیجہ نکلتا ہے۔ لیکن اگر ایک اصل کا کوئی جز دوسرے اصل میں داخل ہو تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ مثلاً ہر نشلی چیز حرام ہے۔ اور ہر ایک چھپی ہوئی بری ہے۔ سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ گو یہ دونوں بجائے خود اصل ہیں لیکن ان سے نتیجہ کوئی نہیں نکلتا اس واسطے کہ ان میں کوئی جز مشترک نہیں اسی جزو مشترک کو عمود کہتے ہیں۔ اگر تمہیں محسوس اور معلوم کا وزن کرنا آجائے تو تمام ملک اور عالم شہادت اور عالم غیب اور عالم ملکوت کے مابین وزن کرنے کی واقفیت بھی حاصل ہو جائے اس میں بڑے بڑے بھید پوشیدہ ہیں۔ جس شخص کو مذکورہ بالا چیزوں کا وزن کرنا نہیں آتا وہ قرآنی انوار کا اقتباس نہیں کر سکتا اور اس سے کچھ سیکھ نہیں سکتا اور اس کا علم صرف چھلکوں تک ہی محدود رہتا ہے قرآن شریف میں تو تمام علوم کے ترازو اور تمام علوم کی چابیاں ہیں۔ جیسا کہ میں جو اہر القرآن میں اشارتاً بیان کر چکا ہوں۔ اس کتاب سے دیکھ لو عالم ملک و عالم شہادت اور عالم غیب و عالم ملکوت کے درمیان موازنہ نہیں البتہ بعض کو خواب کے اندر کچھ معنوی حقائق بطور خیالی مثالوں کے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ سچا خواب نبوت کا ایک جزو ہوا کرتا ہے اور عالم نبوت میں ملک اور ملکوت سارے کا سارا متجلی ہوتا ہے۔ خواب میں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگشتری ہے۔ جس سے وہ مردوں کے منہ اور عورتوں کی فروج پر مہریں لگا رہا ہے جب اس نے اپنا یہ خواب ابن سیرین سے بیان کیا۔ تو آپ نے اس کی تعبیر یوں فرمائی کہ تم مؤذن ہو اور ماہ رمضان میں تم صبح سے پہلے اذان دیتے ہو اس نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ اب غور کرو کہ ابن سیرین کو عالم غیب نے اس کی حالت کیونکر معلوم ہوئی۔ اور اس مثال اور ماہ رمضان میں قبل از صبح اذان دینے کا موازنہ کرو۔ یہی مؤذن اکثر خواب میں دیکھا کرتا تھا۔ کہ یہ وہی انگٹھی ہے جس سے تم مردوں کے منہ اور عورتوں کی فروج پر مہریں لگا رہے تھے وہ کہتا تھا کہ بخدا میں تو ایسا نہیں کیا کرتا تھا۔ اسے کہا جاتا کہ نہیں تم بالضرور ایسا کیا تو کرتے تھے لیکن تم بھول گئے ہو کیونکہ یہ تمہارے فعل کی روح ہے۔ اشیاء کی حقیقت اور ان کی روح صرف عالم ارواح میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس عالم حس اور عالم خیال کے اندر عالم تلپیس میں روح صورتوں کے پردوں

میں ڈھکی ہوئی ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن جب آنکھوں پر سے پردہ اٹھایا جاتا ہے تو اصل حقیقت کھلتی ہے۔ اور اسی طرح جس نے کوئی شرعی حرکت کی ہو اسکی حقیقت بھی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ اگر تم اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو احیاء العلوم کے باب حقیقت الموت یا کتاب جواہر القرآن کا مطالعہ کرو۔ اس میں تمہیں عجیب و غریب باتیں معلوم ہونگی۔ اس پر غور کرنے سے شاید تمہارے لئے عالم ملکوت کی رویت کا دروازہ کھل جائے اور تم کچھ سن سکو۔ لیکن ایسی حالت میں امید نہیں کہ تمہارے لئے دروازہ کھلے کیونکہ تم معلم غائب سے معرفت حقائق کے منتظر ہو جسے تم دیکھ نہیں رہے اور اگر اسے دیکھ لو تو بہت سے معارف میں اسے اپنے سے بھی کمزور پاؤ گے سو تم معارف و حقائق ایسے شخص سے معلوم کرو جس کی وہاں تک رسائی ہے۔ اور جسے خود ان کی شناخت حاصل ہے۔

۱۰۰۰۰۰ :- اب اور بات بیچ میں آگئی ہے۔ جس کے سبب مجھ میں اور تم میں جھگڑا بڑھ جائے گا کیونکہ معلم غائب کو اگرچہ میں نے چشم خود تو نہیں دیکھا لیکن میں نے اس کی خبر تو سنی ہے مثلاً شیر گو میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن اس کی علامات تو دیکھی ہیں اور یہ بھی دیکھا ہے کہ میری والدہ صاحبہ اور مولانا صاحب قلعہ الموت دونوں ہی اس کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے اور یہاں تک کہا کرتے تھے کہ وہ معلم غیب جہاں کی ہر ایک کاروائی سے خواہ وہ ہزار فرسنگ کے فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو واقف ہے کیا میری والدہ اس بارے میں جھوٹ بولتی ہیں جو کہ بڑھیا اور پاک دامن ہے۔ یا مولانا صاحب قلعہ الموت جھوٹ بولتے ہیں جو حسن صیرت و صورت کے امام ہیں۔ نہیں نہیں وہ دونوں چشم دید سچے گواہ ہیں۔ علاوہ بریں اور مغان اور اصہبان میں جس قدر میرے رفیق ہیں وہ سب اس معاملہ میں متفق الرائے ہیں اور ان کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اور مختلف قلعوں کے باشندے انھیں کے فرمان پذیر ہیں یہ کہنا کہ انھوں نے دھوکا کھایا محض افترا ہے کیونکہ وہ سب کے سب ذکی ہیں اور یہ کہنا کہ وہ مکار ہیں سراسر بہتان ہے کیونکہ وہ سارے متقی ہیں افسوس افسوس یہ غیبت کرنا چھوڑ دو کیونکہ جو کچھ ہمارے درمیان گفتگو ہو رہی ہے مولانا اس سے بخوبی واقف ہیں اس واسطے کہ زمین اور آسمان کا ذری ذری حال انھیں معلوم ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں ان کی بے عزتی سنتے ہی تم سے لڑنے پڑوں۔ سو یہ فضول گوئی کا طومار لپیٹ لو اور میزان الشیطان اور اس سے اہل تعلیم کے وزن کرنے کی کیفیت سمجھاؤ۔

شیطانی ترازوؤں اور ان سے اہل تعلیم

کا وزن کرنے کا بیان

وہنفت: بیچارے! اب اپنے رفیقوں کے ترازوؤں کا حال سن۔ تو تو نہایت غلو سے کام لیتا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن شریف میں سے جن ترازوؤں کا ذکر میں نے کیا ہے ان کے مقابل شیطانی ترازو بھی ہیں جن سے وزن کیا جاتا ہے ان کے ذریعہ شیطان غلطی میں ڈالتا ہے لیکن صرف اسی مقام سے داخل ہوتا ہے جہاں کہیں کوئی رخنہ ہے۔ وہ شخص جو ان رخنوں کو بند کر لیتا ہے وہ شیطان سے بے کھٹکے ہو جاتا ہے کہ رخنہ اندازی کے کل موقعے دس ہیں جو سب کے سب مع شرح کتاب محکم النظر اور کتاب معیار العلم میں بیان کر دیے ہیں ترازوؤں کی شرائط کی باریکیاں اس واسطے بیان نہیں کیں کہ تم اس وقت باسانی سمجھ نہیں سکتے اگر تم ان مشکلات کا حل سمجھنا چاہتے ہو تو کتاب محکم النظر میں دیکھ لو اور اگر ان کی مفصل کیفیت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو کتاب المعیار العلم کا مطالعہ کرو اب میں صرف ایک مثال بیان کرتا ہوں جو شیطان نے حضرت ابراہیم کے دل میں اس وقت ڈالی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ”وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنى القی الشیطان فی امنیة“ ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا مگر جب خواہش کی، شیطان نے انھیں خواہش میں ڈالا۔ سو اللہ تعالیٰ نے وہ بات منسوخ کر دی جو شیطان نے آنحضرت کے دل میں ڈالی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی آیت کو مضبوط کیا۔ اور یہ سورج کی طرف مبادرت کرنا تھا۔ آپ کا قول کہ ”ہذا ربیٰ ہذا اکبر“ یہی میرا خدا ہے کیونکہ یہی بڑا ہے۔ شیطان نے آپ کو دھوکے میں ڈالنا چاہا اس سے وزن کرنے کی کیفیت یوں ہے اللہ تعالیٰ بڑا ہے، یہ اصل متفق علیہ ہے سورج ستاروں سے بڑا ہے یہ اصل حسی ہے پس ان دونوں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سورج خدا ہے۔ یہ نتیجہ ہے اور یہ نظام ہے جسے شیطان نے میزان التعاول کے میزان اصغر سے ملایا ہے کیونکہ بڑائی ایک وصف ہے جو خدا میں بھی پایا جاتا ہے اور سورج میں بھی۔ اس سے وہم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے موصوف ہے۔ لیکن یہ میزان اصغر کا عکس ہے اس میزان کی حد یہ ہے کہ ایک شے میں دو وصف پائے جائیں تو ان میں سے ایک کے بعض حصے دوسرے سے موصوف ہونگے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن جب دو چیزوں میں ایک وصف پایا جائے تو

ایک چیز دوسری کی صفت نہیں ہو سکتی لیکن دیکھو شیطان نے اسے عکس کے ساتھ کس طرح غلط ملط کیا ہے۔ اس میزان باطل کی پرکھ ظاہری بنوں سے رنگ کا جھٹلانا ہے کیونکہ سیاہ اور سفید دونوں رنگ ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سفید سیاہ ہے۔ یا سیاہ سفید ہے اگر کہنے والا کہے کہ سفید بھی رنگ ہے اور سیاہ بھی رنگ ہے پس اس سے لازم آتا ہے سیاہ سفید ہے اس کا یہ نتیجہ غلط ہے اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ خدا بڑا ہے اور سورج بڑا ہے پس سورج خدا ہے غلط ہے کیونکہ یہ متضاد کو ایک صفت سے موصوف کرنا ہے اگر دو چیزیں ایک صفت سے موصوف ہوں تو اس سے لازم نہیں آیا کہ وہ دونوں ایک ہیں لیکن اگر ایک چیز دو صفتوں سے موصوف ہو تو دونوں صفتوں میں اتصال ہو سکتا ہے ہر وہ شخص جو ان دو باتوں کا فرق سمجھ سکتا ہے کہ ایک چیز دو صفات سے متصف ہو اور دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہوں وہ اسے بھی سمجھ سکتا ہے۔

رَفِیْرٌ:۔ یہ تو مجھے واضح ہو گیا ہے کہ باطل ہے لیکن اہل تعلیم اپنے کلام کو اس سے وزن کرتے ہیں۔

دَعْوَانُفٌ:۔ وہ اپنے کلام کا اکثر حصہ اس سے وزن کرتے ہیں لیکن میں بہت مثالیں دیکر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں آپ نے ان کا یہ کلام اکثر سنا ہوگا حق وحدت سے ہے اور باطل کثرت سے اہل رائے کا مذہب کثرت کی طرف ہے اور اہل تعلیم کا مذہب وحدت کی طرف اس سے لازم آتا ہے کہ اہل تعلیم کا مذہب حق ہو۔

رَفِیْرٌ:۔ ہاں یہ تو میں نے بہت دفع سنا ہے میرے خیال میں یہ ایک برہان ہے بلکہ میرا یقین ہے کہ برہان قاطع ہے اس میں مجھے کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔

دَعْوَانُفٌ:۔ دیکھو یہ شیطانی ترازو ہے جس کے استعمال میں انھوں نے غلط پہلو اختیار کر رکھا ہے اور دیکھو کس طرح انھوں نے شیطانی قیاس اور ترازو حضرت ابراہیمؑ کے ترازو اور دوسرے ترازوؤں کو جھٹلانے کے استعمال کیا ہے۔

رَفِیْرٌ:۔ شیطان نے یہ ترازو کیونکر نکالا اس کی مفصل کیفیت سے آگاہ کیجئے گا۔

دَعْوَانُفٌ:۔ واقعی شیطان بے سبب کثرت کلام مختلف ترازوؤں کو اس طرح گھٹ مٹ کر دیتا ہے کہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ کس موقعہ پر غلط ملط ہو گئے ہیں اس کلام کثیر کا مع حاصل یوں ہے کہ حق وحدت سے موصوف ہے یہ ایک اصل ہے اہل تعلیم کا مذہب وحدت سے موصوف ہے یہ دوسرا اصل ہے ان دونوں سے لازم آتا ہے کہ اہل تعلیم کا مذہب حق سے موصوف ہو لیکن اس میں غلطی یہ ہے کہ دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہیں اس لئے ضروری نہیں کہ ان

دونوں چیزوں میں اتصال ہو جیسے کوئی کہے اور سیاہ دونوں رنگ ہیں اس لئے سفید سیاہ ہے یا سیاہ سفید ہے یا شیطانی قول کی طرح کہ خدا اور سورج دونوں میں بڑائی ہے اس لئے خدا سورج ہے یا سورج خدا ہے ان تینوں ترازوؤں میں کوئی فرق نہیں یعنی سیاہ و سفید کا رنگ ہونا سورج اور خدا کا بڑا ہونا اور تعلیم اور حق میں وحدت کا ہونا سوان پر غور کر کے سمجھو۔

رفیضی :- میں اسے سمجھ گیا ہوں لیکن میں ایک مثال پر قناعت نہیں کرتا میرے رفیقوں کی ترازوؤں کی کوئی اور مثال بیان کریں تاکہ میرے دل کو تسلی ہو کہ واقعی وہ شیطانی ترازو سے دھوکا کھائے ہوئے ہیں اور اوروں کو دھوکا دیتے ہیں۔

حسنہ :- کیا تم نے ان کا یہ قول سنا ہے کہ حق یا تو محض رائے سے پہچانا جاتا ہے یا محض تعلیم سے اور یہ کہ جب ان میں سے ایک باطل ہو تو دوسرا ثابت ہو جاتا ہے یا درکھو یہ باطل ہے کہ محض عقلی رائے سے معلوم ہو کیونکہ اپنے اور مذاہب متعارض ہوا کرتے ہیں پس ثابت ہوا کہ حق تعلیم سے پہچانا جاتا ہے۔

رفیضی :- بخدا میں نے ان کی اس قسم کی باتیں بہت سنی ہیں اور یہی ان کے دعوؤں اور ان کی دلیلوں کے عنوانوں کی چابی ہوا کرتی تھی۔

حسنہ :- کہ شیطانی ترازو سے وزن کرتے ہیں جو میزان التعاند سے ملتی جلتی ہے کیونکہ دو قسموں میں سے ایک کے بطلان سے دوسرے کا اثبات ہوتا ہے لیکن اس میں ضروری شرط یہ ہے کہ وہ قسم منحصر ہونے کہ منتشر شیطان منتشر اور منحصر کو خلط ملط کر دیتا ہے اور یہ منتشر ہے کیونکہ نفی اور اثبات کے درمیان دائر نہیں بلکہ ان دونوں کے بین بین تیسری قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ عقل اور تعلیم دونوں کی رومد رک ہو۔ اور معلومہ بٹوں سے اس کا بطلان یوں ہے جیسے کوئی کہے کہ رنگ آنکھوں سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ سورج کی روشنی سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم پوچھیں کیوں؟ تو کہے کہ یا تو آنکھ سے نظر آتے ہیں یا سورج کی روشنی سے آنکھوں سے ان کا معلوم ہونا اس واسطے باطل ہے کہ رات کو نظر نہیں آتے۔ پس ثابت ہوا کہ سورج کی روشنی سے معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک تیسری قسم بھی ہے اور وہ یہ کہ گو آنکھوں سے معلوم ہوتے ہیں لیکن سورج کی روشنی میں۔

رفیضی :- میں اسے بھی سمجھ گیا ہوں۔ لیکن اب چاہتا ہوں کہ آپ ذرا اس غلطی کی زیادہ تشریح کر دیں۔ جو پہلی مثال یعنی حق اور وحدت میں واقع ہوئی ہے کیونکہ اس میں غلطی ایسی ہے جو بہت سوچ کے بعد سمجھ میں آتی ہے۔

دھننہ:۔ اس میں غلطی یہ ہے کہ انسان ان دو باتوں میں مغالطہ کھاتا ہے۔ ایک چیز کا دو اوصاف سے متصف ہونا اور دو چیزوں کا ایک وصف سے متصف ہونا یہ غلطی عکس کے نہ سمجھنے سے واقعہ ہوتی ہے کیونکہ جو شخص جانتا ہے کہ ہر ایک حق واحد ہے لیکن یہ عکس لازمی نہیں بلکہ خاص عکس لازمی ہے اور وہ یہ کہ بعض واحد حق ہیں۔ مثلاً اگر کہیں کہ ہر انسان حیوان ہے تو اس کا عکس کہ ہر حیوان انسان ہے، غلط ہے۔ البتہ اس کا اس قدر عکس ٹھیک ہے کہ بعض حیوان انسان ہیں شیطان بھی کم عقل انسانوں پر غالب آتا ہے تو ایک لطیف حیلہ سے جسے عوام الناس باسانی نہیں سمجھ سکتے اور کوئی فاش غلطی نہیں کرتا جسے ہر ایک باسانی سمجھ سکے وہ عکس کے شبہ میں ڈالتا ہے حتیٰ کہ وہ شبہ محسوسات میں جا کر ختم ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص چمک دار سیاہ رنگ کی رسی دیکھ لیتا ہے تو اسے سانپ خیال کر کے اس سے ڈرنے لگتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہر ایک سانپ لمبا اور چمکیلا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا وہم اس کے عکس عام یعنی ہر لمبی چمکیلی چیز سانپ ہے وہ صحیح مانتا ہے لیکن عکس عام لازم نہیں آتا بلکہ عکس بعض لمبی چمکیلی چیزیں سانپ ہوتی ہیں لازم آتا ہے عکس اور نقیض میں بہت سی باریکیاں ہیں۔ جو تم صرف کتاب محکم النظر اور معیار العلم کے مطالعہ سے سمجھ سکو گے۔

دھننہ:۔ آپ جو مثال بیان کرتے ہیں مجھے یقین آ جاتا ہے کہ واقعی شیطانی ترازو غلط ہیں اس لئے ایک اور مثال کے لئے التجا کرتا ہوں۔ تاکہ شیطانی ترازوں کی ماہیت سے بخوبی واقف ہو جاؤں۔

دھننہ:۔ شیطانی ترازو کی غلطی حسب ذیل اقسام کی ہوا کرتی ہیں کبھی تو اس کی ترغیب غلط ہوتی ہے یعنی اس کے دونوں پلڑے عمود سے ٹھیک طور پر آویزاں نہیں ہوتے اور کبھی پلڑے کی طینت میں غلطی ہوتی ہے کیونکہ یہ کبھی تو لوہے پتیل یا چمڑے کا ہوتا ہے یا روئی اور برف کا۔ موخر الذکر سے وزن ٹھیک نہیں ہو سکتا اور کبھی اس کی شکل بگڑی ہوئی ہوتی ہے کہ عصا کی طرح غیر معترض ہوتا ہے کبھی اس کی طینت اور مادہ میں بگاڑ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا ہے۔ مثلاً لکڑی یا مٹی سے سو جو بگاڑ اس کی ترکیب سے ہوتا ہے اس کی مثال سورج کی بڑائی اور وحدت حق ہے۔ کیونکہ ان کی صورتیں مختلف اور معکوس ہیں۔ یعنی ان میں پلڑے عمود سے اوپر کی طرف ہیں (ترازو کے لئے ضروری ہے کہ موازنہ مستقل کی صورت کا ہو کہ غیر مستقل کی صورت کا مترجم) ایسی صورت میں وزن میں ضرور غلطی ہوگی اور مادے کی بگاڑ کی مثال شیطان کا یہ قول ہے کہ میں اس سے اچھا ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔ یہ

اس نے اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے کس بات نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے روکا جبکہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا آیا تو نے اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھا۔ یا تو بڑائی کرنے لگا شیطان نے اس وقت دو جھوٹے ترازو استعمال کیے ایک تو یہ کہ آدم علیہ السلام سے اچھا ہونے کو سجدہ نہ کرنے کی علت قرار دیا اور دوسرا یہ کہہ کر اپنی اچھائی ثابت کی کہ میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں شیطان کو اپنا ترازو ٹھیک ترکیب کا معلوم ہوا لیکن دراصل اس کے مادے میں بگاڑ تھا جس کی اصلی کیفیت یوں ہے کہ جو آگ سے پیدا کیا گیا ہے وہ اچھا ہے اور اچھا سجدہ نہیں کرتا۔ اس لئے میں سجدہ نہیں کرتا۔ لیکن اس قیاس کے دونوں اصول ممنوع ہیں کیونکہ دونوں غیر معدوم ہیں علوم خفیہ علوم جلیہ سے وزن کیے جاتے ہیں لیکن جو کچھ اس نے بیان کیا ہے وہ غیر جلی ہے اور تسلیم کرنے قابل نہیں کیونکہ اگر ہم یہ مان بھی لیں وہ آدم علیہ السلام سے اچھا ہے جو پہلے اور آخری اصول کا مانع ہے تو بھی ہم یہ تسلیم کرتے کہ اچھے کو سجدہ لازم نہیں کیونکہ سجدہ کا لزوم اور استحقاق امر الہی پر منحصر تھا۔ نہ کہ اچھائی پر لیکن شیطان دوسرے اصول یعنی سجدہ کا لزوم و استحقاق امر پر تھا نہ اچھائی پر کو چھوڑ گیا۔ بلکہ وہ اپنی اچھائی جی دلیل پر کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وہ مٹی سے ڈنارہا۔ اچھائی کا دعویٰ نسبی ہوتا ہے اس کی دلیل اور ترازو کی مکمل صورت یوں ہے جو اچھائی کی طرف منسوب ہے وہ اچھا ہے میں اچھائی کی طرف منسوب ہوں اس لئے اچھا ہوں لیکن یہ دونوں پلڑے بذاتہ غلط ہیں۔ کیونکہ ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ جو اچھائی سے منسوب ہو وہ اچھا ہے اس واسطے کہ اچھائی ذاتی صفت ہے نہ اضافی یہ کہنا جائز ہے کہ لو ہا شیشے سے اچھا ہے لیکن ممکن ہے کہ کاری گری سے شیشے کی کوئی ایسی چیز بنائی جائے جو لوہے کی بنی ہوئی چیز سے اچھی ہو۔ جیسا کہ ہم کہہ دیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح کے بیٹے سے اچھے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کے بیٹے تھے جو ایک کافر تھا اور حضرت نوح کے بیٹے ایک نبی کے بیٹے تھے اور اس کا دوسرا اصل بھی کہ میں اچھی چیز سے پیدا کیا گیا ہوں۔ یعنی آگ سے جو کہ مٹی سے بہتر ہے ماننے کے قابل نہیں بلکہ مٹی آگ سے بہتر ہے کیونکہ مٹی اور پانی کی آمیزش سے حیوانات اور نباتات کا قیام ہے۔ اور اسی سے دونوں کی نشوونما ہوتی ہے برخلاف اس کے آگ ان میں بگاڑ پیدا کرتی ہے اور ان دونوں کو ہلاک کرتی ہے۔ اس سے شیطان کا یہ کہنا کہ آگ مٹی سے اچھی ہے غلط ثابت ہوایہ ترازو شکل و صورت میں صحیح معلوم ہوتے ہیں بلحاظ مادہ خراب ہیں ان کی مثال لکڑی کی تلوار کی سی ہے کہ شکل و صورت تلوار کی سی ہے لیکن کام تلوار کا نہیں دیتی بلکہ یہ ترازو بمنزلہ سراب ہیں کہ

یہاں انھیں پانی کا قطعہ خیال کر کے جب قریب آتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا یہی حال قیامت کے دن اہل تعلیم کا ہوگا جبکہ ان کے ترازوں کی حقیقت ان پر منکشف ہوگی یہ بھی ایک رستہ ہے جس سے شیطان داخل ہوتا ہے ضروری ہے کہ اس راہ کو بند جائے۔ بلکہ صحیح مادہ جو نظری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا اصل قطعی طور پر معلوم ہونا چاہیے۔ خواہ اس سے خواہ تجربہ سے خواہ تو اتر کامل سے یا عقل سے یا ان تمام کے نتیجہ سے۔ لیکن جو محاجہ و مجادلہ میں استعمال ہوتا ہے حریف اس کا اعتراف کرتا ہے۔ اور اسے تسلیم کرتا ہے۔ اگر فی نفسہ معلوم نہ ہو تو اس کے لئے حجت ہو جاتی ہے اسی طرح قرآن شریف کی بعض دلیلیں ہیں۔ اگر تمہیں قرآن شریف کی بعض دلیلوں کے اصول میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو تو اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ ان لوگوں پر وارد ہوئیں جو ان کا اعتراف کرتے تھے۔

اس بارے میں جناب سرور کائنات ﷺ اور آنحضرت کی امت کے علماء کے ہوتے امام معصوم کی ضرورت نہیں اور یہ کہ معجزات کے لحاظ سے جو آنحضرت کی سچائی ظاہر ہوتی ہے اس سے زیادہ واضح اور وثاق طریق سے آنحضرت

نبی برحق ہیں۔ اور یہ عارفوں کا طریقہ ہے۔

و فہیئتی :- آپ نے شفا مکمل طور پر کی ہے پردہ اٹھا دیا ہے، اور بد بیضا کر دکھلایا ہے لیکن شہر برباد کر کے محل بنایا ہے۔ اب تک تو آپ سے میں امید کرتا تھا کہ میں آپ سے بذریعہ ترازو وزن کرنا سیکھوں۔ اور آپ کے اور قرآن شریف کے ذریعہ امام معصوم سے بے پرواہ ہو جاؤں لیکن اب جب آپ نے غلطی کے دقیق موقعوں کو بیان فرمایا تو مجھے اس پر مستقل رہنے سے ناامیدی ہو گئی کیونکہ اگر میں وزن کرنے لگوں تو ضروری ہے کہ کہیں غلطی کھا جاؤں اب مجھ پر

واضح ہو گیا کہ ان مذاہب میں انسانوں کا کیوں اختلاف ہے۔ وہ اس واسطے مختلف الرائے ہیں کہ وہ ان باریکیوں کو ایسی اچھی طرح نہیں سمجھے جیسا آپ سمجھے ہیں۔ اس لئے بعض درستی پر ہیں اور بعض غلطی پر۔ اب میرے لئے سب سے نزدیک رستہ یہ ہے۔ کہ میں امام معصوم کا سہارا لوں۔ تاکہ میں ان دقاتق سے بچ جاؤں۔

دعا: بھائی۔ امام صادق کی شناخت تمہارے لئے ضروری نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو والدین کی تقلید پر منحصر ہے یا ان ترازوں میں سے وزن کی گئی ہے کیونکہ ہر ایک علم اولیہ نہیں ہوتا وہ صاحب علم کے نفس میں ان ترازوں سے وزن کیا ہوا ہوتا ہے اگرچہ اسے معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ تمہیں میزان تقدیر کی صحت اپنے ذہن میں دو اصولوں کے انتظام سے معلوم ہوئی ہے جن میں سے ایک تجربی ہے دوسرا حسی یہی حالت عام لوگوں کی ہے کہ وہ اسے جانتے نہیں مثلاً جو شخص جانتا ہے کہ یہ جانور حاملہ نہیں۔ کیونکہ وہ نخر ہے یہ بات اسے دو اصولوں سے معلوم ہوئی ہے جو ہم نے صدر کتاب میں بیان کیے ہیں اگرچہ اسے اس علم کے نکلنے کی جگہ معلوم نہیں اسی طرح جہان میں تمام علوم انسان کو حاصل ہوتے ہیں ایسا ہی اگر تم نے امام صادق بلکہ جناب سرور کائنات ﷺ میں عصمت کا اعتقاد اخذ کیا ہے۔ تو محض والدین اور رفیقوں کی تقلید سے یہود، نصاریٰ اور مجوس سے تمیز نہیں کیا کیونکہ وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے اگر ان ترازوں سے وزن کر کے عصمت کا اعتقاد حاصل کرنا چاہو تو شاید کسی دقیق کے دریافت کرنے میں تم نے غلطی کھائی ہو ضروری ہے کہ تم اپنے زعم پر یقین نہ کرو۔

دعا: آپ سچ فرماتے ہیں لیکن اب مجھے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ آپ نے دو طریقے یعنی تعلیم اور وزن بند کر دیے ہیں۔

دعا: افسوس! تم قرآن شریف کی طرف رجوع کرو۔ اس نے تمہیں طریقہ سکھایا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف من الشیطان تذکروا فاذا هم مبصرون“ جو لوگ پرہیزگار ہیں جب کبھی شیطان کی طرف کا کوئی خیال ان کو چھو بھی جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں یعنی پردہ غفلت ان کی آنکھوں سے دور ہو جاتا ہے تو وہ اسی دم راہ ثواب دیکھتے ہیں یہ نہیں کہا کہ امام معصوم کی طرف جاؤ کیونکہ وہ خود مبصر ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ معارف بکثرت ہیں۔ اگر تم ہر مشکل کے وقت امام معصوم کی طرف صفر کرو تو تمہارا رنج بڑھ جائے گا۔ اور علم کم ہو جائے گا۔ تمہارا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ تم مجھ سے وزن کرنے کی کیفیت سمجھ لو اور ان شرائط کو پورا کرو اگر کوئی مشکل بات پیش آ جائے تو

اسے ترازو سے تولو اور شرائط کی بابت سوچ بچار کرو تو تمہیں سیدھی راہ ہاتھ آ جائے گی اور تم مبصر ہو جاؤ گے اس کی مثال یوں ہے کہ اگر بالفرض دکاندار سے تم نے یا تم سے دکاندار نے کچھ لینا ہے۔ یا فرانس کا کوئی مسئلہ تقسیم ہے اور تمہیں اس کے درست یا غلط ہونے میں احتمال ہے تو ایسی صورت میں اگر تم امام صادق کی طرف سفر کرو تو محض تکلیف کا باعث ہوگا۔ اس کا فیصلہ علم حساب کا جاننے والا بخوبی کر سکتا ہے جب اس سے بار بار پوچھو گے اور وہ تمہیں سمجھائے گا تو تمہیں پورا یقین ہو جائے گا کہ واقعی یہ غلطی تھی لیکن یہ بات وہی شخص کر سکتا ہے جو علم حساب سے بخوبی واقف ہو۔ اور ایسا ہی وہ شخص جو اس سے وزن کرنا جانتا ہے جیسا کہ میں جانتا ہوں۔ بار بار اس سے ذکر کرنے، سوچنے اور یکے بعد دیگر غور کرنے سے ضروری یقین آ جائے گا کہ واقعی اس میں یہ غلطی تھی لیکن اگر یہ طریقہ نہ برتو گے تو یاد رکھو کبھی تمہاری بہتری نہ ہوگی اور شاید اور ممکن ہے کہ کر شک و شبہ میں رہو گے شاید تم نے امام بلکہ نبی جس پر ایمان لائے ہو کی تقلید کرنے میں غلطی کی ہو۔ کیونکہ نبی ﷺ کی سچائی کی شناخت ضروری نہیں۔

رسول ﷺ :- آپ نے اس بات کے سمجھانے میں میری مدد کی، کہ تعلیم حق ہے اور یہ کہ جناب سرور کائنات ﷺ امام ہیں اور میں مان گیا ہوں کہ ہر ایک کے لئے یہ ضروری نہیں کہ نبی ﷺ ہی سے علم حاصل کرے اس بات کو ترازو کی پہچان سے حاصل کر سکتے ہیں اور یہ کہ تمام ترازوؤں کی شناخت آپ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے گویا آپ امام خاص ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تو امام خاص ہونے کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔ اور آپ کا معجزہ کیا ہے کیونکہ میرے امام کو یا تو معجزہ حاصل ہے یا اپنے آباؤ اجداد سے نص سو آپ کا معجزہ یا نص کہاں ہے؟

رسول ﷺ :- تمہارا یہ کہنا کہ میں امام خاص ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ ٹھیک نہیں کیونکہ میں خواہش کرتا ہوں کہ اس معرفت میں کوئی اور شخص میرا شریک بناؤ ممکن ہے کہ اس سے بھی ایسی باتیں سیکھو جو مجھ سے سیکھی ہیں میں تعلیم کو اپنے لئے وقف نہیں کرتا اور یہ جو تم نے کہا کہ میں امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں سو واضح رہے کہ امام سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے بذریعہ جبرائیل علیہ السلام تعلیم حاصل کرے اور یہ بات مجھ میں نہیں پائی جاتی اور نہ میں اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر امام سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے جبرائیل علیہ السلام کے وسیلہ کے بغیر تعلیم حاصل کرے یا جبرائیل علیہ السلام سے بوسیلہ جناب سرور کائنات ﷺ اسی واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو امام کہتے ہیں کیونکہ آپ نے جناب سرور کائنات ﷺ سے براہ راست سیکھا ہے نہ کہ جبرائیل سے، ان معنوں کے لحاظ سے میں بھی امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں اس

بارے میں میری برہان نص سے زیادہ واضح ہے۔ اور معجزہ کے معتقد ہو۔ ان میں سے تین بہت عمدہ ہیں۔ اگر وہ تیرے نزدیک دعویٰ کریں کہ وہ قرآن شریف حفظ کرتے ہیں جب میں نے پوچھا کہ تمہاری دلیل تو ان میں سے ایک نے کہا میری دلیل یہ ہے کہ وہ مقررین کے استاد علی الکسائی کا نص ہے۔ اور وہ میرے استاد کا اور میرا استاد میرے لئے نص ہے دوسرے نے کہا میں نے عصا کو سانپ بنایا، سو عصا سانپ بن گیا تیسرے نے کہا میری برہان یہ ہے کہ میں تمہارے روبرو بغیر قرآن شریف دیکھے سارا قرآن سنا سکتا ہوں۔ ان تینوں میں سے کون سی برہان زیادہ واضح ہے اور آپ کس کو زیادہ سچی مانتے ہیں اس نے کہا جو قرآن شریف پڑھتا ہے کیونکہ وہ قرآن کی غایت ہے کیونکہ اس میں مجھے شک و شبہ کی گنجائش نہیں لیکن استاد کا اس پر نص ہونا اور علی الکسائی کا اس کے استاد پر نص ہونا ممکن ہے۔ کہ اس میں کوئی غلطی ہو خصوصاً جبکہ زمانہ بہت گزر چکا ہے۔ آیا عصا کو سانپ میں تبدیل کرنا مشکل ہے کہ اس نے حیلہ اور فریب سے کیا ہو۔ اگر حیلہ و فریب نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے عجیب کام کیا۔ لیکن یہ کہاں لازم آتا ہے کہ جو فعل عجیب پر قادر ہو وہ قرآن شریف کا حافظ ہو۔

دستخط :- میری برہان بھی ایسی ہے میں نے ان ترازوں کو پہچانا تم نے بھی پہچانا سمجھا اور تمہارے دل سے شک رفع ہوا۔ اس لئے اب تمہیں میرے امام ہونے پر ایمان لانا چاہیے جیسا کہ جب تم استاد سے حساب سیکھتے ہو تو تمہیں علم حساب آجاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ تمہارا استاد حساب دان ہے۔ اسی طرح مجھے بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور حضرت موسیٰ کے نبی برحق ہونے کا ایمان ہے۔ لیکن یہ ایمان شق القمر اور عصا کا سانپ بنا دینے پر مبنی نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سوں کا شبہ پڑتا ہے سو اس پر یقین نہیں ہو سکتا بلکہ جو عصا کا سانپ میں تبدیل ہونا یقین کرتا ہے وہ کچھڑے کی آواز کا قائل نہیں۔ کیونکہ عالم جس اور عالم شہادت میں تعارض بکثرت ہیں۔ بلکہ یہ ایمان ترازوؤں کے استعمال پر مبنی ہے میں نے قرآن شریف سے ان ترازوں کو اخذ کیا اور پھر ان سے تمام معارف الہی کا وزن کیا نہ صرف معارف الہی کا بلکہ میعاد کے اصول عذاب قبر بدکاروں کے عذاب فرمانبرداروں کے ثواب وغیرہ کا وزن کیا جیسا کہ میں نے جواہر القرآن میں بیان کیا ہے۔ سو یہ تمام باتیں مجھے ٹھیک اسی طرح معلوم ہوئیں جیسی قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں یا جیسی اخبار میں اس لئے مجھے یقین ہو گیا کہ واقعہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن شریف دونوں سچے ہیں اور میں نے ویسا ہی کیا جیسا حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا ہے انسانوں سے حق نہیں پہچانا جاتا وہی حق پہنچاتا ہے جو اس کے اہل کو

پہنچاتا ہو جناب سرور کائنات ﷺ کے نبی برحق ہونے کی شناخت میں نے کی ہے وہ ایسی ہی ضروری ہے جیسی کہ تم کسی بدوی کو فقہ کے کسی مسئلہ کے بارے میں مناظرہ کرتے ہوئے دیکھو جو اسے بخوبی سرانجام دے رہا ہو اور صحیح اور صریح فقہ بیان کرتا ہو تو تمہیں اس کے فقیہ ہونے میں شک نہیں ہوگا اور جو یقین تمہیں اس کے فقہ ہونے کا تمہیں اس طرح حاصل ہوگا وہ ہزار اعصاب کو سانپ میں بدلنے سے بھی حاصل نہ ہوگا کیونکہ مؤخر الذکر میں جادو، مکر، طلسم اور ہاتھ کی صفائی وغیرہ کا احتمال ہو سکتا ہے ان میں اور ان چیزوں کا علم اور ان کے معجزہ ہونے کا علم قرآن شریف سے حاصل نہیں ہوتا مگر بڑی غور اور بحث کے بعد اور اس سے ایمان صعیف حاصل ہوتا ہے وہ علوم اور متکلمین کا ایمان ہے لیکن صاحب مشاہدہ جو مشکوٰۃ ربوبیت سے دیکھتے ہیں ان کا ایمان ان جیسا نہیں ہوتا۔

رسول ﷺ :- اب میں یہ چاہتا ہوں کہ میں بھی آپ کی طرح جناب سرور کائنات ﷺ کو پہچانوں یہ آپ نے فرمایا ہے کہ یہ بات اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک معارف الہی کو ان ترازوں سے وزن نہ کیا جائے اور مجھے یہ واضح نہیں ہوا کہ کیا تمام دینی معارف بھی اس سے وزن کیے جاسکتے ہیں میں اسے کس طرح معلوم کروں؟

رسول ﷺ :- افسوس! میں نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ میں نے ان سے صرف دینی معارف کا وزن کر سکتا ہوں بلکہ ان سے میں علوم حسابیہ ہندسہ، طبیعیہ، فقیہہ، کلامیہ بلکہ ہر ایک علم حقیقی غیر وضعی فانی کے حق و باطل کو تمیز کر سکتا ہوں اور کیونکر نہ کروں جبکہ یہ قسط اس المستقیم ہے اور ایسا ترازو ہے جو قرآن اور کتاب کا رفیق ہے قولہ تعالیٰ - ”لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط“ ہم نے واقعی اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو اتارنا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں تجھے میرا اس پر قادر ہونا نہ نص سے نہ معجزہ سے باور ہو سکتا ہے ہاں تجربہ اور آزمائش سے تمہیں یقین آسکتا ہے جیسے اگر گھوڑے کی سواری کا مدعی ہو تو اس کی صداقت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں نہ دوڑائے ہاں علوم دینیہ میں سے اگر چاہتے ہو کہ تمہاری مشکلات حل کر دوں تو میں ایک ایک کر کے حل کر سکتا ہوں اور ان ترازوؤں سے وزن کر کے دکھا سکتا ہوں پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ وزن صحیح ہے اور اس سے تمہیں جو علم حاصل ہوگا وہ یقینی ہوگا جو شخص آزمائش نہیں کرتا وہ پہچان نہیں سکتا۔

رسول ﷺ :- کیا آپ کے لئے ممکن ہے کہ آپ تمام الہی حقائق و معارف ساری خلقت کو

سمجھا دیں تاکہ ان کے باہمی اختلاف اٹھ جائیں۔

حَسْبُنَا ۛ آہ! میں اس بات پر قادر نہیں کیا تمہارے امام معصوم نے اب تک خلألق کے باہمی اختلاف اور شکوک کو رفع کیا اور مشکلات کو ان کے دل سے نکالا یہ بات تو انبیاء سے بھی نہیں ہو سکی بلکہ اختلاف خلق تو ایک ازلی اور ضروری حکم ہے اور یہ اختلاف بدستور قائم رہے گا ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے اسی واسطے وہ پیدا کیے گئے ہیں اور تمہارے پروردگار کا حکم تمام ہوا کیا میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ قضائے ازلی کو رد کروں یا اس کے روکنے کا تمہارا امام معصوم دعویٰ کر سکتا ہے اگر اسے دعویٰ تھا تو پھر اس وقت دنیا میں اختلاف موجود کیوں ہے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ رئیس الامۃ علی ابن ابی طالب ۛ عنہ خلقت کے باہمی اختلافات کو رفع کرنے کا سبب ہوتے یا کوئی ایسی بنیاد قائم کرتے کہ ہمیشہ کے لئے اختلاف اٹھ جاتا۔

اختلافات کی تاریکی سے خلقت

کونجات دلانے کے بیان میں

رَسُوْلِي ۛ: خلقت ان اختلافات سے کیسے نجات پاسکتی ہے؟

حَسْبُنَا ۛ: اگر وہ مجھ سے کلام آ لہی سن لیں تو ان کا باہمی اختلاف جاتا رہے لیکن وہ کسی طرح بھی نہیں سنتے کیونکہ انھوں نے پیغمبروں کی سنی نہ تمہارے امام کی جب پیغمبر اور امام کی نہ سنی تو میری کیونکر سن سکتے ہیں۔ نیز جب آزل سے ہی ان کے حق میں لکھا گیا ہے کہ ان کے مابین اختلاف رہے گا سوائے اس شخص کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے تو پھر کیونکر میری سن سکتے ہیں ان کے مابین اختلاف کا ہونا ضروری اس وقت معلوم ہوگا جب تم کتاب جواب مفصل الخلاف کا مطالعہ کرو گے اور وہ بارہویں فصل ہے۔

رَسُوْلِي ۛ: اچھا اگر بالفرض سنیں بھی تو کس طرح سناؤ گے؟

حَسْبُنَا ۛ: میں انھیں صرف ایک آیت پر عمل کراؤں اور وہ یہ ہے۔ قولہ تعالیٰ ”

وانزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط وانزلنا

الحديد.....“ اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان اتاری تاکہ انسان انصاف پر

قائم رہیں اور ہم نے اتارا لوہا..... اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں واسطے اتاریں کہ آدمی بھی تین

قسم کے ہیں اور کتاب لو ہے اور میزان سے ایک ایک قسم کا علاج ہو سکتا ہے۔

رَفِیْقُ:۔ وہ اقسام کونسی ہیں۔ اور ان کا علاج کیا ہے؟

صَفِیْفُ:۔ آدمی تین قسم کے ہیں۔

اول عوام: یہ اہل سلامت اور اہل جنت ہیں؟

دوم خواص: اہل ذکا و بصیرت، ان کے بین بین ایک گروہ ہے جو اہل جدل ہیں

کتاب سے ملتی جلتی چیز کی پیروی کرتے ہیں تاکہ فساد برپا ہو جو خواص ہیں ان کا علاج میں اس

طرح کر سکتا ہوں کہ ان کو انصاف کے ترازو اور ان سے وزن کرنا بتلاؤں اس طرح کرنے

سے انکا باہمی اختلاف رفع ہو سکتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن میں تین صفات جمع ہیں ایک طبع

رسا اور سرشت قوی..... اس کا حاصل کرنا ممکن نہیں یہ قدرتی اور پیداؤتی ہوتی ہے دوسرے

ان کے باطن تقلید اور ہٹ دھرمی جو موروثی اور سنا ہوا ہے سے خالی ہوتے ہیں کیونکہ مقلد سنتا

ہے اور کند ذہن جو کچھ سنتا ہے سمجھتا نہیں تیسرا یہ یقین کرتے ہیں کہ ہم اہل بصیرت میزان سے

اچھی طرح واقف ہیں اور جس شخص کا تیری نسبت یہ یقین ہے کہ تجھے حساب نہیں آتا تو یہ ممکن

ہی نہیں کہ تجھ سے کچھ سیکھ سکے دوسری قسم سادہ لوح جو عوام الناس ہیں جنہیں حقائق کے سمجھنے

کے لئے عقل حاصل نہیں اور اگر قدرتی طور پر ہے تو بھی طلب حقائق کی خواہش نہیں بلکہ وہ

صنعت و حرفت میں مشغول ہیں اور برخلاف ان لوگوں کے جو باوجود علم کو نہ سمجھ سکنے کے کیا ست

سے کام لیتے ہیں جدل کی خواہش نہیں پائی جاتی ایسے لوگ مختلف رائے نہیں ہوتے البتہ ایسا کرتے

ہیں کہ مختلف اماموں میں سے اچھے کو چننا چاہتے ہیں سو ایسے لوگوں کو میں اللہ تعالیٰ کی طرف

وعظ و نصیحت کے ذریعہ بلاتا ہوں جیسا کہ اہل بصیرت کو حکمت سے اور اہل شغب کو مجادلہ سے۔

اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو ایک ہی آیت میں جمع کر دیا ہے جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں ان

لوگوں کو میں وہی بات کہوں گا جو جناب سرور کائنات ﷺ نے ایک اعرابی کو فرمائی تھی جو

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ملتمس ہوا تھا کہ مجھے علم کے عجائب و غرائب سکھائیں اور

آنحضرت نے ان سے فرمایا تھا کہ ابھی تجھ میں اس بات کی قابلیت نہیں پہلے علم کا سر یعنی ایمان

تقویٰ اور آخرت کی تیاری سیکھ اور اس پر عمل کرتے میرے پاس آنا پس تمہیں عجائبات علم تعلیم

کروں گا سو میں بھی عوام کو کہوں گا کہ اختلاف میں غور کرنا تمہارا کام نہیں اگر تم اس پر غور و خوض

کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے کیونکہ جب تم اپنی عمر سنار کے کام میں صرف کرو گے تو جو لاہے کا

کام کیونکر کر سکو گے تو اہل علم کیونکر ہو سکتے ہو۔ اور نکات علمی پر کیونکر غور و خوض کر سکتے ہو خبردار!

ایسا کبھی نہ کرنا اور نہ نقصان اٹھاؤ گے عوام الناس سے جو کبیرہ سرزد ہوتے ہیں ان میں سے سب سے بری بات یہ ہے کہ علم میں غور کرے اور نہ سمجھ آنے پر انکار کر کے کفر میں شامل ہوا گروہ مجھ سے یہ بات کہے کہ ضروری ہے کہ جس دین کا میں معتقد ہوں اور جس پر میرا عمل درآمد ہے اس کے ذریعہ میں مغفرت حاصل کروں اور لوگ مختلف دینوں کے بارے میں مختلف رائے ہیں مجھے کونسا دین اختیار کرنے کے لئے اختیار دیتے ہیں تو میں اسے کہوں گا کہ دین اصول و فروع ہے اور ان دونوں میں اختلاف ہے رہا اصول سو جو کچھ قرآن شریف میں ہے صرف اسی پر اعتقاد کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اپنی صفات اور اپنے اسماء چھپا نہیں رکھے تمہارے لئے لازم ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حی، عالم، قادر، سمیع، بصیر، جبار، متکبر، قدوس اور بے مثال وغیرہ وغیرہ جو قرآن شریف میں وارد ہوا ہے اور جس پر اماموں کا اتفاق ہے دین کی صحت کے لئے اسی قدر کافی ہے اور اگر شبہ پڑ جائے تو کہہ دو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اسے ہم مانتے ہیں اور صفات، اثبات اور بہ سبب غایت تعظیم ان کی نفسی تقدیس مع نفسی مماثلت پر ہمارا ایمان ہے اور یہ کہ اس جیسا کوئی نہیں اس قدر اعتقاد کے بعد قیل و قال کی طرف دھیان نہ کرو کیونکہ نہ تو قیل و قال کی طرف متوجہ ہونے کا تمہیں حکم ملا ہے اور نہ ہی تمہاری طاقت میں ہے کہ تم ان معلومات پر غور کر سکو اگر وہ یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ عالم بالذات ہے یا اس سے زیادہ واقفیت ہے اس میں اشعر یہ اور معتزلہ کا اختلاف ہے تو وہ عوام کی حد سے خارج ہے کیونکہ عامی کا دل ایسی باتوں کی طرف مائل نہیں ہوتا جب تک شیطان اسے حرکت نہ دے۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا تا وقتیکہ انھیں بدل نہ دے اور ایسا ہی خبر میں بھی ہے اور جب میں اہل جدل سے ملونگا تو ان کے علاج کا بھی عنقریب ذکر کروں گا میں انھیں اصول کے بارے میں وعظ و نصیحت نہیں کروں گا بلکہ میں انھیں کتاب الہی کا حوالہ دوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب میزان اور لوہا اتارا ہے رہا فروع، سو اس کی نسبت تو میں یہ کہوں گا کہ جو اختلاف کے مواقع ہیں ان کی طرف اپنے دل کو اس وقت تک مشغول ہی نہ کروں جب تک تم متفق علیہ باتوں سے فارغ نہ ہو جاؤ تمام امت کا اجتماع ہے کہ آخرت کا توشہ تقویٰ اور ورع ہے اور یہ کہ حرام اور مال حرام کا حاصل کرنا، غیبت، چغلی، زنا، چوری، خیانت، وغیرہ ممنوع ہیں اور فرائض سب کے سب واجب ہیں اگر تم ان سب سے فارغ ہو جاؤ تو پھر میں تمہیں خلاف سے بچنے کا طریقہ سکھانا دوں گا اگر وہ ان باتوں سے فارغ ہونے سے پہلے مجھ سے وہ طریقہ سیکھنا

چاہے جس کے ذریعہ اختلاف سے بچ سکتا ہے تو وہ جدلی ہے نہ کہ عامی ان باتوں سے فارغ ہو کر خلاف کے موقعوں کی طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا کیا تم نے اپنے رفیقوں کو دیکھا ہے کہ وہ ان تمام باتوں سے فارغ ہو کر خلاف کے اشکال کی طرف مائل ہوئے ہیں کبھی اپنے خلاف میں ان کی عقلوں کی کمزوری بعینہ اس مریض کی عقل کی کمزوری سے ملتی ہے جو شدید مرض میں مبتلا ہو اس کا علاج وہ چیز ہو جس پر اطباء کا اتفاق ہے اور وہ یہ کہے کہ نہیں کہ بعض دواؤں کے گرم یا سرد ہونے کے بارے میں اطباء مختلف رائے ہیں تو اس وقت تک اپنا علاج نہ کراؤں گا جب تک مجھے کوئی ایسا شخص نہ ملے جو یہ بتائے یہ اختلاف رائے کیوں کر رفع ہو سکتا ہے تقویٰ کی حدود سے فارغ ہونے کے بغیر اس کی صحت ساز و نادر ہی ہوتی ہے۔

۱۰ فہم:۔ اب مجھے مسائل میں مشکل پیش آئی ہے مجھے معلوم نہیں کہ میں قے نکسیر اور لمس کے بعد وضو کروں یا نہ کروں اور یہ کہ ماہ رمضان میں روزے کی نیت رات کو کروں یا دن کو وغیرہ وغیرہ۔

۱۱ ھنق:۔ اگر تم آخرت میں امن و امان کے خواہش مند ہو احتیاط کے طریقے پر کار بند رہو ایسی بات اختیار کرو جس پر سب کا اتفاق رائے ہے تمام مختلف فیہ حالتوں میں وضو کرو کیونکہ ہر چیز جو واجب نہیں مستحب ہے ماہ رمضان میں روزے کی نیت کرو کیونکہ جو واجب نہیں مستحب ہے اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ احتیاط تمہارے لئے دو بھر ہے اور تمہیں بعض مسائل کی نفی اثبات کا ٹھیک علم نہیں ہے اور یہ کہ صبح کے وقت قنوت پڑھو یا بسم اللہ جہر پڑھو یا نہ تو ان سب باتوں کا جواب میں یہ دوں گا کہ تم ایسی حالت میں اجتہاد سے کام لو اور اماموں کی نسبت غور کرو جو تمہاری رائے میں کونسا افضل ہے اور تمہاری دانست میں کون زیادہ راستی پر ہے جیسا کہ اگر تم بیمار ہو جاؤ اور شہر میں کوئی کئی طبیب رہتے ہوں تو ایسے طبیب کا علاج پسند کرو گے جو تمہارے خیال میں سب سے اچھا ہے ایسی صورت میں تم اجتہاد سے کام لو گے نہ کہ خواہش اور طبع سے سو اسی قسم کا جو اجتہاد تمہارے اجتہادین کے معاملہ میں تمہارے لئے کافی ہے جو تمہارے خیال میں غالب ہو اسی پر کار بند ہو کیونکہ اس بارے میں اگر اجتہاد راستے پر ہو گا تو اسے دوا جرور نہ ایک تو ضرور ملے گا جیسا کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "من اجتهد فاصاب فله اجران ومن اجتهد فاختل فله اجر واحد" جس نے اجتہاد سے کام لیا اور درستی پر نکلا تو اسے دوا جر اور اگر چوک گیا تو اسے ایک اجر ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کی تعلیم کے لئے جو نتیجے نکالتے ہیں

اجتہاد سے کام لینے کو پسند فرمایا ہے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے معاؤڈ سے پوچھا کہ تم کس کے مطابق حکم کرتے ہو تو عرض کیا کہ اللہ کی کتاب کے بموجب، فرمایا اگر تمہیں نہ مل سکے عرض کیا سنت نبوی ﷺ کے مطابق فرمایا اگر یہ بھی میسر نہ ہو عرض کیا ایسی صورت میں اجتہاد سے کام لیتا ہوں فرمایا تم نے رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے پہلے ہی اس پر عمل کرنا شروع کر دیا پھر اجازت عنایت کر کے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسول خدا کے قاصد کو رسول خدا کی مرضی کے مطابق توفیق دی گئی ہے اس سے تم اندازہ کر لو کہ رسول اللہ ﷺ معاؤڈ وغیرہ سے خوش ہوئے جیسا کہ ایک اعرابی نے عرض کیا کہ میں خود ہلاک ہوا اور دوسرے کو ہلاک کیا میں نے رمضان کو دن کے وقت اپنی بیوی سے مجامعت کی فرمایا ایک غلام آزاد کرو پس اس سے سمجھ لو کہ اگر تر کی یا ہند سے بھی ایسا ہو جائے تو اسے بھی غلام آزاد کرنا لازم آتا ہے اور یہ اس واسطے ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے لئے مکلف نہیں کہ وہ بالضرور راستی پر ہوں کیونکہ ایسا کرنا ان کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی وہ ایسی بات کے لیے مکلف ہیں جس کی طرف درست ہونے کا ظن ہوتا ہے مثلاً نماز میں اس بات کے لئے مکلف نہیں کہ کپڑے پاک ہوں بلکہ اس بات کے لیے مکلف ہیں کہ انھیں خیال ہو کہ کپڑے پاک ہیں چنانچہ اگر ثنائے نماز میں پلیدی یاد دلائی جائے تو نماز کا قضا کرنا لازم نہیں آتا جیسا کہ ایک مرتبہ جناب رسول اکرم ﷺ نے علی بن سمیت نماز ادا فرما رہے تھے تو آپ نے جبرائیل کی اطلاع کے مطابق کہ اس پر کچھ پلیدی ہے پائے مبارک سے اتار دیا لیکن نماز دوبارہ ادا نہ فرمائی اور نہ از سر نو شروع کی اسی طرح اس کی تکلیف نہیں دی گئی قبلہ رو ہو کر نماز ادا کی جائے بلکہ اس طرف رخ کر کے جس کی طرف گمان ہو کہ ادھر قبلہ ہے اور وہ بھی پہاڑوں ستاروں اور سورج کی طرف دیکھ کر ایسی صورت میں گمان درست نکلا تو دو ثواب ورنہ ایک تو ضرور ملے گا۔

ایسا ہی فقیر کو زکوٰۃ کے لیے مکلف نہیں بلکہ وہ شخص مکلف نہیں جس کی نسبت گمان ہو کہ وہ فقیر ہے کیونکہ حقیقت میں ان چیزوں کا معلوم کرنا دشوار ہے اسی طرح خون گرانے اور فروج کو حلال قرار دیتے وقت قاضی اس بات کے لیے مکلف نہیں کہ وہ اس مطلب کے لیے ضرور سچے گواہ لیں بلکہ ان گواہوں کی منظونہ سچائی کے لیے مکلف ہیں اگر محض گواہوں کی منظونہ سچائی سے خون گرانے کا حکم دے تو ممکن ہے غلطی پر ہو جبکہ خون گرانے اور فروج کا جائز کرنا اجتہاد سے ہو سکتا ہے تو کیا نماز ہی جائز نہیں ہو سکتی نہیں معلوم تمہارے رفیق اس بارے میں کیا کہتے ہیں وہ یہ کہیں کہ اگر قبلہ کے بارے میں شبہ پڑ جائے تو نماز اسر نو ادا کرو یا ایسی صورت میں سفر کر

کے امام کچاس جانا اس سے پوچھنا اور اسے اس درستی کی تکلیف دینا جس کی اسے طاقت نہیں جائز ہے یا ایسے شخص سے اجتہاد کرو جس کے لئے اجتہاد ممکن نہیں کیونکہ وہ قبلہ کی دلیلوں اور ستاروں اور پہاڑوں اور ہوا سے استدلال نہیں کر سکتا۔

و فسپیٹی :- اس میں شک نہیں کہ وہ ایسی صورت میں ضرور اجتہاد کی اجازت دیکھا پھر کوئی گناہ نہیں اگر وہ کئے مجہودہ سے کام لے خواہ وہ اس میں غلطی پر ہو یا قبلہ کے سوا کسی اور طرف رخ کر کے نماز ادا کرے۔

و سنن :- جو شخص قبلہ کے بغیر کسی اور طرف نماز ادا کر کے معذور اور ماجور ہو سکتا ہے تو یہ بعید از عقل و قیاس نہیں کہ جو سارے اجتہادات میں غلطی کرے معذور نہ ہو اور اس کے مجتہد اور مقلد سب کے سب معذور ہوں بعض ان میں سے درستی پر اور بعض غلطی پر ایسے اشخاص بلحاظ ثواب قریب قریب ہیں (کیونکہ بعض کو ایک بعض کو دو ثواب ملتے ہیں) انہیں آپس میں جھگڑنا نہ چاہیے اگر بعض آپس میں ہٹ دھرمی سے کام لیں تو یہ ضروری ہے کہ ان میں سے ایک غلطی پر ہے اور دوسرا راستی پر مثلاً اگر دو مسافر قبلہ کے بارے میں اجتہاد سے کام لیں اور اس اجتہاد میں اختلاف رائے رکھتے ہوں اور وہ اپنی اپنی منظونہ جانب رخ کر کے نماز ادا کریں اور ایک دوسرے پر اعتراض کریں یا آپس میں انکار کریں تو وہ دونوں حق بجانب ہیں کیونکہ وہ دونوں منظونہ جانب کے لئے مکلف ہیں ٹھیک ٹھیک قبلہ کی طرف رخ کرنا اللہ ہی کو معلوم ہے دور کے اشخاص اس بات پر قادر نہیں ایسا ہی معاؤئین میں اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے تو اس خیال سے نہیں کہ آپ غلطی پر ہیں بلکہ یہ اعتقاد کر کے کہ اگر مجھ سے خطا بھی ہوئی تو میں معذور سمجھا جاؤں گا اور یہ اس لئے ہے کہ بعض شرعی وضعی امور ایسے ہیں جن میں شرائع کا اختلاف ہے وہ اس وجہ سے کہ ان میں ان کا منظونہ نفیض بھی ہوتا ہے یہی نفیض اختلاف کا باعث ہے اور جن امور میں شرائع کا تغیر نہیں ان میں اختلاف بھی نہیں اتباع و سنت کے اسرار میں اس فصل کی حقیقت بخوبی واضح ہوتی ہے جس کو میں نے جواہر القرآن میں اعمال ظاہرہ کا بیان کرتے ہوئے دسویں اصل میں لکھا ہے۔

رہی تیسری قسم اور وہ اہل جدل ہیں سو میں انہیں حق کی طرف نرمی سے بلاتا ہوں یہاں نرمی سے میری مراد ہے کہ میں ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتا اور ان پر سختی نہیں کرتا اور نہ جھڑکتا ہوں بلکہ سب سے عمدہ جدل جو ہو سکتا ہے استعمال کرتا ہوں مجادلہ بالاحسن کے یہ معنی ہیں کہ میں ایسے اصولوں کو لیتا ہوں جنہیں اہل جدل تسلیم کرتے ہیں پھر میں ان سے میزان

محقق کے ذریعہ حق نتیجہ اس طرح برآمد کرتا ہوں جیسا کہ میں نے ”الاقتصاد فی الاعتقاد“ میں بیان کیا ہے اور اگر اس پر بھی قناعت نہیں کرتے اور زیادہ واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں تو میں انھیں ترزاؤں کا استعمال سمجھاتا ہوں اگر پھر بھی کند ذہنی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قناعت نہ کریں اور اپنے تعصب عناد اور جھگڑے پر اڑے رہیں تو پھر ان کا علاج لوہے سے کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوہے اور ترزاؤ کا ذکر کتاب کے قریب ہی کیا ہے تاکہ اس سے انسان سمجھ جائے کہ تمام خلقت انصاف پر صرف انھیں تین چیزوں کے ذریعے قائم رہ سکتی ہے کتاب عوام کے لئے ہے جو اس چیز کی پیروی کرتے ہیں جو کتاب سے مشابہت رکھتی ہے اور ایسا کرنے میں ان کی خواہش فتنہ و فساد اور تاویل کی ہو اور وہ جانتے ہیں یہ ان کی شان سے بعید ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی تاویل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے یا جید عالموں کے اور کوئی نہیں جانتا اہل جہل سے میری مراد وہ لوگ ہیں جن میں عقلمندی زیادہ ہے اور جس کی وجہ سے وہ عوام الناس کی نسبت ترقی کرتے ہیں لیکن ان کی عقل مندی ناقص ہے گویا فطرت کامل ہے چونکہ ان کے باطن میں خست عناد، تعصب، اور تقلید ہوتی ہے اس لئے یہ باتیں حق کے ادراک سے انھیں روکتی ہیں اور یہ صفات ان کے دلوں پر بمنزلہ پردے کے ہیں جو غور و خوض نہیں کرنے دیتا اور ان کے کانوں میں بمنزلہ بہرہ پن ہیں جو انھیں حق بات سننے نہیں دیتا لیکن ان کے حق میں سب سے زیادہ مضر ان کی ناقص ادھوری اور ناقص عقل مندی ہے کیونکہ ان کی ذہانت غیر مکمل اور عقل ناقص ابلا پن سے زیادہ بری ہے حدیث میں ہے کہ اکثر اہل جنت بیوقوف ہونگے اور اہل علیین، عقل مند ان دو سکے بین بین ایک فرقہ ہے جو آیت الہی کے بارے میں جھگڑتے ہیں یہ دو سخی ہونگے اللہ تعالیٰ قرآن شریف کے ذریعہ اتنا نہیں روک سکتا جس قدر بادشاہ کے ذریعے ان لوگوں کو جدال سے روکنا بذریعہ تلوار اور نیزہ زیادہ نسبت ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو درے کے ذریعے روکا جب کہ اس نے آپ سے قرآن شریف کی دو متشابہ آیتوں کے بارے میں پوچھا جیسا کہ اما مالکؓ نے کیا جب آپ سے استوا علی العرش کی بابت پوچھا گیا آپ نے فرمایا استوا حق ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اس کی کیفیت نامعلوم ہے اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اس پر نکتہ چینی کرنا یا نہ ماننا جدال ہے سلف صالحین ایسا ہی کرتے آئے ہیں اگر لوگوں سے جدال کیا جائے تو باعث نقصان و تکلیف عظیم ہے یہ ہے میرا طریقہ لوگوں کو حق کی طرف بلانا اور گمراہی اور تاریکی سے نکال کر نور حق کی طرف لانے کا اور یہ اس طرح پر کہ خواص کو حکمت کی طرف میزان کی تعلیم سے

بلاتا ہوں حتی کہ جب وہ میزان القسط سیکھ جاتے ہیں تو صرف ایک علم پر قادر نہیں ہوتے بلکہ بہت سے علوم پر کیونکہ جس کے پاس میزان ہوتی ہے تو وہ اس سے لا انتہاء مقادیر کا اندازہ کر سکتا ہے ایسا ہی جس کے پاس قسط اس المستقیم ہوتی ہے اس کے پاس حکمت بھی ہوتی ہے جس کی نسبت یہ فرمان الہی ہے کہ جسے حکمت دی گئی ہے اسے بہت خیر و برکت دی گئی ہے جس کی انتہاء نہیں اگر ترازوں پر قرآن شریف کا استعمال نہ ہوتا تو قرآن شریف کو نور کہنا صحیح نہ مانا جاتا کیونکہ نور بذات خود دکھائی نہیں دیتا ہاں اس کے ذریعہ اور چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور یہی ترازوں کی تعریف ہے اور جب اس کے اس قول کی تصدیق ہوگی کہ تمام رطب یا بس اس کتاب میں مندرج ہے تو اب جاننا چاہیے کہ تمام علوم اس میں مندرج ہیں لیکن بے سرحاقت نہیں بلکہ بالقوت۔ مثلاً اس میں ان ترازوں کا ذکر ہے۔ جن سے حکمت کے لا انتہاء دروازے کھل سکتے ہیں اور انہیں انہیں سے میں عوام و خواص کو کتاب کا حوالہ دے کر موعظہ حسنہ کے ذریعے حق کی طرف بلاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے لے صفات ثابتہ کے اقتصاد سے کام لیتا ہوں اور اہل جدال کو مجادلہ بلا حسن کے ذریعے حق کی طرف بلاتا ہوں اور اگر وہ اس سے انکار کرے تو میں مخاطبہ کو بند کر اس کی شرارت کی روک تھام غلبہ اور لوہے کے خوف سے کرتا ہوں جس کا ذکر میزان کے ساتھ ہی ہوا ہے۔

اے میرے رفیق کاش اب مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کا امام ان تین قسم کے لوگوں کا علاج کیوں کرتا ہے کیا عوام کو وہ باتیں سکھاتا اور ان باتوں کی تکلیف دیتا ہے جنہیں وہ سمجھ نہیں سکتے اگر ایسا کرتا ہے تو وہ جناب رسول کریم ﷺ کی مخالفت کرتا ہے یا مجادلین کے دماغوں سے جدال کو بذریعہ حجت نکالتا ہے سو ایسا تو جناب رسول کریم ﷺ بھی بنا کر سکے حالانکہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے بکثرت حجیتیں بیان فرمائیں کیا تمہارے امام کی قدرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی قدرت سے بڑھ گئی ہے یا وہ اہل بصیرت سے اپنی تقلید کرانا چاہتا ہے حالانکہ انہوں نے تقلید سے قول نبوی ﷺ کو قبول نہیں کیا اور نہ وہ عصا کو سانپ میں تبدیل کرنے پر قانع ہوئے بلکہ انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو فعل عجیب ہے اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا فاعل سچا ہے جہاں میں سحر و طلسم کے ایسے عجائب و غرائب کرشمے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں معجزہ اور سحر و طلسم میں وہی شخص تمیز کر سکتا ہے۔ جو ان سے بخوبی واقف ہو اور ان کے اقسام کا ماہر ہو۔ جیسا کہ فرعون کے جادو گروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی شناخت کی کیونکہ وہ علم سحر کے ماہرین کے سربر آوردہ تھے اور جو اس کو قوی کر سکے

- بلکہ اہل بصیرت معجزہ کے علاوہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اسی کے قول سے اس کی تصدیق ہو جیسا کہ حساب کا سیکھنے والا حساب سے ہی اپنے استاد کے حساب دان ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ وہ معرفت یقینیہ ہے جس پر عقلمند اور اہل بصیرت قناعت کرتے ہیں۔ اس کے سوا وہ کسی بات پر قناعت نہیں کرتے جب وہ اس طریق سے رسول کریم ﷺ اور قرآن شریف کی صداقت کو مان جائیں اور قرآن شریف میں ذکر کردہ ترازوں کو سمجھ جائیں جیسا کہ میں نے تم سے بیان کیا ہے اور ان ترازوں سے تمام علوم کی چابیاں ان کے ہاتھ آ جائیں جیسا کہ میں نے جو اہل القرآن میں بیان کیا ہے۔ تو پھر وہ کیونکر تمہارے امام معصوم کے محتاج ہو سکتے ہیں اور وہ کیا ہے جس سے ان کی مشکلات حل ہوئیں۔ اور کس سے اس نے اس کی باریکیوں کو ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ہذا خلق اللہ فارونی ماذا خلق الذین من دونہ“

اب تو علوم کے ترازوں میں میرے طریق کو سن لیا ہے اب مجھے دکھاؤ کہ تم نے اپنے امام سے علوم کی باریکیوں کی بابت اب تک کیا اقتباس کیا ہے اور وہ کیا چیز ہے جو لوگ اس سے سیکھتے ہیں کاش میں بھی جانتا کہ تم نے اپنے امام معصوم سے کیا کچھ سیکھا ہے اور جو کچھ دیکھا ہے مجھے بھی دکھاؤ۔

مایسدی بی رتسدی اوف

خرابن وقلب یارقوت

دسترخوان کی طرف بلانے کا مطلب محض بلانا ہی نہیں ہوتا بلکہ کھانا پلانا بھی ہوتا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں کو امام کی طرف بلاتے ہو باوجود امام کے پاس آنے کے ان کی سابقہ جہالت بدستور رہتی ہے۔ امام ان کے کسی عقدہ کو حل نہیں کرتا بلکہ الٹا حل شدہ کو عقدہ بنا دیتا ہے اور اس کی استجابت بلحاظ علم انھیں کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ بلکہ بسا اوقات اس سے ان کی سرکشی اور جہالت بڑھ جاتی ہے۔

رفیؑ:۔ میں بہت مدت اپنے رفیقوں کے ساتھ رہا ہوں لیکن اس عرصہ میں ان سے سوائے اس بات کے اور کچھ نہیں سیکھا۔ وہ کہتے تھے تمہارے لئے مذہب کی تعلیم ضروری ہے اور یہ کہ رائے اور قیاس سے کام لینا۔ حالانکہ یہ دونوں متعارض اور مختلف ہیں۔

رفیؑ:۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ وہ تعلیم کی طرف بلاتے تو ہیں لیکن تعلیم میں مشغول نہیں کرتے۔ انھیں یہ تو کہنا تھا کہ تم نے مجھے تعلیم کی طرف بلایا اور میں نے مان لیا اب مجھے وہ باتیں تو سکھاؤ جو تمہارے پاس ہیں۔

رفیؑ:۔ میں تو نہیں جانتا کہ انھوں نے مجھے اس قسم کی باتیں سکھائی ہوں۔

رفیؑ:۔ میں تعلیم اور امام کا قائل ہوں اور رائے اور قیاس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اگر تم تقلید چھوڑ دو تو میں تمہاری واقفیت کو زیادہ کر سکتا ہوں اور علوم کے غرائبات اور اسرار قرآنی سکھاتا

سکتا ہوں اور ان سے علوم کی تمام کنجیاں نکال سکتا ہوں جیسا کہ میں نے اس سے علوم کے ترازوں کو نکالا ہے جیسا کہ میں جو اہر القرآن میں علوم کی مختلف شاخوں کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن میں سوائے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اور کسی امام کی طرف نہیں بلاتا اور سوائے قرآن شریف کے اور کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں دلاتا۔ کیونکہ میں اسی سے علوم کے تمام اسرار استخراج کرتا ہوں اس بات پر میری برہان میری زبان اور میرا بیان ہے تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم لازم پکڑو اپنے لئے میرا تجربہ اور امتحان۔ پھر بتاؤ تم مجھ کو کہ اس بہتر بات کو کوئی مجھ سے تمہارے دوستوں میں سے سیکھتا ہے یا نہیں۔

رائے اور قیاس کی تصاویر اور ان کے اظہار کے حقیقت کے بیان میں

رفیقوں سے قطع تعلق کرنا اور آپ سے تعلیم حاصل کرنا مجھے اس نصیحت سے جو میری والدہ محترمہ نے مرتے وقت کی تھی اور جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا ہے روکیں گے۔ لیکن تاہم میں چاہتا ہوں کہ آپ رائے اور قیاس کے بگاڑ کو مجھ پر زیادہ واضح کر دیں کیونکہ میرا گمان غالب ہے کہ آپ میری عقل کو کمزور پاتے ہیں اور شبہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ قیاس اور رائے کو میزان سے موسوم کرتے ہیں اور اس کے مطابق قرآن شریف پڑھ سنا تے ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہی بعینہ و قیاس ہے جس کا آپ کے اصحاب دعویٰ کرتے ہیں۔

افسوس! لو اب میں رائے اور قیاس کی نسبت شرح بیان کرتا ہوں کہ اس سے میری مراد کیا ہے اور ان کی مراد کیا ہے رائے اور قیاس کی مثال معتزلہ کا یہ قول ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بہتری کی رعایت واجب ہے اور جب اس کی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں تو صرف رائے سے کام لیتے ہیں جس کو جب اس کی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں تو صرف رائے سے کام لیتے ہیں جس کو وہ اپنی عقلوں کے مطابق بہتر خیال کرتے ہیں۔ جس میں وہ خالق کو خلقت کے مطابق قیاس کرتے ہیں اور اس کی حکمت کو خلقت کی حکمت سے تشبیہ دیتے ہیں عقلیں جس کو بہتر خیال کرتی ہیں وہ رائے ہے جس کے لئے کوئی تاویل نہیں دیکھتا کیونکہ اس سے ایسے نتائج برآمد ہوتے ہیں جو قرآن شریف کی ترازوں کے مطابق غلط ہوتے ہیں۔ مثلاً مذکورہ بالا قیاس میں لیکر میزان التلازم سے اس کا وزن یوں کرتا ہوں کہ اگر بندوں کی بہتری اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی تو وہ بالضرور کرتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ غیر واجب ہے کیونکہ واجب کی ترک نہیں کرتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کو تو ہم مانتے ہیں کہ اگر واجب ہوتی تو ضرور کرتا لیکن اس کو ہم نہیں مانتے کہ وہ نہیں کرتا تو میں

یہ کہوں گا کہ اگر اسے خلقت کی بہتری ہی منظور تھی تو اسے جنت میں ہی رہنے دیتا کیونکہ اس میں رہنا اس کے لئے بہتر تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے بہتری نہیں کی۔ یہ میزان تلازم کا صریح نتیجہ ہے لیکن اگر فریق مخالف انکار کرے اور کہے کہ اسے جنت میں چھوڑا اور اس پر جھوٹی گواہی دے یا یہ کہے کہ ان کی بہتری اسی میں تھی کہ انھیں دنیا کی طرف جو مصیبتوں کا گھر ہے نکالے اور انھیں خطاؤں کے پیش کرے۔ جیسا کہ خبر صحیح میں وارد ہوا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہوتا کہ جنت میں پیدا کر کے اسی میں رہنے دیے جاتے۔ کیونکہ ایسی صورت میں بہشت ان کی کوششوں کا نتیجہ نہ ہوتی اور نہ انکا استحقاق ہوتا۔ یہ ایک قسم کا احسان تھا اور احسان ناگوار ہوتا ہے جب وہ سنتے اطاعت کرتے تو جو کچھ انھیں ملتا وہ اس کی جزا ہوتی اور اجر و مزدوری میں احسان نہیں ہوتا لیکن میں نہیں چاہتا کہ اس قسم کے کلام یا اس کے جواب سے اپنی زبان اور تمہارے کانوں کو تکلیف دوں۔ تم صرف اس پر اسی غرض سے غور کرو کہ تمہیں رائے کے نتائج قبیحہ معلوم ہو جائیں تمہیں یہ معلوم ہے کہ جب بچے مرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں بہشت میں بالغ اور مطیع لوگوں کی نسبت کھٹیل درجہ عطا فرماتا ہے۔ اگر وہ بچے اللہ تعالیٰ سے یہ کہیں کہ ہمارے خدا۔ ہماری بہتری میں بخل سے کام نہ لو ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہمیں بھی بالغوں اور مطیعوں جیسے درجے عطا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ انھیں معتزلہ کے خیال کے بموجب یہ جواب دے گا کہ میں تمہیں ان کے درجوں پر کیسے پہنچا سکتا ہوں۔ جبکہ وہ بالغ ہوئے انھوں نے تکلیفیں اور فرمانبرداری کی حالانکہ تم بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ وہ کہیں گے تو نے ہی ہمیں مارا تھا اور تو نے ہی دنیا میں دیر تک رہنے اور آخرت کے اعلیٰ درجے حاصل کرنے سے محروم رکھا ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہمیں ان ہی جیسے رتبے عطا فرمائے اگر تو ہمیں نہ مارتا تو از خود کیسے مرتے۔ تب اللہ تعالیٰ معتزلہ کے خیال کے مطابق یہ جواب دے گا کہ یہ مجھے معلوم تھا کہ اگر تم بالغ ہوتے تو ناشکر گزار ہو کر دوزخ کے مستحق بنتے اور پھر ہمیشہ کے لئے اسی میں رہتے اور مجھے معلوم تھا کہ تمہاری بہتری اسی میں تھی کہ تم بچپن میں فوت ہو جاتے تب بالغ کافر دوزخ میں سے پکارا انھیں گے۔ اگر تمہیں یہ معلوم تھا کہ ہم بالغ ہو کر ناشکر گزار ہونگے تو پھر تو نے ہمیں بچپن ہی میں کیوں نہ مار ڈالا۔ ہم تو لڑکوں کو عطا کردہ درجوں کے سوائے حصے پر بھی راضی ہیں۔ اس وقت معتزلہ لا جواب ہو جائیں گے اور یہ کفار کی اللہ تعالیٰ پر حجت ہو جائیگی۔ قولہ تعالیٰ ”الظالمین علوا کبیرا“ ہاں بہتری کا فعل ایک بھید ہے جو اللہ تعالیٰ نے قدر میں رکھا ہے لیکن معتزلہ اس اصل سے نہیں دیکھتا۔ کیونکہ وہ علم کلام کے سرمایہ سے یہ بھید معلوم نہیں کر سکتا جس کو اس کے معلوم کرنے کا خبط ہے وہ خبط ہی ہے۔ اس میں رائیں مضطرب ہو جاتی ہیں۔ پس یہ ہے میری

مثال رائے باطل کی۔

اب رہی قیاس کی مثال وہ کسی چیز میں ایک خاص حکم کا اثبات ہے جو اس کے غیر میں پایا جاتا ہے جیسے معتزلہ کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے جب ان سے پوچھا جائے کیوں۔ تو کہتے ہیں کہ وہ فاعل اور صانع ہے اس لئے جسم ہے یہ نتیجہ انھوں نے تمام کاری گروں اور کارکنوں کو دیکھ کر نکالا ہے۔ لیکن یہ قیاس باطل ہے کیونکہ اگر ہم ان سے پوچھیں کہ تم نے یہ کیونکر کہا جو فاعل ہے وہ جسم ہے۔ کیونکہ وہ فاعل ہے وہ قرآن شریف کی ترازوں سے اس کا وزن کرنا نہیں جانتے اس قیاس کی جانچ کی ترازو موازن التعاول میں سے میزان اکبر ہے۔ اور اس سے وزن کرنے کی یہ صورت ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک فاعل جسم ہے اور باری تعالیٰ فاعل ہے اس لئے وہ بھی جسم ہے اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ باری تعالیٰ فاعل ہے لیکن ہم پہلی اصل کو نہیں مانتے جو یہ ہے کہ ہر فاعل جسم ہے یہ تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ ہر فاعل جسم ہے جب یہ سوال کیا جائے تو پھر ان کے لئے استقرار اور قسمت منتشرہ کے سوا اور کوئی سہارا نہیں رہتا اور یہ دونوں ہی صحت نہیں رکھتے۔ استقرار تو اس واسطے کہ اگر وہ کہیں کہ میں نے حجام، درزی، نجار وغیرہ کو دیکھا تو سب کو اجسام پایا اس واسطے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام فاعل جسم ہیں اس وقت اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا تم نے سارے فاعلوں کو دیکھا ہے یا کوئی دیکھنے سے بچ بھی گیا ہے اگر وہ یہ کہیں کہ بعض کو دیکھا ہے تو اس سے کل کے لئے حکم لازم نہیں آتا اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے سب کو دیکھا ہے تو ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں کیونکہ انھیں تمام فاعلوں کا علم نہیں ہو سکتا کیونکہ انھوں نے زمین و آسمان کے فاعل کو نہیں دیکھا بعض کو دیکھا ہے کل لازم نہیں آتا۔ اگر سب کو دیکھا ہے تو کیا سب کو جسم پایا ہے اگر وہ کہیں ہاں تو کہو اچھا۔ جب تم نے اپنے قیاس کے مقدمہ میں پایا تو پھر کیسے اس کو اصل قرار دیا جو اس پر دلالت کرتا ہے ایسی صورت میں نفس وجدان کو ہی دلیل گردانا اور ایسا کرنا غلطی ہے اور ایسی صورت میں تمہاری دیکھ بھال اس شخص کی طرح ہے کہ اونٹ، گھوڑے، ہاتھی کیڑے مکوڑوں اور پرندوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالے کہ تمام حیوان پاؤں سے چلتے ہیں۔ حالاں کہ اس میں سانپ اور رینگنے والے کیڑوں کو دیکھا ہی نہیں۔ یا حیوانات کو جگالی کرتے دیکھ کر کہ وہ نچلے جبرے کو ہلاتے ہیں۔ یہ نتیجہ نکالے کہ تمام حیوان جگالی کے وقت نچلے جبرے کو ہلاتے ہیں لیکن اس نے مگر مجھ کو دیکھا ہی نہیں جو اوپر کے جبرے کو ہلاتا ہے۔ ایسا اس نے اس واسطے کیا کہ وہ اس بات کو جائز قرار دیتا ہے کہ اگر ہزار شخص جنس واحد میں ایک حکم رکھتا ہو اور ایک میں وہ بھی نہ پایا جائے تو جائز ہے اس سے برابر نتیجہ یا یقین رد نہیں ہوتا۔ لیکن یاد رکھو ایسا قیاس قیاس باطل ہے۔ رہا قسمت منتشرہ سے سہارا لینا۔ سو اس کی مثال یہ ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں نے فاعلوں کے اوصاف کی اچھی طرح

چھان بین کی ہے وہ سب اجسام تھے کیونکہ وہ فاعل تھے یا اس واسطے کہ وہ موجود تھے یا اس واسطے کہ وہ یہ تھے وہ وہ تھے۔ پھر خود ہی تمام اجسام کو باطل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ پس اس سے لازم آتا ہے وہ جسم تھے کیونکہ وہ فاعل تھے۔ اور یہی قسمت منتشرہ ہے جس سے شیطان اپنے قیاسوں کا وزن کرتا ہے سو اس کی بطلان کو میں بیان کر چکا ہوں۔

وَلَقَدْ عَلَّمْتُمُ النَّارَ سِرِّيَّ: میرا گمان ہے کہ جب وہ تمام اقسام جن سے ان کی مراد ہوتی ہے باطل ہو چکیں حالانکہ میں دیکھتا ہوں کہ اکثر متکلمین اپنے عقائد میں اس پر وارد رکھتے ہیں وہ رویت باری تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مرئی (دکھائی دینے کے قابل) ہے۔ کیونکہ وہ صاحب سفیدی ہے اس واسطے کہ تاریکی یا سیاہی دیکھی جاتی ہے اور اس کا دیکھا جانا باطل ہے کیونکہ وہ جوہر ہے۔ اس واسطے غرض دکھائی دیتا ہے نہ کہ جوہر اور یہ باطل ہے کہ وہ غرض ہے کیونکہ جوہر دکھائی دیتا ہے۔ جب ساری قسمیں باطل ہو چکیں تو باقی صرف یہ رہ گیا کہ موجود دکھائی دیتا ہے اب میری یہ خواہش ہے کہ آپ اس ترازو کی خرابی مجھے بالتشریح و بالتوضیح سمجھائیں تاکہ اس میں مجھے کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

وَلَقَدْ عَلَّمْتُمُ النَّارَ سِرِّيَّ: اس بارے میں میں ایک سچی مثال بیان کروں گا جو قیاس باطل سے بطور نتیجہ کبھی برآمد نہیں ہو سکتی اور میں اس پر سے پردہ ہٹا دوں گا وہ یہ کہ ہمارا یہ قول کہ عالم حادث ہے بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن قائل کا یہ قول کہ وہ اس واسطے حادث ہے کہ مصور ہے۔ محض اس قیاس پر مبنی ہے کہ گھر اور تمام عمارتیں مصور ہیں لیکن اس کا یہ قول باطل ہے۔ حدوث عالم کے علم کے لئے مفید نہیں پڑتا جب میزان حق سے اس کی جانچ یوں کی جاتی ہے ہر مصور حادث ہے اور عالم مصور ہے اس واسطے وہ حادث ہے اس میں دوسرا اصل تو مسلم ہے لیکن پہلا کہ ہر مصور حادث ہے اس کو فریق ثانی نہیں مانتا ایسے موقع پر وہ استقرا کی اوٹ لیتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں نے بطور نتیجہ یہ بات معلوم کی ہے کیونکہ مصور کو حادث پایا ہے۔ مثلاً گھر، پیالہ، قمیص وغیرہ وغیرہ اس کی خرابی تو تم سمجھ گئے ہو۔ اب وہ اور پہلو بدلتا ہے اور کہتا ہے کہ گھر حادث ہے کیونکہ جب ہم اس کے اوصاف کی چھان بین کرتے ہیں تو اسے ایک جسم پاتے ہیں جو بنفسہ قائم موجود اور مصور ہے۔ اور یہ چار صفات ہیں اس نے اپنی علت کو یہ کہہ کر کہ گھر جسم بنفسہ موجود ہے باطل کر دیا پس ثابت ہوا کہ وہ مصور ہونے کی وجہ سے معلل ہے اور وہ چوتھی ہے پس اسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کئی وجوہات کے سبب باطل ہے ان چار میں سے پہلی کو بیان کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر تین کا بطلان ثابت ہو جائے تو وہ علت ثابت نہیں ہوتی جس کی تجھے طلب ہے۔ شاید حکم معلل بہ علت قاصرہ۔ غیر عامہ ہو اور متعدی نہ ہو۔ مثلاً گھر اگر گھر کا غیر محدث ہونا ثابت بھی ہو جائے تو شاید حکم معلل حقیقت میں اس سے قاصر ہو جو اس کے حادث ہونے کو ظاہر کرتا ہو

کیونکہ ممکن ہے کوئی وصف خاص جو تمام کو جامع ہو رہ گیا ہو اور دوسرے تک نہ پہنچتا ہو اس واسطے کہ وہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس درجہ کوشش کی جائے کہ یہ خیال ہی نہ کیا جاسکے کہ کوئی قسم رہ گئی ہوگی اور جب نفی اور اثبات کے مابین حاضر نہ ہو اور یہ خیال کیا جاسکے کہ شاید اس میں سے کوئی قسم باقی رہ گئی ہے تو حکم ٹھیک اور کلیہ نہیں ہو سکتا حصر بدرجہ غایت کوئی آسان کام نہیں غالب اوقات متکلمین اور فقیرہ اس کا پورا پورا احتیاط نہ کر سکنے کے باعث یہ کہتے ہیں کہ اگر اور کوئی قسم ہے تو اسے ظاہر کر دو۔ اور بسا اوقات فریق ثانی یہی کہتا ہے کہ مجھے اس کے ظاہر کرنے کا الزام نہ دو اس طرح جھگڑا بڑھ جاتا ہے۔ اور بسا اوقات قیاس کنندہ استدلال کے وقت یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی اور قسم ہوتی تو ضرور ہمیں معلوم ہوتی یا تمہیں معلوم ہوتی پس ہماری اس سے ناواقفیت اور قسم کی نفی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ مجلس میں ہاتھی کا نہ دیکھنا اس کی عدم موجودگی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اس بیچارے کو یہ معلوم ہی نہیں کہ گو اس وقت ہم نے ہاتھی کو نہیں دیکھا لیکن اس سے پہلے یا بعد تو کوئی مرتبہ اور کئی اشخاص نے دیکھا ہے اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ہم معانی حاضرہ دیکھے اور اس کے ادراک سے عاجز رہے۔ لیکن مدت بعد خود ہی آگاہ ہو جاتے ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی اور قسم باقی رہ گئی ہو جس کا علم ہمیں اس وقت نہ ہوا ہو۔ اور بسا اوقات عمر بھر میں بھی اس کا علم نہیں ہوتا تیسرے اگر ہم حصر کو تسلیم بھی کر لیں تو تین کے بطلان سے چوتھی کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ بلکہ چار سے جو ترکیب حاصل ہوتی ہے وہ تیس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ احتمال ہو سکتا ہے کہ علت ان چارہ میں سے ایک ہو۔ دو ہوں یا تین ہوں پھر دو یا تین کا بھی تعین نہیں۔ بلکہ یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ علت اس کا موجود ہونا یا جسم ہونا یا موجود اور بنفسہ قائم ہونا یا جسم موجود اور قائم بنفسہ ہو یا موجود اور گھر ہونا ہو یا گھر اور مصور ہو یا گھر اور قائم بنفسہ ہو، یا گھر اور جسم ہو یا جسم اور مصور ہو، یا جسم اور قائم بنفسہ ہو یا جسم اور موجود ہو، یا قائم بنفسہ اور موجود ہو، یہ دو دو کی بعض ترکیبیں ہیں اسی طرح تین تین کی قیاس کر لو۔ واضح رہے کہ احکام بہت سے اثبات کے یکجا جمع ہونے پر موقوف ہوتے ہیں۔ مثلاً چیز صرف اس واسطے دکھائی نہیں دیتی کہ دیکھنے والے کی آنکھیں ہی ہوں۔ بلکہ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ رات نہ ہو بادل نہ گرے ہوئے ہوں، مطلع صاف ہو اور وہ چیز رنگدار ہو وغیرہ وغیرہ اور ان کے علاوہ یہ کہ اس کا وجود ہو۔ آخرت میں رویت ایک الگ بات ہے جو شرائط مذکور ہوئی ہیں وہ دنیا کے لئے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اگر بدرجہ غایت کوشش اور حصر کو مان بھی لیا جائے اور ترکیب کو بھی چھوڑ جائیں تو بھی تین کے بطلان سے چوتھی کے حکم کے تعلق کا اطلاق نہیں ہو سکتا بلکہ ممکن ہے حکم کا انحصار چوتھی پر ہو اور ہو سکتا ہے کہ چوتھی کی دو قسمیں ہوں، جن میں سے صرف ایک سے حکم کا تعلق ہو۔ اور وہی تم نے نہ دیکھی ہو۔

اس کا جسم یا موجود یا قائم بنفسہ یا مصور ہونا مثلاً صورت میں مربعہ یا گول ہو تو تین اقسام باطل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ حکم محض صورت کے متعلق نہیں ہوتا بلکہ بصا اوقات صورت مخصوصہ سے مخصوص ہوتا ہے۔ متکلمین جو اس قسم کے دقائق سے غفلت کرتے ہیں اس کا باعث ان کا خبط اور کثرت نزاع ہے جس سے وہ رائے اور قیاس کے وقت کام لیتے ہیں یہ یقین کو رد کرنے کے لئے مفید نہیں پڑتا۔ بلکہ فقہی ظنی قیاسوں کی درستی کرتا ہے عام لوگوں کے دلوں کو راستی اور درستی کی طرف مائل نہیں کرتا کیونکہ ان کے افکار احتمالات بعیدہ کی طرف نہیں دوڑتے بلکہ ان کے اعتقاد کمزور اسباب تک ہی محدود رہتے ہیں۔ جیسا کہ تم ایک عام شخص کو دیکھتے ہو جسے سردرد ہے۔ اسے ایک اور شخص کہتا ہے کہ عرق گلاب استعمال کرو کیونکہ جب مجھے سردرد تھا تو میں نے اسے استعمال کیا تھا اور مجھے فائدہ ہوا تھا۔ چونکہ تمہیں بھی سردرد ہے اس لئے تمہیں بھی فائدہ دے گا۔ مریض کا دل مائل ہو جاتا ہے کہ میں بھی عرق گلاب استعمال کروں گا لیکن وہ یہ نہیں پوچھتا کہ پہلے تو یہ ثابت کرو۔ کہ عرق گلاب ہر قسم کے درد سر کو مفید ہے۔ خواہ وہ سردی سے ہو یا گرمی سے یا معدہ کے انجرہ سے۔ کیونکہ سردرد کی بہت سے قسمیں ہیں اور یہ بھی ثابت کرو کہ میرا درد سر تمہارے درد سر کی طرح ہے اور میرا مزاج تمہارے مزاج کی طرح ہے، اور میری عمر، میری صحت اور احوال تجھ جیسے ہیں۔ اور یہ تمام باتیں ضرور مختلف ہوتی ہیں اس لئے ان سب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا علاج بھی مختلف ہوتا ہے اس قسم کی تحقیق سے کام لینا نہ عوام کا خاص ہے اور نہ متکلمین کا کیونکہ ان کو اول تو اس قسم کا شوق ہی نہیں ہوتا اور اگر برخلاف عوام کے متکلمین کو ہوتا ہے ہی تو یقین کو رد کرنے کے خاطر مفید راہ کی طرف آتے ہیں نہیں۔ کیونکہ ہدایت کی طرف آنا صرف ان لوگوں کا خاصہ ہے جنہیں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے یہ راہ ہاتھ آئی ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نور الہی سے قرآن شریف کی روشنی کی طرف آ کر اس سے میزان بالقسط اور قسط اس المستقیم اخذ کی ہیں۔ اور ایسا کرنے سے وہ منصف مزاج ہو گئے ہیں

رفیقہ:۔ آپ کے کلام سے مجھے حق کی راہ اور اس کے مواقع خواب واضح ہو گئے ہیں کیا آپ اب اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کی پیروی اس واسطے کروں آپ مجھے وہ سکھائیں۔ جو آپ کو (علم لدنی) سکھایا گیا ہے۔

رفیقہ:۔ آہ! تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے۔ اور ایسی بات پر کیسے صبر کر سکو گے جو تمہارے احاطہ واقفیت سے باہر ہے۔

رفیقہ:۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

رفیقہ:۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں اس وعظ و نصیحت کو بھول گیا ہوں جو تمہیں

تمہارے رفیقوں اور تمہاری والدہ نے کی تھی۔ اور جس پر تم پر لے درجے کے کار بند ہو جس شخص میں تقلید کی رگ پختہ ہو وہ میری ہم نشینی کے لائق نہیں۔ اس لئے نہ تم میری ہم نشینی کے لائق ہو نہ میں تمہاری کے۔ مجھ سے دور ہو جاؤ بس اب سے تم میں اور مجھ میں جدائی ہے کیونکہ میں تمہیں سدھاروں یا اپنے نفس کو۔ اور تمہاری تعلیم کا خیال رکھوں یا قرآن کی تعلیم کا آئندہ نہ تم نے مجھے دیکھنا نہ میں تمہیں دیکھوں گا اس اصلاح فاسد اور ٹھنڈہ لوہا کوٹنے سے بچنے کے وقت کو زیادہ ضائع نہ کرنا۔ میں نے تمہیں نصیحت کی ہے لیکن ناصح نگاہ محبت سے نہیں دیکھے جاتے۔

والحمد لله رب العالمین والسلام علی

محمد نبینا سید المرسلین۔

بھائیو! میں نے اپنا اور اپنے رفیق کا قصہ جیسا روکھا پھیکا مجھ سے ہو سکا تمہیں سنایا تاکہ پڑھائیں نے تم پر یہ سارا، تاکہ حاصل کرو تم اس سے عجیب بات اور ان محادثات کو اپنی ذہانت سے ثابت کرنے میں فائدہ اٹھاؤ۔ کیونکہ یہی مذہب تعلیم کا سب سے بڑا کام ہے۔ اس سے میری یہ غرض نہ تھی۔

مخلصوں سے میری التماس ہے کہ اسے مطالعہ کرتے وقت میری معذرت کو قبول فرمائیں گے کیونکہ میں نے اپنے مذاہب میں عقد و تحلیل کو پسند کیا۔ ناموں میں تغیر و تبدیل کیا ہے۔ اور معانی میں تخیل و تمثیل سے کام لیا ہے۔ لیکن ایسا کرنے میں میری ایک خاص غرض صحیح تھی اور یہ بھید تھا جو اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔ اب تمہیں لازم ہے کہ اس نظام کو نہ بدلو۔ اور ان معنوں کو اس لباس سے نہ نکالو میں نے تمہیں سکھا دیا ہے کہ منقول کی سند دے کر معقول کو کیونکر وزن کیا جاتا ہے۔ تاکہ قول کو طبیعتیں جلدی قبول کر لیں اور اس بات کا خیال رکھنا کہ کبھی بھی منقول کو اصل قرار نہ دینا کیونکہ یہ تابع اور ردیف ہے۔ اور ایسا کرنا امر شنیع ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم امر شنیع کو چھوڑ دو۔ اور مجادلہ بالاحسن استعمال کرو۔ خبردار اس امر کی مخالفت نہ کرنا اگر ایسا کرو گے تو خود بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور اوروں کو بھی کرو گے۔ خود بھی گمراہ ہو گے اوروں کو بھی کرو گے میری نصیحت تمہیں کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ جبکہ حق گم ہو گیا ہے اور سرچشمہ سوکھ گیا ہے برائی پھیل گئی ہے اور شہروں میں مضحکہ بن گئی ہے۔ عام لوگوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے اور نبی ﷺ کی تعلیمات کو ملیا میٹ کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ساری باتیں جاہلوں کے قصور کی وجہ سے ہوئی ہیں کیونکہ دراصل وہ کچھ بھی نہیں لیکن وہ عارفوں کے منصب اور دین کی مدد کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بہت سے جاہل لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ اہل ہدایت کو اچھی طرح جانتا ہے اور تصرف دین کے بارہ میں ان کا دعویٰ ہے کہ ہمارا منصب عارفین کا ہے۔

نسخہ بالخیر

حجۃ الاسلام امام محمد الغزالیؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، آپ وقت کے امام و پیشوا تھے، لوگ آپ کی اتباع اور آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ علامہ اسماعیل حضرمی یمنی نے امام غزالیؒ کو سید المصنفین قرار دیا ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنی عمر تصنیف، تالیف، درس و تدریس اور طالبانِ حق و سالکانِ طریقت کی تربیت میں گزاری، تمام تر مصروفیات کے باوجود آپ نے بہت سی یادگار تصانیف چھوڑی ہیں ان میں کچھ کتابیں ایسی بھی ہیں جن کا اردو میں ترجمہ ہوا۔ جن میں بالخصوص احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کا ترجمہ (اکسیر ہدایت) ہے۔

لیکن کچھ تراجم حالات کی وجہ سے ناپید ہوتے جا رہے تھے، ضرورت تھی کہ امام غزالیؒ کے ان جواہر پاروں کو محفوظ کر کے یکجا جمع کر دیا جائے جن کی تلاش میں علماء، طلباء اور سالکین پھرتے ہیں۔

زیر نظر ۶۱ رسائل بنام ”مجموعہ رسائل امام غزالیؒ“ سے اس کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

www.darulishaat.com.pk

E-mail : sales@darulishaat.com.pk
ishaat@cyber.net.pk
ishaat@pk.netsolir.com



DIU-04207